اردو زبان میں پہلی بار جنگ صفّین اور نہروان سے متعلق مروی روایات کا تحقیقی جائزہ

صحیح اخبارِ صفّین و نہروان

تالیف ڈاکٹر فواز بن فرحان الشمری حفظہ اللہ



جلد دوم

مراجعت وتقدیم

محدث العصر علامہ عبداللہ بن عبدالرحمن السعد حفظہ اللہ

فضیلۃ الاستاذ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری حفظہ اللہ فضیلۃ الاستاذ ڈاکٹر خالد الغیث حفظہ اللہ

دار ابی الطیب
للبحث والتحقیق

کتاب

صحیح اخبارِ صفّین و نہروان

تالیف

ڈاکٹر فواز بن فرحان الشمری

ترجمہ

ابو معاویہ سلفی ابو حذیفہ عزیزی

نظرثانی: **حافظ عبداللہ صدیق**

مراجعت وتقدیم

محدث العصر علامہ عبداللہ بن عبدالرحمن السعد

فضیلۃ الاستاذ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری فضیلۃ الاستاذ ڈاکٹر خالد الغیث

اشاعت ________ جون 2026ء

ناشر

دار ابی الطیب للبحث والتحقیق

Street no: 5, Hameed Colony, Gill Road, Gujranwala
+92-340-6671335 darabitayyab1@gmail.com
fb/darabitayyab www.darabitayyab.com

فہرست

چوتھی فصل: اجتماعِ حکمین رضی اللہ عنہما

پانچویں فصل: خوارج



چوتھی فصل:

اجتماعِ حکمین رضی اللہ عنہما

اس میں نو مباحث بیان ہوئے ہیں:

پہلی بحث: حکمین رضی اللہ عنہما کے جمع ہونے کی تاریخ اور اجتماعِ حکمین رضی اللہ عنہما۔ (اس کے دو ذیلی عنوان ہیں)

دوسری بحث: حکمین رضی اللہ عنہما کا اس مقام کی طرف جانا جس مقام پر ملاقات طے ہوئی تھی۔

تیسری بحث: امام دارقطنی اور قاضی اسماعیل بن اسحاق کی روایات کی روشنی میں تحکیم کا حادثہ اور اس کے نتائج۔ (اس کے پانچ ذیلی عنوان ہیں)

چوتھی بحث: واقعات، جو حکمین رضی اللہ عنہما کے مابین رونما ہوئے۔ (اس کے سات ذیلی عنوان ہیں)

پانچویں بحث: تحکیم کے بعد حکمین رضی اللہ عنہما اور ان کے متبعین کا دومۃ الجندل سے لوٹنا۔

چھٹی بحث: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلافت کا زیادہ حق دار کون تھا، نیز سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ اثر علاقوں پر حملے (اس میں پانچ ذیلی عنوان ہیں)

ساتویں بحث: حکمین رضی اللہ عنہما کی علاحدگی اور واقعۂ نہروان کے بعد عراقی لوگوں میں پیدا ہونے والا خوف و ہراس اور نہروان۔

آٹھویں بحث: عراقی لشکر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عناد کا قصہ۔

نویں بحث: شرطۃ الخمیس نامی فوج کی ابتداء، اس کے اوصاف اور اس کے مقاصد۔

پہلی بحث:

حکمین رضی اللہ عنہما کا مقامِ اجتماع اور اس کی تاریخ

① حکمین رضی اللہ عنہما کس تاریخ کو جمع ہوئے

صفین میں جنگ رک جانے کے بعد ۱۳/صفر ۳۷ھ کو بدھ والے دن اس بات پر صلح نامہ لکھا گیا کہ فریقین اس سال رمضان میں ملاقات کریں گے۔[1]

اجتماع میں تاخیر کا مقصد یہ تھا کہ لوگ پرسکون ہو جائیں اور جنگ تھم جائے۔

② حکمین رضی اللہ عنہما کی جائے ملاقات

حکمین کے مقامِ اجتماع کے حوالے سے مورخین کا دو قوی اقوال پر اختلاف ہے:

1 دونوں کا اجتماع دومۃ الجندل[2] میں ہوا۔ اس کے دلائل یہ ہیں:

(ا) بلاذری نافع سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: ''جب دومۃ الجندل پر حکمین رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ....''[3]

(ب) اسی طرح ابن سعد اور طبرانی نے عوام بن حوشب کے واسطے سے ''حبيب بن أبي ثابت، عن ابن عمر'' کی سند سے نقل کیا ہے: ''جب سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کا دومۃ الجندل کے مقام پر ملاقات کے وقت کا تعین ہوا۔''[4]

(ج) ایک اور مقبول روایت جس کو بلاذری نے روایت کیا ہے: ''وہ دومۃ الجندل میں فروکش ہوئے ....''[5]

---

① یہ کامل قصہ ''وثيقة التحكيم'' کی نص میں اور امام طبری کے قول میں وارد ہوا ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۳۸۷] اور طبری کا قول [رقم: ۳۸۸]

② اس کی تعریف [رقم: ۳۸۸] پر گزر چکی ہے۔

③ اس کی سند درست ہے۔ یہ بات [رقم: ۱۸۲] پر گزر چکی اور عنقریب اس کا تکرار [رقم: ۴۲۵] پر بھی آئے گا۔

④ یہ روایت درست ہے اور عنقریب دو روایات [رقم: ۴۲۸، ۴۲۹] پر بھی آ رہی ہیں۔

⑤ دیکھیے: [رقم: ۴۰۵]

انہی سے روایت ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق سے ۴۰۰ کا لشکر لے کر دومۃ الجندل میں گئے تھے۔[1]

(د) امام طبری کا کہنا ہے کہ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کی ملاقات رمضان میں دومۃ الجندل مقام پر ہونا طے پائی۔[2]

[2] ان کی ملاقات اذرح[3] کے مقام پر ہوئی۔ اس کی دلیل یہ ہے:

بلاذری نے نافع سے نقل کیا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کی جائے ملاقات پر پہنچے، جو اذرح کے مقام پر تحکیم کے لیے ہوئی تھی ....۔[4]

نیز "وثيقة التحكيم" میں ہے: ''حکمین نے اذرح مقام پر ایک دوسرے سے ملاقات طے کی۔''[5]

باہم تطبیق:

مقامِ اذرح دومۃ الجندل کے مغرب میں واقع ہے اور دومۃ الجندل ایک مشہور قلعہ ہونے کے باوجود عین ممکن ہے کہ اس کا اطلاق ایک بڑے خطے پر ہوتا ہو جو مغرب تک پھیلا ہوا ہو جس کی حدود مقامِ اذرح تک ہوں، اس بنا پر اذرح پھر دومۃ الجندل کا حصہ ہی کہلائے گا، اس کے دلائل یہ ہیں:

[1] امام طبری، ابو مخنف سے بیان کرتے ہیں کہ مجھے مجالد بن سعید نے امام شعبی سے، انھوں نے زیاد بن نضر حارثی سے بیان کیا کہ ''ان کی ملاقات دومۃ الجندل کے علاقے میں اذرح کے مقام پر ہوئی۔''[6]

[2] امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی ملاقات دومۃ الجندل کے علاقے میں اذرح کے مقام پر ہوئی جو شام اور کوفہ کا درمیانی علاقہ ہے، ہر دو شہروں کے درمیان نو مراحل کا سفر ہے۔[7]

[3] ابن عساکر نے عرار بن فروہ کوفی کے تعارف میں کہا ہے: ''وہ دومۃ الجندل کے ایک گوشے اذرح کے مقام پر تحکیم میں حاضر ہوئے۔''[8]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۰۶] یہ روایت بھی مقبول درجے کی ہے۔

[2] امام طبری کا قول دیکھیے: [رقم: ۳۸۸] یہ روایت بھی اپنے قرائن کی بدولت مقبول درجے کی ہے۔

[3] اس کی تعریف [رقم: ۳۸۷] پر گزر چکی ہے۔

[4] اس کی سند صحیح ہے اور عنقریب اس کا بیان [رقم: ۴۲۷] پر آئے گا۔

[5] دیکھیے: [رقم: ۳۸۷] یہ خبر اپنے قرائن کی بنا پر مقبول ہے۔

[6] تاريخ الطبري (۱۱۱/۳) اس کی سند ضعیف ہے اور زیاد بن نضر کا تعارف [رقم: ۳۲۶] پر گزر چکا۔

[7] البداية والنهاية (۳۱۳/۷) [8] تاريخ دمشق (۱۶۳/۴۰)

اسی طرح قبیصہ بن زید کے تعارف میں کہا ہے: ''انھیں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے دومۃ الجندل کے علاقے اذرح سے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی جانب بھیجا۔''[1]

[4] خلیفہ بن خیاط لکھتے ہیں: دونوں رمضان المبارک میں دومۃ الجندل کے مقام پر اکٹھے ہوئے، اور ایک قول کے مطابق: اذرح کے مقام پر اکٹھے ہوئے جو دومۃ الجندل کا ہی حصہ ہے۔[2]

مورخ یاقوت حموی اور عاتق حربی نے اذرح کے مقام پر اجتماع والے قول کو راجح قرار دیا ہے[3] اور یاقوت حموی نے اس پر کئی اشعار سے استدلال کیا ہے۔

البتہ اس بات کا احتمال بھی موجود ہے کہ پہلے پہل دونوں حضرات دومۃ الجندل کے مقام پر ملاقات کے لیے متفق ہوئے ہوں، مگر بعد میں اس پلان کو تبدیل کر کے اذرح کے مقام پر لے گئے ہوں۔ یہ احتمال کمزور درجے کا ہے جس کا گذشتہ تاریخی حوالوں میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

اس سلسلے کے کچھ ایسے اقوال، جن کی اسانید ضعیف ہیں:

[402] طبری کی روایت میں ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے عبد اللہ بن احمد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے سلیمان نے یونس بن یزید سے بیان کیا، وہ امام زہری سے بیان کرتے ہیں کہ ''انھوں نے طے کیا کہ وہ دومۃ الجندل کے مقام پر جمع ہوں گے اور اگر وہاں نہ ہو سکے تو آئندہ برس اذرح کے مقام پر ملیں گے۔''[4]

[403] بلاذری کہتے ہیں کہ مجھے احمد بن ابراہیم دورقی نے بیان کیا، وہ وہب سے، وہ ابن جعدبہ سے، وہ صالح بن کیسان سے بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ اپنے شہروں کی طرف لوٹ گئے اور جنگِ صفین کے سال کا باقی ماندہ حصہ گزر گیا تو ۳۶ھ یا ۳۷ھ کو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے لشکروں سے کچھ منتخب لوگوں کے ساتھ نکلے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قاضی یا (راوی کو شک ہے) خلیفہ تھے، دونوں حضرات تدمر نامی مقام پر خیمہ زن ہوئے، یہاں ایک مہینے تک

---

[1] تاریخ دمشق(٤٩/٢٦٤)

[2] تاریخ خلیفة (ص: ١٩٢)، اور اسی طریق سے ابن عساکر (٢٣/ ٦٧)، (٤٣/ ١٥٥)

[3] معجم البلدان (١/ ١٣٠) (٢/ ١١٨)، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية (ص: ٢١)

[4] تاريخ الطبري (٣/ ١٠٥) اس کی سند مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔ عنقریب اس کے رجال کا بیان ''خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة'' [رقم: ١٥] میں آئے گا۔

فریقین کے مابین خط کتابت کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ اگلا سال شروع ہو گیا۔ پھر دونوں گروہ تدمر سے دومۃ الجندل کی طرف چلے گئے اور وہاں ایک ماہ قیام کیا۔ بعد ازاں دونوں نے دومۃ الجندل سے اذرح کی جانب رختِ سفر باندھا۔[1]

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوئے ہیں، پہلے پہل صفین میں تھے، پھر تدمر چلے گئے، پھر دومۃ الجندل اور اس کے بعد اذرح کی جانب رختِ سفر باندھا۔



[1] أنساب الأشراف (۲/۳٤۳) اس کی سند مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔ صالح بن کیسان کا کچھ اتا پتا نہیں۔ اس کے رجال ابن جعدبہ کے علاوہ ثقات ہیں۔ ابن جعدبہ کا بیان [رقم: ۱۰۷] پر گزر چکا ہے۔

دوسری بحث:

حکمین رضی اللہ عنہما کا طے شدہ مقام کی طرف رختِ سفر

[**404**] بلاذری ابومخنف سے نقل کرتے ہیں کہ مذکورہ خط کتابت ماہِ صفر میں جمعہ کے دن ہوئی،[1] حکمین رضی اللہ عنہما کے اجتماع اور خط کتابت کے درمیان آٹھ ماہ کا وقفہ رہا، پھر لوگوں نے اپنے مقتولین کو دفنایا اور فریقین نے اپنے اپنے قیدی رہا کر دیے، فیصلے کے دو دن بعد سب چلے گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اسی راستے پر جس سے وہ آئے تھے، ہیت یا صندوداء کی طرف چلے گئے، پھر ماہِ ربیع الاول ۳۷ھ میں کوفہ چلے گئے۔[2]

[**405**] بلاذری نے نقل کیا ہے کہ ہمیں علی بن محمد مدائنی نے بیان کیا، وہ محمد بن صالح سے، وہ محمد بن سائب کلبی سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنگِ صفین سے لوٹ کر ربیع الاول کے آخری عشرے میں کوفہ آئے۔[3] وہاں آپ نے چھے ماہ قیام کیا۔ لوگوں سے مال وصول کیا، عاملین کا تقرر کیا، ان کے معاملات سلجھائے۔ خوارج تحکیم کے انکار پر قائم تھے۔ اسی دوران میں خوارج میں سے معن بن یزید سلمی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے حقوق پورے کیے ہیں، لہٰذا آپ بھی ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے انصاف کیجیے گا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سمیت ۴۰۰ لوگوں کو روانہ کر دیا، ان کے ساتھ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما لوگوں کی امامت کرواتے اور ان کے معاملات سلجھاتے۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ چوں کہ حکم تھے، سو آپ دومۃ الجندل چلے گئے۔ وہاں ان کے پاس سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، عبدالرحمٰن بن اسود زہری رضی اللہ عنہ عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی رضی اللہ عنہ، ابوجہم بن حذیفہ عدوی رضی اللہ عنہ، اور

---

[1] "وثيقة التحكيم" میں آیا ہے: یہ صلح نامہ ۱۷/صفر بروز بدھ ۳۷ھ کو لکھا گیا۔ دیکھیے: [رقم: ۳۸۷]

[2] أنساب الأشراف (۳۳۷/۲) یہ روایت مقبول درجے کی ہے۔ اس روایت کے ابتدائی اور آخری حصے کے شواہد ہیں اور بقیہ روایت اپنے قرائن کی بدولت درست ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ کتابت بروز جمعہ ہوئی۔ عنقریب اس کا بیان [رقم: ۴۶۲] پر اس روایت کے شواہد اور اس کے دیگر روایات کے تسلسل کے ساتھ آئے گا۔ وہاں ہیت اور صندوداء کی بابت بھی بیان آئے گا۔

[3] یعنی ۲۰/۰۳/۳۷ھ میں۔

مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، جو پہلے پہل اس سارے معاملے سے الگ تھے۔ درست قول کے مطابق ان میں سیدنا سعد حاضر نہیں ہوئے تھے، ان کے بیٹے عمر نے چاہا تو تھا کہ وہ تشریف لائیں، لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا۔[1]

[**405**] بلاذری روایت لائے ہیں کہ مدائنی بیان کرتے ہیں ابو الفضل تنوخی سے، وہ ان سے بیان کرتے ہیں جنھوں نے میمون بن مہران سے سنا، وہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: جب ۳۷ھ کو ماہِ رمضان کا چاند نظر آیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق سے ۴۰۰ لوگوں کو لے کر دومۃ الجندل پہنچے اور یزید بن حر عبسی کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جانب قاصد بنا کر روانہ کیا کہ وہ جا کر علی رضی اللہ عنہ کو ان کے دومۃ الجندل میں پڑاؤ کے بارے میں خبردار کرے اور انھیں وعدہ وفا کرنے کا کہے، وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھیں وہاں حاضر ہونے پر ابھارنے لگا، کہنے لگا: آپ کی وہاں موجودگی خیر کا باعث ہے، نیز جنگ بندی اور بغض و عداوت ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس پر علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن حر! میں ان لوگوں سے نمٹ کر رہوں گا۔[2] اگر میں نے انھیں چھوڑ دیا اور ان کے پاس نہ ہوا تو اس شہر میں فتنہ ان کے اور اہلِ شام کے مابین جنگ سے بھی بدتر ہوگا،[3] البتہ میں سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا قاصد بنا کر روانہ کر رہا ہوں۔ یقیناً لوگ ان پر راضی ہیں، نیز اپنا قائم مقام سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بنا رہا ہوں، اور میں خود حکمین کے اجتماع سے بے خبر نہیں رہوں گا،[4] چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ سے اور سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو کسی گاؤں سے بلوا لیا، اور انھیں گھڑ سواروں کے ساتھ بھجوا دیا، جب کہ خود وہیں پر مقیم رہے۔[5] [6]

---

[1] أنساب الأشراف (۲/۳۴۵-۳۴٦) یہ روایت مقبول ہے اور اس کا بعض حصہ اس کے شواہد کی بنا پر صحیح درجے کا ہے۔ یہ سند ضعیف ہے۔ عنقریب اس کا بیان [رقم: ۴٦۳] پر اس روایت کے شواہد اور دیگر روایات کے ساتھ اس کے تسلسل کے ساتھ آئے گا اور وہاں پر معن بن یزید کا بیان بھی آئے گا کہ وہ کون تھا۔

[2] آپ کا ہدف خوارج تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی نگرانی کر کے اور ان کی حرکات و سکنات کی نگہداشت کر کے ان کے لیے حملہ کرنے کو مشکل بنا دیا۔

[3] یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ معرکۂ صفین کو فتنہ پروری کی جنگ خیال کرتے تھے۔ آپ کا یہ قول: ''ان کے اور اہلِ شام کے مابین جنگ ہوگی'' اس سے مراد جنگِ صفین تھی۔

[4] یعنی عنقریب کارندے مجھے حکمین کے اجتماع کی خبریں باہم پہنچاتے رہیں گے اور مجھ سے کچھ بھی چھپا نہ رہے گا۔

[5] یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں ہی مقیم رہے اور آپ حکمین کے اجتماع میں شریک نہیں ہوئے۔

[6] أنساب الأشراف (۲/۳۴۵-۳۴٦) یہ روایت مقبول درجے کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ عنقریب [رقم: ۴٦۴] پر یہ روایت اپنے شواہد اور دیگر روایات کے تسلسل کے ساتھ آئے گی اور وہاں یزید بن حر عبسی کا بیان بھی آئے گا۔

یہ دونوں روایات اس بات پر دلیل ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خوارج کے خطرے کے پیشِ نظر حکمین رضی اللہ عنہما کے اجتماع میں شریک نہیں ہوئے۔

اس سلسلے کی دو غیر صائب روایات:

[**407**] بلاذری بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابوخیثمہ زہیر بن حرب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں میرے والد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن ابی یعقوب کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم بنا کر بھیجنے کا فیصلہ صادر کیا تو احنف بن قیس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ایک بادہ نشین، کمزور دھار والے اور کمزور فہم انسان کو بھجوا رہے ہیں۔ ایسا کریں کہ ان کی جگہ مجھے بھجوا دیں، میں آپ کو اعتماد میں لیتا ہوں کہ اس معاملے میں آپ کے مقام و مرتبے کو از حد پیشِ نظر رکھوں گا۔ اس پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے احنف بن قیس سے کہا: احنف! ہمیں تنہا چھوڑ دیجیے، ہم اس معاملے کو آپ سے بہتر جانتے ہیں۔[1]

[**408**] بلاذری کی روایت ہے کہ مدائنی عیسیٰ بن عبدالرحمان سے بیان کرتے ہیں، وہ ابو اسحاق سے، وہ علقمہ بن قیس سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ حکمین سے کروا رہے ہیں؟ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اور کیا کروں؟ میں تو خود مظلوم ہوں۔[2]

---

[1] أنساب الأشراف (٣٣٠/٢) اس کی سند منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہے اور اس کے متن میں محمد نامی شخص سے مراد: ابن عبداللہ بن ابو یعقوب تمیمی ضبی بصری ہے جو منکر راوی ہے اور کبھی اس کے دادا کا نسب بھی بیان کیا جاتا ہے۔ امام شعبہ فرماتے ہیں کہ یہ بنوتمیم کا سردار تھا۔ امام ذہبی نے ''وفیات'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے (۱۲۰ھ - ۱۳۰ھ) امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی ہے۔ دیکھیے: تاریخ الإسلام (٢١٩/٨)، التقریب (٦٠٥٥)
یہ روایت عدمِ شواہد کی بنا پر مقبول درجے تک نہیں پہنچتی۔ نیز یہ روایت اپنے قرائن کے ساتھ بھی مقبول کی حد کو نہیں پہنچتی، کیونکہ اصل واقعہ درست نہیں (وہ احنف کا اعتراض ہے) اور کتبِ تاریخ میں یہ روایت مستفیض درجے کی بھی نہیں ہے۔ سب سے اہم معاملہ اس روایت کا منکر ہونا ہے۔
تخریج: نصر بن مزاحم نے اس کو اپنی کتاب وقعة صفين (ص: ٥٠١) میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔
یہ قصہ امام ابن قتیبہ کی کتاب غريب الحديث (٢/ ٥٣٥)، الفائق في غريب الحديث والأثر (٢٤٥/٢)، النهاية في غريب الحديث (٤٧٤/٢)، الكامل في التاريخ (١٩٤/٣)، امام نویری کی کتاب نهاية الأدب في فنون الأدب (١٤٩/٢٠) اور امام فتنی کی کتاب مجمع بحار الأنوار (٢١٩/٣) میں مذکور ہے۔

[2] أنساب الأشراف (٣٣٧/٢) اس کی سند منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف اور اس کا متن شدید منکر ہے۔ یہاں پر بلاذری کی مدائنی سے روایت معلق ہے۔ یہ کسی کتاب سے منقول ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

←

امیر المومنین! مظلوم؟ مگر کن سے؟ اپنے متبعین سے؟ آپ کی اس سے بڑی گستاخی کیا ہوسکتی ہے؟

← عیسیٰ بن عبدالرحمٰن سے مراد ابوسلمہ سلمی بجلی کوفی ہے۔ یہ ثقہ راوی ہے۔ (التقريب: ٥٣٠٨)

اس روایت میں ابو اسحاق سے مراد: السبیعی ہیں جو کثیر الروایہ ثقہ راوی ہیں اور عابد تھے۔ آخر عمر میں مختلط ہو گئے تھے، یہ مدلس ہیں اور علقمہ سے سماع نہیں کیا۔

امام ابن مدینی فرماتے ہیں: یہ علقمہ سے نہیں ملے اور امام البردیجی کہتے ہیں کہ ابو اسحاق نے علقمہ سے ایک حرف کا بھی سماع نہیں کیا۔ (جامع التحصيل: ٥٧٦)

امام دارقطنی فرماتے ہیں: ابو اسحاق نے علقمہ سے کچھ بھی نہیں سنا۔ (علل الدارقطني: ٣١٢/٥، رقم: ٩٠٤)

امام بیہقی فرماتے ہیں: ابو اسحاق سبیعی کا علقمہ سے روایت کرنا منقطع ہے، کیونکہ ابو اسحاق نے علقمہ کو دیکھا ہے مگر ان سے کچھ سماع نہیں کیا۔ (السنن الكبرىٰ: ١٦١٦١)

اس کے شواہد:

امام نسائی نے (السنن الكبرىٰ: ٨٥٢٣) میں سیدنا علقمہ بن قیس کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ اپنے اور جگر چبانے والی کے بیٹے کے درمیان حکم مقرر کریں گے؟ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں حدیبیہ کے دن اللہ کے رسول کا کاتب تھا۔ آپ نے لکھا: یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سہیل بن عمرو نے مصالحت کی، تو سہیل کہنے لگا کہ اگر ہمیں علم ہو کہ وہ اللہ کے رسول ہیں تو ہم اس سے لڑائی ہی نہ کریں۔ آپ اس کو مٹا دو۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! وہ اللہ کے رسول ہیں۔ تیری ناک خاک آلود ہو، اللہ کی قسم میں اسے نہیں مٹاؤں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: مجھے وہ جگہ دکھاؤ۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دکھائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مٹا ڈالا، اور فرمایا: خبردار، اے علی! تیرے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گا، عنقریب تو مجبور ولاچار ہو کر ایسا کرے گا۔ اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ محمد بن اسحاق نے تدلیس کی ہے اور اس قصے کے آخر میں یہ زیادتی محض ابن اسحاق کے طریق سے ہی وارد ہے۔

یہ قصہ امام طبری نے اپنی التاریخ (١٢٢/٢) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں ابن حمید نے سلمہ اور انھوں نے محمد بن اسحاق، انھوں نے بریدہ بن سفیان بن فروہ اسلمی، انھوں نے محمد بن کعب قرظی کے واسطے سے بیان کیا: اس میں یہ الفاظ نہ تھے کہ اے علی! تو مجبور ہو کر ایسا کرے گا۔ ابن اسحاق مدلس راوی ہے اس نے بریدہ سے تدلیس کی ہے، پہلی سند میں اس نے بریدہ کو گرا دیا، دوسری میں اس سے سماع کی تشریح کیے بغیر اس کا تذکرہ کیا ہے۔ نیز بریدہ قوی راوی نہیں ہے، اس میں رفض ہے۔ (التقريب: ٦٦١)

جیسا کہ ابن اسحاق تک پہنچنے والی دونوں سندیں بھی ضعیف ہیں، عمرو بن ہاشم جنبی لین الحدیث ہے، امام ابن حبان نے اس کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کی ہے (التقريب: ٥٠١٢٦) اور محمد بن حمید رازی کمزور درجے کے حافظ ہیں۔ امام ابن معین اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔ (التقريب: ٥٨٣٤)

ضعیف روایات امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی توہین کرتی ہیں، جب کہ ان میں یہ بیان ہوتا ہے:

''آپ نہ تو صلح پر راضی تھے اور نہ ہی سیدنا ابو موسی رضی اللہ عنہ کو حکم بنانے پر راضی تھے مگر آپ کے متبعین نے آپ کو مجبور کر دیا تھا۔''

اللہ کی پناہ اس بات سے کہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ کو ایک ایسے کام پر مجبور کر دیں جو وہ چاہتے ہی نہ ہوں۔ گذشتہ صفحات میں محمد امحزون کا قول گزر چکا ہے کہ یہ سب تاریخ کے جھوٹ ہیں جو شیعہ اخباریوں نے گھڑ لیے ہیں، جنھیں اس بات سے تکلیف تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کے ساتھ نرمی کا معاملہ ظاہر کیا اور ان کے مقلد دشمنوں کی موجودگی میں بھی ان سے صلح کی طرف راغب ہوئے۔[1]



[1] دیکھیے: [رقم: ۳۹۲]

تیسری بحث:

امام دارقطنی اور قاضی اسحاق کی روایت کے مطابق ثالثی کا واقعہ اور اس کے نتائج

کچھ ایسی روایات ملتی ہیں، جن میں حکمین کے درمیان رونما ہونے والے واقعات کے انتہائی لمحات کی تفاصیل بیان ہوئی ہیں، ان روایات میں کچھ ایسے نقاط کا ذکر ہوا ہے جن پر حکمین کا اتفاق ہو گیا تھا، نیز وہ روایات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے متعلق مشہور قصوں کی تردید کرتی ہیں۔ یہ روایات امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں اور اسماعیل بن اسحاق قاضی[1] نے "النوادر والأخبار" میں ذکر کی ہیں، جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں ہے۔

① راوی کے وہم میں قول نقل کرنا

امام دارقطنی اور قاضی اسماعیل کی روایات میں باہم دو قصے گڈ مڈ ہو گئے ہیں، نیز بہت سی تصحیفات بھی ہوئی ہیں اور "تاریخ دمشق" میں ایک مقام پر روایت میں سقط بھی ملتا ہے۔

روایات کے گڈ مڈ ہونے کی تفصیل:

پہلا قصہ جس کا تعلق سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ولایتِ مصر سے معزول کرنے سے ہے۔ مذکورہ حادثہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں افتراقِ حکمین کے قریباً دو برس بعد پیش آیا جس پر ابن قتیبہ، واقدی اور بلاذری کی مندرجہ ذیل روایات دلالت کر رہی ہیں:

---

[1] اسماعیل بن اسحاق بن اسماعیل بن محدثِ بصرہ، امام ذہبی لکھتے ہیں: حماد بن زید بن درہم ازدی، ابو اسحاق کلی، مالکی، بصری، امام، علامہ، حافظ، شیخ الاسلام، قاضی بغداد اور کئی کتب کے مصنف ہیں۔ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: یہ ثقہ وصدوق راوی تھے۔ امام مسلمہ اور خلیلی نے اس کی توثیق کی ہے، خطیب بغدادی کہتے ہیں: آپ عالم و فاضل، ماہر اور فقیہ تھے۔ دیکھیے: الجرح والتعديل (٢/١٥٨)، الثقات (٨/١٠٥)، الإرشاد للخليلي (٢/٦٠٧)، تاريخ بغداد (٦/٢٨١)، سير أعلام النبلاء (١٣/٣٣٩)

ابن قتیبہ دینوری نے اس قصے کو اپنی صحیح صورت میں ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہے:

[**409**] ابن قتیبہ دینوری لکھتے ہیں: سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو ان سے نالاں تھے۔[1] تو معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:[2] دودھ روک کر رکھنے والی اونٹنی سے دوہنے والا جب نرمی کرتا ہے تو وہ پورا دودھ دیتی ہے، تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے

---

① یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہاں آئے اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ناراض تھے، کیوں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو ولایتِ مصر سے معزول کر دیا تھا۔

② درست رائے کے مطابق یہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

بعض کتب میں یہ بھی منقول ہے کہ اس کے قائل عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں، یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یوں کہا۔ جیسے: فصل المقال في شرح الأمثال (٤٣٤/١) اور أنساب الأشراف۔ عنقریب اس کا بیان [رقم: ۴۱۱] پر بھی آئے گا۔ "تاریخ دمشق" اور "العواصم من القواصم" میں بھی اسی طرح ہے۔ ان دونوں کا بیان [رقم: ۴۱۲] پر آئے گا۔ اس سلسلے میں مصادر باہم متفق ہیں کہ "اللہ کی قسم! میں نے آپ کے معاملے کی تلافی کر دی ہے۔" کے قائل سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں۔

البتہ اس معاملے میں اختلاف ہے کہ کلام کی ابتداء کس طرف سے ہوئی تھی، دونوں کا احتمال بہرحال موجود ہے، اگر بات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے شروع ہوئی ہو اور انھوں نے خود کو اونٹنی سے تشبیہ دی ہو، ایسی اونٹنی سے جس نے دودھ روک رکھا ہے اور اس سے دودھ مشقت کے ساتھ ہی لیا جا سکتا ہے، تو اس کا مفہوم گویا یہ ہو گا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ سے کہنا چاہتے ہیں: "دیکھیے، گو میں نے آپ سے اپنی عطاء روک رکھی تھی لیکن اس کے باوجود آپ تک میرے بعض ہدیے پہنچتے رہے ہیں۔ سو میرے فضل کا انکار تو نہ کیجیے اور مایوس ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے اور اگر آپ میرے ساتھ نرمی کرتے ہیں تو مزید ملتے رہیں گے۔" تو اس کے جواب میں سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: جی جی، آپ کی تھوڑی سی عطا میرے لیے تو برائی بن گئی، جب آپ نے مجھے مصر سے ہی معزول کر دیا تو یہ عطا خود بہ خود شر بن گئی، جب آپ نے مصر سے ہی مجھے معزول کر دیا تو اب کس خیر کی امید آپ سے رکھوں۔

اور اگر اس قول کے قائل سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ ہیں تو انھوں نے خود کو دودھ روک رکھنے والی اونٹنی سے تشبیہ شاید اس لیے دی تھی کہ وہ کہنا چاہتے تھے: معاویہ! اگر میں اپنی ولایت کے زمانے میں آپ کی تمام خواہشات پوری نہیں بھی کر پایا تو بھی کچھ نفع تو بہرحال آپ کو ملا ہی تھا، تو میرے فضل کا انکار نہ کیجیے اور ناامید مت ہو جایئے، اگر آپ میرے ساتھ نرمی کریں تو امید ہے مزید بہتری آ جائے گی۔ تو اس کے جواب میں سیدنا معاویہ نے کہا: جی جی، آپ سے مجھے جو کچھ ملتا رہا وہ تو شر بن کر رہ گیا، آپ کے جھگڑے اور عناد نے آپ کے نفع کو بھی نقصان بنا کر رکھ دیا ہے، یہ چیز سیدنا معاویہ کے شدید غصے پر دلالت کرتی ہے۔

نے کہا[1]: بلاشبہہ ایسا ہی ہے، کئی دفعہ پھر وہ اسے ٹانگ مارتی ہے، جس سے برتن گر جاتا ہے۔ بخدا میں نے آپ کے معاملے کو دیکھا، جو بہت نرم اتنا کہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ نرم تھا۔ میں اسے درست کرنے کی کوشش میں لگا رہا، اس کی برائیاں ظاہر کرتا رہا، اس کے ضروری معاملات کو نبٹانے کی کوشش میں رہا، یہاں تک کہ اسے ڈنڈے کی طرح سیدھا کر دیا۔[2]

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے قول: ''میں نے آپ کی صورت حال ڈانواں ڈول دیکھی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ واقعہ مصر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت میں الحاق کے بعد کا ہے، کیوں کہ مصر کی حکومت ملنے کے بعد ان کی قوت کافی بڑھ گئی تھی اور مصر ان کے زیرِ نگیں آنے کے بعد ان کی حکومت قرار پکڑ گئی تھی، اسی طرح شام میں ان کی ولایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں گرائے جانے سے محفوظ ہوگئی تھی۔

روایت ابن قتیبہ کے شواہد:

[**410**] ابن سعد بیان کرتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عمر نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ مجھے مفضل بن فضالہ نے بیان کیا، وہ یزید بن ابی حبیب سے بیان کرتے ہیں۔ (ح)

محمد بن عمر کہتے ہیں کہ نیز ہمیں عبداللہ بن جعفر نے بیان کیا، وہ عبدالواحد بن ابی عون سے بیان کرتے ہیں؛ دونوں کہتے ہیں کہ جب معاملہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آگیا[3] تو انھوں نے مصر کے بجٹ سے سیدنا عمرو کا حصہ بڑھا دیا، جب تک وہ زندہ رہے، سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان کی تدبیر، خاص اہتمام اور کوشش سے معاملات سدھار کی طرف گئے ہیں۔[4]

---

[1] اس کے قائل سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ خطابی اور ابن جوزی کی غریب الحدیث میں ہے، اور ''النهاية'' میں ہے: ''سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہا: بخدا میں آپ کے معاملے کی نگہبانی کرتا رہا جو بہت زیادہ نرم تھا۔''

[2] غريب الحديث لابن قتيبة (٣٧٦/٢) قرائن بتاتے ہیں کہ یہ خبر مقبول ہے، کیوں کہ ایک تو مشہور ہے، نیز یہ اسماعیل قاضی اور دارقطنی کی روایت میں بھی آئی ہے۔

تخریج: غريب الحديث للخطابي (٤٩٠/٢)، الفائق في غريب الحديث للزمخشري (٤٤٠/٢) الروض الأنف (٢٦٧/٤)، غريب الحديث لابن الجوزي (١٩٦/٢) ، النهاية في غريب الحديث والأثر (٤١٥/١)، (٤٥٣/٣)، انھوں نے اسے الفائق میں مکمل نقل کیا ہے اور باقیوں میں اختصار ہے۔

[3] جب مصر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ نگیں آگیا۔

[4] سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ خود کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے تھے، کیونکہ انھوں نے مصر کو ان کے ساتھ ملحق کر کے معاویہ رضی اللہ عنہ ←

سو اسی بنیاد پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ انھیں مصر کے ساتھ ساتھ شام کی حکومت دیں گے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مگر ایسا نہیں کیا۔ تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاملے کو منکر جانا، جس سے ان کا اختلاف ہو گیا اور باہم مغالطے میں پڑ گئے، لوگ الگ ہو گئے، انھوں نے سمجھا کہ شاید اب ان کے درمیان صلح نہیں ہو گی، پھر ان کے درمیان معاویہ بن حدیج کی آمد ہوئی تو انھوں نے ان کا معاملہ درست کیا، ان کے درمیان خط کتابت کروائی اور اس میں سیدنا عمرو اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے لیے خاص شروط مقرر کیں اور لوگوں کو بھی ان کا پابند کیا۔ وہ شروط یہ تھیں کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ سات سال تک مصر کے والی رہیں گے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی سمع وطاعت کرتے رہیں گے۔ اس بات پر ان کا اتفاق اور معاہدہ ہو گیا، گواہ مقرر کر لیے، پھر عمرو رضی اللہ عنہ مصر کے والی کے طور پر یہاں سے چلے گئے، یہ واقعہ ۳۹ھ کا ہے، اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ اس کے ایک سال یا دو سال بعد فوت ہو گئے۔[1]

واقدی کے خیال میں اختلاف شام کی امارت پر تھا، لیکن درست بات یہ ہے کہ اختلاف مصر کی ولایت پر تھا، جیسا کہ ابن قتیبہ کی روایت میں ہے۔ ابن قتیبہ کی روایت کی تائید بلاذری کی روایت سے بھی ہوتی ہے:

[**411**] بلاذری نے کہا کہ ہشام بن عمار بیان کرتے ہیں کہ بعض قریشیوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کچھ طلب کیا،[2] تو انھوں نے دے دیا، پھر انھوں نے دوسری چیز طلب کی تو انھوں نے وہ بھی دے دی، پھر تیسری چیز طلب کی تو وہ نہیں دی،[3] وہ سختی سے تقاضا کرتے رہے حتی کہ آپ نے وہ چیز ان کو دے

← کے معاملے کو مضبوط کر دیا تھا۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے ہی رائے اور جنگوں میں ان کی مدد کی تھی۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مصر کا الحاق کیا تھا اور انھوں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مصر فتح کیا تھا۔

[1] الطبقات الکبری (٢٥٨/٤)، یہ روایت بھی اپنے قرائن کے ساتھ مقبول ہے، جیسے پہلے والی ہے۔ سوائے ان کے اس خیال کے کہ اختلاف شام کے متعلق تھا، درست بات یہ ہے کہ اختلاف مصر کے حوالے سے تھا، اس کی سند بے حد ضعیف ہے، محمد بن عمر واقدی متروک ہے اور یہ سند منقطع ہے۔

تخریج: ابن عساکر (١٧٤/٤٦) نے ابن سعد کی سند سے اور ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (٧٣/٣) میں واقدی کی سند سے اسے روایت کیا ہے۔

[2] ابن قتیبہ نے سابقہ روایت [رقم: ۴۰۹] میں ان کے نام کی صراحت کر دی ہے، ان کا نام عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہے۔

[3] تیسری چیز، ان کا مصر کی ولایت پر باقی رہنا۔

دی۔[1] تو انھوں نے کہا[2]: اے امیر المومنین! دودھ روکنے والی اونٹنی بھی کبھی برتن بھر دودھ دے ہی دیتی ہے، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جی ہاں اور کبھی ٹانگ مار کر دودھ دوہنے والے کا ناک بھی توڑ دیتی ہے۔[3]

شاید سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ وہ مصر کو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے بجائے کسی اور کے سپرد کریں گے، لیکن پھر اتحاد کی امید پر انھوں نے اس موقف سے رجوع کر لیا، یہ حادثہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے اواخر میں درپیش ہوا، جیسا کہ واقدی کی روایت میں ہے:

مذکورہ واقعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے آخر کا ہے، جیسا کہ اس پر واقدی کی خبر دلالت کرتی ہے:

''یہ قصہ سنہ ۳۹ھ کا ہے۔''[4]

جب کہ دوسرا قصہ دومۃ الجندل کا ہے، جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا، اسے دارقطنی نے یوں روایت کیا ہے: حصین بن منذر بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا، تب حصین بن منذر آئے، انھوں نے اپنا خیمہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیمے کے قریب لگایا، اس کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی، تو آپ نے انھیں پیغام دیا اور کہا: مجھے عمرو رضی اللہ عنہ سے ایسی اور ایسی بات پہنچی ہے۔

دارقطنی اور قاضی اسماعیل بن اسحاق کی روایت کا سیاق بتاتا ہے کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دو وجہ سے معزول کیا تھا:

1. حادثۂ تحکیم کے وقت مصر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں تھا، بلکہ تحکیم کے ایک سال بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن عاص اور معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہما کو وہاں بھیجا تھا، جہاں محمد بن ابی بکر کو شکست دی گئی اور قتل کیا گیا، محمد رحمہ اللہ مصر پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی تھے، اس طرح مصر معاویہ رضی اللہ عنہ کی قلم رو

---

1. یہ واقدی کے خلاف ہے، واقدی کے خیال میں سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ مصر کے ساتھ شام بھی لینا چاہتے تھے، لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں نہیں دیا، البتہ اس روایت میں ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے اصرار پر صاد کیا، لیکن شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کو نہیں دیا، بلکہ انھیں مصر کی ولایت دے دی۔
2. یعنی سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! ...۔ ہم [رقم: ۴۰۹] میں ابن قتیبہ کی روایت ذکر کر آئے ہیں، اس کے مطابق یہ جملہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے اور بعد والا سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کا۔
3. أنساب الأشراف (۵/۱۵)، اپنے قرائن کے ساتھ یہ خبر مقبول ہے، سوائے لفظ ''یا امیر المومنین'' کے، کیوں کہ یہ واقعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور کا ہے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا نہیں ہے، اور اس کی سند بھی منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔
4. دیکھیں: [رقم: ۴۱۰]

میں شامل ہو گیا۔ یہ واقعہ درست قول کے مطابق ۳۸ھ کا ہے، جبکہ حکمین کا اجتماع ۳۷ھ رمضان میں ہوا تھا۔

اس نص کو ابن العربی نے مضبوط قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ثقہ و ثبت ائمہ نے روایت کیا ہے کہ جب حکمین جمع ہوئے تھے تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے کچھ معزز لوگوں کی موجودگی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تھا، پھر انھوں نے دارقطنی کی روایت ذکر کی ہے۔

2 حضین بن منذر کا شمار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کبار متبعین میں ہوتا ہے، وہ آپ کی فوج میں تھے، اور صفین کے دن انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جھنڈا اٹھا رکھا تھا، اسی لیے وہ تحکیم میں حاضر ہوئے، ایسا ممکن نہیں ہے کہ وہ مصر کے الحاق کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس موجود ہوں، کیوں کہ صفین اور مصر میں تو شدید جنگیں ہوئی تھیں، لہٰذا معلوم ہو گیا کہ یہ اجتماعِ حکمین ہی کا واقعہ ہے۔

دونوں قصوں کو باہم گڈ مڈ کر دینا راوی عبیداللہ بن مضارب کے وہم کا نتیجہ ہے، ہماری اس بات کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ دونوں قصوں کی ابتداء اور انتہاء باہم بہت زیادہ متشابہ ہیں، اس کی تفصیل اس طرح ہے:

ابن مضارب نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے قول: ''دودھ روکنے والی اونٹنی بھی کبھی دودھ دے دیتی ہے۔'' کو قصۂ تحکیم کے آخر میں ذکر کر دیا ہے، جو ان کا وہم ہے، کیوں کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے یہ بات ایک دوسرے مقام پر کہی تھی، جب انھیں مصر سے معزول کیا گیا تھا۔

قصۂ تحکیم اس بات کی بھی دلیل ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ پر غصہ تھا اور وہ انھیں ملامت کرتے تھے، کیوں کہ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سے دور کر دیا تھا اور تحکیم کے قضیے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کھڑے نہیں ہوئے تھے۔

اور ابن قتیبہ کا بیان کردہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی مصر سے معزولی کا قصہ ہمیں بتاتا ہے کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر غصہ تھے اور انھیں مصر سے معزول کرنے کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملامت کر رہے تھے۔ چوں کہ دونوں واقعات میں معزولی اور غصے کا ذکر تھا جس بنا پر راوی نے دونوں کو ایک ہی سمجھ لیا۔ نیز ابن مضارب نے قصۂ تحکیم کی ابتداء میں خلط ملط کر دیا ہے، ''تاریخ دمشق'' کی روایت کے پہلے حصے میں کہا ہے: [حضین بن منذر بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر سے

معزول کیا، تو انھوں نے اپنا خیمہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قریب ہی لگا لیا، اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر غصہ کرنے لگے، اور کہنے لگے: ...معاویہ،[1] کہا: ...]

''تاریخ البخاري'' میں حصین بن منذر کی روایت ہے کہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر سے معزول کیا، تو انھوں نے اپنا خیمہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قریب ہی لگا لیا، اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر غصہ کرنے لگے جس پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے ان کی طرف بھجوایا۔

تو اس روایت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو مصر کی ولایت سے معزول کرنے کے الفاظ میں اختلاط ہے۔ اس روایت کے صحیح الفاظ دارقطنی نے روایت کیے ہیں جن میں سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کا ذکر ہے۔

سو، درست بات یہ ہے کہ دودھ روکنے والی اونٹنی سے متعلق الفاظ اس موقع پر نہیں کہے گئے بلکہ وہ قصۂ تحکیم کے دو برس بعد کی بات ہے۔

② نصِ روایت

[**412**] ابوبکر ابن العربی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں حسن ازدی نے بیان کیا،[2] وہ عشاری سے، وہ دارقطنی سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم بن حمام نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابویوسف فلوسی یعقوب بن عبد الرحمان بن جریر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسود بن شیبان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ عبیداللہ[3] بن مضارب نے حضین[4] بن منذر سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ جب سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا[5] تو حضین بن منذر تشریف لائے، انھوں نے

---

① یہاں سقط ہوا ہے۔

② یہ سند دو مخطوطوں میں آئی ہے، جیسا کہ ''العواصم'' کے محقق دکتور عمار طالبی نے کتاب کے حاشیے میں ذکر کیا ہے۔ تخریج ملاحظہ کریں۔

③ ''العواصم'' اور ''تاریخ دمشق'' میں عبداللہ لکھا ہے جو تصحیف ہے، اس کی تصحیح کتبِ تراجم سے کی گئی ہے، ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ عبیداللہ سے مراد عبداللہ ہے۔ (تهذيب التهذيب: ٣٤/٦)

④ ''العواصم'' اور ''تاریخ دمشق'' میں حصین، صاد کے ساتھ آیا ہے، اس کی تصحیح کتبِ تراجم سے کی گئی ہے، ان کا لقب ابو ساسان ہے اور ان کی کنیت ابو محمد رقاشی بصری ہے، وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس وفد لے کر آئے، وہ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے امراء میں سے تھے، ثقہ راوی تھے۔ (التقريب: ١٣٩٧)

⑤ ایسا ہی ''العواصم'' میں ہے۔ نیز تاریخ دمشق، التاریخ الکبیر اور النهاية في غريب الحديث (٢٩٤/٢) میں ←

اپنا خیمہ[1] سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیمے کے قریب ہی لگا لیا، پھر ان کو برا کہنے لگے، اس کی خبر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انھوں نے انھیں پیغام دیا،[2] کہا: مجھے عمرو سے کچھ ایسی باتیں پہنچی ہیں جنھیں میں ناپسند کرتا ہوں،[3] تو آپ جا کر دیکھیں اس بات کی حقیقت کیا ہے جو مجھے ان کے متعلق معلوم ہوئی ہے، تو میں ان کے پاس گیا اور کہا: مجھے اس معاملے کے متعلق بتائیے جو آپ کے اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا تھا، تم نے اس سلسلے میں کیا کیا؟ تو انھوں نے کہا: اس بارے میں لوگ جو کہتے ہیں سو کہتے ہیں،[4] لیکن بخدا معاملہ ایسا نہیں ہے، جیسے وہ کہتے ہیں،[5] ....

← اور لسان العرب (١٤٠/٨) میں ہے: ''جب معاویہ رضی اللہ عنہ نے عمرو رضی اللہ عنہ کو مصر سے معزول کیا۔'' پہلے ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ یہ راوی کا وہم ہے جس نے ایک قصے کو دوسرے قصے میں گڈ مڈ کر دیا ہے۔

① یعنی حصین نے اپنا خیمہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیمے کے قریب لگایا۔

② یہ "تاریخ دمشق" اور "مختصر التحفة الاثني عشرية" سے لیا گیا ہے۔ "تاریخ البخاري" میں: ''مجھے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف بھیجا۔'' کے الفاظ ہیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ حصین آئے اور اپنا خیمہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیمے کے قریب لگایا، ان دنوں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف سے آنے والی خبروں کی بنا پر ان سے غصے تھے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی خبر تو لینا چاہتے تھے لیکن غصے کی شدت کی وجہ سے ان سے ملنا نہیں چاہتے تھے، پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو پتا چلا کہ حصین بھی وہاں آ کر خیمہ لگا چکے ہیں تو حصین کو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ سے تحکیم کے سلسلے میں سوال کرنے کو بھیجا۔

③ یہ "تاریخ دمشق" سے لیا گیا ہے، "العواصم" کے الفاظ ہیں کہ مجھے اس کے متعلق ایسی ایسی خبر پہنچی ہے، یعنی سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے متعلق۔

یعنی مجھے خبر ملی ہے کہ سیدنا عمرو اور سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہما اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہیں اور دونوں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے پر متفق ہو گئے ہیں، اس مفہوم پر دلالت کرنے والے قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بعینہ یہی کہنا چاہ رہے تھے اور وہ قرینہ اسی روایت میں موجود ہے۔ حصین کہتے ہیں: میں نے ان کے پاس جا کر انھیں خبر دی، جیسے کہ خبر پہنچی تھی۔ اس کی تعلیق خبر کے مقام پر دیکھیں۔

④ یعنی تحکیم میں جو جو معاملات ہوئے۔

⑤ یعنی لوگوں نے کہا: ہم نے سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کو خلافت سے معزول کر دیا ہے اور اس کا معاملہ کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سپرد کر دیا ہے، یا انھیں معزول کر کے فلاں فلاں کو معین کر دیا ہے، تو بخدا ایسا کچھ نہیں ہوا، ہم نے کسی کو خلافت سے معزول نہیں کیا، نہ کسی کو والی بنایا ہے، ہم نے معاملہ ان کے سپرد کیا ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت راضی تھے، یعنی شوریٰ کے چھے ممبران کے سپرد کیا ہے، ان میں سے ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ اور ان چھے میں سے جو باقی ہیں انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا ہے اور ان کی خلافت پر بیعت کی ہے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت ہے، جس پر ہمارے یعنی حکمین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لیکن جب میں اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ جمع ہوئے[1] تو میں نے کہا[2]: آپ اس معاملے میں کیا کہتے ہیں؟[3] تو انھوں نے کہا: میرے مطابق تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل تھے جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت راضی تھے،[4] میں نے کہا: تو آپ اس معاملے میں[5] مجھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کہاں رکھتے ہیں، تو انھوں نے کہا: اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تمھاری اعانت کی تو تمھاری معاونت ہوگی[6] اور اگر تم سے مستغنی ہوئے تو اللہ کا امر تم سے ایک عرصے سے مستغنی ہے۔

---

(1) یعنی وہ آخری اجتماع جس پر تحکیم ختم ہوئی اور اس پر وہ نتائج مرتب ہوئے جن کا سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے۔

(2) یہ ''تاریخ دمشق'' سے لیا گیا ہے، ''العواصم'' میں ہے: ''لیکن میں نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا۔''

(3) معاملے سے مراد: خلافت ہے۔

(4) اس گروہ سے مراد اصحابِ شوریٰ ہیں جن کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے قبل متعین کیا تھا، تاکہ ان کے درمیان خلافت شوریٰ کے ساتھ رہے، تو اس مقام پر جو سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے وہ بعینہٖ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو جب خنجر لگا تو انھوں نے شہادت سے قبل کہا تھا: میں نہیں جانتا کہ اس معاملے کا ان لوگوں سے زیادہ حق دار بھی کوئی ہوگا، جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت راضی تھے، تو میرے بعد یہ جس کو خلیفہ بنائیں تم اس کی سمع واطاعت کرنا، پھر انھوں نے سیدنا عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمان بن عوف اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔ (صحیح البخاري: ١٣٢٨)

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے تحکیم کے دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات سے دلیل لی۔ تو جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، اس وقت ان چھے میں سے جو موجود تھے انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور وہ سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے۔

اس نفر سے مراد اصحابِ شوریٰ ہونے کی دوسری دلیل جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے، جس میں انھوں نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا: معاویہ پر حملہ ہوا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس حملے سے شہید ہو جائیں گے، لوگ بقیہ اصحابِ شوریٰ کو بھی قتل کریں گے اور باقی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی شہید کریں گے۔ تو میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں! اگر آپ کو ان کے معاملے کا والی بنایا جائے تو ان پر ڈنڈا کس کے رکھنا، ان کے اتحاد کو توڑنا یا انھیں ہلاکت کی طرف چلنے دینا۔ دیکھیں: (ص: ٢٠٥)، جندب جانتے تھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حق دار سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں، کیوں کہ اصحابِ شوریٰ میں سے بس وہی باقی رہ گئے تھے۔

(5) یہ زیادت ''تاریخ دمشق'' سے لی گئی ہے، یعنی: مجھے اور معاویہ کو خلافت کے معاملے میں کیا دیں گے۔ یعنی کون سا منصب دیں گے، جیسے ولایت، قیادتِ جیوش، وزارت یا کچھ اور، خصوصاً: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی ولایت، اس کی تفسیر مابعد کا جملہ کرتا ہے، یعنی اگر وہ آپ سے مستغنی ہوئے۔

(6) ''تاریخ دمشق'' میں: ''معونہ'' کی جگہ ''معاویہ'' لکھا گیا ہے، جو تصحیف ہے۔

راوی کہتے ہیں: یہی وہ بات تھی جس کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اتنا غصہ آیا،[1] میں ان کے پاس آیا اور انھیں اس کی خبر دی[2] کہ بات آپ کو جو ان سے پہنچی ہے،[3] ویسے ہی ہے۔ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو اعور ذکوانی[4] کو پیغام بھیجا،[5] وہ ان کے پاس اپنے لشکر کے ساتھ آیا تو آپ نے اسے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ[6] کی طرف بھیجا، وہ کہہ رہا تھا[7]: کہاں ہے اللہ کا دشمن، کہاں ہے یہ فاسق؟[8]

---

[1] گویا انھوں نے شدتِ غضب سے اپنے آپ کو قتل کیا، شاید یہ عبارت اس مقام کی ہو، جب انھیں بتایا گیا کہ معاملہ ویسا ہی ہے، جیسا آپ کو بتایا گیا ہے، کیوں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو غصہ تبھی آیا، جب حصین نے ان کو حکمین کے اتفاق کا بتایا۔

[2] حصین نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر خبر دی۔

[3] یعنی اے معاویہ! آپ کو جو خبر سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے متعلق ملی ہے، درست ہے۔ کیوں کہ حکمین نے معاملے کو ان کے سپرد کر دیا ہے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت راضی تھے، یعنی اصحابِ شوریٰ کے سپرد کر دیا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ہیں، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان میں سے نہیں ہیں، اور ان چھے میں سے جو باقی ہیں، انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے، تو جس نتیجے پر حکمین کا اتفاق ہوا وہ یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی شرعی خلیفہ ہیں اور وہی زیادہ حق دار ہیں، جب کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کوئی جگہ نہیں، اور سیدنا معاویہ اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہما کے لیے شام اور مصر کی ولایت کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے مقابلے میں کوئی حق نہیں ہے۔

[4] ابو الاعور سلمی بنو ذکوان سے ہیں، ان کا نام عمرو بن سفیان بن عبد شمس بن سعید بن اوقص بن مرۃ بن ہلال بن فالج بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم ہے۔ تابعی ہیں، دورِ جاہلیت کو پایا ہے، مگر صحابی نہیں ہیں، یرموک کے دن کردوس کے امیر تھے، صفین میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ میسرہ کے امیر تھے۔ دیکھیے: الجرح والتعدیل (٦/٢٣٤)، معرفة الصحابه لأبي نعيم (٤/٢٠١٨)، تاريخ الإسلام (٤/١٣٠)، الثقات ممن لم يقع في كتب الستة (٧/٣٤٦)

[5] سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو الاعور کی طرف پیغام بھیجا۔

[6] سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو الاعور کو عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تا کہ انھیں تحکیم کے معاملے میں ان کا حصہ نہ رکھنے پر ڈانٹیں، اسی طرح سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حق کے اثبات پر۔ نیز سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نکال دینے پر جھاڑ پلائیں، اور اس بات پر ڈانٹیں کہ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یا سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے لیے شام یا مصر کی ولایت کا حق نہیں رکھا۔

[7] "تاریخ دمشق" سے، "العواصم" کے الفاظ ہیں: ابو اعور ذکوانی کی طرف پیغام بھیجا، اور انھیں ان کے گھوڑوں کے ساتھ بھیجا، اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی، اور کہنے لگا: ...

[8] اس ابو الاعور کی ان گالیوں کا رُخ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی طرف تھا، کیوں کہ وہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ پر سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اتفاق کی وجہ سے غصے تھے، جو انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اثبات اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو نکالنے پر کیا تھا۔

تو راوی کہتے ہیں: جب سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وہ ان کو قتل کر دینا چاہتے تھے، وہ اپنے گھوڑے کی طرف گئے جو خیمے کی رسی کے ساتھ بندھا تھا، انھوں نے خیمے کا پردہ اٹھایا اور گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ گئے۔ پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیمے کی طرف ایڑ لگائی، ☆اور کہنے لگے، کبھی دودھ روکنے والی اونٹنی بھی دودھ دے دیتی ہے، کبھی دودھ روکنے والی اونٹنی بھی دودھ دے دیتی ہے، اے معاویہ! کبھی دودھ روکنے والی اونٹنی بھی دودھ دے دیتی ہے، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ دودھ دوہنے والے کو لات مار دیتی ہے، ناک بھی توڑ دیتی ہے اور اس کا برتن اُلٹا کر دیتی ہے۔☆ [1]

قاضی اسحاق نے یہ الفاظ زائد کیے ہیں: پھر اعور کے متعلق حکم دیا کہ انھیں روک دیا جائے۔ ہم نے کہا: اسے روک دیا گیا۔ [2]

---

[1] دوستاروں کے درمیان والی عبارت قصے میں زیادت ہے۔ دیکھیں گذشتہ روایت [رقم: ۴۰۹] سے پہلے اور بعد میں۔ وہاں میں نے تفصیل بیان کر دی ہے اور کہا ہے کہ اس کا راوی ''عبیداللہ بن مضارب'' وہم کھا گیا ہے اور اس نے قصے میں قصہ داخل کر دیا ہے یہ جو دوستاروں کے درمیان ہے یہ ایک دوسرا واقعہ ہے جو حکمین کے اجتماع کے دو برس بعد واقع ہوا تھا۔

اس بنیاد پر قصہ یوں ہوگا: [..... پھر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیمے کی طرف ایڑ لگائی، پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اعور کو حکم دیا تو اسے ان سے دور کر دیا گیا۔] یعنی حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے جلدی سے اس کو ایڑ لگائی اور اپنے گھوڑے پر زین بھی نہیں رکھی اور اپنے گھوڑے کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیمے کی طرف لے گئے، تاکہ وہ ابو الاعور کو روک لیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بات قبول کی اور ابو الاعور کو روک لیا۔

[2] العواصم من القواصم (ص: ۱۸۰) طبعة دار الجيل، و (ص: ۱۷۸) طبعة الأوقاف السعودية (ص: ۳۱۱) طبعة دار التراث مصر، تحقيق: عمار طالبي۔ یہ کتاب "النص الكامل لكتاب العواصم من القواصم" کے نام سے مطبوع ہے۔ میں نے اس کی تصحیفات درست کرنے کی کوشش کی ہے جو بہت زیادہ ہیں۔

ابوبکر ابن العربی کی دارقطنی تک سند وہی ہے جو ان کے اپنے شیوخ سے لیے ہوئے نسخے کی سند ہے۔ مجھے دارقطنی کی یہ کتاب نہیں ملی جس سے ابن العربی نقل کرتے ہیں۔

روایت کا حکم: یہ روایت شواہد کے ساتھ مقبول ہے۔

اس کے شواہد: حکمین کے اخذ کردہ نتائج تو صحیح ہیں، جن کی تفصیل ہم اس روایت کے بعد کریں گے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا غصہ اور حکمین کے نتائج سے ناراضی بھی صحیح ہے، جیسا کہ ''صحیح بخاری'' وغیرہ میں ہے: ''جو چاہتا ہے کہ اس معاملے میں کلام کرے تو ہمارے مقابلے کا بندہ لائے۔''

اسناد الخبر: اس کی سند ضعیف ہے اور متصل ہے۔ سند میں ضعف کا سبب عبیداللہ بن مضارب ہے۔ اس پر بخاری اور ابو حاتم نے سکوت کیا ہے۔ ابن حبان نے "الثقات" میں ذکر کیا ہے اور بخاری نے "الأدب المفرد" میں اس کی روایت ←

← بیان کی ہے۔ اسی طرح حاکم نے "المستدرك" میں روایت لی ہے، جیسا کہ مغلطائی نے کہا ہے۔ ان کے متعلق ذہبی نے کہا ہے: یہ صغار تابعین میں سے ہیں، معروف نہیں ہیں۔ اور ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ مقبول ہیں۔ دیکھیے: الأدب المفرد (١١٦٠)، التاريخ الكبير (٣٩٨/٥)، الجرح والتعديل (٣٣٣/٥)، الثقات (١٤٨/٧)، تهذيب الكمال (١٤٥/١٦)، ميزان الاعتدال (٥٠٦/٢)، إكمال تهذيب الكمال (٢٠٧/٨)، تهذيب التهذيب (٣٤/٦)، التقريب (٤٣٤٠)

الاسود بن شیبان: یہ ابوشیبان سدوسی بصری ہیں اور ثقہ ہیں۔ التقريب (٥٠٢) جبکہ ابراہیم بن حمام اور ابو یوسف یعقوب بن عبدالرحمٰن بن جریر الفلوسی کا ترجمہ مجھے نہیں ملا لیکن ان کی متابعت کی گئی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس روایت کو اسماعیل بن اسحاق القاضی (ثقہ) نے سلمہ بن حبان العتکی سے بیان کیا ہے، مجھے اس کی توثیق نہیں ملی اور اس روایت کو بخاری نے عبداللہ بن محمد المسندی (ثقہ) سے بیان کیا ہے۔ پھر یہ دونوں (یعنی العتکی اور المسندی) وہب بن جریر (ثقہ) سے بیان کرتے ہیں، وہ اسود بن شیبان (ثقہ) سے بیان کرتے ہیں۔

اس متابعت کے ساتھ صرف عبیداللہ بن مضارب پر ہی ضعف رہ جاتا ہے جو بالکل معمولی ہے۔ والحمد لله. اور بخدا عبیداللہ بن مضارب کی روایت ہی ابومخنف اور اس جیسے دیگر لوگوں کی روایات سے بہترین ہے۔

تخریج: اس روایت کو صاحبِ "مختصر التحفة الاثني عشرية" نے ابن العربی سے نقل کیا ہے۔

اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ "التاريخ الكبير" میں عبداللہ بن محمد المسندی سے، وہ وہب بن جریر سے لائے ہیں، انھوں نے الاسود بن شیبان بصری سے سنا۔ یہ روایت مختصر ہے اور اس کا ایک حصہ ذکر ہوا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں سوائے عبیداللہ بن مضارب کے اور وہ مقبول ہے۔

اس روایت کی اصل کافی تفصیلی ہے لیکن "التاريخ الكبير" میں امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ تاریخی روایات کے اطراف ذکر کرتے ہیں، یعنی ابتدائی حصہ مختصراً ذکر کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس خبر کا ذکر کرنا چاہ رہے ہوتے ہیں جو اس کے ترجمہ میں آتی ہے، تو اس کا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ البتہ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی مختصر سیاق میں ہی اس روایت کو اپنے شیوخ سے سنا ہو گا بلکہ یہ تو ان کی کتاب کا اسلوب ہے، کیونکہ ان کی کتاب "التاريخ الكبير" تراجم (راویوں کے حالات) کی کتاب ہے روایات کی کتاب نہیں ہے۔

نیز اس روایت کو اسماعیل بن اسحاق القاضی اپنی کتاب "النوادر والأخبار" میں لائے ہیں جیسا کہ "تاريخ دمشق" (١٧٥/٤٦- ١٧٦) میں ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں سلمہ بن حبان العتکی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسود بن شیبان نے بیان کیا۔ نیز دیکھیں: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (١٩٩٥/٣) اور کتاب "النوادر والأخبار" مفقود ہے، اس کا ایک نسخہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کے پاس موجود تھا، وہ اسے اپنی سند کے ساتھ اپنے شیوخ سے بیان کرتے ہیں، جیسا کہ انھوں نے المعجم المفهرس (٤٣٦) میں ذکر کیا ہے۔

-سلمہ بن حیان العتکی پر ابو حاتم نے سکوت کیا ہے اور اس کو ابن حبان نے الثقات (٢٨٧/٨) میں ذکر کیا ہے اور اس کی کنیت "ابوسعید" بیان کی ہے۔ مجھے اس کی توثیق نہیں ملی لیکن اس کی متابعت کی گئی ہے۔

③ دارقطنی اور قاضی اسماعیل کی روایت سے محققین کے عدمِ استفادہ کے اسباب

محققین اس روایت کی اہمیت کے باوجود اس سے خاطر خواہ استفادہ نہیں کر سکے۔ اس کے پانچ بڑے اسباب ہیں:

پہلا سبب: جو سب سے اہم ہے وہ یہ ہے کہ صفین کے بعد اکثر مورخین نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کے بارے میں ایک غلط تصور قائم کر لیا تھا، لہٰذا انھوں نے اس روایت کی توجیہات اس غلط تصور کے مطابق کرنے کی سر توڑ کوششیں کی ہیں، جو ان کے قلوب و اذہان میں راسخ ہو چکا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان توجیہات کے بعد اس واقعہ کے بارے میں بحث کرنے والے اور پڑھنے والے کے تحیر میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

اکثر تحقیق نگاروں کا خیال ہے کہ صفین سے قبل سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متعلق جو تھا کہ وہ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، صفین کے بعد بھی ان کا موقف وہی رہا، جبکہ درست بات یہ ہے کہ صفین کے بعد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف تبدیل ہو گیا تھا، کیوں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ وہ شام میں زیادہ مضبوط ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کمزور، نیز ان کی فوج میں تفریق پیدا ہو چکی ہے، لہٰذا اب خلافت کے حق دار وہ خود ہی ہیں۔[1]

اس روایت کی غلط توجیہ کو لے کر تحقیق نگاروں کا خیال یہ تھا کہ شاید وہ اس سے عدالتِ صحابہ کی حفاظت کر رہے ہیں، حالاں کہ صحابہ اس بات سے بلند تر ہیں کہ انھیں اپنی عدالت کے لیے اس طرح کی غلط توجیہات کی ضرورت پڑے، ان کی فضیلت قران و سنت سے ثابت ہے۔ وہ سارے کے سارے مجتہد تھے اور اپنے اجتہاد کی بنا پر وہ عند اللہ ماجور ہیں۔

← ابن حبان کی ثقات میں ''حیان'' کی طرف تصحیف کر دی گئی ہے۔ نیز دیکھیں: المؤتلف والمختلف للدارقطني (٤٢٧/١) المؤتلف والمختلف لعبد الغني الأزدي (٢٢٨/١) الإكمال لابن ماكولا (٣٠٤/٢) دونوں کہتے ہیں کہ یہ بصری ہیں۔ المشتبه في الرجال أسماؤهم وأنسابهم (١٣١/١) توضيح المشتبه (١٦٤/٢) ان سب نے اسے حاء کے فتح کے ساتھ ''حَبَّان'' ہی پڑھا ہے۔ تاریخ الإسلام (١٨٨/١٦)

- وہب بن جریر بن حازم بن زید ابو العباس الازدی البصری ثقہ ہیں۔ التقریب (٧٤٧٢)

[1] اس کی تفصیل اسی فصل (چوتھی فصل) کے آٹھویں مبحث میں آ رہی ہے۔

ان کے درمیان تو ایسے اختلاف بھی پیدا ہوئے، جو مسئلۂ احقیت خلافت سے زیادہ بڑے تھے اور وہ لڑائی کا اختلاف تھا۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد کی بنا پر اس رائے پر آ گئے، اور اس پر وہ اللہ کے حکم سے ماجور ہیں۔

ایک اَور بات جو قابلِ غور ہے جس نے تحقیق نگاروں کے ہاں غلط تصور کو مزید بڑھاوا دیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ناقل رہے ہیں، یہاں تک لوگوں کے ہاں گویا یہ ایک امر مسلم کی حیثیت اختیار کر گیا، اور یوں سمجھا جانے لگا کہ شاید اس بات کو تسلیم کر لینے سے انسان رفض کی طرف چلا جائے گا۔

دوسرا سبب: دو واقعات کا باہم ایک واقعہ میں گڈ مڈ ہو جانا۔ ہوا یوں کہ راوی ایک واقعہ میں دوسرا واقعہ داخل کرتا گیا جس سے روایت کی اصل حقیقت چھپ کر رہ گئی۔

تیسرا سبب: واقعہ کا ایک حصہ بیان ہی نہیں کیا گیا، کیوں کہ ایک تو روایت کا غلط فہم، دوسرا دو واقعات کا باہم گڈ مڈ ہو جانا اس کا باعث رہا کہ تحقیق نگار روایت کا کچھ حصہ بیان کرنے سے ہی گئے، انھوں نے حکمین کی باہم گفتگو کو تو لے لیا، لیکن باقی ماندہ قصہ بیان کرنے سے پہلو تہی اختیار کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ روایت کو اس کی حقیقی مراد کے خلاف سمجھا جانے لگا۔

چوتھا سبب: تصحیفات کا وجود، مثلاً: ''یتزبع، حوباء، العلبة، تزبن'' وغیرہ۔

پانچواں سبب: ''غریب الحدیث'' کی کتابوں کی طرف رجوع کا عدمِ اہتمام۔

④ دارقطنی اور قاضی اسحاق کی روایت میں بیان ہونے والے واقعہ کی شرح، اور وہ حتمی نتائج جن کو لے کر حکمین رضی اللہ عنہما نکلے

امام دارقطنی کی روایت میں حکمین کے درمیان مباحثہ کی بہت اہم تفاصیل موجود ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ مندرجہ ذیل نکات سے لگایا جا سکتا ہے:

1. اس روایت میں حکمین رضی اللہ عنہما کے اجتماع کے آخری لمحات کے متعلق بیان ہے، اگر آپ چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کا آخری اجتماع، یا حکمین رضی اللہ عنہما کی ملاقات کا آخری دن۔
2. اس روایت میں ان اتفاقی و اختلافی نکات کا بیان ہے جن پر اجتماع ختم ہوا۔
3. اس میں غیر مصدقہ خبروں کی تردید ہے۔

راوی کے قول: ''جب عمرو رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا'' سے روایت کی ابتدا ہو رہی ہے،

یعنی اجتماعِ حکمین کے دور سے۔ مراد یہ ہے کہ حکمین کے اجتماع کے زمانے میں ان کے درمیان کیا کیا واقعات رونما ہوئے۔

امام ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "عزل الشيء" کا مطلب ہے کہ اس نے اس چیز کو ہٹا دیا، ایک طرف کر دیا۔"[1]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٢١١﴾ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ﴾ [الشعراء: ٢١٠- ٢١٢]

"اور شیاطین اس (قرآن) کو لے کر نازل نہیں ہوئے۔ اور نہ یہ ان کے لائق ہے اور نہ وہ اس کی استطاعت ہی رکھتے ہیں۔ بلاشبہہ وہ تو اس کے سننے سے بھی دور رکھے گئے ہیں۔"

امام راغب اصفہانی اس فرمانِ باری تعالیٰ کے تحت لکھتے ہیں: مراد یہ ہے کہ وہ سننے کی طاقت رکھنے کے باوجود سن نہیں سکیں گے۔[2]

"المعجم الوسيط" میں ہے: "عزله عزلا" کا معنی ہے: کسی چیز کو دور کرنا اور ہٹا دینا۔[3]

لغوی طور پر "عزل" کا معنی: دور ہونا، منع کرنا، پھیر دینا اور دور کر دینا ہے۔

مذکورہ روایت میں جو لفظ "عزل" آیا ہے، اس سے مراد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کے استحقاق سے روکنا، دور کرنا اور ہٹانا ہے، جیسا کہ روایت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے: "میری رائے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت راضی تھے۔" وہ شوریٰ کے چھے ارکان ہیں، جب کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان میں شامل نہیں تھے، لہٰذا آپ خلافت کے مستحق بھی نہیں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بننے کے بعد معزول کیا گیا ہو، جیسے ابومخنف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔[4]

معزول کرنے سے ایک اور مراد کا احتمال بھی ہے اور وہ یہ کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تحکیم کے

---

[1] النهاية (٢٣٠/٣)، مادة: عزل.

[2] المفردات في غريب القرآن (ص: ٥٦٥)

[3] المعجم الوسيط (٥٩٩/٢)

[4] ابومخنف کی روایت [رقم: ١٣٧] پر گزر چکی ہے۔

دن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو امارتِ شام سے معزول کیا تھا، لیکن اس مفہوم میں مشکل یہ ہے کہ حکمین کے درمیان گفتگو تو موضوعِ خلافت پر تھی، نہ کہ امارتِ شام پر، اس بات کا ثبوت بہت سے معاملات سے ملتا ہے جن کا تذکرہ سلسلہ وار زمانی ترتیب کے ساتھ آجائے گا:

پہلا واقعہ: سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مکتوب ارسال کیا کہ وہ ان کی خلافت پر بیعت کر لیں، مگر سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا، راجح قول کے مطابق یہ تحکیم کے وقت سے پہلے کا واقعہ ہے۔[1]

دوسرا واقعہ: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکمین کے دن سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خفیہ پیغام دے کر ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا کہ وہ خلافت کی زمامِ کار سنبھال لیں۔ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انکار کر دیا۔ پھر انھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کہا کہ وہ خلافت قبول کر لیں، قبول کرنے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں، انھیں بدلے میں بہت سا مال ملے گا، تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کا بھی انکار کر دیا۔ یہ واقعہ بھی حکمین کے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما پر اتفاق سے پہلے کا ہے، تب تک معاملہ سیدنا عمرو بن عاص اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان تھا۔[2]

تیسرا واقعہ: حکمین نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو خلافت کی باگ دوڑ سنبھالنے کی پیشکش کی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے پہلوتہی اختیار کی۔[3]

چوتھا واقعہ: جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خلافت کی پیشکش ٹھکرا دی تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دوسری مرتبہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس پیشکش کو قبول کرنے کی درخواست کی کہ وہ مسندِ خلافت پر متمکن ہو جائیں، پھر بعد میں اس کی زمامِ کار معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں سونپ دیں اور اس کے عوض بہت سارا مال لے لیں مگر پھر بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما انکار پر ڈٹے رہے۔

اس ملاقات میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی ذکر کیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کا حرص رکھتے ہیں۔ یہ واقعہ سیدنا ابوموسیٰ، عمرو بن عاص، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے اجتماع کے وقت کا ہے۔[4] یعنی یہ پیشکش عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دو مرتبہ کی۔ پہلی مرتبہ تنہائی میں اور دوسری مرتبہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۲۱]
[2] دیکھیے: [رقم: ۴۲۴]
[3] دیکھیے: [رقم: ۴۲۵، ۴۲۶]
[4] دیکھیے: [رقم: ۴۲۵، ۴۲۶]

پانچواں واقعہ: سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پیشکش کی کہ وہ خلافت کے معاملے میں ممکنہ حد تک انھیں خلافت دلوانے کی تگ و دو کریں گے، البتہ ابن عمر رضی اللہ عنہما انھیں امورِ خلافت میں سے کچھ عہدے دیں گے لیکن سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انکار کر دیا۔[1]

چھٹا واقعہ: حکمین کے درمیان مکالمہ موضوعِ خلافت کے گرد ہی گھومتا رہا، یہاں تک کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں خلافت میرے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے نکل کر فریقِ ثالث یعنی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف نہ چلی جائے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب دومۃ الجندل میں سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کا معاملہ زیرِ بحث ہونا تھا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ڈر ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں اس معاملے سے الگ کر دیے جائیں۔[2]

ساتواں واقعہ: سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ حکمین خلافت کی باگ ڈور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سونپنے پر متفق ہو گئے ہیں، تو ان کے ذہن میں آ گیا کہ شاید سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہاں اس لیے آئے ہیں، تاکہ حکمین ان کی بیعت کر لیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ''میں ان کے پاس پہنچا تو وہ لوگ مجھے خلافت دینے پر اتفاق کر چکے تھے، اس پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے اور سوچنے لگے کہ میں یہاں فربہ سرخ اونٹ پر بیٹھ کر خلافت حاصل کرنے آیا ہوں۔[3] تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے: حمد و ثنا کے بعد! جو کوئی اس معاملے میں بات کر رہا ہے وہ سامنے آئے۔ قسم بخدا! میں اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ خلافت کا مستحق ہوں۔ آپ کا اشارہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف تھا۔[4]

آٹھواں واقعہ: حکمین کے دن سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی چاہت تھی کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیں، نہ کہ فقط شام کی امارت دیں، لیکن جب ایسا نہ ہو سکا تو وہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق ہو گئے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہیں، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت میں کوئی حصہ یا حق نہیں ہے اور سیدنا عمرو

---

① دیکھیے: [رقم: ۴۲۷]

② دیکھیے: [رقم: ۴۲۸]

③ دیکھیے: [رقم: ۴۳۰]

④ دیکھیے: [رقم: ۴۳۲]

اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما بیعت کرنے کے عوض سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے کسی منصب کی شرط بھی نہیں رکھیں گے۔ یہی وہ اتفاق ہے جس پر حکمین کی رائے متحد ہوئی اور اسی پر ان کا اجماع پورا ہوا۔[1]

اس میں ایک مزید قرینے کا اضافہ کر لیجیے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام سے معزول کر کے کیا فائدہ پائیں گے؟ اس سے تو معاملہ حل نہیں ہوگا، وہ تو دو ہی صورتوں میں حل ہوسکتا تھا، یا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لے لیا جائے، یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت مل جائے۔ جب کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام سے معزول کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ مسلمانوں کی قوت ضائع ہو جائے گی، جس کی بنیاد پر وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خون بہا طلب کرتے تھے، اور وہ دونوں قوت ختم ہونے کے بعد قاتلینِ عثمان کی تلواروں کا نشانہ بن جائیں گے۔

نیز سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس بات پر بھی متفق ہوئے کہ عمرو بن عاص اور معاویہ رضی اللہ عنہما کو یہ حق نہیں کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بدلے میں کسی عہدے ومنصب کی شرط لگائیں لیکن سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی، لہٰذا یہ شرط پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی۔ پھر سوال یہ ہے کہ اس کے باوجود سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو امارتِ شام سے معزول کیوں کر دیا؟

درست بات یہ ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حقِ خلافت سے معزول کیا نہ کہ شام کی گورنری سے۔

یہاں کچھ اَور سوال کھڑے ہوتے ہیں، وہ یہ کہ حکمین کی گفتگو خلافت کے گرد ہی کیوں گھومتی رہی؟

جواب:

1. اہلِ شام کو معلوم تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے، یہاں تک کہ اہلِ شام ان کی بیعت کر لیں، نیز اگر انھیں فرصت ملی تو وہ بارِ دگر ان پر حملہ کریں گے، مگر جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت ہی سے معزول کر دیا تو پھر اس حملے سے پہلے ہی اپنا بچاؤ کر لیا۔
2. اہلِ شام کو یہ بھی معلوم تھا کہ اگر انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو ان کی قوت ماند پڑ جائے گی اور ان کے لیڈر خوارج و قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کی تلواروں کا

[1] عنقریب یہ حدیث عنوان: ''حکمین کے حتمی نتائج'' میں آ رہی ہے۔

نشانہ بن جائیں گے، لہٰذا سیدنا عمرو اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کو یہی بات سلامتی کے قریب لگی کہ وہ خلیفہ ہی بدل دیں۔

کیوں کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ تو چاہتے ہی یہ تھے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اولیاء اور ان کے انصار کا فیصلہ کر دیا جائے تا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خون ضائع ہو جائے، پھر کوئی بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا خون طلب نہ کرے، وگرنہ تو قاتلین اور ان کے مددگاروں کو عدالت کا سامنا کرنا پڑے گا اور ان کے متعلق اللہ کا حکم جاری کیا جائے گا۔

جبکہ خوارج کی شدید چاہت تھی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام سے جنگ کی جائے، کیوں کہ وہ سیدنا معاویہ، عمرو بن عاص، حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اور دیگر زعمائے شام کو کافر سمجھتے تھے، خوارج سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر اس بات کا اصرار کر رہے تھے کہ تحکیم وقوع سے قبل ہی باطل ہو جائے اور وہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکمین کے اجتماع میں نہ بھیجیں، بلکہ اس کے بدلے اہلِ شام سے لڑنے چلے جائیں، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ شام سے وعدہ خلافی کرنے سے انکار کر دیا اور خوارج سے کہا: ''ہم سے لوگ جس چیز پر جدا ہوئے ہیں،[1] اس کو توڑنا جائز نہیں ہے۔''[2]

یعنی صفین کے بعد ایک نئے فتنے نے روسائے شام کے لیے خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی، جو خوارج کا فتنہ تھا۔ سو اہلِ شام کو پہلے تو ڈر تھا قاتلینِ عثمان کی تلواروں کا، بعد میں پھر قاتلینِ عثمان و خوارج دونوں گروہوں کی قتل و غارت گری کا ڈر پیدا ہو گیا، گویا صفین کے بعد معاملہ مزید پریشان کن ہو گیا تھا۔

3 معرکۂ صفین سے قبل بھی معاملات بہت پیچیدہ تھے، مگر بعد میں تو صورتحال مزید سنگین ہو گئی، جب ہر دو فریق نے جان لیا کہ جس وقت کوئی ایک فریق بھی شکست کھا جائے گا، یا شامی اپنے موقف سے ہٹ جائیں گے، تو پھر ان کے لوگوں اور خصوصاً ان کے قائدین پر حملے ہونا شروع ہو جائیں گے۔

اگر اہلِ شام اس زمانے میں اہلِ عراق پر غالب آ جائیں تو وہ اشتر کو قتل کر دیں گے، جو خلافت کی فوج کا قائد تھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا ملزم، اسی طرح قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ میں ملوث باقی لوگوں کو بھی قتل کر دیں گے۔

اور اگر عراقی غالب آ گئے یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قصاص سے قبل بیعت کر لی اور ولایت سے

---

[1] اس سے مراد اہلِ شام ہیں۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۴۷۷]

معزولی کا حکم مان لیا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ شامی قیادت کو ختم کرنا شروع کر دیں گے اور اسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اولیاء کو قتل کر دیں گے۔

سو ہر دو فریق کے اس خوف نے یہ صورتِ حال پیدا کر دی تھی کہ دونوں ہی اپنے موقف پر مصر رہے، دونوں کی چاہت رہی کہ دوسرے پر فتح پالیں، تا کہ شکست کے بعد کی صورت حال سے محفوظ رہا جا سکے، یا شامی فوج بیعت قبول کرنے کے بعد اس کے عواقب سے محفوظ رہ سکے۔

اس میں ایک مزید بات شامل کر لیجیے کہ صفین کے بعد ایک نیا خطرہ پیدا ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے دونوں فریق اپنے موقف سے ہٹ نہیں پا رہے تھے اور وہ خوارج کا خطرہ تھا جو ہر دو فریق کی قیادتوں کے سر تھے۔

تو خوارج کے خطرے نے اہلِ شام کے لیے ایسے حالات پیدا کیے کہ وہ کبھی بیعت کو تسلیم نہ کر سکیں، اگرچہ قصاص اس سے قبل ہی لے لیا جائے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ شام کی قیادت نے دیکھا کہ فقط بیعت سے قبل قصاص کی شرط سے قاتلینِ عثمان کا معاملہ حل ہوگا، لیکن اس پر اکتفا کر لینے سے ایک بڑا خطرہ سر پر کھڑا رہ جائے گا اور وہ خوارج کا خطرہ ہے۔ شام کی قیادت اپنی قوت کو اس وجہ سے بچا کر رکھنا چاہتی تھی، تا کہ ان سے محفوظ رہا جا سکے۔ اگر اہلِ شام بیعت قبول کر لیتے ہیں اور شام کی امارت سے معزولی ہو جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ خوارج ان کے پلے کچھ نہیں چھوڑیں گے۔

اسی باعث سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تحکیم کے دن ایک نئی شرط رکھی، وہ یہ تھی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے امیر رہیں گے اور عمرو رضی اللہ عنہ مصر کے امیر رہیں گے، تا کہ خوارج کے خطرے سے محفوظ رہا جا سکے۔[1]

اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے مصر پر حاکم ہونے سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا فائدہ یہ تھا کہ اس طرح وہ شام کی کمک بنے رہیں گے۔ صفین سے قبل اہلِ شام کی ایک ہی شرط تھی اور وہ تھی بیعت سے قبل قصاص، کیوں کہ اس وقت تک خطرہ فقط قاتلینِ عثمان تھے۔

فریقین کی قیادت شکست کے عواقب سے اچھی طرح واقف تھی، اسی چیز نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے دن خلافت کے حصول کو سب سے بہتر مقصد بنانے پر مجبور کیا، اسی طرح حکمین کی رائے میں خلیفہ بدل دینے سے اس بند گلی سے نکلنے کا راستہ پیدا ہو جائے گا اور خون بہنے سے بچ جائے گا۔

---

[1] اہلِ شام کے نئی شرط لگانے کی دلیل آگے آ رہی ہے۔ دیکھیں: (ص: ۵۴۱-۵۴۲)

خلاصہ اس ساری بحث کا یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ نہیں تھا کہ اہلِ شام مجھ پر گھات لگائے بیٹھے ہوں گے، نہ ہی ان کے حملے کا خطرہ محسوس کرتے تھے، وہ فقط یہ چاہتے تھے کہ بیعت کے بعد فتنہ ختم ہو جائے گا اور امن قائم ہو جائے گا۔ پھر اپنے موقف پر انھیں مصر کرنے والی دوسری چیز اہلِ شام کی بغاوت تھی، چوں کہ ان کی رائے میں فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ ﴾ [الحجرات: ۹] ''اگر ان دو گروہوں میں سے کوئی ایک بغاوت کرے دوسرے پر تو بغاوت کرنے والے سے قتال کرو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف واپس آجائے۔'' وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

وہ اللہ سے شکایت کیا کرتے تھے کہ ان کی فوج اس واجب کو قائم نہیں کر پائی۔[1]

④ تین بنیادی قضیے جن کی وجہ سے حکمین جمع ہوئے، وہ یہ تھے:

- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قضیہ، وہ یہ تھا کہ اہلِ شام بغیر شرط کے فوراً بیعت کو تسلیم کر لیں۔
- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قضیہ، وہ یہ تھا کہ بیعت سے قبل قاتلینِ عثمان سے قصاص لیا جائے۔
- دونوں گروہوں کا قضیہ، اور وہ یہ تھا کہ قتل و غارت گری سے حفاظت ہو جائے۔

پہلا اور دوسرا قضیہ تو ایک بند گلی میں چلا گیا، کیوں کہ ہر فریق چاہتا تھا کہ پہلے ہماری بات مانی جائے، تیسرا مسئلہ ایسا تھا جس کی اہمیت پر دونوں فریق متفق تھے، اس اکیلے قضیے کا حاصل ہو جانا ہی کسی چیز کے حاصل نہ ہونے سے بہرحال بہتر تھا، سو حکمین نے سب سے پہلے اس کو حل کرنے کی کوشش کی، ان کی رائے یہ بنی کہ خلیفہ کے بدل جانے سے قتل و غارت گری رک جائے گی، فتنے کی کمر توڑ دی جائے گی اور اس کے بعد امت مجتمع ہو جائے گی، سو انھوں نے خلیفہ بدلنے کا فیصلہ کیا اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا انتخاب کیا، مگر انھوں نے انکار کر دیا، اور یہ حل بھی خواب ہی رہ گیا۔

⑤ صفین کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود کو خلافت کا زیادہ حق دار سمجھنے لگے تھے اور سمجھتے تھے کہ میں باقیوں کی نسبت بہتر انتظامِ حکومت چلا سکتا ہوں، اسی طرح ان کو خلافت مل جانے سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کا قصاص مل جائے گا، فتنہ ختم ہو گا، خون بہنے بند ہو جائیں گے، شامی قیادت قاتلینِ عثمان کی تلواروں سے محفوظ رہے گی، اسی طرح شام عراقیوں سے بھی محفوظ رہ جائے گا اور ان کے موقف کو بہت بڑی مدد حاصل ہو گی۔

---

[1] اس کی تفصیل روایت: [رقم: ۵۱۸] میں دیکھیں۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کوشش کی کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خلافت قبول کر لیں اور پھر بہت سا مال لے کر اسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں، لیکن سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس بات کو بھی ماننے سے انکار کر دیا۔

6 خلیفہ بدل دینے کو خون بچانے اور امت کے اتحاد کے لیے سب سے بہتر حل سمجھا جاتا ہے، اسی لیے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے یہی حل اختیار کیا اور خلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دی اور ساتھ شرط رکھی کہ صلح سے قبل جو کچھ ہو گزرا، جو مال ضائع ہوئے، جو جانیں گئیں یا جو کچھ بھی ہوا عام معافی دیں، یہی صلح کا راستہ سب سے بہترین راستہ تھا۔

روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تحکیم کے زمانے ہی سے افواہیں عام ہو گئی تھیں، بلکہ واقعۂ تحکیم سے پہلے ہی، اسی لیے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں نے جو کہا سو کہا، معاملہ بخدا مگر ایسا نہیں، جیسا وہ کہتے ہیں۔

روایت کے مطابق افواہیں یہی تھیں کہ حکمین نے سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کو معزول کر دیا ہے، پھر معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ کے سپرد کر دیا ہے، یا انھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو متعین کر دیا ہے، یا ان کے علاوہ کسی اَور کو۔

قصۂ تحکیم کی افواہ (دھوکا اور باہم ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا):

یہ جو دھوکے اور باہم گالم گلوچ کی روایت ہے جس میں ہے: حکمین جب سیدنا معاویہ اور علی رضی اللہ عنہما کو معزول کرنے پر متفق ہو گئے۔ اور معاملے کو شوریٰ کے سپرد کرنے پر متفق ہو گئے، اس کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ مجھ سے بڑے ہیں، لہٰذا آپ بات کریں، جس پر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بات کرنی شروع کر دی اور سیدنا علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو برطرف کر دیا۔ اس کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو دھوکا دیا اور کہا: اس شخص نے جو کچھ کہا آپ سب نے سن لیا، اس نے اپنے صاحب کو معزول کر دیا میں بھی اس کے صاحب کو معزول کرتا ہوں۔ رہی بات میرے صاحب معاویہ رضی اللہ عنہ کی تو میں انھیں عہدے پر برقرار رکھتا ہوں۔ اس پر فریقین میں باہم گالم گلوچ شروع ہو گئی۔ اس معاملے کے بعد سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ مکہ چلے گئے۔''[1]

[1] تاریخ الطبري (۳/۱۱۳) اختصار کے ساتھ، یہ روایت موضوع ہے اور [رقم: ۱۳۷] پر گزر چکی ہے۔ مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ کیجیے: صلابی کی کتاب سیرة علي رضی اللہ عنہ (ص: ۵۰۹- ۵۱٦)، وہاں پر واقعۂ تحکیم کے بطلان کی ۱۲ وجوہات کا تذکرہ موجود ہے۔

یہ محض افواہیں ہیں جن کا زمانۂ اجتماع الحکمین میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، کیوں کہ اگر فیصلہ یہی ہوا ہوتا تو اسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کبھی ناپسند نہ کرتے، کیوں کہ اس فیصلے میں تو انھیں خلیفہ متعین کر دیا گیا تھا، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''مجھے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں ناپسندیدہ بات کا علم ہوا ہے۔''

تو یہ افواہ حکمین کے جدا ہونے کے دو برس بعد پیدا ہوئی، ایسی خرافات کوئی عقل مند مان ہی نہیں سکتا، اس میں جھوٹ واضح طور پر عیاں ہے۔ اللہ اس مفتری کو غارت کرے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے عمر میں بڑے تھے ہی نہیں، حد تو یہ ہے کہ اس قصے میں طعن و تشنیع اور گالم گلوچ کا بیان ہے۔

اس قصے میں موجود تناقضات: ابو مخنف نے اوائلِ قصہ میں بیان کیا ہے کہ زمانۂ تحکیم سے قبل سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کی گئی مگر بعد میں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے انھیں تحکیم کے دن معزول کر دیا، جب کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انھیں برقرار رکھا۔ پھر قصہ کے آخر میں کہا ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام تحکیم کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام چلے گئے اور خلافت پر ان کی بیعت کر لی۔ اگر اہلِ شام نے تحکیم سے قبل ان کی بیعت کر لی تھی تو پھر تحکیم کے بعد دوسری مرتبہ بیعت کرنے کا کیا مقصد تھا؟

پھر ابو مخنف کہتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تحکیم کے وقت وہاں موجود نہ تھے، انھوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۴۰۰ کا لشکرِ جرار دومۃ الجندل کی جانب روانہ کیا تھا، اس دوران میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مابین خفیہ خط کتابت جاری رہی جن کے مندرجات کا کسی کو علم نہ تھا۔ تحکیم کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس شام چلے گئے اور انھوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ یہ واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ کی بیان کردہ روایت کے صریحاً خلاف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تحکیم والے دن وہاں حاضر تھے اور آپ نے خطبہ بھی ارشاد فرمایا: ''جو کوئی اس معاملے میں بات کرنے کا خواہاں ہے وہ سامنے آئے۔''[1]

امام ابن الاثیر رحمہ اللہ نے ابو مخنف کی اس خطا کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کے گمان میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تحکیم میں موجود نہیں تھے۔[2]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۱۳۱]

[2] الکامل في التاریخ (۳/۲۱۰-۲۱۱)

یہ من گھڑت بات غالی شیعہ کی اختراع ہے۔جنھیں اس بات کی تکلیف تھی کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اپنے دشمنوں کے ساتھ نرمی کرتے ہیں، اور صلح اور تحکیم کو قبول کرتے ہیں۔اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم اور نمائندہ مقرر کرتے ہیں، اور اسی بات پر یہ غالی شدید غیظ وغضب کا شکار ہوئے تھے۔

انھوں نے حکمین کے معاملے میں اس طرح کے قصے گھڑنے شروع کر دیے۔ مزید برآں یہ کہ ان غالیوں کا اضطراب اور قبیح قسم کے قصے گھڑنے کا عمل تیسرے واقعہ سے مزید بڑھ گیا، جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔[1]

خلاصہ: سیدنا علی وسیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کو معزول کرنے کی افواہ تو حکمین کے اجتماع کے زمانے ہی میں پھیل گئی تھی، پھر تحکیم کے بعد اس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بطور خلیفہ برقرار رہنے کا قصہ بڑھا دیا گیا۔ یعنی دھوکے اور باہم گالم گلوچ کا قصہ، جسے اخباریوں نے اپنی مرویات میں اسی رنگ میں نقل کرنا شروع کر دیا۔

دارقطنی کی خبر جو ابومخنف اور اس جیسے کذابین سے خالی ہے، اور اس میں انقطاع بھی نہیں ہے، وہ حکمین کے درمیان باہم گالم گلوچ کا ذکر نہیں کرتی، بلکہ اس میں تو معزولی اور نئے حاکم کے تعین کی نفی ہے، اور صحیح روایت یہ ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہا ہے: ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تحکیم کے دن شرعی خلیفہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہم نوا تھے اور سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو معزول نہیں کیا تھا، بلکہ ان کے شرعی حق کی نصرت کی تھی اور باغی گروہ کو شرعی خلیفہ کا حکم ماننے اور بغاوت کو ترک کرنے کا حکم دیا تھا۔

[**413**] ابن سعد کی روایت ہے کہ ہمیں ابوعون نے حسن بصری سے بیان کیا کہ ''سیدنا ابوموسیٰ اشعری اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما دونوں حکم تھے، ان میں سے ایک دنیا کا متلاشی تھا اور دوسرا آخرت کا پیروکار تھا۔''[2]

---

[1] اس پر دکتور محمد امحزون کے قول پر تعلیق دیکھیے: [رقم: ۳۹۲]

[2] الطبقات الکبری (۱۱۳/٤) یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے، اس کی سند مقطوع ہے، البتہ یہ امام حسن بصری رحمہ اللہ کے قول سے صحیح ہے، امام حسن بصری رحمہ اللہ اور اس واقعے کے مابین انقطاع ہے۔ عنقریب [رقم: ۴۱٦] پر اس روایت کی تخریج اور شرح بھی آئے گی، امام حسن بصری رحمہ اللہ کے اس مقولہ کے لیے ہم نے مستقل طور ایک مطلب خاص کیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کیجیے۔

آخرت کے پیروکار سے مراد: سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں جو شرعی خلیفہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نصرت کی وجہ سے آخرت کے متلاشی تھے۔

دنیا کے متمنی سے مراد: سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں جو باغی گروہ کی حمایت کی وجہ سے دنیا کے طلبگار تھے۔ جیسا کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا پیروکار قرار دیا تھا، یہ اس موقع کی بات ہے جب ایک شخص نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متبع نہیں ہیں، تو اس پر امام حسن بصری رحمہ اللہ غصے میں آ گئے اور کہا: تو پھر اور کس کی پیروی کی جاتی ہے؟[1]

افواہوں کے جوابات دینے کی ابتدا سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کی تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضین بن منذر نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا: مجھے اپنے اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے معاملے میں کچھ بتلاؤ کہ جو معاملہ یا ذمہ داری آپ کو سونپی گئی تھی، آپ نے اسے کس طرح نبھایا؟ تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اس بارے میں لوگوں نے باتیں تو کی ہیں، لیکن معاملہ بخدا ایسا نہیں تھا۔

ان افواہوں کی نفی کرنے کے بعد خود سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے پوری حقیقتِ حال واضح کی ہے، فرماتے ہیں: جب میں اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جمع ہوئے تو میں نے پوچھا: آپ کا خلافت کی بابت کیا خیال ہے؟ اس پر سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میری نظر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل ہیں، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوقتِ وصال راضی تھے۔

یعنی آپ شوریٰ کی چھے رکنی کمیٹی میں شامل تھے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: آپ مجھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس معاملے میں کہاں رکھتے ہیں؟ تو فرمایا: اگر وہ آپ سے مدد طلب کریں تو آپ مدد کریں گے اور اگر آپ سے مستغنی ہو جائیں تو اللہ کا امر تم سے مستغنی ہو گا۔

گزشتہ صفحات میں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے اس قول کی شرح گزر چکی ہے کہ ''میری نظر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس گروہ میں شامل ہیں، جن پر بوقتِ وصال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے۔'' اور اس بات پر دلائل بھی ذکر ہو چکے ہیں کہ ان کے اس جملے میں اصحابِ شوریٰ کی طرف اشارہ تھا، اور وہ بات جو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۱۷، ۴۱۸]

نے کہی خود سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا کلام ہے، سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے تحکیم کے دن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو ہی دلیل بنایا تھا۔[1]

اس بحث کے چار حتمی نتائج ہیں، تین نتائج متفقہ ہیں اور ایک نتیجہ مختلف فیہ ہے:

پہلا نتیجہ: حکمین رضی اللہ عنہما بنیادی اصول پر متفق تھے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے شرعی خلیفہ تھے اور وہ اصحابِ شوریٰ کی چھے رکنی کمیٹی کے ممبر تھے اور مجلسِ شوریٰ کے بقیہ ارکان بھی ان کی خلافت پر متفق تھے، لہٰذا خلافت کے زیادہ حقدار سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ان کا خیال پوچھا تو انھوں نے کہا: میری نظر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں داخل ہیں جن پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوقتِ وصال راضی تھے۔ مراد یہ تھا کہ خلافت ان چھے لوگوں میں رہے گی جن پر بہ وقتِ وفات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان میں سے ہی ہیں، نیز بقیہ ارکان بھی آپ کے خلیفۃ المسلمین ہونے سے متفق تھے لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے شرعی خلیفہ ہیں اور خلافت ان ہی کا حق ہے۔ یہ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا اور اسی پر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی تھی۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پیش کردہ دلائل اس حد تک قوی تھے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس انھیں تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، یعنی حق واضح تھا، لہٰذا اس پر حکمین کے درمیان کوئی نزاع نہیں ہوا۔

[**414**] ابن سعد کی روایت ہے کہ ہمیں عفان بن مسلم اور سلیمان بن حرب اور موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، وہ سب کہتے ہیں: ہمیں حماد بن زید نے بیان کیا، وہ زبیر بن خریت سے وہ ابولبید سے بیان کرتے ہیں: ہم سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے کلام کو قصائی سے تشبیہ دیا کرتے تھے جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا۔[2]

---

[1] آپ کے اس قول: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے راضی تھے'' کی شرح گزر چکی ہے۔ [رقم: ۴۱۲] کے حاشیے میں دیکھیے۔

[2] الطبقات (١١١/٤) اس کی سند صحیح ہے اور تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابولبید: لمازہ بن زبار ازدی جہضمی بصری۔

امام نسائی رحمہ اللہ کے علاوہ اصحابِ سنن نے اس سے روایت کی ہے، امام ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی بابت کہا ہے کہ یہ صدوق راوی تھا اور ناصبی تھا۔ یہ خبر اس کی روایت کا حصہ نہیں ہے اور یہ اس کا اپنا قول ہے۔

تخریج: اسے ابن سعد (۳۴۵/۲) نے روایت کیا ہے۔ ابن عساکر (۶۶/۳۲) نے بھی اسی طریق سے بیان کیا ہے، ہمیں سلیمان بن حرب اور موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، وہ دونوں کہتے ہیں: ہمیں حماد بن زید نے اس کی بابت بیان کیا۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ''سیر أعلام النبلاء'' (۳۹۸/۲) میں زبیر بن خریت کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ شعیب ارنوؤط نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

دوسرا نتیجہ: دونوں اس بات پر متفق تھے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو حقِ خلافت سے نکال دیا جائے، خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

پہلے نتیجے کو مان لینا دوسرے نتیجے کے تسلیم کرنے کو لازم ہے، کیوں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چھے اصحابِ شوریٰ میں سے نہیں تھے۔

تیسرا نتیجہ: دونوں اس پہلو پر بھی متفق تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سیدنا معاویہ اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو منصب عطا کرنا واجب نہیں تھا، نہ ہی ان کے لیے درست تھا کہ وہ بیعت سے قبل اس طرح کی کوئی شرط لگائیں۔

جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اس معاملے میں آپ مجھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کیا دیں گے؟ تو اس سے مراد یہ تھی کہ کیا ہمارا خلافت کے عاملین میں کوئی حصہ نہیں ہے؟ جیسے وزارت، ولایت، قضا، سپہ سالاری اور دیگر ایسے مناصب جو خلیفہ اپنے عمال کو عطا کرتا ہے۔ گویا سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس معاملے کا سوال اس لیے کیا، تاکہ ان سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گورنرِ شام ہونے اور خود اپنے والیِ مصر ہونے کا اقرار کروالیں اور یوں وہ اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے تحکیم سے نفع سمیٹ کر لوٹیں۔

ان دلائل کا بیان جن کے مطابق سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ اپنی ذات کے لیے کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے:

[**415**] بلاذری نے نقل کیا ہے کہ ہمیں ابوخیثمہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وہب نے بیان کیا، وہ جویریہ بن اسماء سے، وہ نافع سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اذرح گئے، جہاں حکمین نے تحکیم کے معاملے میں جمع ہونا تھا، تو ان سے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں خلافت کے معاملے میں آپ کے لیے کچھ کروں،[1] تو مجھے کیا ملے گا؟[2] تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: اللہ کی قسم! میں تجھے کچھ نہ دوں گا اور میں خلافت تب تک قبول نہ کروں گا جب تک کہ کوئی دو شخص بھی مجھ سے اختلاف کرنے والے نہ ہوں۔[3]

---

[1] اس سے مراد خلافت تھی۔

[2] یعنی اگر میں خلافت آپ کو دلوا دوں آپ مجھے کیا مقام دیں گیا؟ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ولایتِ مصر یا کچھ اور چاہتے تھے، یا کوئی بھی اور منصب۔

[3] أنساب الأشراف (۳۴۵/۲) اس کی سند درست ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ عنقریب [رقم: ۴۲۷] یہ کامل قصہ بھی آئے گا، وہاں پر اس کے رجال کی معرفت کا بیان بھی آئے گا۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ عرب میں ایک نمایاں حیثیت کے مالک تھے، ان کی شان کے لائق یہی تھا کہ وہ زمین پر امیر بن کر رہیں۔ جیسا کہ وہ یہ نہیں چاہتے کہ فتنہ ختم ہو جانے کے بعد اپنا مقام و مرتبہ کھو دیں اور وہ کمزور و ناتواں ہو کر رہ جائیں۔ جب کہ پہلے وہ عرب کے سردار اور اربابِ حل وعقد میں سے تھے۔ خصوصاً جب انھیں یہ بھی علم نہیں تھا کہ آئندہ حالات کس کروٹ جائیں گے، فتنہ ابھی موجود ہے، فتنہ پرور لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں چھپے بیٹھے ہیں، خوارج ان پر، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اور شامی قیادت پر گھات لگائے بیٹھے ہیں۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جو پوچھا ہے کہ مجھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کیا دیں گے، تو یہ گویا اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس فیصلے کے ساتھ ہی اہلِ شام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کریں گے اور قصاص موخر ہو جائے گا۔

لیکن شرط یہ ہو گی کہ والیِ شام سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی ہوں گے اور والیِ مصر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہوں گے، تاکہ خوارج اور قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کے لیے پناہ گاہیں موجود ہوں، یہاں تک کہ قصاص کا عمل مکمل ہو جائے اور امن قائم ہو جائے، لیکن سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیعت کے بدلے کوئی بھی شرط ماننے سے انکار کر دیا اور واضح کیا کہ اہلِ شام کے لیے فوری طور پر بیعت کرنا واجب ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے برخلاف جو موقف ہے،[1] بعینہٖ یہی موقف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔

مراد یہ ہے کہ اے معاویہ و عمرو بن عاص! تم دونوں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے تابع رہو گے، اگر انھوں نے اپنے اعمال کے معاملے میں تم سے استعانت کی تو یہ ان پر منحصر ہے اور تمھیں فائدہ ہو گا، البتہ یہ ضروری نہیں کہ ایسا ہی ہو، ہاں اگر انھوں نے ایسا نہ کیا تو بھی ان کی مرضی ہے، تم بہر حال ان کی اطاعت کرو گے اور یہ تم پر واجب ہے۔

چوتھا نتیجہ: فریقین مگر متفق نہ ہو سکے، کیوں کہ وہ بنیادی سبب ابھی تک باقی تھا جس کی وجہ سے تلواریں میانوں سے باہر آ گئی تھیں، اور جنگ چھڑ گئی تھی۔ اور وہ معاملہ یہ تھا کہ بیعت قصاص سے قبل ہو یا بعد؟ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس بات پر مصر رہے کہ قاتلینِ عثمان سے بدلہ لینے سے قبل بیعت لی جائے گی، جب کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس بات پر ڈٹے رہے کہ بیعت سے پہلے قصاص لیا جائے گا۔

---

[1] سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی تجویز: ''بیعت کو مقدم اور قصاص کو موخر کرنے کے عوض ولایتِ شام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور ولایتِ مصر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو دلانے کی تھی۔''

اس بنا پر دونوں کے مابین افتراق ہو گیا۔ اسی دوران میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضین سے کہا: مجھے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں چند خبریں موصول ہوئی ہیں جو مجھے پسند نہیں ہیں، تم پتا لگاؤ کہ کیا جو بات پہنچی ہے ویسے ہی ہے؟ تو حضین عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے اس معاملے دریافت کیا، حضین کا بیان ہے کہ میں نے پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جا کر بتایا کہ معاملہ ویسا ہی ہے جیسے آپ نے سنا ہے۔ سو اسی بنا پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شدید غصے میں آئے تھے، گویا خود کو مار ڈالیں گے۔

اس قصے کی تفصیل درج ذیل ہے:

❁ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہلے تین معاملات کی خبر ملی تھی کہ سیدنا عمرو بن عاص اور سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما مندرجہ ذیل باتوں پر متفق ہوئے ہیں:

1. سیدنا علی رضی اللہ عنہ شرعی خلیفہ ہیں اور وہ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں، کیوں کہ وہ مجلسِ شوریٰ کے چھے ارکان میں سے ہیں اور بقیہ ارکان نے ان کی خلافت پر بیعت کر لی ہے۔
2. سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کے معاملے سے دور رکھا جائے گا، کیونکہ وہ چھے رکنی مجلسِ شوریٰ میں سے نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ کوئی حق ہے۔
3. سیدنا معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کو تسلیم کرنے کے بدلے میں شام اور مصر کی گورنری کی شرط لگائیں۔

❁ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزولیت کی خبر بھی ملی تھی، تو جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا، اسی وقت اس خبر کا درست ہونا واضح ہو گیا تھا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تھا: مجھے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ایسے معاملے کی خبر ملی ہے، جو مجھے ناگوار گزری ہے۔ پھر حضین کا بیان ہے کہ میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جا کر خبر دی کہ معاملہ ویسا ہی ہے۔

یعنی جیسے آپ کو خبر ملی ہے، معاملہ ویسا ہی ہے، لہٰذا حکمین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے شرعی خلیفہ ہونے اور خلافت کے حق دار ہونے پر متفق ہو گئے ہیں، اسی طرح آپ کو خلافت سے دور رکھیں گے۔ پھر سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے تیسرا نتیجہ بیان کیا جس کا ان سے حضین نے سوال کیا تھا، وہ یہ تھا کہ سیدنا معاویہ وسیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو حق نہیں ہے کہ وہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بدلے شام ومصر کی گورنری کا مطالبہ کریں، اس پر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ غضب ناک ہو گئے، کیونکہ تحکیم کا نتیجہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی میں آ گیا تھا۔

۞ وہ تین نتائج جن پر حکمین کا اتفاق تھا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے ناخوش تھے، لہٰذا آپ کی شدید خواہش تھی کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ان کے لیے خلافت کا عہدہ حاصل کر لیں، یا کم از کم ایسا کچھ ہو جائے جس سے ان کے موقف کو تقویت ملے اور فائدہ حاصل ہو، جیسے شام کی گورنری مل جائے، اس کی دلیل سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے اس مطالبے سے ملتی ہے کہ اس معاملے میں مجھے اور معاویہ کو کیا ملے گا؟ تو سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اگر وہ تم سے استعانت لیں[1] تو ٹھیک اور اگر تم سے مستغنی ہو جائیں تو اللہ کا امر تم سے مستغنی ہو جائے گا۔

لیکن ہوا یہ کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس نقطۂ نظر پر متفق ہو گئے، جس بنا پر انھیں نہ تو شام کی امارت ملنا تھی، نہ خلافت اور نہ کچھ اور، نتیجہ دونوں کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نکلا، جس پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ پر شدید غصہ آیا۔ روایت میں ہے کہ یہی وہ بنیادی وجہ تھی، جس کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شدید غصہ آیا تھا، وہ گویا خود کو قتل کر رہے ہوں۔

⦿ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے متفق ہونے کی وجہ سے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو زجر وتوبیخ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے لیے آپ نے ایک سخت مزاج شخص ابو الاعور سلمی کو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی جانب روانہ کیا۔ ابواعور سلمی کو حکمین کے اتفاق کا علم ہوا تو اس کو بھی شدید غصہ آیا، سو وہ اونچی آواز سے برا بھلا کہتا سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی جانب گیا، کہنے لگا: او اللہ کے دشمن! کہاں ہو؟ یہ فاسق کہاں چلا گیا؟ جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو سمجھ گئے کہ وہ تو مجھے قتل کرنے کے در پے ہے۔

ایک خبر میں ہے کہ جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اس کا ارادہ تو مجھے قتل کرنے کا ہے، تو انھوں نے ابو اعور کے سامنے حکمت سے کام لیا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے اتفاق محض اس لیے کیا تھا کہ خون بہنا رُک جائے، کیوں کہ عرب کے فہیم ترین شخص عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ جیشِ معاویہ ضبط سے کام لے رہا ہے، وہ نہیں چاہتے کہ اس میں کوئی دراڑ یا فتنہ پیدا ہو، انھیں یقین تھا کہ ان کے پیچھے ہٹنے میں ہی ان کی اور پورے لشکرِ شام کی سلامتی ہے۔ تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے کی طرف لپکے اور جلد بازی میں اپنے گھوڑے پر بغیر زین کسے اور بغیر تیاری کے سوار ہو کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خیمے

---

[1] اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تم سے خلافت کے معاملات میں مدد کا مطالبہ کریں، مثلاً ولایت، قضاء، جیوش کی قیادت اور وزارت وغیرہ۔

کی طرف چل دیے اور ان سے فریاد کرنے لگے کہ وہ ابو اعور کو اس کے ناعاقبت اندیشانہ قدم اٹھانے سے روکیں۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے ابو اعور سلمی کے ارد گرد کے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ابو اعور کو روکیں۔ اس پر لوگوں نے چلانا شروع کر دیا: او ابو اعور! سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کو حکم دے رہے ہیں کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے اپنا ہاتھ ہٹا لیں اور رُک جائیں۔ اس پر ابو اعور رُک گئے۔

یہ روایت بتلا رہی ہے کہ ابو اعور سلمی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ارادہ رکھتا تھا، اسی وجہ سے وہ حکمین کے اتفاق پر شدید غضبناک ہوا اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔

⊙ جب کہ اہلِ شام کے نزدیک سیدنا علی رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت کے حقدار تھے نہ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت فقط قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے کی تھی، کہ وہ امیر ہوں گے، خلافت کی طمع نہیں کریں گے۔[1] یعنی انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے عہد لیا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے ان کے امیر ہوں گے اور شرط یہ ہے کہ خلافت کے مسند پر بیٹھنے کی طمع ہرگز نہ کریں گے، بلکہ معاملہ شوریٰ کے سپرد ہو گا۔[2]

اہلِ شوری اور اہلِ حل و عقد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق تھے، سوائے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کے، کیوں کہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے درست ہونے کا انکار نہیں کیا تھا، البتہ انھوں نے بیعت سے قبل قصاص لینے کی شرط عائد کر دی۔

⊙ وہ روایت آگے آ رہی ہے[3] جسے امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر نے نقل کیا ہے کہ حبیب بن مسلمہ، جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا چوٹی کا ساتھی تھا، اور لشکر کا سپہ سالار تھا، اس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول کا انکار کیا کہ جو کوئی اس معاملے میں بات کرنا چاہتا ہے تو وہ ہمارے سامنے آئے۔[4] ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ اس معاملے کے حقدار ہیں۔ اس پر حبیب نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: تو آپ نے پھر جواب کیوں نہیں دیا؟

لہٰذا یہ موقف ابو الاعور کا اپنا ذاتی تھا، اہلِ شام اس سے متفق نہیں تھے۔

---

1. [رقم: ۱۱] پر جو گزر چکا وہ اور اس کے بعد دیکھیے۔
2. یہاں پر مذکور روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۱۱]
3. دیکھیے: [رقم: ۴۳۱]
4. یعنی خلافت کے معاملے میں۔

اسی طرح عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا موقف بھی اہلِ شام جیسا تھا کہ خلافت کے اصل حقدار علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں نہ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے اتفاق کیا کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ ہیں اور مسندِ خلافت پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی جگہ نہیں ہے، حالانکہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خود چاہتے تھے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت ملے، لیکن ان کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے زیادہ خلافت کے حقدار نہ تھے، وہ بس یہ سوچتے تھے کہ شام کو عراقیوں کے حملوں سے محفوظ رکھ سکیں اور اس معاملے میں ممکن حد تک اہلِ شام کے لیے کچھ فوائد لے سکیں، تو اس مقصد کا حصول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے ممکن تھا۔

عنقریب یہ بیان بھی آرہا ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب ارسال کیا: عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے میری اسی طرح بیعت کر لی ہے جیسے میں چاہتا ہوں، اللہ کی قسم! اگر اس معاملے میں وہ بھی میری بیعت کر لیں تو میں آپ کے دونوں بیٹوں میں سے ایک کو کوفہ اور دوسرے کو بصرہ کا حاکم بناؤں گا۔[1]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگِ صفین کے بعد عہد و پیمان کیا کہ وہ ان کی نصرت و حمایت کریں گے کہ وہ خلافت کا عہدہ سنبھال لیں، نہ کہ اس بات پر کہ انھوں نے خلافت پر ان کی بیعت کی اس کا بیان عنقریب شرح میں آئے گا۔

⑤ حکمین رضی اللہ عنہما کے معاملے میں امام حسن بصری رحمہ اللہ کا قول

[**416**] امام ابن سعد حسن بصری سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما دونوں حَکم تھے، ان میں سے ایک دنیا کا متلاشی تھا اور دوسرا آخرت کا تھا۔[2]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۲۱]

[2] الطبقات الکبری (٤/١١٣) یہ اپنے شواہد کی بنا پر درست ہے اور اس کا حسن بصری کا قول ہونا صحیح ہے۔ ان کے اور اس واقعے کے مابین انقطاع ہے۔ معاذ بن معاذ سے مراد: ابو مثنی عنبری ہیں اور ابو عون سے مراد: عبداللہ بن عون بن ارطبان مزنی ہیں۔

خبرِ مقطوع اور منقطع کے مابین فرق ہے۔ ''مقطوع روایت'' وہ ہے جو تابعی کی طرف منسوب ہو، جیسا کہ صحابی کی طرف منسوب روایت ''موقوف'' ہوتی ہے اور ''مرفوع'' روایت کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے۔ البتہ ''منقطع'' روایت وہ ہوتی ہے جس میں متصل روایت کی شرط نہ پائی جائے۔ ←

امام حسن بصری رحمہ اللہ کی اس رائے کے دو محمل ہو سکتے ہیں:

⦿ پہلا یہ کہ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ تحکیم کے دوران میں حق کی نصرت کے لیے کوشاں تھے اور اہلِ شام کی شرعی خلیفہ کے خلاف بغاوت کو روکنے کے لیے تگ و دو کر رہے تھے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے جب کہا کہ آپ کا خلافت کے معاملے میں کیا خیال ہے تو انھوں نے کہا: میری رائے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں شامل ہیں جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی موت کے وقت راضی تھے، یعنی شوریٰ کی چھے رکنی جماعت میں شامل تھے، بقیہ ارکان نے خلافت کے معاملے میں ان کی بیعت کی ہے۔ لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ شرعی خلیفہ ہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان چھے میں سے نہیں ہیں، لہٰذا وہ مسندِ خلافت کے مستحق نہیں ہیں۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا: اس معاملے میں آپ مجھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو کیا دیں گے؟ تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اگر وہ تمھاری مدد چاہیں تو ٹھیک، اور اگر وہ تم سے مستغنی ہوں تو تم سے اللہ کا امر مستغنی ہے۔[1]

⦿ دوسرے یہ کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تحکیم میں باغی گروہ کی نصرت کے لیے کوشاں تھے، اسی لیے آپ نے تحکیم کے دوران میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت پر سیدنا ابو موسیٰ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کو قائل کرنے کی کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہوئے۔[2] سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خلافت کی پیشکش کی اور ان سے کہا کہ اگر میں آپ کو خلافت دلوا دوں تو مجھے کیا ملے گا؟

اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نہ تو اسے قبول کروں گا اور نہ ہی آپ کو کچھ دوں گا حتیٰ کہ میرے متعلق کوئی دو لوگ بھی اختلاف نہ کریں۔"[3]

← **شواہد:** بتاتے ہیں کہ حکمین میں سے ایک نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قضیہ کی نصرت کی اور دوسرے نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قضیہ کی اور یہ بات بہت سی صحیح روایات سے ثابت ہے۔ یہ کتاب اس جیسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ بطور مثال دیکھیے: [رقم: ۴۱۲ تا ۴۱۳]

تخریج: یہ روایت "سیر أعلام النبلاء" میں ابو عون کے طریق سے وارد ہے۔

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۱۲]

[2] اس کی تفصیل (ص: ۵۴۵) پر عنقریب آئے گی۔

[3] دیکھیے: [رقم: ۴۲۷]

اسی لیے امام حسن بصری رحمہ اللہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ آخرت چاہتے تھے، کیوں کہ وہ شرعی خلیفہ کی نصرت و حمایت کر رہے تھے، اور باغی گروہ کی نصرت کی وجہ سے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا کہ وہ دنیا کے متلاشی تھے۔

[**417**] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے "الفضائل" میں بیان کیا ہے کہ ہمیں بیان کیا عبدالرزاق نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن راشد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عوف نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں امام حسن بصری رحمہ اللہ کے پاس تھا، لوگوں نے اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا۔ جس پر ابن جوشن غطفانی کہنے لگا: اے ابوسعید![1] میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اتباع کرنے کی پاداش میں کمتر گردانتا ہوں۔ اس پر امام حسن بصری رحمہ اللہ غضبناک ہو گئے حتیٰ کہ غصہ ان کے چہرے سے عیاں ہونے لگا، اور فرمایا: کس کی اتباع کی جاتی؟ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم تھے، انھیں شہید کر دیا گیا۔ لوگوں نے خیر کا قصد کرتے ہوئے ان کی بیعت کر لی اور کس کی اتباع کی جاتی؟ آپ نے لوگوں کو بار بار ردّ کیا۔[2] [3] ←

---

[1] "ابوسعید" سے مراد حسن بصری رحمہ اللہ ہیں۔

[2] یعنی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگ علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، انھوں نے آپ کی بیعت کرنا چاہی مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں کئی بار ردّ کر دیا لیکن انھوں نے آپ پر دباؤ ڈالا حتی کہ آپ نے ان کی بیعت قبول کر لی۔
امام احمد نے "فضائل الصحابة" (٩٦٩) میں نقل کیا ہے: محمد بن حنفیہ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا، تب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا، اس کے بعد دوسرا شخص آیا اور کہنے لگا کہ ابھی ابھی امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے، محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو پہلو سے پکڑ لیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: مجھے چھوڑ دو، تجھے تیری ماں گم پائے۔ راوی کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر چلے آئے اور وہاں ایک شخص کو مردہ پایا۔ آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر داخل ہوئے اور دروازہ بند کر دیا۔ اتنے میں لوگ چلے آئے اور انھوں نے دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا اور وہ اندر داخل ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس شخص کو تو قتل کر دیا گیا اور لوگوں کا ایک خلیفہ ضرور ہونا چاہیے اور ہمارے علم کے مطابق اس عہدے کے سب سے زیادہ حقدار آپ ہیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کو فرمانے لگے کہ تم میرا ارادہ نہ کرو، مجھے تمھارا امیر ہونے سے تمھارا وزیر ہونا زیادہ بہتر ہے۔ وہ لوگ کہنے لگے: اللہ کی قسم! نہیں، ہم جانتے ہیں کہ آپ ہی اس عہدے کے زیادہ حقدار ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اگر تمھارا میرے بارے میں اتنا ہی اصرار ہے تو میری بیعت خفیہ طور پر نہ ہوگی بلکہ میں مسجدِ نبوی میں آؤں گا جو کوئی میری بیعت کرنا چاہے تو وہ کر لے۔ راوی کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسجدِ نبوی میں تشریف لے گئے تو لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ ←

[418] ابوبکر خلال روایت لائے ہیں کہ ہمیں محمد بن حسین نے بیان کیا، انھیں فضل بن زیاد نے بیان کیا، کہتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ کو بیان کرتے ہوئے سنا، وہ عبدالرزاق سے، وہ محمد بن راشد سے وہ عوف سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں حسن بصری کے پاس تھا، وہاں ایک شخص نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی، اس پر کہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں دیا تھا، تو حسن بصری رحمہ اللہ غضبناک ہو گئے اور فرمانے لگے: سبحان اللہ! امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا، تو لوگوں نے اپنے سب سے بہتر پر اجماع کر لیا اور ان کی بیعت کر لی، تو کیا اس بنیاد پر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو ملامت کی جائے گی؟[1]

← اس روایت کی سند صحیح ہے۔ اسحاق بن یوسف سے مراد: ازرق ہیں۔

تعلیق: امام حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''بار بار ردّ کیا'' یہ صحیح دلیل ہے۔ اس کی نسبت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے قصہ کی جانب کی جاتی ہے جسے محمد بن حنفیہ نے روایت کیا ہے اور اس روایت میں یہ منقول ہے کہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت کرنے کو کئی مرتبہ ردّ فرمایا۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بیعت لینے کے مسئلے میں مباحثہ کرنے والے لوگ امام حسن بصری رحمہ اللہ کے اس استدلال سے کہیں غافل نہ ہو جائیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت کرنے سے لوگوں کو کئی مرتبہ ردّ فرمایا تھا۔

جہاں تک محدثین کے اس قول کی بات ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا تو ان کی مراد اس سے یہ ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے حدیثِ نبوی میں سے کچھ بھی سماع نہیں کیا، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایک لفظ بھی نہیں سنا۔ لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امام حسن بصری رحمہ اللہ دونوں ہی اس گھر میں موجود تھے جہاں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو محصور کیا گیا تھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت یہ دونوں ہستیاں وہاں موجود تھیں لہٰذا حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما اور صحابہ کی ایک کثیر تعداد کو دیکھا ہے۔

[3] فضائل الصحابة (٩٧٦) اس کی سند صحیح ہے۔ محمد بن راشد سے مراد: خزاعی مکحولی ہیں۔ امام احمد، ابن معین اور ایک بڑی جماعت نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے، البتہ بعض محدثین نے اس کو ضعیف بھی کہا ہے۔ امام ساجی کہتے ہیں کہ یہ صدوق راوی تھا۔ محدثین نے صرف تقدیر کی بحث میں اس کے بارے میں کلام کیا ہے کسی اور معاملے میں کچھ نہیں کہا۔ (تهذيب التهذيب: ١٦٠/٩) اور عوف سے مراد: ابن ابی جمیلہ اعرابی ہیں۔

[1] السنة للخلال (٦٥١) یہ روایت صحیح ہے اور اس سے پہلے والی روایت دیکھیے۔ محمد بن حسین: مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں ملا۔ یہ امام احمد سے فضل بن زیاد کے جو مسائل منقول ہیں یہ ان رواۃ میں سے ایک ہے۔

فضل بن زیاد سے مراد: ابوعباس القطان بغدادی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ متقدمین میں سے تھا اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کی قدر و منزلت کے معترف تھے اور اس کا اکرام بجا لاتے تھے اور یہ امام احمد رحمہ اللہ کے ہمراہ نماز ادا کیا کرتا تھا۔ امام احمد سے اس نے بہت سے مسائل کے بارے میں روایت کیا ہے۔

اس کی سوانح حیات ملاحظہ ہو: تاريخ بغداد (٣٥٨/١٢) طبقات الحنابلة (٢٥١/١)

اس روایت میں صراحت ہے کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی کے متبع تھے۔

حسن بصری رحمہ اللہ کے اس قول میں ایک لطیف نقطہ ہے: سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حمایت والی روایت ان ضعیف روایات کا ردّ کرتی ہے جن میں مرقوم ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا تھا، انھیں دھوکا دیا گیا تھا جس بنا پر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نصرت نہیں کر سکے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حمایتی و مددگار تھے، نیز انھوں نے اس بات کو بھی ثابت کیا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے متبع تھے۔ جیسا کہ روایت گزر چکی ہے کہ ایک شخص نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی، اس پر کہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں دیا تھا تو حسن بصری رحمہ اللہ غضب ناک ہو گئے اور فرمانے لگے: تو پھر کس کی اتباع کی جاتی؟

جو کچھ سیدنا امیر معاویہ، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور اہلِ شام سے صادر ہوا وہ ان کے اجتہاد سے پیدا ہونے والا معاملہ تھا، وہ خدا تعالیٰ کی جناب میں مغفور و مأجور ہیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند سے ثابت ہے۔ ان کا گمان تھا کہ وہ بیعت سے قبل قصاص لینے کے مطالبات میں حق بجانب ہیں۔ اس کے بعد فتنہ مزید سنگین ہو گیا اور وہ یوں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صفین کے بعد خود کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اولیٰ اور خلافت کا زیادہ حقدار گردانا، اسی بنا پر انھوں نے تحکیم کے موقعے پر کوشش کی کہ حکمین اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کی بیعت کر لیں۔

یقیناً فتنوں کے زمانوں میں حق اور غیر حق باہم گڈ مڈ ہو جاتے ہیں، سو اس گھمبیر صورتِ حال کے پیشِ نظر کامل احتیاط لازم ہے، کیوں کہ کئی مخفی چیزیں ہو چکنے کے بعد سمجھ آپاتی ہیں۔

[**419**] بلاذری روایت لائے ہیں کہ ہمیں احمد بن ابراہیم دورقی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسود بن شیبان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا، چنانچہ انھوں نے فتنے کا ذکر کیا اور کہا: لوگ اپنے دین کے سلسلے میں غافل ہو گئے۔[2]

اس سے مراد یہ ہے کہ فتنوں میں پڑنے کے معاملے میں نادانی کر بیٹھے اور قتال واختلاف کر بیٹھے۔

---

(2) أنساب الأشراف (۳۳۹/۲) اس کی سند صحیح ہے۔ حسن سے مراد: امام حسن بصری رحمہ اللہ ہیں۔

"نعسوا" کے بیان میں مدح اور ثناء ہے، کیوں کہ یہ لفظ فتنہ، غفلت کی کمی کی طرف دلالت کرتا ہے، ایسی صورت میں ہلکی سی جاگنے کی کیفیت غالب ہوتی ہے۔

[420] ابن سعد کی روایت ہے، ان کو عفان بن مسلم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں زریک بن ابی زریک نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا: جب فتنہ آتا ہے تو اسے ہر عالم پہچان لیتا ہے، اور جب چلا جاتا ہے تو ہر جاہل پہچان لیتا ہے۔"[1]

امام حسن بصری رحمہ اللہ کے قول: "کل عالم ... کل جاهل" میں غالب اکثریت مراد ہے۔ ان چاروں اقوال کا مجموعہ امام حسن بصری رحمہ اللہ کے پہلے قول کی وضاحت کر رہا ہے۔



[1] الطبقات الكبرى (١٦٥/٧) اس کی سند صحیح ہے۔ زریک سے مراد: ابونضرہ عطاردی بصری ہیں۔ امام ابن معین اور ابن جنید نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ دیکھیے: تاریخ الإسلام (١٩٢/١٠)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٣١٩/٤) اور حسن سے مراد: امام حسن بصری رحمہ اللہ ہیں۔

تخریج: اسے ابونعیم نے الحلية (٢٤/٩) میں عبدالرحمٰن بن مہدی کے طریق سے زریک کے واسطے سے نقل کیا ہے اور ابوبکر احمد بن مروان دینوری نے "المجالسة وجواهر العلم" میں نقل کیا ہے، ہمیں اسماعیل بن اسحاق نے سلیمان بن حرب سے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو ہلال ایوب سختیانی نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی فتنہ آتا تو امام حسن بصری رحمہ اللہ اسے اس طرح دیکھ لیتے تھے جیسا کہ ہم اس فتنے کو واپس جاتا ہوا دیکھتے تھے۔

اسماعیل بن اسحاق سے مراد: ابن اسماعیل بن حماد بن زید قاضی بصری ہیں۔ ابو حاتم وغیرہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور اس کی سوانح حیات (ص: ٥١٢) میں عنقریب آ رہی ہے۔ ابو ہلال کے بارے میں مجھے کچھ نہیں ملا۔

یہ مقولہ امام حسن بصری رحمہ اللہ کے غیر کی جانب بھی منسوب ہے۔ دیکھیے: [رقم: ٣٩٨] اور اس کی تخریج۔

چوتھی بحث:

حکمین رضی اللہ عنہما کے درمیان پیش آنے والے واقعات

① حکمین رضی اللہ عنہما کے اجتماع کے بنیادی فیصلے اور ان کے افتراق کے بعد کا انجام

اس مقام پر تین بنیادی فیصلوں ذکر کیا جا رہا ہے، جن کی وجہ سے حکمین کا اجتماع ہوا، اور فریقین اہلِ شام واہلِ عراق کا نزاع حکمین کے اجتماع سے پہلے ان تینوں میں سے پہلے دو مقدمات کے گرد گھومتا ہے۔

وہ تین بنیادی فیصلے درج ذیل ہیں:

1. سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مطالبہ کیا تھا کہ اہلِ شام بغیر کسی شرط کے فوراً ان کی بیعت قبول کر لیں۔
2. دوسرا فیصلہ جس کا مطالبہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا، وہ یہ تھا کہ بیعت سے قبل سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لیا جائے۔
3. تیسرا فیصلہ جس پر علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اتفاق تھا، وہ تھا خون بہائے جانے سے بچ رہنا۔

حکمین کے چلے جانے کے بعد فریقین نے پہلے دو فیصلوں کے متعلق کوئی بات نہیں کی، نہ ہی ان کا بارِ دگر ذکر کیا، کیونکہ حکمین کے جدا ہونے سے حالات بگڑ چکے تھے، اہلِ عراق فتنوں سے نبرد آزما ہونے میں مشغول ہو گئے، جو خود ان کے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے، جب کہ اہلِ شام احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں مگن ہو گئے جن کی بنا پر وہ اہلِ عراق کے دوبارہ حملے سے اپنا بچاؤ کرنے کی پوزیشن میں آ جائیں،[1] کیوں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حکمین کے جدا ہونے پر یہ رائے بن چکی تھی کہ اہلِ شام سے جنگ ہی کرنا ہو گی، کیوں کہ انھوں نے بیعت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا، اسی لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کوئی مراسلت نہیں کی، فقط ان سے لڑائی کی تیاری میں مصروف رہے، اور آپ اسی نہج پر چلتے رہے، یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

---

[1] اس سے مراد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ اثر علاقوں پر حملے ہیں۔

خلاصہ: فریقین کے مابین ''قصاص کی بیعت سے تقدیم یا تاخیر'' کا معاملہ حکمین کے افتراق کے بعد ختم ہو گیا، اور حالات ان دونوں فریقوں کے مابین عسکری ٹکراؤ[1] اور اس کی تیاری کی طرف پلٹ گئے۔[2]

④ حکمین کے اجتماع کے دوران میں درپیش نئے قضایا کا ذکر اور حکمین کے افتراق کے بعد ان کا انجام کار

یہاں ان چار قضایا کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اہلِ شام وعراق کے نزاع کے سلسلے میں قائم ہونے والے قضایا، حکمین کے اجتماع سے قبل موجود ہی نہ تھے، بلکہ جب حکمین کا بیعت کی تقدیم وتاخیر کے معاملے پر اتفاق نہیں ہو پایا تو اسی دوران میں یہ چار مسائل سامنے آئے۔ بعد ازاں جب حکمین جدا ہو گئے تو ان چاروں چیزوں کے متعلق مزید کچھ پیش رفت نہیں ہو سکی، کیوں کہ ان کا مفاد ہی حکمین کے اجتماع کے وقت میں تھا۔

دوسرا یہ ہوا کہ اہلِ عراق خوارج اور مشرقی حملوں، نیز تحکیم کے بعد پیش آمدہ فتنوں سے نپٹنے میں مشغول ہو گئے، جبکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عراقی لشکر کو خود پر دوبارہ حملہ کرنے سے روکنے کی تدبیروں میں مشغول ہو گئے۔ فریقین ابھی انہی چیزوں میں مشغول تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ پیش آ گیا۔ اس کے بعد اہلِ عراق نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، جب کہ اہلِ شام نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد تو پھر ان چاروں چیزوں کی کوئی ضرورت ہی نہ رہی، سوائے خون بچانے کے مقصد کے اور وہ مقصد بہرحال حاصل ہو چکا تھا۔ اور صلحِ حسن کے بعد تو کامل طور پر خون کا بہنا رُک گیا تھا۔

مراد یہ ہے کہ مذکورہ چاروں قضایا اسی زمانے اور اسی مکان سے خاص تھے، جب حکمین کا اجتماع ہوا، اس کے بعد پھر کبھی ان کے متعلق گفتگو ہی نہیں ہوئی۔[3]

---

[1] اس سے مراد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ اثر علاقوں پر حملے ہیں۔

[2] اس سے مراد حکمین کے افتراق کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اپنے جیش کے ہمراہ نخیلہ کی جانب نکل کر دوسری مرتبہ شام سے لڑائی کی تیاری کرنا ہے اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری دن تک اہلِ شام سے لڑنے کے لیے پُرعزم تھے۔ مگر ان کے لشکر کے عناد نے ان کو اپنے ارادے کی تکمیل سے روکے رکھا۔

[3] سوائے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھنے کے اور وہ خط اجتماعِ حکمین سے قبل لکھا گیا تھا۔ دیکھیں: [رقم: ۴۲۱]

تحکیم کے روز پیدا ہونے والے چار نئے قضیے مندرجہ ذیل ہیں:

① خلیفہ کو بدلنا (خون بچانے اور فتنے کی جڑ کاٹنے کی غرض سے)

② سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حصول پر حرص۔[1]

③ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا تصریح کرنا کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں۔[2]

④ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا اشارہ کرنا کہ اہلِ شام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کے مدِمقابل دوسری جدید شرط رکھتے ہیں اور وہ یہ تھی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی امارت پر باقی رکھا جائے گا اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ مصر پر امیر رہیں گے۔

اس نئی شرط کی تفصیل:

صفین سے قبل اہلِ شام کی ایک ہی شرط تھی اور وہ یہ تھی کہ بیعت سے قبل قصاص لیا جائے، کیوں کہ اس وقت واحد خطرہ جو درپیش تھا وہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ مگر صفین کے بعد ایک دوسرے خطرے نے جنم لیا جو پہلے سے بھی زیادہ شدت رکھتا تھا، یعنی خوارج کا وجود، جس سے شام کی قیادت بھی محفوظ نہیں تھی۔ اس وقت پھر اہلِ شام مزید محتاط ہو گئے اور بیعت سے مکمل انکار کر دیا، چاہے قصاص بیعت سے قبل ہی لے لیا جائے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب شامی قیادت نے دیکھا کہ قصاص پہلے اگر لے بھی لیا جائے اور قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مسئلہ حل ہو بھی جائے، تب بھی ایک نیا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے جو خوارج کا خطرہ ہے۔ جس سے اہلِ شام کی قیادت اپنی شام میں موجود قوت کے ساتھ بچاؤ کرنا چاہ رہی تھی۔

اور یہ تو طے تھا کہ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ امارتِ شام سے معزول ہو جاتے ہیں اور شامی لشکر کے قائدین بھی معزول ہو جاتے ہیں تو لا محالہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر قائدین خوارج کی تلواروں کی زد میں ہوں گے، کیوں کہ ان کے پاس قوت تو باقی نہیں رہ جائے گی۔ سو خوارج کے خطرے کی وجہ سے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے تحکیم کے روز ایک نئی شرط رکھ دی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بدستور شام کے امیر رہیں گے اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ مصر کے امیر رہیں گے، کیوں کہ خوارج کے خطرے سے بچاؤ بہرصورت لازم ہے۔

---

[1] پہلے اور دوسرے نقطے کے متعلق آگے تفصیل آ رہی ہے اور ان کے ضمن میں مزید تفاصیل بھی موجود ہیں۔

[2] دیکھیں: [رقم: ۴۳۱] اور اس کے بعد والی بحث۔

اور اگر سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ مصر کی امارت پر باقی رہتے ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا فائدہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوگا اور وہ یہ کہ وہ شام کی حفاظت کریں گے۔ اس نئی شرط کی طرف سنن الدارقطنی کی روایت میں اشارہ ملتا ہے، جب سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: ''آپ مجھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس معاملے میں کہاں رکھیں گے؟'' تو سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر تم دونوں سے اعانت لی گئی تو ٹھیک، اور اگر وہ (علی رضی اللہ عنہ) تم سے مستغنی رہے تو ابتداء سے ہی اللہ کا امر تم سے مستغنی ہے۔''[1]

یہاں ایک دوسرا سبب بھی موجود ہے جس بنا پر انھوں نے نئی شرط رکھی اور وہ یہ تھا کہ ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صفین کے بعد خود کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھنے لگے تھے، کیوں کہ وہ سمجھتے تھے کہ میں زیادہ قوت میں ہوں اور اس وجہ سے خلافت کا زیادہ حق دار بھی ہوں، نیز شامی قوت کی وجہ سے انھیں حصولِ خلافت کے مقصد کے لیے فرصت بھی مل رہی تھی۔'' اس سبب کے متعلق گفتگو اپنے مناسب مقام پر آجائے گی۔[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو خلافت کی ابتداء میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام سے معزول کر چکے تھے، جبکہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکمین کی تفریق کے بعد مصر بھجوایا تھا، تاکہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عامل کو مصر سے ہٹا دیں، سو انھوں نے مصر اس سے لے کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ الحاق کر لیا۔

اس پر مزید اس بات کا اضافہ کر لیجیے کہ صفین کے روز سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ ہو چکی تھی۔

سو ان تمام تر وجوہات کی بنیاد پر ایسا تو ہونے نہیں لگا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس نئی شرط کو تسلیم کر لیں، جیسے دنیا کا کوئی بھی حاکم ایسا نہیں کرے گا کہ وہ کسی علاقے پر کسی کو امیر برقرار رکھے جس پر جنگ ہو چکی ہو۔

شام سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کیا جا چکا تھا جس کو انھوں نے قبول نہیں کیا تھا۔ اور مصر کو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے تحکیم کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر خلیفہ سے لے لیا تھا۔

پھر یہ دونوں بزرگ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ و سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صفین کے روز جنگ کر چکے تھے۔ ایسی صورت میں کیوں کر ممکن تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کی شرط کو قبول کر لیں۔ سو اسی سبب سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس نئی شرط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

---

[1] دیکھیں: [رقم: ۴۱۲]

[2] دیکھیں: (ص: ۵۹۲)

تو یہ ساری صورتِ حال فریقین کے اجتہاد سے پیدا ہوئی تھی۔

دوسرے یہ کہ اہلِ شام کی قیادت نئی شرط کو چھوڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھی، کیوں کہ اگر وہ اس شرط کو چھوڑ دیتے تو ظاہر تھا کہ ان کی ہلاکت یقینی تھی۔

ان تفصیلات سے سمجھ آ گیا ہو گا کہ صفین کو فتنہ کیوں کر کہا گیا ہے، کیوں کہ جس چیز کو بھی آپ حق سمجھیں گے، اس کے مخالف کو عذر فراہم کرنے والی کوئی تاویل موجود ہو گی، اور جس چیز کو بھی آپ خطائے اجتہادی پائیں گے اس میں کچھ بہر حال حق بھی ہو گا، سو کہیں بھی خطائے محض یا حقِ کامل نظر نہیں آتا۔ نعوذ باللہ من الفتن.

③ وہ بنیادی اہداف و مقاصد جنھیں فریقین نے اپنے اجتماع کے دن پورا کرنے کی کوشش کی

تین بنیادی مقاصد تو وہ تھے[1] جن کی وجہ سے حکمین کا اجتماع ہوا تھا اور فریقین نے ان کو طلب بھی کیا تھا، البتہ اس منظر نامے میں کچھ اہداف بہر حال موجود تھے جن کی تحقیق کی کوشش حکمین نے کی تھی اور ان اہداف کے متعلق کچھ ایسی صحیح تاریخی روایات ملتی ہیں جن کی بنا پر انھیں جانا جا سکتا ہے:

⊙ "حلیة الأولیاء"[2] میں نافع سے روایت ہے کہ جن دنوں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا گیا اور سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے رائے پیش کی کہ میرے خیال میں یہ عہدہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سوا کسی کو نہیں ملنا چاہیے، تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں، تو کیا ایسا نہ کر لیں کہ آپ کو مال دے دیا جائے اور آپ پر عہدہ اس شخص کے لیے چھوڑ دیں جو اس کا آپ سے زیادہ حریص ہے؟

بلاذری نے اس روایت میں قدرے اضافے کے ساتھ نافع سے بیان کیا کہ جب ان کی ملاقات دومۃ الجندل میں ہوئی تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔[3]

---

[1] (ص: ۵۴۰) پہلے مطلب میں تین بنیادی قضایا گزر چکے ہیں۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۴۲۶]

[3] دیکھیے: [رقم: ۴۲۵]

⊙ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: اگر میں خلافت کا منصب آپ کو دلوا دوں تو مجھے کیا ملے گا؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ اللہ کی قسم! میں تجھے کچھ بھی نہ دوں گا اور نہ ہی اس منصب کو قبول کروں گا جب تک کہ یہ صورتِ حال پیدا نہ ہو جائے کہ دو شخص بھی مجھ سے اس بارے میں اختلاف رکھنے والے نہ ہوں۔[1]

مذکورہ روایات مندرجہ ذیل نکات پر دلالت کر رہی ہیں:

❀ یہ واقعات حکمین کے اجتماع کے وقت رونما ہوئے۔

❀ حکمین سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بطورِ خلیفہ بیعت پر متفق ہو گئے تھے، لیکن سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس عہدے کو قبول کرنے سے دامن کشی اختیار کی اور انکار کر دیا، فرمایا: ''میں ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ مجھے منصبِ خلافت سونپنا چاہتے ہیں۔''[2]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس پر تعلیق لگائی ہے کہ ''اس دن سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت ہونے کو تھی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کی موجودگی میں، اگر ان کی بیعت کر لی جاتی تو کوئی دو بندے بھی اختلاف نہ کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔''[3]

❀ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے پر حریص تھے۔

❀ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے شدید خواہش مند تھے، جس پر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا قول دلالت کرتا ہے کہ ''وہ آپ سے زیادہ خواہش مند ہیں۔''[4]

❀ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت کے بعد بھی میں اپنی جگہ پر ہی امیر رہوں اور اس معاملے سے سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما نکل جائیں، تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: اگر میں خلافت کا منصب آپ کو دلوا دوں تو مجھے کیا ملے گا؟[5] تو ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ

---

① دیکھیے: [رقم: ۴۲۷]

② دیکھیے: [رقم: ۴۳۰] معجم ابن اعرابی میں۔

③ سير أعلام النبلاء (۳/۲۲۷)

④ دیکھیے: [رقم: ۴۲۶]

⑤ یعنی اگر میں آپ کو خلافت دلوانے میں کامیاب ہو گیا تو مجھے کیا ملے گا اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مقصود ولایتِ مصر وغیرہ یا کوئی دوسرا منصب تھا۔

اللہ کی قسم! میں تجھے کچھ بھی نہ دوں گا اور نہ ہی اس منصب کو قبول کروں گا جب تک کہ دو شخص بھی مجھ سے اختلاف رکھنے والے نہ ہوں۔[1]

تو ان روایات کی بنیاد پر یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ حکمین کون سے اہداف حاصل کرنا چاہ رہے تھے:

جہاں تک سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی بات ہے: تو وہ ان دو بنیادی اہداف کو حاصل کرنا چاہتے تھے:

1. سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نصرت وحمایت، اور یہ نصرت تبھی حاصل ہوسکتی تھی جب اہلِ شام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت تسلیم کرلیں اور بغاوت چھوڑ دیں، اس ہدف کے حصول سے فتنہ ختم ہوسکتا تھا اور جانوں کو بچایا جاسکتا تھا۔
2. خون کو بہنے سے بچانا۔

لیکن جب سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ہدفِ اول کا راستہ بند ہوتا محسوس کیا، اور وہ یہ تھا کہ اہلِ شام کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت لازمی طور پر کرنا ہوگی۔ تو آپ نے دوسرے ہدف کی جانب قدم بڑھایا جس پر فریقین سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں راضی تھے۔ سو جس مقصد کو پورا حاصل نہ کیا جاسکے اسے پورا چھوڑا بھی نہیں جائے گا۔ لہٰذا سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو تجویز پیش کی کہ منصبِ خلافت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سونپ دیا جائے۔ اس پر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان کی موافقت کی، سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سوا اس منصب کا اہل کوئی اَور نہ تھا، کیونکہ وہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کسی اَور کے بارے میں یہ رائے نہیں رکھتے تھے جو اس قضیے میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مرتبے کے قریب تر ہو۔ جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عہدۂ خلافت لینے سے انکار کردیا تو سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کسی اور کا نام پیش نہ کیا، وہ اس بات پر ڈٹے رہے کہ وہ شرعی خلیفہ کی بیعت کرلیں اور بغاوت چھوڑ دیں۔ اس کے بعد حکمین کا آخری اجتماع ہوا اور وہ دونوں ان نتائج تک پہنچے جن کا تذکرہ ہم نے گذشتہ بحث کے اندر کردیا ہے۔ اس کے بعد حکمین جدا ہوگئے۔[2]

خلیفہ کو بدل دینے کا خیال خون روکنے کے لیے اور اجماعِ امت کے قیام کے لیے سب سے بہتر حل خیال کیا جاتا تھا، اسی وجہ سے امیر المومنین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے یہ راہ اختیار کی اور اسی لیے آپ نے

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۲۷]

[2] دیکھیے: (ص: ۵۳۱)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی اور شرط یہ لگائی کہ صلح سے قبل جتنا خون بہایا گیا، اور لوگوں کا مال ضائع ہوا اور دیگر نقصان ہوا اس کے لیے عام معافی کا اعلان کریں۔ یہ قانون تمام قوانین کی اساس بنا۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ملامت نہیں کی جا سکتی، کیوں کہ اہلِ شام سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت لینے کی ان میں استطاعت نہیں تھی، جیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس اس کی طاقت نہ تھی، حالانکہ ان کے پاس سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر اس کے امکانات تھے۔ اس میں دونوں حضرات کی کوئی غلطی نہیں، کیوں کہ اہلِ شام نے خلیفہ پر بغاوت اجتہاد اور تاویل کے ساتھ کی تھی۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وہ پہلی ہستی ہیں جنھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ مقرر کرنے کا خیال پیش کیا، جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت کا ظاہر بیان کرتا ہے: ''ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میرے نزدیک خلافت کا حقدار ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سوا کوئی نہیں، اس پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اس تجویز کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کریں، لہٰذا انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں، تو آپ کو یہ آفر ہے کہ بہت سا مال لے لو اور خلافت سے اس شخص کے حق میں دست بردار ہو جانا، جو خلافت کا آپ سے زیادہ حریص ہے۔''[1]

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مندرجہ ذیل تین مقاصد کے حصول کی کوشش میں تھے:

ا: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدد کرنا۔ یہ نصرت بالترتیب چار نکات پر مشتمل تھی:

1. بیعت سے پہلے قصاص لیا جائے۔
2. اگر ایسا ممکن نہیں تو پھر خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دی جائے۔
3. اگر ایسا بھی ممکن نہیں تو پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلافت کے منصب سے برطرف کر دیا جائے۔
4. اگر ایسا بھی ممکن نہیں تو پھر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ برقرار رہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ امیرِ شام اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ والیِ مصر برقرار رہیں گے۔

ب: اگر خلافت سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں سے لے لی جائے، تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنی جگہ پر برقرار رہیں گے۔

ج: قتل و غارت نہ ہو۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۲۶]

جہاں تک بیعت سے قبل قصاص کی بات ہے تو سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے انکار کی وجہ سے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے معاملے میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک فعال طریقہ بتایا جس سے قصاص کا عمل مکمل ہوسکتا تھا اور فتنہ ختم ہوکر قتل وغارت رک سکتی تھی، اور شامی قیادت بھی قاتلینِ عثمان کی تلواروں سے نیز خوارج کی تلواروں سے محفوظ رہ سکتی تھی۔ اسی طرح وہ عراقیوں کے حملے سے بھی بچ سکیں گے، سو اس طرح اہلِ شام کے موقف کو تقویت مل سکتی تھی۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت کے اپنے ہدف کی کامیابی کے لیے دو قسم کے اقدامات کیے:

پہلا مرحلہ: آپ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قائل کرنے کی کوشش کی کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیں، مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے، سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اپنے موقف پر کھڑے رہے۔

دوسرا مرحلہ: جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قائل نہ کر پائے تو دوسری راہ اختیار کی، جو انھیں مقصد کی تکمیل تک پہنچا سکتی تھی اور وہ یہ تھی کہ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ مقرر کروانے پر اتفاق کر لیا، پروگرام یہ تھا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جب اس عہدے کو قبول کر لیں گے تو انھیں بہت سے مال کے عوض سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار کرنے کی کوشش کر لیں گے، لیکن جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خلافت لینے سے انکار کر دیا۔ یہ طریقہ بھی بے سود نکلا۔

دوسرے طریقے کی طرف آپ دو اسباب کی بنا پر گئے تھے:

- وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے دور رکھنا چاہتے تھے جنھوں نے ان سے اور اہلِ شام سے صفین میں جنگ کی، نیز وہ جانتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام کو بیعت لیے بغیر نہیں چھوڑیں گے، اس طرح یہ جنگ کبھی ختم نہ ہو گی۔ لہٰذا انھوں نے سوچا کہ ان کو خلافت سے دور رکھنا ہی جنگ بندی اور قتل وغارت روکنے کا ایک حیلہ ہوسکتا ہے، گو فریقین اس ہدف کے حصول کے لیے کوشاں تھے لیکن سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام چاہتے تھے کہ جس قدر ممکن ہو سکے اپنی مصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس فیصلے کو ختم کر دیا جائے۔
- دوسرے وہ بعد کے زمانے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے منصبِ خلافت کا دروازہ کھولنا چاہتے تھے، لیکن یہ ایک دشوار گزار راستہ تھا۔ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ نامزد کرنا متعین ہوگیا تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے

دوسرا رستہ اختیار کیا، کہ شاید ابن عمر رضی اللہ عنہما مال کے عوض خلافت سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبردار ہو جائیں۔

اور جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے انکار کر دیا تو انھوں نے کوشش کی کہ اپنی جگہ تو بہرحال برقرار رکھ لیں، کیوں کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ عربوں میں ایک خاص مقام رکھتے تھے، ان کے شایاں تھا کہ وہ زمین پر امارت ہی کی زندگی گزاریں، جیسا کہ وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ وہ فتنہ ختم ہونے کے بعد اپنا مقام کھو دیں اور کمزور و ناتواں بن جائیں، حالانکہ اس سے پہلے وہ عرب کے معزز لوگوں میں سے تھے۔

دوسری مصلحت یہ تھی کہ وہ کہیں قوت اور امان سے نکل کر خطرے میں نہ چلے جائیں، کہ خدا جانے آنے والے ایام کس کروٹ بیٹھیں گے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ فتنہ ابھی تک باقی تھا۔[1] فتنہ گر لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں موجود تھے اور خوارج بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، اہلِ شام اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ پر گھات لگائے بیٹھے تھے۔

اسی طرح دوسری کوشش کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ رہیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شام جب کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مصر کے امیر رہیں، وہ بھی دو خطرات سے بچاؤ کی غرض سے تھی، ایک تو قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کا خطرہ تھا، اور دوسرا خطرہ خوارج تھا جو صفین کے بعد پیدا ہو گیا تھا اور یہ خطرہ سابقہ خطرے سے زیادہ سخت تھا۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کا والیِ مصر بننا اہلِ شام کی نصرت کا سبب تھا۔

④ حکمین نے صلحِ حسن رضی اللہ عنہ کے لیے راہیں ہموار کیں

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تحکیم کا معاملہ بے نتیجہ رہا، یا حکمین نزاع کو حل کرنے میں ناکام رہے تو ان کی یہ سوچ غلط، بلکہ خام خیالی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکمین کا اجتماع خیر کی بڑی کنجی تھا جس نے اس کے بعد رستے کھولے۔ اور وہ خیر سیدنا حسن اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ حکمین نے

---

[1] دارقطنی کی روایت [رقم: ۴۱۲] گزر چکی ہے جس میں ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری اجتماع میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ مجھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کیا مقام دیں گے؟ یعنی مملکت کے عاملین میں سے ہمیں کیا ملے گا؟ مثلاً وزارت، ولایت کا منصب وغیرہ۔ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کسی بھی چیز کی ضمانت نہیں دی اور اس بات کو واضح کیا کہ اگر وہ (علی رضی اللہ عنہ) ان دونوں سے مدد طلب کریں تو یہ معونت ہو گی اور اللہ کا معاملہ ان دونوں سے مستغنی ہے۔ لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ان دونوں کو مناسب منصب سونپنا واجب نہیں ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینے تک ان کے لیے یہ شرط عائد کرنا درست نہیں اور نہ ہی ان کو اس کا حق پہنچتا ہے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کے راستے کھول دیے تھے اور تحکیم کے دن ایسے اصول و قواعد وضع کر دیے تھے جن کو حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے عملی جامہ پہنایا تھا۔

صلح حسن رضی اللہ عنہ کے ارکان مذکورہ ذیل تھے:

① خلیفہ کی تبدیلی۔

② ایسے خلیفہ کا حصول جو مال لے کر خلافت چھوڑ دے۔

③ قتل و غارت سے بچانا اور امت کا اتحاد قائم کرنا۔

پہلا رکن: سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز جنگ بندی، قیامِ اتحادِ امت اور قتل و غارت بند کرنے کی غرض سے پیش کی تھی۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: میرے نزدیک ابن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ اس مسند کا کوئی دوسرا اہل نہیں۔ جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی موافقت کر لی اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ آپ کو بہت سا مال مل جائے اور اس کے بدلے آپ خلافت کو ایسے شخص کے لیے چھوڑ دیں جو اس کا آپ سے زیادہ خواہش مند ہے۔[1]

دوسرا رکن: سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پہلے پہل خلافت قبول کرنے اور پھر بہت سے مال کے عوض اس عہدے سے سبک دوش ہونے کی پیشکش کی، کہا: ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں، کیا آپ کو یہ بات بھلی محسوس نہیں ہوتی کہ آپ کو بہت سا مال مل جائے اور آپ اس کے بدلے میں خلافت کا منصب اس شخص[2] کو دے دیں جو آپ سے زیادہ اس کا حریص ہے۔[3]

تیسرا رکن: ان تینوں ارکان ہی کی بنا پر سیدنا حسن اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح منعقد ہوئی۔ ان تین ارکان کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے صلح میں شامل کیا۔

بہت سے مال کے عوض اور قتل و غاری کے روکنے اور سب کے لیے عام معافی کے عوض وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے، اس طرح بیعت مکمل ہو گئی اور اللہ کے فضل سے صلح ہو گئی۔

---

① دیکھیے: [رقم: ۴۲۶]

② اس سے مراد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

③ دیکھیے: [رقم: ۴۲۶]

ایسا ممکن نہیں کہ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی تجویز اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کی تجویز دیکھ کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دل میں کچھ اثر پیدا نہ ہو۔ تاریخ میں پہلا حل سب سے پہلے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پیش کیا اور دوسرا حل سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے، تاریخِ اسلام میں ان دونوں تجاویز کو باہم ملانے والی شخصیت امیر المومنین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ دونوں طرح کے حل یا تو حکمین نے ان کا بیج ایک ایسے دل میں ڈال دیا تھا جو صلح کی طرف راغب اور جنگ کو ناپسند کرتا تھا، پھر اس بیج کو پاکیزہ نرم اور ملائم زمین ملی جس نے بہترین پھل دیا۔ دوسرا یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں تجاویز پہلے سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ذہن میں موجود ہوں، بلاشبہ یہ دونوں حضرات کے فقہی فتوے تھے جن پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے عمل کیا اور انھیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کے لیے استعمال کیا، کیوں کہ اس معاملے میں ان کے سلف موجود تھے۔

سوال یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ حکمین کے اجتماع کے دوران میں ان کے حل کامیاب کیوں نہیں ہوسکے؟

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ حکمین کے حل عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے خلافت قبول کرنے پر مرتکز تھے مگر انھوں نے انکار کر دیا، کیوں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہ شخصیت تھے جن پر حکمین متفق ہوئے تھے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کسی دوسرے شخص کی تجویز دی ہی نہیں، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سوا کوئی بھی ایسا شخص نہیں جو قضیہ کے وقت موجود ہو اور مقام و منزلت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قریب ہو، لیکن سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے انکار سے اس حل کا دروازہ اس وقت بند ہو گیا۔

سوال یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خلیفہ بدلنے کا اختیار حکمین کو دینا شریعت کے مطابق باطل عمل تھا؟

اس بحث کی ابتداء میں ہمیں ''وثیقۂ تحکیم''[1] کی شروط کو دیکھنا ہوگا، کیوں کہ تحکیم انہی پر مرتکز رہی۔ اس کے بعد واضح ہو جائے گا کہ کیا ان شروط میں خلیفہ بدلنے کے اختیار کی نفی تھی یا نہیں۔

یہاں ہم وثیقہ کی شروط ذکر کرتے ہیں پھر انھیں چند عنوانات میں تقسیم کرتے ہیں:

دو شرطیں ایسی تھیں جو سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما نے خود پر فرض کی تھیں، وہ یہ تھیں:

1. دونوں صفین کی جنگ روکنے کے لیے کتاب و سنت کے حکم کو مانیں گے۔

---

[1] تحکیم کا وثیقہ [رقم: ۳۸۷] پر بیت چکا ہے۔

(2) کتاب وسنت کا حکم قبول ہو گا، اس چیز کو زندہ رکھا جائے گا جس کو قرآن زندہ رکھے اور اس کو ختم کیا جائے گا جس کو قرآن ختم کرے۔

ایک شرط وہ تھی جو امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکمین پر عائد کی تھی اور وہ یہ ہے:

(3) کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع حکم جس میں اختلاف نہ ہو۔

جبکہ حکمین نے سیدنا علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کے لیے دو شرطیں مقرر کیں:

(4) حکمین کے اموال اور اہلِ خانہ کو امن وامان دیا جائے گا۔

(5) امت حکمین کے اس فیصلے پر مدد کرے گی جو وہ سیدنا معاویہ وعلی رضی اللہ عنہما کے تئیں کریں گے، "وثیقة التحکیم" کے الفاظ ہیں: "امت ان کے فیصلے پر مدد کرے گی جو وہ ان کے متعلق کریں گے۔"

ان تمام شروط سے حاصل مقصد یہ ہے:

- پانچویں شرط پر امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے موافقت کی تھی، کہ حکمین قتل روکنے کی غرض سے جو بھی فیصلہ کریں گے اور وہ شریعت کے مخالف نہیں ہو گا تو دونوں حضرات نے وعدہ کیا کہ اسے قبول کریں گے، اگرچہ فیصلہ کسی ایک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔
- وثیقہ میں ایسی کوئی شرط موجود نہیں ہے جس میں حکمین کو خلیفہ بدلنے کے اختیار سے منع کیا گیا ہو، خصوصاً جب وہ خون بچانے اور امت کے اتحاد کی خاطر ایسے فیصلے پر مجبور ہو جائیں۔

سو جب معاملہ ایسا ہے تو خلیفہ بدلنے کا فیصلہ وثیقۂ تحکیم کے مخالف تو ہرگز نہیں تھا، جیسے وہ شریعت کے مخالف نہیں تھا، کیوں کہ وثیقہ کے بیان کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پانچویں شرط کو قبول کیا تھا۔

ہمیں ایسی کوئی صحیح روایت نہیں ملی جس کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کے معاملے کا استثنیٰ کیا ہو، یا انھوں نے ایسی کوئی شرط لگائی ہو کہ مجھے معزول نہیں کیا جائے گا۔

بہرحال حکمین کا اتفاق اس پر نہیں تھا کہ خلیفہ کو بدل دیں گے، بلکہ انھوں نے اس تجویز کو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حضور پیش کیا تھا جسے انھوں نے ٹھکرا دیا۔ اور اس سے خلیفہ بدلنے کے فیصلے کا دروازہ بند ہو گیا۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس فیصلے کو قبول کر لیتے، تو بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا وثیقہ کی پانچویں شرط کو قبول کرنا بتاتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس پر اعتراض نہیں تھا۔

جیسے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے شروط پوری ہونے پر خلیفہ بدلنے کے حکم سے موافقت کی، اسی طرح وثیقۂ تحکیم اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اس کی موافقت کرتے، اگر شروط پوری ہوتیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شرط یہ تھی کہ حکمین جو بھی فیصلہ کریں، اس سے امت متحد ہو جائے اور خون بہنا رک جائے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شرط مال اور خون بہنے کو روکنا تھا۔

باقی رہ گیا آخری کلمہ، اور وہ یہ کہ میں نے اس جواب میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ فقط میرا موقف نہیں ہے، بلکہ میرے اس معاملے میں سلف موجود ہیں اور وہ امام ذہبی رحمہ اللہ ہیں، انھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت والی روایت[1] ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ''قریب تھا اس دن ان کی بیعت[2] سیدنا علی اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں منعقد ہو جاتی، اگر ان کی بیعت کر لی جاتی تو کوئی دو شخص بھی اختلاف نہ کرتے، لیکن اللہ نے انھیں بچایا اور ان کو بہتر جگہ رکھا۔''[3]

''تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھتے ہیں: ''آپ خندق میں موجود تھے اور اہلِ بیعت رضوان میں سے تھے، اور ان لوگوں میں سے تھے جو خلافت کے اہل ہو سکتے ہیں، تو ان کی تعیین سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور فاتح عراق سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسوں کی موجودگی میں کی گئی۔''[4]

اسی طرح ''سیر أعلام النبلاء'' میں مزید لکھتے ہیں: ''اللہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے والد سے راضی ہو، دین میں، ورع میں، علم میں، عبادت میں اور خوفِ خدا میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مثل کون ہو گا! ایک ایسا شخص جسے خلافت پیش کی گئی، اس نے انکار کر دیا، اسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مثل فیصلہ سپرد کیا گیا، انھوں نے ردّ کر دیا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شام میں اپنا نائب بنایا، اس سے بھاگ گئے، اللہ ایسی طبیعت کے لیے جسے چاہتا ہے چنتا ہے، جو انابت کرتا ہے اسے ہی ایسی ہدایت دیتا ہے۔''[5]

جب کہ امام ابو بکر ابن العربی نے اپنی کتاب ''العواصم''[6] میں معزولیت اور گالم گلوچ کے قصے کا انکار کیا ہے۔[7] انھوں نے اس چیز سے بھی انکار کیا ہے کہ حکمین نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو معزول کیا ہو،

---

1. روایت آگے [رقم: ۴۲۶] میں آ رہی ہے۔
2. یعنی سیدنا عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی بیعت۔
3. سير أعلام النبلاء (۳/۲۲۶)
4. تذكرة الحفاظ للذهبي (۱/۳۳)
5. سير أعلام النبلاء (۳/۲۳۵)
6. العواصم من القواصم (ص: ۱۷۹) دار الجيل.
7. معزولیت اور گالم گلوچ کا قصہ [رقم: ۱۳۷] پر گزر چکا ہے اور یہ قصہ موضوع ہے۔

لیکن انھوں نے اس بات سے انکار نہیں کیا کہ حکمین نے اتحادِ امت اور خون روکنے کی خاطر خلیفہ بدلنے کی تجویز پیش کی تھی۔

بعض اساتذۂ تاریخ اور محققین نے سرے سے معزولیت والے قصے کا ہی انکار کیا ہے، بلکہ حکمین کی اس تجویز کا بھی انکار کر دیا ہے، باوجود ان کی سندیں صحیح ہونے کے، شاید معزولیت اور گالم گلوچ جیسے جھوٹے قصے، ان کا کتبِ تاریخ میں مشہور ہو جانا، اہلِ بدعت کا انھیں صحابہ پر طعن کے لیے استعمال کرنا ایسے اسباب رہے ہیں جن کی بنیاد پر ان محققین نے پورے قصے کا ہی انکار کر دیا ہے۔

شاید ان میں سے بہت سے ایسے بھی محققین ہوں گے جو حکمین کی اس تجویز سے متعلق کسی صحیح سند سے واقف نہیں ہو سکے ہوں گے، یا اس کا معنی ان پر واضح نہیں ہو سکا ہو گا۔

⑤ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی باہمی خط کتابت کا بیان

[**421**] ابن دیزیل نے اپنی کتاب "صفین" میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں ہے، کہا: ہمیں ابوسعید یحییٰ بن سلیمان جعفی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے زید بن حباب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سلیمان بن مغیرہ بکری نے ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، وہ اپنے والد سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں ایک مکتوب ارسال کیا جس میں درج تھا کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے میری خلافت پر بیعت کر لی ہے اور اللہ کی قسم دے کر کہا: اگر آپ بھی میری بیعت کر لیں تو میں آپ کے دونوں بیٹوں میں سے ایک کو کوفہ کا اور دوسرے کو بصرہ کا حاکم بناؤں گا۔ آپ کے لیے دروازہ کبھی بند نہیں ہو گا، آپ کی کوئی حاجت پوری ہونے سے نہیں رہے گی، میں نے آپ کو اپنے ہاتھ سے خط لکھا ہے، لہٰذا آپ بھی مجھے اپنے ہاتھ سے خط لکھ کر ارسال کریں۔ ابو بردہ کہتے ہیں: میرے والد نے اس خط کے جواب میں مجھے کہا: بیٹا! میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حروفِ مقطعات کا علم سیکھا تھا۔

پھر انھوں نے بچھوؤں کی طرح خط لکھا، کہا: آپ پر سلامتی ہو، بعد از حمد و ثنا! آپ نے مجھے امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عظیم معاملے کو لے کر خط لکھا ہے، اگر میں نے اس کو قبول کر لیا تو میں اپنے رب کو کیا جواب دوں گا؟ مجھے آپ کی پیشکش کی کوئی حاجت نہیں ہے، السلام علیك!

ابو بردہ کہتے ہیں: جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے میرے لیے کبھی دروازہ بند نہیں کیا اور میری ہر حاجت پوری کی۔[1]

اس روایت پر تعلیق:

⊙ یہ خط جنگِ صفین کے بعد حکمین کے اجتماع سے پہلے دور کا معلوم ہوتا ہے، یہ خط تین چیزوں کی دلیل ہے:

---

[1] تاریخ دمشق (۹۵/۳۲- ۹۶) ابن دیزیل کی کتاب "صفین" (ص: ۱۵۹)، یہ روایت صحیح ہے۔

''یحییٰ بن سلیمان'' امام بخاری رحمہ اللہ کے رجال میں سے ہے۔ یہ صدوق راوی ہے۔ غلطی کر جاتا ہے اور ''زید بن حباب'' امام مسلم رحمہ اللہ کے رجال میں سے ہے۔ یہ بھی صدوق ہے۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے حدیث روایت کرنے میں غلطی کرتا ہے، اس میں اَور کوئی نقص نہیں اور اس روایت کے باقی تمام رجال شیخین کی شروط کے مطابق ثقہ ہیں۔

نیز دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۳۹۹/۱) اس روایت کو سلیمان بن مغیرہ نے روایت کیا ہے اور اس روایت کے بارے میں اختلاف بھی منقول ہے۔ امام یحییٰ بن سلیمان جعفی نے زید بن حباب سے، انھوں نے ابو بردہ کے واسطے سے یہ روایت بیان کی ہے اور عفان بن مسلم، عمرو بن عاصم کلابی، یعقوب بن اسحاق حضرمی اور شیبان بن ابی شیبہ ان چاروں نے حمید بن ہلال اور ابو بردہ کے واسطے سے یہ روایت بیان کی ہے اور یہی درست رائے ہے اور شیبان نے یہ روایت اختصار کے ساتھ بیان کی ہے۔

تخریج: امام ذہبی رحمہ اللہ نے تاریخ الإسلام (۱۴۵/٤) اور سیر أعلام النبلاء (۳۹٦/۲) میں زید بن حباب کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے اور اس کی سند میں حمید بن حلال کا تذکرہ نہیں کیا۔

اور ابن سعد نے الطبقات (۱۱۱/٤- ۱۱۲) میں اسے نقل کیا ہے کہ ہمیں عفان بن مسلم، عمرو بن عاصم کلابی، یعقوب بن اسحاق حضرمی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سلیمان بن مغیرہ نے حمید بن ہلال نے، ابو بردہ کے واسطے سے بیان کیا۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اور شعیب ارنوؤط نے "سیر أعلام النبلاء" کی تحقیق میں کہا ہے: اور اسے ابن سعد نے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو بھی ذکر کیا ہے۔ پھر کہا کہ یہ سند صحیح ہے۔

اور ابو القاسم بغوی نے "معجم الصحابة" میں نقل کیا ہے۔ جیسا کہ "تاریخ دمشق" (٦٦/۳۲) میں بھی منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شیبان بن ابی شیبہ نے، سلیمان بن مغیرہ نے، حمید بن ہلال نے، ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہ میں نے معجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیکھی۔ میری تحریر بچھوؤں کی طرح تھی۔

شیبان بن ابی شیبہ سے مراد شیبان بن فروخ ابو محمد حبطی ہیں۔ دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۱٦۱٦/۳) اور اسے امام سرقسطی نے اپنی کتاب "الدلائل في غریب الحدیث" (۷٦٤/۲) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں موسیٰ بن ہارون نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شیبان نے اختصار کے ساتھ بیان کیا۔ یہ روایت سیر أعلام النبلاء (۳۸۹/۲) میں ابو بردہ کے واسطے سے مختصر طور پر بیان ہوئی ہے۔

1 اس خط کا مضمون بتاتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے طالب تھے، انھوں نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی کہ وہ ان کی حصولِ خلافت پر مدد کریں، اور ان سے اس کا بدلہ دینے کا وعدہ کیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اللہ کی قسم دے کر کہا: ''اگر آپ بھی میری بیعت کر لیں تو میں آپ کے دونوں بیٹوں میں سے ایک کو کوفہ کا اور دوسرے کو بصرہ کا حاکم بناؤں گا۔'' سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صفین کے بعد خود کو خلافت کا حق دار سمجھنے لگے تھے اور اس کی چاہت رکھنے لگے تھے۔

2 سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جو معاونت تھی وہ فقط یہ تھی کہ آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مصالح کی طرف جھکاؤ رکھ سکتے تھے اور وہ جھکاؤ تحکیم کے دن قابلِ عمل ہوسکتا تھا، اس کے بعد نہیں ہونے لگا تھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے چاہتے تھے کہ وہ بدومۃ الجندل میں اجتماع کے دن سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق ہوکر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیں۔

3 سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''آپ نے مجھے امتِ محمد کے ایک اہم معاملے میں مکتوب ارسال کیا ہے۔'' یہ عظیم معاملہ تحکیم کا تھا، حکمین کے چلے جانے کے بعد ان کے حق میں فیصلہ کسی طرح بھی بڑا نہیں ہوسکتا، کیوں کہ تب تو اس نے لاگو ہی نہیں ہونا، لہٰذا اس بات کا تعین ہو گیا کہ خط تحکیم کے دن سے پہلے کا ہے۔

- یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو راضی کرنے کی کوشش کی، مگر سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ مسلسل انکار پر ڈٹے رہے بلکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تحکیم کے زمانے میں ڈٹ گئے۔

- اس سب کے باوجود سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف اپنے دل میں کوئی نفرت نہیں رکھی، بلکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی تعظیم کیا کرتے تھے اور ان کے لختِ جگر سے محبت و اکرام سے پیش آتے تھے۔ سیدنا ابو بردہ فرماتے ہیں: ''جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے میرے لیے کبھی دروازہ بند نہیں کیا، اور میری ہر حاجت پوری کی۔''

[**422**] ابن سعد کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن عاصم کلابی اور عفان بن مسلم نے بیان کیا، دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں سلیمان بن مغیرہ نے بیان کیا، وہ حمید بن ہلال سے، وہ سیدنا ابوبردہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب زخمی ہوئے تو میں ان کے پاس گیا، آپ مجھے دیکھ کر فرمانے لگے: آؤ بھتیجے آؤ، پلٹو اور دیکھو۔ ابو بردہ کہتے ہیں: میں ان کی جانب پلٹا اور میں نے بغور

دیکھا، وہ کافی گہرا زخم تھا۔ میں نے کہا: امیر المومنین! کوئی بات نہیں اطمینان رکھیے۔ اسی دوران میں یزید بن معاویہ ان کے پاس آئے تو وہ اس سے کہنے لگے: اگر تجھے کوئی عہدہ ملے تو میری اس وصیت کو ذہن نشین کر لینا کہ اس ابو بردہ کا باپ میرا بھائی ہے۔ راوی کو شک ہے کہ آپ نے بھائی کہا، دوست کہا یا اس طرح کا کوئی اور لفظ کہا، لیکن میری رائے جنگ کے متعلق وہ تھی جوان کی نہیں تھی۔ [1]

[**423**] ابن ابی دنیا بیان کرتے ہیں کہ مجھے اسماعیل نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں زکریا بن عدی نے بیان کیا، وہ قاسم بن مالک مزنی سے، وہ طلحہ بن یحییٰ سے، وہ سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، آپ کا طبیب یا معالج آپ کی پیٹھ پر موجود زخم کا علاج کر رہا تھا اور آپ درد کی تاب نہ لاتے ہوئے تڑپ رہے تھے اور لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ میں نے عرض کی: اگر ہمارا کوئی نوجوان ایسا کرتا تو ہم اسے ضرور ملامت کرتے۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجھے ایسا کوئی زخم نہ آئے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: ”کسی بھی مسلمان کو جو مصیبت پہنچتی ہے، وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔“ [2]

⊙ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول: ”عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے میری بیعت کر لی ہے، اور اللہ کی قسم

---

[1] الطبقات (١٢/٤) اس کی سند صحیح ہے، اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔ عمرو بن عاصم کے علاوہ باقی تمام شیخین کے رجال ہیں۔ عمرو بن عاصم یہ اپنے حفظ کے معاملے میں صدوق راوی ہے اور اس کی متابعت کی گئی ہے۔

تخریج: اسے بلاذری نے ”أنساب الأشراف (٤١/٥) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں محمد بن سعد نے عفان بن مسلم سے، انھوں نے سلیمان بن مغیرہ کے واسطے سے بیان کیا اور امام طبری نے اپنی تاریخ الطبري (٢٢٦/٣) میں اسے نقل کیا ہے کہ مجھے عبداللہ بن احمد ابن شبویہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو صالح سلیمان بن صالح (سلمویہ) نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن مبارک نے سلیمان بن مغیرہ کے واسطے سے بیان کیا اور امام ذہبی نے ”سیر أعلام النبلاء“ (٤٠١/٢) میں سلیمان بن مغیرہ کے واسطے سے اسے نقل کیا ہے اور ابن سعد (ص: ١٤٩) نے چوتھے طبقے میں اسے نقل کیا ہے کہ ہمیں علی بن محمد ابو الحسن مدائنی نے سلیمان بن مغیرہ کے واسطے سے مختصراً بیان کیا۔ امام ذہبی نے تاریخ الإسلام (٣١٦/٤- ٣١٧) اور سیر أعلام النبلاء (١٦٠/٣) میں حمید بن ہلال کے واسطے سے مختصر طور پر بیان کیا ہے۔

[2] المرض والکفارات (١٦١) اسماعیل سے مراد: ابن ابی الحارث بن اسد بن شاہین ہیں۔

تخریج: اسے امام احمد رحمہ اللہ نے مسند أحمد (١٦٨٩٩) میں ”یعلیٰ بن عبید عن طلحة بن یحیی“ کے واسطے سے مختصر طور پر مرفوع بیان کیا ہے۔ شعیب ارناؤط کہتے ہیں: اس کی سند امام مسلم کی شروط پر صحیح ہے اور امام البانی رحمہ اللہ نے السلسلة الصحیحة (٢٢٧٤) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

دے کر کہا: اگر آپ بھی میری بیعت کر لیں تو میں آپ کے دونوں بیٹوں میں سے ایک کو کوفہ کا اور دوسرے کو بصرہ کا حاکم بناؤں گا۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے عہد و پیمان کیا تھا کہ وہ خلافت مل جانے تک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نصرت وحمایت جاری رکھیں گے اور یہ نصرت وحمایت محض قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے تک نہیں ہوگی۔ جیسا کہ انھوں نے صفین سے قبل عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے مطالبے میں معاہدہ کیا تھا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ پر ڈٹے رہنے کی بیعت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کی تھی۔''[1] ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ قول صفین سے قبل سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے موقف کے ذیل میں بیان کیا ہے، اسی لیے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کے فوراً بعد کہا: ''جب محاصرین نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرنے کا ارادہ کر لیا تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکل گئے، تاکہ ان کی شہادت کے سانحہ کے وقت وہاں موجود نہ ہوں۔''

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خط میں ''بايعني'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، آپ اس کا لغوی معنی مراد لے رہے تھے، لغت میں ''بیعت'' کا مطلب اطاعت کرنا اور معاہدہ کرنا ہے،[2] یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے میری اطاعت کر لی ہے اور میری نصرت وحمایت کا مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے مجھے خلیفہ تسلیم کر لیا ہے، ایسی تفسیر کرنا درست بھی نہیں، کیونکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا کہ ''انھوں نے میری منشا وچاہت پر میری بیعت کی ہے۔'' لہٰذا انھوں نے خلافت پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تھی۔ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی چاہت پر بیعت کی تھی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے طلب گار تھے، لہٰذا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس ارادے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے معاونت کی یقین دہانی پر بیعت کی تھی۔

گزشتہ صفحات میں امام دارقطنی کی بیان کردہ روایت گزر چکی ہے[3] کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے پر اتفاق کر لیا تھا اور اس پر بھی دونوں متفق تھے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت پر کوئی حق نہیں ہے۔

---

[1] البداية والنهاية (٢٨١/٧)، یہ روایت تفصیل کے ساتھ الطبقات الکبری (٢٥٤/٤) میں بھی منقول ہے اور اس میں سقط واقع ہوا ہے۔ [۷۵/۵]

[2] لسان العرب (٢٦/٨) مادة: بيع.

[3] یہ بات [رقم: ۴۱۲] پر گزر چکی۔

اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ ''انھوں نے میری چاہت پر میری بیعت کی'' یہ بھی اس چیز کی دلیل ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں خلافت کا دعویٰ نہیں کرتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو آپ میری چاہت پر نہ کہتے بلکہ کہتے کہ انھوں نے خلافت پر میری بیعت کر لی ہے، کیوں کہ جس کی خلافت پر بیعت کر لی جائے، وہ یہ تو نہیں کہے گا کہ میں خلیفہ بننا چاہتا ہوں۔

⑥ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا امیر معاویہ وعمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا باہم مدِ مقابل آنا

[**424**] ابن سعد کی روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں عبداللہ بن جعفر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو الملیح نے بیان کیا، وہ میمون سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو خفیہ خبر لانے کے لیے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا تا کہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں جان سکیں، آیا وہ جنگ کرنا چاہتے ہیں یا نہیں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! آپ نکلیں تا کہ ہم آپ کی بیعت کر لیں، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور امیر المومنین کے بیٹے ہیں، اس معاملے میں آپ زیادہ حق دار ہیں۔ تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: کیا سب لوگ آپ سے اتفاق رائے رکھتے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: جی ہاں، ماسوائے چند لوگوں کے باقی سب کی یہی رائے ہے۔ تو سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہنے لگے: اگر تین لوگ بھی اختلاف کریں تو بھی مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ ان کا لڑائی کا کوئی ارادہ نہیں اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہنے لگے: کیا آپ کو پسند نہیں کہ اس شخص کی بیعت کر لی جائے جس پر سب لوگ متفق ہوں[1] اور آپ کو مال و اراضی اتنی وافر مقدار میں مل جائے جو آپ اور آپ کی اولاد سے بھی ختم نہ ہو؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: تم پر افسوس! میرے پاس سے دور چلے جاؤ اور دوبارہ کبھی پلٹ کر میرے پاس مت آنا، تم پر افسوس! میرا دین تمھارے درہم و دینار کا محتاج نہیں، میری تو تمنا ہے کہ جب اس جہانِ فانی سے کوچ کروں تو میرے ہاتھ خالی ہوں۔[2]

---

[1] اس سے مراد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

[2] الطبقات الکبری (٤/١٦٤) اس کی سند صحیح ہے اور یہ بات [رقم: ١٨١] پر اپنی تخریج اور اپنے غریب ہونے کے بیان کے ساتھ گزر چکی ہے اور اس میں جو زیادتی ہوئی ہے اس کا بیان بھی گزر چکا ہے۔

تعلیق:

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحکیم کے دن سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس خفیہ طور پر بھیجا کہ وہ انھیں جا کر خلافت کی پیشکش کریں لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انکار کر دیا۔ پھر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دوسری تدبیر کی اور کہنے لگے کہ آپ خلافت کا منصب قبول کر لیں اور پھر مال و زر کے عوض یہ عہدہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیں۔ چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایسا کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ یہ واقعہ حکمین کے اتفاق سے پہلے کا ہے جو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے درمیان پیش آیا۔

اس واقعہ میں اور آئندہ بیان ہونے والے واقعہ میں فرق ہے، گو دونوں واقعات اجتماعِ حکمین کے قریبی دور کے ہیں، لیکن میمون کے روایت کردہ واقعہ کا ظہور پہلے ہوا جو ابن عمر اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کے مابین انفرادی طور پر ہوا اور مندرجہ ذیل روایت میں بیان ہونے والا واقعہ ابو موسیٰ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں پیش آیا۔

[**425**] بلاذری سے منقول ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں احمد بن ابراہیم دورقی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو خیثمہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے والد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے یعلیٰ بن حکیم کو نافع سے بیان کرتے سنا، انھوں نے کہا: جب حکمین دومۃ الجندل کے مقام پر اکٹھے ہوئے تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ ہم آپ کو مال و زر دیں اور اس کے بدلے آپ خلافت اس کے لیے چھوڑ دیں جو اس عہدے کو آپ سے زیادہ چاہتا ہے، جس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما غصہ میں جھپٹے مگر ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کو کپڑے سے پکڑا تو وہ بیٹھ گئے اور کہنے لگے: او عمرو! تیرے لیے بربادی ہو، تو نے دنیا کے عوض آخرت کا سودا کر لیا۔ اللہ کی قسم! میں نہ تو اس کے لیے مال دوں گا، نہ مال کی خاطر اسے قبول کروں گا اور سب لوگوں کی رضا مندی کے بغیر یہ عہدہ کبھی لوں گا بھی نہیں۔[1]

[**426**] ابو نعیم اصبہانی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں احمد بن محمد بن سنان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو العباس ثقفی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن جریر بن جبلہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں

---

[1] أنساب الأشراف (۳۴۵/۲) اس کی سند صحیح ہے اور یہ بات [رقم: ۱۸۲] پر گزر چکی ہے اور آئندہ روایت اور سابقہ روایت ملاحظہ فرمائیے۔

کہ ہمیں سلیمان بن حرب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جریر نے یعلیٰ سے بیان کیا، انھوں نے نافع سے، انھوں نے کہا کہ جب ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو حکم بنایا گیا تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: میں اس عہدے کا حقدار عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے سوا کسی کو نہیں سمجھتا، اس پر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہنے لگے: ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں، کیا آپ کو یہ بات بھلی نہیں لگتی کہ آپ کو بہت سا مال دیا جائے اور آپ یہ عہدہ خود سے زیادہ چاہت مند کو دے دیں،[1] اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما غصے میں آ کر کھڑے ہو گئے لیکن سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے انھیں دامن سے پکڑ لیا اور کہنے لگے: اے ابو عبدالرحمٰن! انھوں نے کہا ہے کہ آپ کو اس بات پر بھی مال ملے گا کہ ہم آپ کی بیعت کر لیں۔ تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہنے لگے: عمرو بن عاص! تو برباد ہو، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں تو آپ کو آزمانا چاہتا تھا۔ راوی کہتے ہیں: اس پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں نہ تو اس منصب کی خاطر کچھ دوں گا نہ ہی اس کی خاطر کچھ لوں گا اور مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر اسے قبول بھی نہ کروں گا۔[2]

اس روایت کو امام ذہبی نے بیان کیا ہے، پھر اس پر تعلیق لگاتے ہوئے کہا: ''قریب تھا اس دن سیدنا علی اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما جیسی شخصیت کی موجودگی میں ان کی بیعت[3] منعقد ہو جاتی، اور اگر ان کی بیعت کر لی جاتی تو کوئی دو شخص بھی اختلاف نہ کرتے لیکن اللہ نے انھیں بچایا اور ان کو بہتر جگہ رکھا۔''[4]

''تذكرة الحفاظ'' میں لکھتے ہیں: ''آپ خندق میں موجود تھے اور اہلِ بیعتِ رضوان میں سے تھے، اور ان لوگوں میں سے تھے جو خلافت کے اہل ہو سکتے ہیں تو ان کی تعیین سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور فاتحِ عراق سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسوں کی موجودگی میں کی گئی۔''[5]

اسی طرح ''سير أعلام النبلاء'' میں مزید لکھتے ہیں: ''اللہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے والد سے

---

[1] اس سے مراد سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔

[2] حلية الأولياء (۲۹۳/۱) یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح صحیح ہے اور اس کا ذکر اور اس کی سند پر تعلیق [رقم:۱۸۳] پر گزر چکی ہے۔ تفصیل کے لیے سابقہ روایت ملاحظہ فرمائیے۔

[3] یعنی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت۔

[4] سير أعلام النبلاء (۲۲۷/۳)

[5] تذكرة الحفاظ للذهبي (۳۳/۱)

راضی ہو، دین میں، ورع میں، علم میں، عبادت میں اور خوفِ خدا میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے مثل کون ہوگا؟! ایک ایسا شخص جسے خلافت پیش کی گئی، اس نے انکار کر دیا، اسے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کی طرف سے قضا کا عہدہ پیش کیا گیا، انھوں نے ردّ کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شام میں اپنا نائب بنایا، اس سے بھاگ گئے، اللہ ایسی طبیعت کے لیے جسے چاہتا ہے چنتا ہے، جو انابت کرتا ہے اسے ہی ایسی ہدایت دیتا ہے۔''[1]

تعلیق:

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلافت پر زیادہ حریص ہونے کی بات کہی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بہرحال تحکیم کے روز خلافت کی شدید چاہت رکھتے تھے، حتی کہ عمرو بن عاص اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما نے اس کے عوض بہت سا مال خرچ کرنے کا بھی منصوبہ بنایا۔

نیز حکمین نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خلافت کی پیشکش کی تھی مگر انھوں نے مسترد کر دی۔ پھر دوبارہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دوسرے پہلو سے پیشکش کی کہ خلافت قبول کر لیں، پھر بہت سے مال کے عوض سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپ دیں مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے پھر انکار کر دیا۔ اس اجتماع میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے چاہت مند ہیں۔ اور یہ واقعہ ابوموسیٰ عمرو بن عاص، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں پیش آیا تھا۔

یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دو بار یہ پیشکش عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کی تھی، پہلی مرتبہ اپنے طور پر، دوسری مرتبہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری اور سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں۔

[**427**] بلاذری سے منقول ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں ابوخیثمہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن وہب نے بیان کیا، وہ جویریہ بن اسماء سے، وہ نافع سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اذرح گئے، جہاں حکمین نے حکومت کے معاملے میں جمع ہونا تھا، تو ان سے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر میں خلافت کے معاملے میں آپ کے لیے کچھ کروں تو مجھے کیا ملے گا؟ تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: اللہ کی قسم! میں تجھے کچھ نہ دوں گا اور میں خلافت تب تک قبول نہ کروں گا جب تک کہ کوئی دو شخص بھی مجھ سے اختلاف کرنے والے نہ ہوں۔[2]

---

[1] سیر أعلام النبلاء (۳/۲۳۵)

[2] أنساب الأشراف (۲/۳۴۵) اس کی سند صحیح ہے، اس کے تمام رجال ثقہ ہیں اور شیخین کے رجال میں سے ہیں۔ ←

تعلیق:

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو پیشکش کی کہ وہ انھیں خلافت دلوانے کی حتی الامکان کوشش کریں گے، اس کے عوض ابن عمر رضی اللہ عنہما انھیں کچھ نہ کچھ دیں گے۔ مثلاً ولایت وغیرہ، مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انکار کر دیا۔ ہم نے ان روایات کی شرح سابقہ عنوان میں کر دی ہے جس کے تکرار کا کوئی فائدہ نہیں۔ مطالعہ کے لیے اسے ملاحظہ کیجیے۔[1]

اس عنوان میں تحکیم کے موقعے پر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا بیان ہے اور میں نے آئندہ عنوان میں اس پر الگ سے حدیث ذکر کی ہے۔

⑦ حکمین کے دن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ

[**428**] محمد بن سعد سے منقول ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں یزید بن ہارون نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عوام بن حوشب نے بیان کیا، وہ حبیب بن ابی ثابت سے بیان کرتے ہیں، وہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دومۃ الجندل میں جمع ہونا تھا، تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو خدشہ ہوا کہ کہیں انھیں اور علی رضی اللہ عنہ دونوں کو خلافت سے نکال نہ دیا جائے، تو اس دن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عظیم الجثہ بختی اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور فرمانے لگے: کون ہے جو اس معاملے کی طمع کرتا ہے یا اس کی جانب اپنی گردن بڑھاتا ہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: ''میرے دل نے کبھی دنیا کی خواہش نہیں کی، سوائے اس دن کے، میں نے کہنا چاہا: اس کی طمع وہ کرتا ہے جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے جنگ کی، یہاں تک کہ تم کو اس معاملے میں شامل کیا۔ پھر مجھے جنت، جنت کی نعمتیں اور پھل وغیرہ یاد آ گئے تو میں نے خاموشی اختیار کر لی۔''[2]

← ابوخیثمہ سے مراد: زہیر بن حرب ہیں اور وہب سے مراد: ابن جریر بن حازم ازدی ہیں اور نافع سے مراد: مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ جویریہ بن اسماء کو جاننے کے لیے [رقم: ۳۳۵] ملاحظہ فرمائیں۔ اور یہ روایت سابقہ دو روایات کا ایک جزء ہے اور یہ ایک ہی واقعہ ہے۔ البتہ اس کے مختصر ہونے کے باوجود ان دو روایات کی نسبت اس میں کچھ اضافہ ہے۔

① دیکھیے: (ص:۵۴۳-۵۴۶)

② الطبقات الکبری (۲۵۸/٤) یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے اور اس کی سند کے تمام رجال شیخین کے رجال میں سے ہیں اور ثقہ ہیں۔

اس روایت کے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہونے کے بارے میں اختلاف منقول ہے۔ یزید بن ہارون نے عوام سے، حبیب بن ابی ثابت کے واسطے سے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور محمد بن حسن نے عوام کے واسطے سے ←

← روایت کیا ہے اور ان سے روایت کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ پس اسلم بن سہل واسطی نے اسے "وهب بن بقية عن محمد بن حسن عن عوام بن حوشب" کی سند سے نقل کیا ہے۔ ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ ناقد نے اس کی مخالفت کی ہے، اس نے "صالح بن عبدالله الترمذي عن محمد بن حسن، عن عوام بن حوشب، عن جبلة بن سحيم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما" کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے۔ اور ان کی مخالفت ابو معاویہ ضریر نے اپنی سند اور متن میں کی ہے، اس نے "عن الأعمش عن حبيب بن أبي ثابت، عن هزيل بن شرحبيل عن ابن عمر رضی اللہ عنہما" کے واسطے سے یہ روایت ذکر کی ہے اور اس روایت کے شروع میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک منکر قصے کا اضافہ کیا ہے۔ اور اس نے ان تمام رواۃ کی روایت کے وقت میں بھی ان سے اختلاف کیا ہے۔ اس نے روایت کا تعلق سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت سے بتایا ہے اور عنقریب کتاب "خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة" میں اس کا ذکر آئے گا۔

اور درست رائے اس کی ہے جس نے حبیب کے واسطے سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور حبیب، ہزیل اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ حبیب نے یہ روایت دو سندوں سے روایت کی البتہ جبلہ بن سحیم کا تذکرہ یہ وہم ہے اور اسی بنا پر یہ سند ضعیف ہے۔ حبیب مدلس راوی ہے اور اس نے عنعنہ کے ذریعے روایت بیان کی ہے، حالانکہ اس نے یہ روایت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بذاتِ خود نہیں سنی تو اس نے ہزیل کو اپنے اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان واسطہ بنا کر داخل کر دیا اور اس نے یہ روایت ہزیل سے بھی سماعت نہیں کی بلکہ اس نے ہزیل سے مرسل خفی کے ذریعے یہ روایت بیان کی ہے اور عنقریب اس کی تفصیل کتاب "خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة" میں آئے گی لیکن یہ خبر دوسرے طریق سے امام بخاری، اور عبدالرزاق ذہلی وغیرہ کے نزدیک صحیح ہے اور اس کی تفصیل کے لیے آئندہ چھے روایات ملاحظہ فرمائیں۔

شواہد: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں خلافت سے نکل جانے کی بابت خوفزدہ ہوئے۔ اس کی شاہد ابو نعیم کی "الحلية" میں نقل کردہ روایت ہے۔ (نافع سے منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب سیدنا ابو موسیٰ اشعری اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو حکم مقرر کیا گیا تو سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس معاملے میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے علاوہ کسی اور شخص کو اس کا اہل نہیں سمجھتا تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہنے لگے کہ ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں) یہ روایت صحیح ہے۔ چند صفحات قبل [رقم: ۴۲۶] یہ گزر چکی ہے، یعنی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس بارے میں خوفزدہ ہوئے کہ کہیں حکمین سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت نہ کر لیں اور یوں وہ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلافت کے معاملے سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور اس کی دلیل ابن اعرابی کے الفاظ ہیں کہ "سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نکل کر ان کے پاس پہنچا اور یہ لوگ مجھے خلافت دینے کے لیے اکٹھے ہو گئے۔" عنقریب [رقم: ۴۳۰] اس کی تفصیل آ رہی ہے اور یہ روایت جسے ابن اعرابی نے نقل کیا ہے یہ عین اسی باب کی روایت ہے جسے ابن سعد نے نقل کیا ہے۔

جہاں تک خبر کے بقیہ حصے کا تعلق ہے تو اسے امام بخاری اور عبدالرزاق نے نقل کیا ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۴۳۱-۴۳۴]

[**429**] طبرانی کی روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں اسلم بن سہل واسطی[1] نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وہب بن بقیہ نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہمیں خبر دی محمد بن حسن مزنی[2] نے عوام بن حوشب سے، وہ حبیب بن ابی ثابت سے، وہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: جس دن سیدنا علی[3] اور معاویہ رضی اللہ عنہما دومۃ الجندل میں جمع ہوئے، مجھے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ کے لائق نہیں کہ آپ صلح سے دور رہیں جس سے اللہ امتِ محمدیہ کی صلح کروا رہا ہے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتے دار ہیں اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔

اس دن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بڑے بختی اونٹ پر آئے اور کہنے لگے: اس معاملے کی طمع کون کرتا ہے، یا کون سر اٹھاتا ہے، تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''اس دن سے پہلے کبھی میرے دل میں دنیا نہیں آئی، میں نے کہنا چاہا: اس کی طمع وہ رکھتا ہے جس نے آپ سے اور آپ کے والد سے قتال کیا اور تمھیں اس معاملے میں داخل کیا، پھر مجھے جنت اور اس کی نعمتیں یاد آئیں تو میں خاموش ہو گیا۔''[4]

---

[1] یہ حافظ، صدوق، محدث، واسط شہر کے مورخ تھے۔ ابو الحسن اسلم بن سہل بن سلم بن زیاد بن حبیب واسطی رزاز اور یہ (بحشل) کے نام سے معروف تھے۔ اس نے اپنے نانا وہب بن بقیہ سے سماع کیا۔ یہ امام ذہبی کا قول ہے اور امام خمیس حوزی کہتے ہیں کہ یہ ثقہ، ثابت و جامع تھے۔ صحیح روایات بیان کرتے، انھوں نے واسطیوں کی تاریخ جمع کی اور ان کے اسماء کے ضبط کو بھی یقینی بنایا۔ ان کا حفظ اور اتقان درجۂ کمال کا تھا اور امام دارقطنی کہتے ہیں کہ بعض محدثین نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے۔ دیکھیے: سؤالات الحاکم للدارقطني (٦٤)، سير أعلام النبلاء (١٣/٥٥٣)، ميزان الاعتدال (١/٢١١)، لسان الميزان (١/٣٨٨) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٢/٣٥٢)

[2] مطبوعہ نسخہ میں تصحیف ہو کر یہ لفظ ''المُرِيّ'' ہو گیا ہے۔ یہ محمد بن الحسن بن عمران المزنی الواسطی الفقیہ ہیں۔ یہ واسط کے قاضی تھے اور اصلاً شامی تھے۔ ان کا تعارف دیکھیے: سير أعلام النبلاء (٩/٣٠٣)، تهذيب الكمال (٢٥/٧١)

[3] حضرت علی رضی اللہ عنہ حکمین کے اجتماع میں حاضر نہیں ہوئے، لہٰذا اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب ہیں۔

[4] المعجم الكبير [(١٣/١٥١) رقم (١٣٨٣٤) ط: سعد الحميد والجريسي] یہ بھی سابقہ روایت کی طرح صحیح ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں، اس کی سند پر کلام سابقہ روایت میں گزر چکا ہے۔

تخریج: اس روایت کو ابن کثیر نے جامع المسانيد [(٢٨/٧٦) رقم (١١٤) مسند عبدالله بن عمر، ط: دار الفكر، ت: عبدالمعطي قلعجي]، میں عوام کی سند سے لائے ہیں اور مختصر بیان کیا ہے۔ اس میں تصحیف ہوئی ہے، اس میں ہے: ''ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: کون اس معاملے میں طمع کرتا ہے ...!'' جبکہ یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے صحیح ہے۔

اسی طرح ہیثمی اس کو مجمع الزوائد (٧٠٧٥) میں لائے ہیں اور کہا ہے: اس روایت کو طبرانی نے ''الکبیر'' میں بیان کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں اور ظاہراً مراد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح ہے جو راوی کا وہم ہے۔ اسکا جواب آگے آ رہا ہے۔ ←

[430] ابن اعرابی سے منقول ہے کہ ہمیں ابو یحییٰ زکریا بن یحییٰ الناقد[1] نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں صالح بن عبداللہ ترمذی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن حسن نے بیان کیا، وہ عوام بن حوشب سے، وہ جبلہ بن سحیم سے، وہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: تحکیم کے دن مجھے حفصہ نے کہا: آپ کے لائق نہیں کہ آپ صلح سے دور رہیں جس سے اللہ امتِ محمدیہ کی صلح کروا رہا ہے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتے دار ہیں اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں ان کے پاس گیا اور وہ سب مجھے خلافت دینا چاہ رہے تھے۔ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بڑے سے سرخ اونٹ پر نکلے، انھوں نے سمجھا کہ میں شاید اسی لیے آیا ہوں، تو وہ کہنے لگے: کون ہے؟ پھر اس معاملے کا ذکر کیا اور کہا: کون ہے جو اس معاملے کی خواہش رکھے تو میں نے کہنا چاہا: وہ جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے لڑائی کی، یہاں تک کہ تمھیں زبردستی اس میں داخل کیا، پھر میں نے جنت اور اس کی نعمتوں کو یاد کیا اور خاموش ہو رہا۔[2]

← اسی باب میں وہ روایت بھی ہے جو ابن سعد نے الطبقات (٤/١٨٢) میں بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عارم بن الفضل نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حماد بن زید نے بیان کیا، وہ معمر سے، وہ زہری سے بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس اجتماع ہوا تو وہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے: اس معاملے کا مجھ سے زیادہ حقدار کون ہے؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے ارادہ کیا کہ میں کھڑا ہو جاؤں اور کہوں: اس کا زیادہ حقدار وہ ہے جس نے تجھے اور تیرے باپ کو کفر پر مارا، پھر میں ڈر گیا کہ میری بات کا کوئی اَور مفہوم لیا جائے گا۔

اس کا قول: ''جب معاویہ رضی اللہ عنہ پر اتفاق ہو گیا'': اس سے مراد عام الجماعہ اور حسن رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا ہے۔ اس کی سند مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اور متن منکر ہے، کیونکہ یہ صحیح روایات کے خلاف ہے۔ میں نے اس کو صرف اس لیے ذکر کیا ہے، تا کہ اس کا حال معلوم ہو جائے، شاید ہیثمی وغیرہ نے ان جیسی روایات پر اعتماد کیا ہے۔

[1] زکریا بن یحییٰ بن عبدالملک بن مروان بن عبداللہ ابو یحییٰ الناقد البغدادی۔ خطیب کہتے ہیں: یہ مجتہدین میں سے تھا اور بہت زیادہ عبادت گزار تھا اور معتبر محدثین میں سے ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں: یہ ثقہ فاضل ہے۔ دیکھیے: سؤالات الحاكم للدارقطني (١٠٢)، تاريخ بغداد (٨/٤٦٢)، تاريخ الاسلام (١٢٠/١٨٠) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة: (٤/٣٣٠)

[2] معجم ابن الأعرابي (ص: ١٦٤٠)، یہ روایت بھی سابقہ دو روایات کی طرح صحیح ہے، اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

شواہد: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول کہ ''سب لوگ مجھے منصبِ خلافت دینے کے درپے تھے''، اس بات کا شاہد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں'' اور اس روایت کی سند صحیح ہے۔ دیکھیے: [رقم: ٤٢٥] اور بقیہ شواہد کے لیے اس سے سابقہ روایات دیکھیے۔

تخریج: یہ روایت ابن عساکر نے ابن اعرابی کے طریق سے نقل کی ہے۔

[431] امام بخاری رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا تو ان کی مینڈھیوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں نے کہا: لوگوں کا معاملہ تو آپ کے سامنے ہے، مجھے اس معاملے سے کچھ نہیں ملا۔[1] اس پر ام المومنین رضی اللہ عنہا گویا ہوئیں کہ جاؤ وہ آپ کے منتظر ہیں، مجھے ڈر ہے کہ آپ کی غیر موجودگی میں لوگ منتشر ہو جائیں گے، پھر جب لوگ جانے لگے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور کہا: اس معاملے میں[2] جو کوئی بات کرنا چاہتا ہے وہ سامنے آئے، ہم اس سے اور اس کے باپ سے بھی زیادہ حقدار ہیں۔[3] حبیب بن مسلمہ مجھے کہنے لگے: آپ نے جواب کیوں نہیں دیا؟ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں نے اپنے کپڑے سمیٹے اور کہنا چاہا کہ اس معاملے کا زیادہ حقدار وہ ہے جس نے تم سے اور تمھارے باپ سے اسلام کی خاطر لڑائی کی۔[4]

---

[1] ''لوگوں کا معاملہ تو وہ تھا جو آپ دیکھ رہی ہیں، اس معاملے میں سے مجھے کچھ بھی نہیں دیا گیا'' یعنی کہ صلح کے معاملے میں میرے لیے کوئی گنجائش نہ تھی۔ اس کی تفسیر آئندہ قول کر رہا ہے کہ ''مجھے خدشہ لاحق تھا کہ ان سے الگ ہونے سے انتشار ہوگا'' اور اس کی تفسیر سابقہ تین روایات کر رہی ہیں کہ ''آپ پر صلح کے سوا کچھ بھلا نہیں لگتا۔''

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ جو سیدنا علی المرتضیٰ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صفین کے روز جنگ ہوئی۔ جب لوگوں کے مابین حکومت کی خاطر اختلاف برپا ہوا۔ تو انھوں نے بقیہ صحابہ اور ان دونوں کے علاوہ کا ساتھ دیا اور اجتماع کے لیے باہمی عہد و پیمان کیا تاکہ وہ یہ منظر دیکھ سکیں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بہن سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے اس معاملے میں شرکت یا عدمِ شرکت کا مشورہ کیا تو انھوں نے اس ڈر سے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ان کے ساتھ ملنے کا اشارہ کیا کہ کہیں ان کی عدمِ موجودگی میں ایسا اختلاف برپا نہ ہو جائے جو دائمی فتنے کا باعث بنے۔

[2] یعنی خلافت کے معاملے میں۔

[3] امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خلافت کے معاملے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ جو شخص قوت میں، رائے دینے میں، دور اندیشی میں فضیلت رکھتا ہو اسے اسلام، دین اور عبادت میں سبقت لے جانے والے پر مقدم کیا جائے۔ اسی لیے انھوں نے اپنے آپ کو زیادہ حقدار گردانا اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے اس کے خلاف تھی۔ آپ کے نزدیک مفضول شخص کی بیعت نہیں کی جا سکتی۔ البتہ جب فتنے کا خدشہ ہو تو ایسا کیا جا سکتا ہے، اسی لیے بعد میں آپ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ پھر اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید بن معاویہ کی بھی آپ نے بیعت کی اور اپنے دونوں بیٹوں کو اس کی بیعت توڑنے سے منع کیا اور اس کے بعد عبدالملک بن مروان کی بھی بیعت کی۔

[4] امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس نے آپ سے اور آپ کے باپ سے اسلام کی خاطر لڑائی کی''، یعنی اُحد اور خندق کے دن اور اس جنگ کے اندر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور وہ تمام مہاجرین شامل تھے جو اس جنگ میں شامل ہوئے اور ان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ یہاں پر ظاہری طور پر مناسبت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس قصے کو غزوۂ خندق میں داخل کر دیا گیا ہے، کیونکہ غزوۂ خندق کے روز ان کے قائد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے۔

پھر میں نے خطرہ محسوس کیا کہ کوئی ایسا کلمہ نہ کہہ بیٹھوں جو اتحاد کو توڑنے کا سبب بن جائے، خون بہنے لگے اور میری بات کا مطلب غلط لے لیا جائے۔ پھر مجھے اللہ کی تیار کردہ جنت یاد آ گئی تو حبیب کہنے لگے: آپ کو محفوظ کر لیا گیا اور آپ کو بچا لیا گیا۔ راویِ حدیث محمود[1] عبد الرزاق سے "وَنَوُسَاتِهَا" (اور ان کی مینڈھیاں) کے الفاظ بیان کرتے ہیں۔[2]

[**432**] مصنف عبدالرزاق میں ایک باب [غزوة ذات السّلاسل وخبر عليّ ومعاوية] کے نام سے ہے جو ایک طویل خبر پر مشتمل ہے، معمر اس قصے کو زہری سے مرسل روایت کرتے ہیں اور اس کے آخر میں اجتماعِ حکمین کا تذکرہ ہے۔ اس کے بعد والی خبر میں ہے: زہری کہتے ہیں[3] کہ سالم ابن عمر رضی اللہ عنہما

---

[1] امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام محمد بن قدامہ جوہری نے اپنی کتاب "أخبار الخوارج" میں ایک قصہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں محمود بن غیلان مروزی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرزاق نے معمر کے واسطے سے خبر دی، آپ نے دونوں سندیں اکٹھی ذکر کی ہیں اور پھر اس روایت کا مکمل متن لے کر آئے ہیں۔ اس روایت کے شروع میں ہے کہ میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو آپ کے بالوں سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے، گویا کہ وہ ابھی ابھی غسل کر کے آئی ہوں۔ اسی طرح کی روایت امام اسحاق بن راہویہ نے عبدالرزاق کے واسطے سے اپنی مسند میں نقل کی ہے۔

میں (**فواز شمری**) کہتا ہوں: محمد بن قدامہ جوہری سے مراد: ابوجعفر انصاری لولوی بغدادی ہیں۔ امام ابن معین کہتے ہیں کہ یہ کسی خوبی کا مالک نہیں ہے۔ امام ابو داود کہتے ہیں کہ یہ ضعیف راوی تھا۔ امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ متساہل تھا لیکن اس کی متابعت کی گئی ہے اور پھر آپ مکمل روایت لے کر آئے ہیں جیسا کہ امام ابن حجر نے کہا ہے۔ امام بخاری نے محمود بن غیلان کی عبدالرزاق سے صیغۂ جزم کے ساتھ تعلیقاً روایت بیان کی ہے۔

جوہری کے احوال جاننے کے لیے ملاحظہ کیجیے: تهذيب الكمال (٣١٠/٢٦)، تقريب التهذيب (٦٢٣٤)

[2] صحيح البخاري (٣٨٨٢)، كتاب المغازي، (باب غزوة الخندق وهي الأحزاب) دیکھیے: فتح الباري (٤٠٣/٧)

ابراہیم بن موسیٰ سے مراد: ابو اسحاق تمیمی رازی فراء ہیں۔ یہ صغیر کے نام سے معروف ہیں اور ہشام سے مراد: ابن یوسف صنعانی ہیں۔ معمر سے مراد: ابن راشد ازدی ہیں اور سالم سے مراد: ابن عبداللہ بن عمر بن خطاب ہیں اور ابن طاؤس سے مراد: عبداللہ بن طاؤس بن کیسان ہیں۔ اور محمود سے مراد: ابن غیلان عدوی ابو احمد مروزی ہیں اور عبدالرزاق سے مراد: ابن ہمام صنعانی صاحبِ ''مصنف'' ہیں۔

[3] امام زہری رحمہ اللہ نے اجتماعِ حکمین رضی اللہ عنہما کے واقعہ کی حدیث نقل کی اور ان سے روایت کرنے والے معمر بن راشد ہیں جیسا کہ اس سے پہلے عبدالرزاق کی روایت میں ان کا ذکر آیا ہے۔ اس باب کی روایت اس سے پہلے والی روایت میں اضافہ ہے، اسی لیے روایت کے متن کی ابتداء راوی کے اس قول سے ہے: ''سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دن کے پچھلے پہر کھڑے ہوئے۔''

سے بیان کرتے ہیں، (ح) معمر کہتے ہیں: نیز مجھے ابن طاؤس نے عکرمہ بن خالد سے بیان کیا، انھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دن کے پچھلے پہر کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمانے لگے: جو کوئی اس معاملے کا خواہش مند ہے وہ سامنے آئے، اللہ کی قسم! جو بھی سامنے آئے گا میں اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ حقدار ہوں۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ ان کا اشارہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی جانب تھا، ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: میں نے اپنی چادر اٹھائی اور ارادہ کیا کہ ان کے سامنے کھڑا ہو کر کہوں: اس معاملے میں وہ لوگ بات کریں گے جنھوں نے تجھ سے اور تیرے باپ سے اسلام کی خاطر لڑائی کی، پھر میں ڈر گیا کہ کہیں میرا کہا ہوا کوئی کلمہ اس اتفاق کو تفرقہ میں نہ بدل دے اور خون بہنے کا سبب جائے اور میری بات کا غلط مطلب لے لیا جائے۔ مجھے اللہ کی جنت کا وعدہ اس معاملے سے زیادہ محبوب تھا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب میں اپنے گھر جا رہا تھا تو حبیب بن مسلمہ میرے پاس آ کر کہنے لگے: آپ نے انھیں کچھ کہا کیوں نہیں؟! تو میں نے کہا: میں نے اس کا ارادہ کیا تھا مگر میں نے خوف محسوس کیا کہ کہیں میرا کوئی کلمہ اس اتفاق کو تفرقے میں نہ بدل دے اور خون ریزی ہونے لگے، اور میری بات کو غلط مفہوم پہنا دیا جائے، مجھے اس سارے معاملے سے بڑھ کر اللہ کی جنتوں کا وعدہ زیادہ محبوب ہے۔ حبیب بن مسلمہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہنے لگے: آپ کو بچا لیا گیا اور آپ کی حفاظت کی گئی۔[1]

[433] مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ معمر زہری سے، وہ سالم سے، وہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں، (ح) معمر کہتے ہیں کہ نیز مجھے ابن طاؤس نے خبر دی، وہ عکرمہ بن خالد سے بیان کرتے ہیں، وہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا تو ان کی مینڈھیوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ میں نے کہا: لوگوں کا معاملہ تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں، مجھے اس سے کچھ نہیں دیا گیا، تو انھوں نے کہا: آپ وہاں جائیں، وہ آپ کے انتظار میں ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ اگر ان سے دور رہیں گے تو تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ وہ مجھے کہتی رہیں، یہاں تک کہ میں آ گیا، جب حکمین الگ ہوئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، کہا: جو بات کرنا چاہتا ہے وہ سر اٹھائے۔[2]

---

[1] مصنف عبدالرزاق (۹۷۷۰)، اس کی سند صحیح ہے اور زہری کی سند تو شیخین کی شرط پر ہے۔

[2] مصنف عبدالرزاق (۹۷۷۹)، اس کی سند بھی سابقہ روایت کی طرح صحیح ہے۔

[434] محمد بن یحییٰ ذہلی کی ''الزہریات'' میں روایت ہے، جیسا کہ ''تاریخ دمشق'' میں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرزاق نے بیان کیا،[1] وہ کہتے ہیں کہ ہمیں معمر نے زہری سے بیان کیا، وہ سالم سے، وہ سیدنا ابن عمر سے بیان کرتے ہیں، (ح) معمر کہتے ہیں کہ نیز ہمیں یہ روایت ابن طاؤوس نے بیان کی، وہ عکرمہ بن خالد سے بیان کرتے ہیں، وہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو ان کی مینڈھیوں سے پانی گر رہا تھا، میں نے کہا: لوگوں نے ایسا ایسا کر لیا ہے اور میرے لیے اس امر سے کچھ نہیں رکھا گیا تو انھوں نے کہا: ان کے پاس جائیں، وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ آپ کی غیر موجودگی تفرقہ کا سبب بنے گی۔

وہ مجھے جانے کا کہتی رہیں حتی کہ میں آ گیا، جب حکمین رضی اللہ عنہما جانے لگے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور کہا: جو اس معاملے میں بات کرنا چاہے، وہ ہمارے سامنے آئے، ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ حق دار ہیں، اشارہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف کر رہے تھے۔ تو حبیب بن مسلمہ نے کہا: آپ نے انھیں جواب کیوں نہیں دیا؟! آپ پر میرے ماں باپ قربان! تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے چادر اٹھا لی تھی اور کہنے لگا تھا کہ اس کا زیادہ حق دار وہ ہے جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے قتال کیا، لیکن میں ڈر گیا کہ کہیں ایسی بات نہ کہہ دوں جو اتحاد کو توڑ دے اور خون بہایا جائے۔ میری بات کا غلط مطلب لے لیا جائے، پھر میں نے اللہ کی جنت کو یاد کیا۔ حبیب کہنے لگے: آپ کی حفاظت کی گئی اور آپ کو اس چیز سے بچا لیا گیا جس سے آپ ڈرتے تھے۔[2]

گذشتہ روایات پر تعلیق:

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ زوال کے بعد تھا، جیسے مصنف عبدالرزاق میں ہے: ''معاویہ رضی اللہ عنہ زوال کے وقت کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد وثنا بیان کی۔''[3]

⊙ [۴۲۸] سے [۴۳۴] تک کی روایات میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خود کو خلافت کا حق دار سمجھنے کا بیان ہے، ہم اسے ایک الگ روایت سے ایک مستقل بحث میں بھی بیان کریں گے۔ إن شاء اللہ.[4]

---

① مطبوع نسخے میں اس کے بعد لفظ ''علی'' لایا گیا ہے۔

② تاریخ دمشق (۳۱/۱۸۳-۱۸۴)، اس کی سند بھی سابقہ روایت کی طرح صحیح ہے۔ دیکھیں: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۲/۸۱۸)

③ یہ روایت [رقم: ۴۳۲] گزر چکی ہے۔

④ دیکھیے: (ص: ۵۷۸)

⦿ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ ''حمد وثنا کے بعد! جو کوئی اس معاملے میں بات کرنے کا خواہش مند ہے تو وہ سامنے آئے، اللہ کی قسم! جو کوئی بھی سامنے آئے میں اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ حقدار ہوں۔'' اس وقت کا ہے جب تحکیم کے روز اجتماع ختم ہو گیا البتہ لوگ ابھی واپس نہیں گئے تھے۔ ابن حجر عسقلانی، امام عینی اور قسطلانی نے اسے ہی درست قرار دیا ہے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ "الإصابة" میں حبیب بن مسلمہ کے تعارف میں فرماتے ہیں: ''حبیب بن مسلمہ کا تذکرہ صحیح البخاری میں حکمین کے واقعہ میں بھی ہے، جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کلام کیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں نے یہ کہنے کا ارادہ کر لیا تھا کہ اس معاملے کا حقدار وہ ہے جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے اسلام کی خاطر لڑائی کی۔[2]

"فتح الباري" میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لوگوں کے منتشر ہونے سے مراد اختلافِ حکمین کے بعد منتشر ہونا ہے۔ ''مصنف عبدالرزاق'' میں معمر سے اس حدیث میں ''جب حکمین رضی اللہ عنہما جدا ہوئے'' کے الفاظ مراد کی تعیین کرتے ہیں اور قصے کی تعیین کرتے ہیں کہ وہ قصہ صفین میں پیش آیا تھا۔ اور معتمد بات وہی ہے جس کی صراحت عبدالرزاق کی روایت میں ہے۔[3]

اس بات کے دلائل کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ تحکیم کے وقت تھا:

1. ابن سعد، طبرانی اور ابن الاعرابی کے الفاظ ہیں:[4] ''جب علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے دومۃ الجندل میں جمع ہونے کا دن آیا۔'' عبدالرزاق کی روایت میں ہے:[5] ''جب حکمین جدا ہوئے تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔'' یہ صحیح روایات ہیں جو بخاری کی روایت: ''جب لوگ جدا ہونے لگے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا'' کی تفسیر کرتی ہیں۔
2. ابن الاعرابی کی روایت میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا قصہ بیان ہوا ہے اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی آیا ہے: ''میں نکلا اور ان کے پاس پہنچا اور وہ سب مجھے عہدۂ خلافت دینے لگے تھے، تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

---

[1] عمدة القاري (١٨٥/١٧)، ارشاد الساري (٣٢٤/٦- ٣٢٥)

[2] الإصابة (٢٥/٢)

[3] فتح الباري (٤٠٣/٧) عنقریب امام ابن حجر رحمہ اللہ کا کلام تفصیل کے ساتھ آ رہا ہے۔

[4] دیکھیے: [رقم: ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰]

[5] دیکھیے: [رقم: ۴۳۳، ۴۳۴]

عظیم الجثہ سرخ اونٹ پر باہر آئے اور انھوں نے سمجھا کہ میں شاید اس لیے آیا ہوں، تو کہنے لگے ....‘‘
اس کے بعد انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا ذکر کیا ہے۔

اس سے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے قصے کی مناسبت عیاں ہو جاتی ہے جسے بخاری وغیرہ نے روایت کیا ہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ بھی اسی سے مناسبت رکھتا ہے اور وہ یہ تھا کہ جب حکمین رضی اللہ عنہما نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت کا ارادہ کر لیا تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ شاید ابن عمر رضی اللہ عنہما خلافت لینے یہاں آئے ہیں۔

3 امام عبدالرزاق نے اسے ’’باب غزوة ذات السلاسل وخبر علي ومعاوية‘‘ میں بیان کیا ہے۔

4 امام زہری نے ’’مصنف عبدالرزاق‘‘ کی روایت[1] میں اس واقعہ کو قصۂ تحکیم کے تکملہ کے طور پر روایت کیا ہے۔ اس لیے ابن شہاب زہری نے اس کی ابتداء اس قول سے کی کہ ’’سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دن کے وقت کھڑے ہوئے۔‘‘ اور یہ روایت ماقبل کی روایت سے متصل ہے اور ان دونوں کے راوی معمر بن راشد ہیں۔

5 ابو سعادات مجد الدین ابن الاثیر الجزری نے بخاری کی روایت[2] کو ’’باب أمر الحكمين‘‘[3] ’’حکمین کے معاملے کا بیان‘‘ میں ذکر کیا ہے۔ ہم پچھلے صفحات میں بیان کر آئے ہیں کہ ابن حجر عسقلانی نے اسے درست قرار دیا ہے، علامہ عینی اور قسطلانی کی بھی یہی رائے ہے۔

اس خطبے سے متعلق غیر صائب توجیہات کا بیان:

بعض تحقیق نگاروں نے کوشش کی ہے کہ اس واقعے کو درست مناسبت سے کاٹ دیا جائے، مثلاً: اس کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت سے متعلق کر دیں، یا یزید کی ولی عہدی کے وقت سے اس کی مناسبت کر دیں، وہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس طرح یہ قاعدۂ عدالتِ صحابہ سے موافق ہو جائے گا، یا پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اہلِ بدعت کے حملوں سے دفاع ممکن ہو سکے گا۔ مگر حق اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے، لہٰذا صحیح مناسبت پر بھی کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۳۲]

[2] دیکھیے: [رقم: ۳۲۱]

[3] جامع الأصول في أحاديث الرسول (۱۰/۹۳)، ح: (۷۵٦۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو کچھ بھی صادر ہوا وہ ایک اجتہادی معاملہ تھا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی انہی صحابہ میں سے تھے۔ اجتہاد کی بنا تو اس سے بڑے معاملات ہو گئے، یعنی قتال! سو کسی چیز کو اچھا دکھانے کی غرض سے حقیقت کو چھپا دینا اچھی خاصی تشویش پیدا کر دیتا ہے۔ واللہ المستعان!

ان محققین نے ابن جوزی اور ہیثمی کے دو اقوال کو دلیل بنایا ہے، یہاں ان کا ایک تیسرا قول بھی ہے۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی رائے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول: ''لوگوں کا جو بھی معاملہ ہے مجھے اس معاملے سے کچھ نہیں دیا گیا۔'' کا معنی یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے چھ رُکنی شوریٰ بنائی تو مجھے اس سے کچھ نہیں دیا۔ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے جو کہا ہے کہ ''جاؤ وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' تو اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا: ''عبداللہ تمھارے ساتھ تو رہیں گے، لیکن انھیں خلافت سے کچھ نہیں دیا جائے گا۔'' سو یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہونے والے واقعہ کی طرف اشارہ تھا۔ اور روایت میں یہ جو آیا ہے کہ جب لوگ وہاں سے نکلنے لگے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، اس کا تعلق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے سے ہے، جب وہ اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانا چاہتے تھے۔[1]

حافظ ابن حجر نے ''فتح الباري'' میں ابن الجوزی کو جواب دیا ہے کہ لوگوں کے منتشر ہونے سے مراد اختلافِ حکمین کے بعد منتشر ہونا ہے۔ ''مصنف عبدالرزاق'' میں معمر سے اس حدیث میں ''فلما تفرق الحکمان'' (پھر جب حکمین جدا ہو گئے) کے الفاظ مراد کی تعیین کرتے ہیں اور قصے کی تعیین کرتے ہیں کہ وہ قصہ صفین میں پیش آیا تھا۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ شاید اس سے مراد وہ آخری اجتماع ہے جو سیدنا امیر معاویہ اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہم کے مابین ہوا، مگر عبدالرزاق کی روایت اس کا ردّ کر رہی ہے۔ لہٰذا تقدیری کلام یوں ہو گا کہ وہ مسلسل کہتی رہیں یہاں تک کہ آپ تحکیم کے موقع پر چلے گئے، اس کے بعد جب لوگ منتشر ہو گئے تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا...... الخ!

''کشف المشکل'' میں امام ابن جوزی کا قول حقیقی مناسبت سے بہت ہی دور جا پڑا ہے، وہ کہتے ہیں: ''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں چھ رکنی شوریٰ بنانے اور انھیں اس میں سے کچھ نہ دینے کی جانب اشارہ کیا تھا، مگر سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے انھیں ان کے پاس جانے کا حکم دیا۔

[1] کشف المشکل من حدیث الصحیحین (۲/۵۷۵- ۵۷۶)

تو امام ابن الجوزی کہتے ہیں: یہ صورت حال پہلے پیش آئی تھی اور تفریقِ حکمین کے وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے سے متعلق ہے، جب انھوں نے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانا چاہا۔ ابن جوزی نے ایسا ہی کہا ہے، لیکن اس کی کوئی مستند روایت نہیں ملتی، البتہ معتمد قول وہی ہے جس کی وضاحت عبدالرزاق کی روایت میں ملتی ہے۔ پھر مجھے حبیب بن ابی ثابت کی روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ملا کہ آپ نے فرمایا: جب وہ دن آیا جب دومۃ الجندل میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ آئے ...... الخ، اس کو طبرانی نے بیان کیا ہے۔[1]

اس کا ایک جواب یہ بھی ہے کہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے یزید کی ولی عہدی کا زمانہ ہی نہیں پایا، کیونکہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ۴۲ھ[2] میں اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ۴۱ھ[3] میں فوت ہوئیں، جب کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کے لیے بیعت کا اعلان ۵۶ھ میں کیا۔

ابن جریر بیان کرتے ہیں: ۵۶ھ کے واقعات میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد اپنے بیٹے کی بیعت کے لیے لوگوں میں منادی کروائی اور یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔[4]

لہٰذا ابن جوزی کا قول قطعاً درست نہیں۔

بعض محققین نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خطبے کی توجیہ میں کہا ہے کہ انھوں نے خوارج سے کہا تھا کہ ''جو کوئی اس معاملے کا خواہش مند ہے وہ ہمارا سامنا کر کے دکھائے، ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ اس کے حقدار ہیں'' اس کا جواب سابقہ پانچ دلائل ہیں۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس سے مراد خوارج تھے تو پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما غصے میں کیوں آئے اور اپنی چادر اٹھا کر یہ کہنے کا ارادہ کیوں کیا کہ ''اس معاملے کا تجھ سے زیادہ حقدار وہ ہے جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے اسلام کی خاطر جنگ کی۔'' پھر حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول کو ناپسند کیوں کیا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جواب دینے کا مطالبہ کیوں کیا؟! حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''آپ نے جواب کیوں نہ دیا؟'' نیز خوارج کا دومۃ الجندل کے اجتماع میں کیا کام؟ کہ خوارج تو تحکیم کو کفر مانتے تھے، وہ تحکیم کو کفر مانتے ہوئے وہاں کیوں جائیں گے؟

---

1. فتح الباري (۷/۴۰۳)
2. سير أعلام النبلاء (۳/۱۸۸)
3. سير أعلام النبلاء (۲/۲۲۹)
4. تاريخ الطبري (۳/۲۴۷)

وثیقۂ صلح کے آخر میں بیان ہے کہ حکمین نے شرط لگائی تھی: اجتماع کے مقام میں محض وہ لوگ موجود ہوں گے جن کو حکمین چاہیں گے، حکمین نے اذرح کے مقام پر طے کیا کہ سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں چار چار سو لوگوں کو لے کر وہاں آئیں گے اور فیصلے میں حاضر ہوں گے۔"[1]

اس سے معلوم ہوا کہ اس جگہ میں صرف وہی لوگ شریک ہو سکتے تھے جنھیں حکمین نے شرکت کی اجازت دی تھی۔

اور یہ تو ناممکن ہے کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خوارج کو وہاں آنے کی اجازت دیں اور یہ بھی محال ہے کہ خوارج کو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھیجا ہو اور وہ وہاں جا کر فساد نہ کریں، جبکہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے متبعین میں تو کبھی خوارج رہے ہی نہیں۔ لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کسی خارجی کو بھی تحکیم کے مقام پر آنے کی اجازت نہیں دی، نہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے انھیں اجازت دی اور نہ ہی خوارج تحکیم کے مقام پر خود آ سکتے تھے، کیونکہ وہ تو اسے کفر خیال کرتے تھے بلکہ تحکیم کے وقت خوارج نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو مقامِ تحکیم پر نہ بھیجنے کی درخواست بھی کی تھی، بلکہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں وہاں بھیج دیا تو خوارج نے ان کی بیعت توڑ دی تھی اور شوال ۳۷ھ کو نہروان کی جانب چلے گئے تھے۔[2]

❀ ابن ملقن[3] اور نورالدین ہیثمی کا خیال ہے کہ اس واقعے کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے سے مناسبت ہے لیکن اس کی انھوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

نور الدین ہیثمی نے "مجمع الزوائد" میں حبیب بن ابی ثابت رضی اللہ عنہ کی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت بیان کی ہے اور بعد میں کہا ہے: "اس روایت کو طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں نقل کیا ہے، اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں، ظاہر معنی یہ لگتا ہے کہ ان کی مراد صلحِ حسن رضی اللہ عنہ تھی، لیکن راوی کو وہم ہو گیا۔[4]

اس کا جواب بھی گذشتہ پانچ ادلّہ ہیں۔ البتہ یہ کہنا درست نہیں کہ اس میں راوی کو وہم لاحق ہوا

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۳۸۷]

[2] دیکھیے صفحہ (۲۳۴) جس کا عنوان ہے: (الهدوء النسبي للخوارج، ثم هيجانهم وخلعهم بيعة علي رضي الله عنه)

[3] التوضيح لشرح الجامع الصحيح (۲۱/۲۳٤-۲۳۵)

[4] یہ روایت [رقم: ۴۲۹] کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔

ہے، کیونکہ طبرانی کی روایت کی تفسیر ابن سعد اور ابن الاعرابی کی روایت کر رہی ہے، اس ایک ہی روایت کو ان تینوں نے نقل کیا ہے۔

طبرانی کے الفاظ ہیں:

''جس دن علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کی دومۃ الجندل کے مقام پر ملاقات ہوئی تو مجھے سیدنا حفصہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ...... اس دن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عظیم بختی اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور کہا ...... الخ۔''[1]

جبکہ ابن سعد کے الفاظ ہیں:

''جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل میں آنا تھا، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطرہ لاحق ہوا کہ انھیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں کو خلافت سے نکال دیا جائے گا، تو اس دن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عظیم الجثہ سرخ اونٹ پر سوار ہو کر آئے، ...۔''[2]

جبکہ ابن الاعرابی کے الفاظ یوں ہیں:

''جب حکمین کا معاملہ ہونا تھا تو مجھے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ...... وہ کہتے ہیں: میں وہاں سے نکل کر ان کے پاس پہنچا تو یہ لوگ مجھے خلیفہ بنانے پر اتفاق کر چکے تھے، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک بڑے سرخ اونٹ پر تشریف لائے، انھوں نے سمجھا کہ شاید میں خلافت لینے آیا ہوں، تو وہ کہنے لگے۔''[3]

یہ راوی تو زمان ومکان اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پہنچنے کی ہیئت بھی بیان کر رہا ہے، پھر وہم کہاں ہوا؟ خصوصاً عبدالرزاق کی روایت میں تو زمانے کی صراحت بھی موجود ہے: ''جب حکمین باہم جدا ہوئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ...۔''[4]

اس روایت کی سند صحیح ہے، بلکہ ایک تو بخاری ومسلم کی شرط پر ہے اور دوسرے امام بخاری رحمہ اللہ نے صیغۂ جزم کے ساتھ معلق بیان کیا ہے تو کیا پھر بھی اس میں وہم ہوا ہے؟!

تو صحیح روایات سے انحراف جائز نہیں جو علت اور شذوذ سے بھی محفوظ ہوں، نہ ان میں کسی قسم کا طعن ہو۔ جن احادیث و واقعات کی صحت ثابت ہو جائے، ان کی بابت منہجِ اہلِ سنت والجماعت کے

---

[1] یہ روایت [رقم: ۴۲۹] کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔

[2] یہ روایت [رقم: ۴۲۸] کے حاشیے میں گزر چکی ہے۔

[3] یہ روایت [رقم: ۴۳۰] پر گزر چکی ہے۔

[4] یہ روایت [رقم: ۴۳۳، ۴۳۴] پر گزر چکی ہے۔

اصول کے مطابق انحراف روانہیں ہے، بلکہ ان کو ثابت ماننا اور ان کی توجیہ منہجِ اہلِ سنت کے مطابق کرنا واجب ہے۔

❀ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خطبہ: ''جو اس معاملے میں کلام کرنا چاہتا ہے وہ ہمارا سامنا کر کے دکھائے اللہ کی قسم جو بھی سامنے آئے گا میں اس سے اور اس کے باپ سے اس کا زیادہ مستحق ہوں۔'' سے مقصود ابن عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

1 ''مصنف عبدالرزاق'' کی روایت میں زیادت آئی ہے: ''سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اشارہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جانب تھا۔''

2 ابن الاعرابی کی روایت میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان ہے کہ انھوں نے کہا: ''میں نکل کر ان کے ہاں پہنچا تو وہ مجھے خلافت دینے پر متفق ہوئے بیٹھے تھے، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سرخ عظیم الجثۃ اونٹ پر سوار ہو کر آئے، انھوں نے سمجھا، میں شاید اسی مقصد سے آیا ہوں، تو آپ نے کہنا شروع کر دیا: یہاں کس نے اس معاملے میں بات کی ہے؟ کون ہے اس کا خواہش مند؟! ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: میں نے کہنے کا ارادہ کیا کہ جس نے تجھ سے اور تیرے باپ سے اسلام کی خاطر لڑائی کی حتی کہ تمھیں مجبوراً اسلام میں داخل کر دیا۔ پھر مجھے جنت اور اس کی نعمتیں یاد آ گئیں تو خاموش ہو گیا۔''

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے غیظ وغضب اور کلام کی شدت کا سبب بھی بیان کیا ہے۔ اسی طرح سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کے کلام اور اشارے کی بنا پر غصے میں آ گئے۔ آپ نے پہلے پہل تو ان کا جواب دینے ارادہ کیا، مگر پھر رضائے الٰہی کی خاطر جواب نہیں دیا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے اشارے کو سمجھ گئے تھے۔

3 اس پر ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ سیدنا حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصود سمجھ گئے تھے۔ اس لیے انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوالیہ انداز میں پوچھا کہ آپ نے انھیں جواب کیوں نہیں دیا؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مصنف عبدالرزاق میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ ''ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ حق دار ہیں۔'' کی تشریح میں لکھا ہے کہ آپ ان الفاظ سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔'' تو اس زیادت سے حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے قول کی مناسبت معلوم ہو جاتی ہے کہ انھوں نے ''هَلَّا أَجَبْتَهُ'' ''آپ نے جواب کیوں نہیں دیا؟'' کیوں کہا تھا۔[1]

---

[1] دیکھیے: فتح الباري (٤٠٤/٧)

4 سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ابن عمر رضی اللہ عنہما پر غصے ہونا اور ان کی جانب اشارہ کرنا، جس کا ذکر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کیا ہے: ''میں نکلا اور ان کے پاس جا پہنچا اور وہ مجھے خلافت دینے پر متفق تھے اس پر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عظیم الجثہ سرخ اونٹ پر سوار ہو کر باہر آئے اور سوچنے لگے کہ میں اسی وجہ سے آیا ہوں، تو کہنے لگے: ...۔''

اور ابونعیم نے ''الحلیۃ'' میں بیان کیا ہے: ''سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس معاملے کے لیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بعد کسی اَور کو مناسب خیال نہیں کرتا، اس پر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہنے لگے: ہم آپ کی بیعت کرنے کے خواہاں ہیں۔''

جب حکمین خلافت کے معاملے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت پر متفق ہو گئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما منصبِ خلافت کی خاطر یہاں آئے ہیں، چنانچہ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما پر غصہ ہوئے اور انھیں سخت بات کہی، کہا: ''جو کوئی اس معاملے میں بات کرنے کا خواہش مند ہے وہ ہمارے سامنے آئے، ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ اس منصب کے حقدار ہیں۔'' اس کلام سے غصے کی شدت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود کو سیدنا علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے زیادہ خلافت کا حقدار گردان رہے تھے، اور خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کی خاطر خونی لڑائی میں اترے۔ آپ نے اس جنگ میں افواج و اموال کی قربانی دی، آپ کی اسی تگ و دو نے آپ کو یقین کے دہانے پر پہنچایا کہ وہ ہی خلافت کے اصل حقدار ہیں۔ پھر اس بات کا انھیں اچانک پتا چلا کہ حکمین انھیں خلافت سے دور رکھنے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خلیفہ بنانے کے لیے باہم متفق ہیں، جو اس پورے فتنے سے الگ رہے اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کی خاطر جنگ بھی نہیں کی، نہ ہی کوئی کوشش کی۔ جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی محنتوں کا ثمر کسی دوسرے کے پاس جاتا دکھائی دیا تو وہ شدید غصے میں آ گئے اور شدید غیظ و غضب کا اظہار کیا۔

اس سے ابن سعد کی روایت[1] کا معنی واضح ہوتا ہے: ''سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس دن طویل قد و قامت والے بختی اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور فرمانے لگے کہ کون ہے، ......'' یعنی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ڈر ہوا کہ کہیں حکمین انھیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں کو نکال کر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی بیعت نہ کر لیں، پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں وہ کلام کیا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

---

[1] یہ روایت [رقم: ۴۲۸] پر گزر چکی ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے غصے کا ایک اور عامل بھی ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما وہاں جا کر شاید اپنی بیعت کروانا چاہ رہے ہیں، جیسے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں ان کے ہاں پہنچا تو وہ مجھے خلافت دینے کے لیے متفق ہو گئے تھے، اس پر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نکل کھڑے ہوئے اور خیال کرنے لگے کہ میں شاید یہاں اس لیے آیا ہوں ....''

شاید اسی سبب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو قتل کرنے کی دھمکی دی تھی۔

[435] ابن سعد کی روایت ہے: ہمیں اسماعیل بن ابراہیم اسدی نے خبر دی، وہ ایوب سے، وہ نافع سے بیان کرتے ہیں: ''جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو انھوں نے منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قسم اٹھائی کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو قتل کر دیا جائے گا، ابھی آپ مکہ کے قریب ہی پہنچے تھے کہ لوگوں نے آپ کا استقبال کیا، ادھر عبداللہ بن صفوان بھی استقبال کے لیے قدم رنجہ ہوئے اور کہنے لگے: آپ کس کام کے لیے آئے ہیں؟ آپ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو قتل کرنے کے لیے ہمارے ہاں آئے ہیں، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ایسا کہنے کی جرأت کس کی ہوئی؟ ایسا کس نے کہا؟ ایسا کس نے کہا؟ تین مرتبہ دوہرایا۔[1]

[436] ابن سعد کی روایت ہے کہ ہمیں اسماعیل بن ابراہیم نے بیان کیا، وہ ابن عون سے، وہ نافع سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: ''جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے، انھوں نے منبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قسم اٹھائی کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو قتل کر دیا جائے گا۔ راوی کہتے ہیں: لوگ ہمارے پاس آنے لگے، اسی دوران میں عبداللہ بن صفوان سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے، دونوں گھر میں داخل ہوئے، میں بھی گھر کے دراز ے پر تھا تو عبداللہ بن صفوان کہنے لگے: کیا آپ اسے چھوڑ دیں گے کہ وہ آپ کو قتل کر ڈالے، قسم بخدا! اگر میں اور میرے اہل و عیال ہوتے تو میں اس سے ضرور لڑائی کرتا۔ نافع کہتے ہیں: ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے حرم میں صبر نہ کروں؟ کہتے ہیں: میں نے اس رات دو مرتبہ ان کی سرگوشی سنی۔ جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مکہ کے قریب پہنچے، تو لوگوں نے اور عبداللہ بن صفوان نے ان کا

---

[1] الطبقات الکبری (٤/١٨٣) اس کی سند شیخین کی شروط پر صحیح ہے۔
اسماعیل سے مراد: ابن علیہ ہے اور ایوب سے مراد: ایوب سختیانی ہیں۔
تخریج: اسے امام ذہبی نے ایوب سختیانی کے واسطے سے ''تاریخ الإسلام'' (٥/٤٦٦) میں نقل کیا ہے۔

استقبال کیا اور کہا: کیا آپ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو قتل کرنے آئے ہیں؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم میں انھیں قتل نہیں کروں گا۔[1]

ممکن ہے اس واقعے کا سبب حکمین کے دن کا قصہ ہو، یا کوئی دوسرا سبب بھی ہو سکتا ہے۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کو برے ارادے سے چھوا تک نہیں تھا۔ البتہ یہ امکان بعید ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ دھمکی یزید کی ولایت کا انکار کرنے کی وجہ سے دی ہو گی، کیوں کہ انھوں نے تو سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما پر انکار کیا تھا کہ انھوں نے یزید کی بیعت کیوں نہیں کی؟[2]

❀ "أحق به منه ومن أبيه" "اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ اس عہدے کا حقدار ہوں۔": باپ کا تذکرہ تاکید کی شدت میں اضافے کی غرض سے ہے، اس موقع پر ظاہری لفظ مراد نہیں ہے۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے زیادہ خود کو خلافت کا زیادہ حقدار نہ گردانتے تھے، بلکہ ان کا مقصود ان کے ہم زمانہ مثلاً سیدنا علی المرتضٰی وسیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ اس سے ان کی مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: مراد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ تھے اور ان کے بیٹے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا تھا، لیکن یہ امکان بعید ہے، کیوں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تعظیم میں مبالغہ کرتے تھے۔ مصنف عبدالرزاق میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ: "ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ حق دار ہیں" کی تشریح میں الفاظ ہیں کہ آپ ان الفاظ سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔" تو اس زیادت سے حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے قول کی مناسبت معلوم ہو جاتی ہے کہ انھوں نے "هَلَّا أَجَبْتَهُ" "آپ نے جواب کیوں نہیں دیا؟" کیوں کہا تھا؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عبارت سے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصود سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تھے، امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نہ تھے۔

---

1. الطبقات الکبری (١٨٣/٤) اس کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رجال شیخین کی شروط کے مطابق ہیں۔
اسماعیل سے مراد: ابن علیہ ہے اور ابن عون سے مراد: عبداللہ ہیں۔
تخریج: اسے امام ذہبی نے ابن عون کے واسطے سے "تاریخ الإسلام" (٤٦٦/٥) میں نقل کیا ہے اور "سیر أعلام النبلاء (٢٢٥/٣) میں ابن علیہ کے واسطے سے نقل کیا ہے اور اسے شعیب ارنؤوط نے صحیح قرار دیا ہے۔

2. دیکھیے: [رقم: ۱۷۱، ۱۷۲]

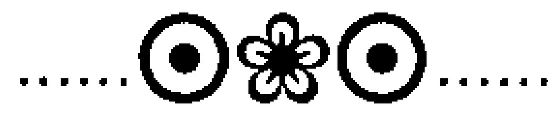
ہم نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول کا سبب بھی بیان کر دیا ہے اور وہ یہ تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ خیال کیا کہ وہ دومۃ الجندل اس لیے آئے ہیں، تاکہ حکمین خلافت پر ان کی بیعت کر لیں۔ بہرحال یہ بات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے شدید غصے کی حالت میں صادر ہوئی تھی۔

❀ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے باوجود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے حمایتی اور اہلِ شام کے سردار ہونے کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق دار ہونے والے قول کا شدید انکار کیا۔ اسی طرح سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف تعریض کا بھی انکار کیا، جب انھوں نے کہا: ''وہ ہمارے سامنے آئے، ہم اس سے اور اس کے باپ سے خلافت کے زیادہ مستحق ہیں۔'' اسی وجہ سے حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا تھا:

''فَهَلَّا أَجَبْتَهُ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي؟''

''آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ نے انھیں جواب کیوں نہ دیا؟!''

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ تو اس بات کے متمنی تھے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جواب دیں اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تعظیم وتکریم کیا کرتے تھے۔



پانچویں بحث:

حکمین اور ان کے متبعین کی تحکیم کے بعد دومۃ الجندل سے واپسی کا بیان

خلاصۂ کلام:

تحکیم کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اور ان کے شامی متبعین دومۃ الجندل سے شام روانہ ہو گئے اور عراقی لشکر عراق کی طرف چلا گیا۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ عراقیوں کے ساتھ عراق جانے کے بجائے دومۃ الجندل سے عمرے کی غرض سے مکہ مکرمہ چلے گئے اور پھر وہیں سکونت اختیار کر لی۔

سب سے پہلے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے متبعین کے ہمراہ دومۃ الجندل سے رات کے وقت نکلے تھے، صبح ہونے تک کوئی شامی دومۃ الجندل میں موجود نہ تھا۔ جب کہ عراقیوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کے کوچ کر جانے کے بعد واپسی کی راہ لی۔

اس کی تفصیلات:

[**437**] ابن سعد سے منقول ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں روح بن عبادہ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ مجھے مثنی قصیر نے بیان کیا، وہ محمد بن منتشر سے، وہ مسروق بن اجدع سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں ایامِ تحکیم میں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا اور حالت یہ تھی کہ میرا خیمہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے خیمے کے ساتھ تھا، ایک روز لوگ رات کے وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔

صبح[1] جب سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور اپنے خیمے کا پردہ اوپر اٹھایا تو فرمانے لگے: اے مسروق بن اجدع! میں نے کہا: جی ابوموسیٰ! میں حاضر ہوں، تو سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

---

[1] یعنی جب اگلا دن آیا۔

امارت اس کو کہتے ہیں جس میں مشورہ کیا جائے اور بادشاہت اس کو کہتے ہیں جس پر تلوار کے ذریعے غالب آیا جائے۔[1]

اس روایت میں مسروق کے قول: ''ایک روز لوگ رات کے وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔'' میں لوگوں سے مراد اہلِ شام ہیں، مراد یہ تھی کہ جب صبح ہوئی تو اہلِ شام رات رات ہی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ واپس جا چکے۔

صبح کے وقت کوئی شامی دومۃ الجندل میں موجود نہ تھا، کیونکہ وہ رات کو ہی اپنے امیر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کوچ کر گئے تھے۔ لہٰذا پہلے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین نے دومۃ الجندل سے روانگی اختیار کی۔ بعد میں عراقیوں نے عراق کی جانب رختِ سفر باندھا۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کے ہمراہ شام آگئے تھے، جیسا کہ روایت کا عموم بتلا رہا ہے، نیز کتبِ تاریخ میں بھی ایسے ہی مشہور ہے۔ تاریخی کتابوں میں مذکور ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحکیم سے واپسی پر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو شام سے مصر کی جانب روانہ کر دیا، چنانچہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ والیِ مصر بن گئے۔

راوی کا قول: ''ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور خیمے کا پردہ اوپر اٹھایا تو فرمانے لگے'' اس بات کی دلیل ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے عراقی متبعین نے دومۃ الجندل میں ہی وہ رات گزاری تھی، جس رات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ہمراہ واپس چلے گئے تھے۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور اہلِ عراق نے اپنے خیموں میں ساری رات گزاری۔

اس کے بعد اہلِ عراق، عراق کی طرف چلے گئے، مگر سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تحکیم کے بعد عراق نہیں گئے، بلکہ انھوں نے دومۃ الجندل سے مکہ کی جانب عمرے کی غرض سے رختِ سفر باندھا اور مکہ میں شعبِ ابی دب میں خیمہ زن ہوئے، جسے بعد میں شعبِ ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام سے جانا جانے لگا۔ وہیں آپ نے اپنے لیے سقیفہ بنا لیا۔

---

[1] الطبقات الکبری (٤/١١٣) اس کی سند صحیح ہے اور تمام رجال شیخین کی شروط کے مطابق ثقہ ہیں۔
ثنی سے مراد: ابن سعید ضبعی ابوسعید بصری قصیر ہیں اور عنقریب روایت [رقم: ۴۵۴] میں دیگر مناسبت کے بیان میں قدرے اضافے کے ساتھ آئے گی۔
تخریج: اسے ابن عساکر (۵۷/۳۹۷) نے ابن سعد کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ اور امام ذہبی نے ثنی کے واسطے سے بیان کیا ہے اور ''تاریخ الإسلام'' (٥/٢٣٦) میں روح کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا کوفہ (عراق) کے بجائے مکہ جانے کا سبب:

1. آپ فتنوں کی آماجگاہ سے الگ رہنا چاہتے تھے، آپ نے تحکیم سے پہلے، تحکیم کے دوران اور اس کے بعد بھی فتنوں سے دوری اختیار کی۔
2. آپ کی مہم تحکیم میں ختم ہو گئی تھی۔
3. پے در پے فتنوں کے باعث عراق کے معاملات بگڑ چکے تھے، جبکہ مکہ مکرمہ ابھی تک ایسا علاقہ تھا، جہاں فتنے موجود نہیں تھے۔

آپ نے تحکیم کے دوران میں پیشین گوئی کی تھی کہ عنقریب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین مزید جنگیں بھی چھڑیں گی، جیسا کہ آپ نے فرمایا: ''بادشاہت پر تلوار کے ذریعے غالب آیا جاتا ہے۔''[1]

نیز آپ نے تحکیم کے دوران اور بعد میں بھی پیشین گوئی کی تھی کہ سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگ وجدل اور اختلاف کبھی اختتام پذیر نہ ہو گا، بلکہ عن قریب بڑھ جائے گا اور بہت شدت اختیار کر جائے گا، اس کی دلیل ان کا یہی قول ہے کہ ''بادشاہت پر تلوار کے ذریعے غالب آیا جاتا ہے۔''

انھوں نے تحکیم کے بعد یہ پیشین گوئی بھی کی تھی کہ عن قریب پے در پے جنگیں ہوں گی، ان جنگوں کی دو اقسام ہوں گی:

١. پہلی قسم یہ ہو گی کہ صفین کے بعد سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جنگیں ہوں گی۔
٢. دوسری جنگیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج اور دیگر اطراف میں ہوں گی، شام کے علاوہ۔

لہٰذا آپ نہیں چاہتے تھے کہ ان جنگوں میں وہ موجود ہوں، لہٰذا وہ مکہ کی طرف چلے گئے۔

اب اس کی تفصیلات ملاحظہ کیجیے:

یہاں کچھ اسباب ہیں جن کے پیشِ نظر سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تحکیم کے بعد عراقی لشکر کے ہمراہ عراق نہیں گئے، بلکہ مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر ہوئے، ان اسباب کا بیان:

آپ کا روزِ اوّل سے موقف تھا کہ فتنوں سے دور رہا جائے، اسی لیے آپ لوگوں کو بھی ان فتنوں میں پڑنے سے روکتے تھے، آپ نے ہر فتنے سے علاحدگی اختیار کی، وہ تحکیم سے قبل ہو، تحکیم کے دوران ہو یا پھر اس کے بعد کا فتنہ ہو۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۵۴]

آپ تحکیم سے قبل بھی فتنوں سے الگ ہو کر عراق کی کسی نواحی بستی میں مقیم تھے، جب حکمین کا وقت آیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں کوفہ بھیج دیا، اس کے بعد دومۃ الجندل روانہ کر دیا، پھر تحکیم کے فیصلے کے بعد اس بستی سے کوسوں دور مکہ چلے گئے۔

بلاذری سے منقول ہے کہ جب حکمین کے جمع ہونے کا وقت آیا تو علی رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور انھیں بصرہ سے لیا، اور یہ دونوں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے، وہ ان دنوں کسی نواحی بستی میں موجود تھے، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کا استقبال گھڑ سواروں کے ایک دستے کو کھڑا کر کے کیا۔[1]

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اس بستی میں مقیم تھے، لیکن یہ واقعہ تحکیم سے قبل یا بعد کا نہیں ہے، بلکہ جب سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں جمل کے واقعہ سے قبل کوفہ سے معزول کیا تھا، آپ تب سے یہیں تھے۔

[438] بلاذری سے منقول ہے کہ مجھے مدائنی نے بیان کیا، وہ عامر بن اسود اور اسماعیل بن عیاش سے بیان کرتے ہیں، وہ ابو غالب جزری سے بیان کرتے ہیں کہ جب لوگوں نے حکم کی تقرری کا ارادہ کر لیا تو انھوں نے دو لوگوں کا انتخاب کیا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر راضی ہوں۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں آنے کے لیے مکتوب ارسال کیا، تب آپ فتنے سے بچنے کی غرض سے کسی وادی میں مقیم تھے، قاصد نے آپ کو پیغام دیا کہ لوگ آپ کو حکم بنانے پر متفق ہو گئے ہیں تو سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: "إنا لله وإنا إليه راجعون" پھر آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے۔[2]

یہ روایت وثیقۂ تحکیم کی بابت ہے، اجتماعِ حکمین کے متعلق نہیں ہے، مگر اس میں دلیل ہے کہ صفین سے قبل سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ عراق کی کسی وادی میں گوشہ نشین تھے۔ آپ وہاں سے گئے اور وثیقہ کی کتابت میں شریک ہوئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وثیقہ کے بعد پھر آپ اسی بستی میں واپس چلے گئے تھے، یہاں تک کہ حکمین کے جمع ہونے کا وقت قریب آ گیا۔

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے زمانۂ تحکیم میں اس امر کی پیشین گوئی کی تھی کہ اگر معاملہ جوں کا توں رہا تو پھر امیر معاویہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے مابین کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ اور اختلاف برپا ہوگا۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۰۶]

[2] أنساب الأشراف (۲/ ۳۳۳- ۳۳٤) جس قدر روایت ہم نے نقل کی ہے، وہ خبر مقبول ہے۔ اور [رقم: ۳۸۴] پر گزر چکی ہے۔

نیز انھوں نے اشارہ کیا تھا کہ شمشیر کے زور پر ایک گروہ غالب آجائے گا، جیسے فرمایا: ''بادشاہت پر تلوار کے ذریعے غالب آیا جاتا ہے۔''[1] یعنی صفین کے بعد ان کے مابین دیگر جنگیں بھی ہوں گی، اور بالفعل سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے غزوۂ شام کی تیاری کی بھی لیکن وہ خوارج سے جنگ میں مشغول ہو گئے۔

بلکہ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے تحکیم کے بعد یہ پیشین گوئی بھی کی تھی کہ اختلاف مزید طوالت اور شدت اختیار کر جائے گا اور عنقریب مستقبل قریب میں پے در پے جنگیں ہوں گی اور وہ فتنے اسی وقت سے سر اٹھا چکے تھے، جب سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بہ طور حکم منتخب کیا گیا تھا۔ اس وقت خوارج نے ان کے انتخاب پر اعتراض کیا تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت ختم کر کے نہروان کی جانب چلے گئے تھے۔ پھر پے در پے جنگیں شروع ہوگئیں۔ جب حکمین جدا ہوئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نخیلہ کی طرف گئے، اور غزوۂ شام کی تیاری کرنے لگے۔ اس کے بعد خوارج کے ساتھ نہروان کے مقام پر آتشِ جنگ بھڑک اٹھی، اس جنگ میں اندازاً چار ہزار خوارج واصلِ جہنم ہوئے، یعنی جنگِ صفین کے مقتولین کی تقریباً آدھی تعداد اس جنگ میں قتل ہوئی۔

دوسری جنگ خریت بن راشد ناجی اور اس کی قوم کے ساتھ ہوئی جو بنو ناجیہ سے تعلق رکھتا تھا۔ نیز سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اطراف کی بستیوں پر مسلسل حملے کیے۔[2] اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مصر کی حکومت بھی مل گئی، نیز کئی فتنے پیدا ہوئے[3] مگر یہ فتنے سنگین ہونے سے قبل ہی عظیم مصلح سیدنا حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی وجہ سے رُک گئے۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ابتداءً ہی فتنوں سے الگ رہے، آپ نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ وہ مسلسل جنگیں ان تک پہنچیں جن کی پیشین گوئی انھوں نے ان فتنوں کے آنے سے قبل کی تھی۔ لہٰذا آپ تحکیم کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں گوشہ نشین ہوئے، کیونکہ یہ اس وقت تک فتنوں سے کوسوں دور تھا۔ جہاں تک عراق و شام کی بات ہے تو وہ دونوں ہنگامہ آرائی اور فساد کا گڑھ تھے، خصوصاً عراق فتنوں کی آماجگاہ تھا۔

---

1. عنقریب اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۴۵۴] اور اس سے پہلے راوی کا یہ قول: [کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گفتگو کر رہے تھے ....] اور اس کے بعد کا واقعہ یہاں تک کہ [میں کہتا ہوں کہ اس فتنے کا علاج اللہ کے نبی کی بشارت ہے۔ .... الحمد للہ]
2. سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملے (ص: ۵۸۶) پر دیکھیے۔
3. وہ عوامل کہ جنھوں نے موازین کو بدلنے تک رسائی فراہم کی (ص: ۵۸۰) میں۔

یوں سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تحکیم میں اپنا اہم کام نبٹایا اور حق کو واضح کر دیا، جیسا کہ تحکیم کے نتائج میں ہم نے ذکر کر دیا ہے۔[1] تحکیم کے بعد آپ فتنوں سے اور لوگوں کے باہمی معاملات سے کنارہ کشی کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے اور مکہ پہنچ کر سب سے پہلے طواف کیا۔ اس دوران بھی لوگوں کو فتنوں سے دور رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ آپ کا مقصود لوگوں کو ان نئے روپ اور جدید شکل کے فتنوں سے ڈرانا تھا جن کے اوصاف انھوں نے پے در پے جنگوں کے نام سے بیان کیے تھے، جو افتراقِ حکمین کے بعد چھڑنے کو تھیں۔

آپ نے طواف کرتے ہوئے فرمایا: یہ تو فتنوں کا ایک چھوٹا سا حیض ہے۔[2] آگے تو بڑی شدید جنگیں آنے کو ہیں، جن میں بیٹھنے والا کھڑے رہنے والے سے، کھڑا رہنے والا چلنے والے سے، چلنے والا دوڑنے والے سے، خاموش رہنے والا بات کرنے والے سے اور سونے والا جاگنے والے سے بہتر ہے۔[3] اسی وجہ سے سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ تحکیم کے بعد مکہ مکرمہ چلے گئے تھے۔

❀ تحکیم کا من گھڑت جھوٹا قصہ، جس میں دھوکا دہی اور سب وشتم کا تذکرہ ہے،[4] ایک اور سبب کا ذکر کرتا ہے، جو سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سیرت کو پراگندہ کرتا ہے۔ اس قصے کے مطابق سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے گالم گلوچ کر کے اپنی سواری پر سوار ہو کر مکہ چلے گئے تھے، کیونکہ آپ اس دھوکے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے آنا نہیں چاہتے تھے۔

---

① ہم تحکیم کے نتائج تفصیل کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں اور وہ چار نتائج تھے۔ یہاں ہم اسے اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:

۱۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شرعی خلیفہ ہیں۔

۲۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں۔

۳۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو عہدے دینا واجب نہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینے تک ان دونوں کے لیے یہ شرط لگانا صحیح نہیں۔

۴۔ سیدنا امیر معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما یہ دونوں ہستیاں بنیادی اختلاف کے باعث، جو جنگِ صفین کا سبب بنا، اس پر متفق نہ تھے اور وہ معاملہ قصاص سے قبل بیعت کا تھا۔

② اس سے مراد جنگِ صفین اور حکمین کی نا اتفاقی ہے اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قبل جو کچھ ہوا وہ سب مراد ہے۔

③ دیکھیے: [رقم: ۴۴۱]

④ دیکھیے: [رقم: ۱۳۷] اور (ص: ۵۲۸) میں اس پر تعلیق کا بیان جو گزر چکا ہے۔

اس قصے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تحکیم میں سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے کردار سے راضی نہیں تھے۔ بلکہ ابو مخنف نے تو کہا ہے کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مکہ بھاگ کر چلے گئے تھے۔[1]

اس کا جواب تین زاویوں سے دیا جاسکتا ہے:

1. بحمد للہ یہ مزعوم سبب تحکیم کا جھوٹا واقعہ ہی ہے۔

2. یہ دعویٰ ہی درست نہیں کہ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ تحکیم سے فارغ ہو کر فوراً سواری پر سوار ہو کر مکہ چلے گئے، کیونکہ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور اہلِ عراق اہلِ شام کے کوچ کر جانے کے بعد ایک رات وہاں رکے رہے، جیسا کہ صحیح روایت سے ثابت ہے،[2] آپ نے تحکیم سے فارغ ہو کر فوراً رختِ سفر نہیں باندھا۔

اسی طرح اہلِ شام بھی تحکیم سے فارغ ہونے کے فوری بعد وہاں سے نہیں گئے، بلکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحکیم کے فیصلے کے بعد دوپہر کے وقت دومۃ الجندل میں لوگوں سے کلام کیا۔

''مصنف عبدالرزاق'' کی روایت میں ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دن کے پچھلے پہر کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمانے لگے کہ جو کوئی اس معاملے کا خواہش مند ہے وہ سامنا کر کے دکھائے، بخدا! میں اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ اس معاملے کا حقدار ہوں۔[3]

یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام تحکیم کے فیصلے کے بعد وہاں رکے رہے، فوراً روانہ نہیں ہوئے۔ لہٰذا دونوں فریق دومۃ الجندل میں مقیم رہے اور فوری طور پر کوچ نہیں کیا۔

3. سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اپنی مکمل کوشش کی اور حق کو واضح کر دیا، لیکن وہ اہلِ شام کے اصرار کے مطابق بیعت سے قبل قصاص کے معاملے کو حتمی مرحلے تک نہیں لے جاسکے، یہ تو وہ معاملہ ہے جس کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی اہلِ شام سے اپنی وفات تک حل نہیں کر سکے تھے۔ لہٰذا سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اس معاملے میں ملامت نہیں کی جاسکتی جیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ملامت نہیں کی جاسکتی۔ اہلِ شام کا

---

[1] امام طبری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ ابو مخنف کا بیان ہے کہ عبدالملک بن ابی حرہ سے مروی ہے، انھوں نے صفین سے واپسی پر خوارج کے معاملے میں ایک طویل روایت نقل کی ہے کہ جب خوارج نے خروج کیا اور سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ مکہ چلے آئے اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ جانے سے منع کیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں خطبہ ارشاد فرمایا، یعنی آپ نے خوارج کو خطبہ دیا۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۴۳۷]

[3] دیکھیے: [رقم: ۴۳۲]

بیعت سے قبل قصاص لینے کا اصرار کرنا خلیفہ کے خلاف بغاوت سمجھا جائے گا۔ یہ بغاوت اجتہاد اور تاویل کی بنا پر پیدا ہوئی تھی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکمین کے جدا ہونے کے بعد علم ہو گیا تھا کہ اہلِ شام اپنی بغاوت پر ہی مصر ہیں۔ اسی لیے آپ تحکیم کے بعد نخیلہ نامی مقام پر چلے گئے، تاکہ شامیوں سے جنگ کر سکیں۔ اور ان کو بغاوت سے روکیں مگر وہ خوارج سے نبرد آزما ہونے میں مشغول ہو گئے۔ لہٰذا آپ نے اپنے لشکر سمیت شام کے بجائے نہروان کا رُخ کیا۔

اس بنا پر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تحکیم کے معاملے میں سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ناراض تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی نے تو ان پر اعتماد کیا تھا، انھیں تحکیم کے لیے منتخب کیا، پھر ان کی جانب قاصد روانہ کیا تھا۔

اہلِ شام حکمین کے دن بیعت سے پہلے قصاص لینے پر اپنی بغاوت کی وجہ سے مصر رہے، اس میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی بھلا کیا غلطی تھی؟! تو تحکیم میں عدمِ اتفاق کا قصور وار سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام کو سمجھتے تھے نہ کہ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو۔

ضعیف روایات سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ پر یومِ تحکیم کی ذمے داری ڈالنے کی کوشش کر رہی ہیں اور اس کے لیے بھی کوشاں ہیں کہ ابو موسیٰ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے مابین نفرت اور ایک دوسرے سے وحشت ڈال دی جائے۔ ضعیف و نام نہاد روایات کا مہارت سے مطالعہ کرنے والا اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لے گا کہ یہ روایات ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی قبل امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں قدغن لگاتی ہیں۔[1]

[**439**] ابن سعد سے منقول ہے کہ ہمیں معاذ بن معاذ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں خبر دی ابو عون نے، وہ حسن بصری سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: ''حکمین میں سے ایک دنیا کا متلاشی تھا اور دوسرا آخرت کا متلاشی تھا۔''[2]

---

[1] اس کی تفصیل دکتور المحزون کے قول میں [رقم: ۳۹۲] روایت اور اس کے بعد کی تعلیق میں دیکھیے۔

[2] الطبقات الکبری (۱۱۳/٤) یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے اور اس کی سند امام حسن بصری رحمہ اللہ کے قول سے مقطوع اور صحیح ہے اور اس واقعے اور امام حسن بصری رحمہ اللہ کے مابین انقطاع ہے۔ یہ روایت [رقم: ۴۱٦] پر اپنی تخریج اور شرح کے ساتھ گزر چکی ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے مقولے کے لیے ہم نے ایک مستقل عنوان خاص کیا ہے۔ مطالعہ کے لیے وہاں رجوع کیجیے۔

اس روایت میں امام حسن بصری رحمہ اللہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مدد کرنا ثابت کیا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو آخرت کے متلاشی کے وصف سے متصف کیا ہے، کیونکہ وہ شرعی خلیفہ کے حق کے مددگار تھے۔ اس لطیف نقطہ میں ان ضعیف روایات کا بھی ردّ ہے جن کے مطابق سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے علاحدگی اختیار کر لی تھی، انھیں دھوکا دیا گیا تھا اور انھوں نے تحکیم میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نصرت نہیں کی تھی۔

اسی طرح امام حسن بصری رحمہ اللہ نے دوسری رایت میں ثابت کیا ہے کہ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متبع تھے۔ گذشتہ صفحات میں یہ بات گزر چکی ہے کہ ایک شخص نے سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے متبع ہونے پر تنقید کی تو حسن بصری رحمہ اللہ غضبناک ہو گئے اور فرمانے لگے: اَور کس کی اتباع کی جاتی ؟![1]

[**440**] ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ ہمیں عائذ بن حبیب نے بیان کیا، وہ یحییٰ بن سعید سے، وہ ابوالزبیر سے، وہ طاؤس سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: جب سیدنا ابو موسیٰ اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے مابین حکم کی بابت تفرقہ پڑ گیا تو ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ چلے آئے۔ میں بھی اس دوران طوافِ کعبہ کر رہا تھا کہ اچانک ایک شخص سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کہنے لگا کہ اے ابو موسیٰ! یہ وہی فتنہ ہے جس کا ذکر پہلے بھی کیا گیا تھا؟ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: یہ تو فتنوں کے حیضوں میں سے ایک حیض ہے۔[2]

روایت کے الفاظ: ''هَذِهِ الْفِتْنَةُ الَّتِي كَانَتْ تُذْكَرُ؟'' ''کیا یہی وہ فتنہ تھا جس کا تذکرہ کیا جا رہا تھا؟'' گویا وہ شخص اس فتنے کے معاملے کو حقیر سمجھ رہا تھا، جب بغیر کسی نئی جنگ کے حکمین جدا ہو گئے، اس پر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تمام فتنے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی راہِ خدا میں شہادت، جنگِ جمل،

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۱۷ تا ۴۱۸]

[2] مصنف ابن أبي شيبة (۱۲۹۷۰) یہ روایت صحیح ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ عائذ بن حبیب صدوق راوی ہیں۔ ان پر تشیع کا الزام ہے اور یحییٰ بن سعید سے مراد: ابن قیس انصاری ہیں۔
ابو سعید نجاری مدنی ثقہ اور مثبت راوی ہیں اور ابو زبیر سے مراد: محمد بن مسلم بن تدرس مکی ہیں۔ یہ راوی صدوق ہیں البتہ یہ تدلیس کرتے ہیں اور طاؤس سے مراد: ابن کسان یمانی فارسی ہیں۔ یہ راوی ثقہ تھے۔ فقیہ اور فاضل تھے۔
میں (شمری) کہتا ہوں: ابو زبیر نے آئندہ روایت میں سماع کی تصریح بھی بیان کی ہے۔

جنگِ صفین، خوارج کے خروج اور حکمین کے مابین نااتفاقی یہ سب آئندہ پیش آنے والے طوفان اور آندھی کی محض چھوٹی سی جھلک ہے۔

[**441**] فاکہی نے اپنی حدیث کے ضمن میں (شعبِ ابی دب)[1] جسے اب شعبِ ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ بھی کہا جاتا ہے، کے متعلق ذکر کیا ہے: ''جب سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ تحکیم سے واپس پلٹے تو آپ نے ایک گھاٹی میں پناہ لی۔'' ہمیں حسین بن حسین[2] نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالوہاب ثقفی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابوالزبیر نے خبر دی کہ انھیں طاؤس نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ جب سیدنا ابوموسیٰ اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے مابین جدائی ہوئی تو سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور طاؤس رحمہ اللہ بیت اللہ کا طواف کرنے گئے۔ طاؤس رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ ایک شخص نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابوموسیٰ! کیا یہ وہی فتنہ ہے جس کا تذکرہ کیا گیا تھا؟ انھوں نے کہا: یہ[3] تو فتنوں کا ایک چھوٹا سا حیض ہے۔ آگے تو بڑی شدید جنگیں آنے کو ہیں۔ جن میں بیٹھنے والا کھڑے رہنے والے سے، کھڑا رہنے والا چلنے والے سے، چلنے والا دوڑنے والے سے، خاموش رہنے والا بات کرنے والے سے اور سونے والا جاگنے والے سے بہتر ہے۔[4]

[**442**] ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تو فتنوں کا ایک چھوٹا

---

[1] یہ مکہ -شرفها الله- میں ایک جگہ کا نام ہے۔ شیخ عبدالملک بن دہیش رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ ایک گھاٹی کا نام ہے جسے آج کل ''دحلة الجن'' کہا جاتا ہے اور اسے عمران نے دائیں اور بائیں جانب سے، یعنی چاروں اطراف سے گھیر لیا تھا اور وہ مسجد الجن کے منتظم تھے۔ فاکہی کہتے ہیں کہ گھاٹی کے سرے پر یعنی شعب ابی دب میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ایک سقیفہ تھا۔ شیخ ابن دہیش نے اپنے اس قول کے ساتھ یہ حاشیہ لگایا ہے کہ آج کل اس سقیفہ کا کوئی وجود باقی نہیں رہا۔ دیکھیے: أخبار مكة (١٤٠/٤)، معجم البلدان (٣٤٧/٣)، (٣٠٢/١)

[2] یہ امام، حافظ، صادق حسین بن حسن بن حرب سلمی ابوعبداللہ مروزی امام ابن مبارک کے ساتھی ہیں۔ مکہ کے مجاور تھے۔ انھوں نے کئی روایات جمع کی اور تصنیف کیں اور یہ امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب ''الزهد'' کے راوی ہیں۔ امام ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ صدوق راوی ہیں اور امام مسلمہ اور امام ذہبی نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ صدوق راوی تھا۔ اس کی وفات (٢٤٦ھ) میں ہوئی۔

[3] اس سے مراد معرکۂ صفین اور حکمین کا عدمِ اتفاق ہے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک جو کچھ ہوا وہ مراد ہے۔

[4] أخبار مكة (١٤١/٤، رقم: ٢٤٧٢) اس کی سند صحیح ہے۔ عبدالوہاب سے مراد: ابن عبدالمجید بن صلت ثقفی ہے۔

تخریج: اسے نعیم بن حماد نے عبدالوہاب کے واسطے سے الفتن (ص: ١٠٦) میں نقل کیا ہے۔

سا حیض ہے، آگے تو بڑی شدید جنگیں آنے کو ہیں، جو ان کی طرف متوجہ ہوگا اسے لے ڈوبیں گی اور جو ان کی طرف چلے گا وہ اس کی طرف چلیں گی۔[1]

ابو زبیر مکی اور عبداللہ بن طاؤس رحمہ اللہ نے اسی طرح بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے تحکیم سے واپسی کا ہے، جو درست بات ہے لیکن عمرو بن دینار جمحی نے دونوں کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ واقعہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی راہِ خدا میں شہادت کے بعد کا ہے۔

عمرو بن دینار کی غلطی کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جب شہید کیا گیا تو سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ والیِ کوفہ تھے۔ آپ حکمین کی جدائی کے بعد ہی مکہ آئے تھے، اور طاؤس یمانی آپ سے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مکہ میں ہی ملا تھا۔ شاید ان دونوں واقعات کے مابین تطبیق ممکن ہو، کیونکہ حکمین کے جمع ہونے کا قصہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے قصوں میں ہی مندرج ہے۔

[**443**] ابو عمر دانی کی روایت ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تو فتنوں کا ایک چھوٹا سا حیض ہے، آگے تو بڑی شدید جنگیں آنے کو ہیں، جو ان کی طرف متوجہ ہوگا اسے لے ڈوبیں گی اور جو ان کی طرف چلے گا اس کی طرف چلیں گی۔[2]

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٣٨٧٧٤) اس کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رجال شیخین کے رجال میں سے ہیں اور ثقہ راوی ہیں۔ عفان سے مراد: ابن مسلم اور وہیب سے مراد: ابن خالد ہیں۔

تخریج: اسے نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب وقعة صفين (ص: ٥٥٠- ٥٥١) میں نقل کیا ہے کہ مجھے عمر بن سعد نے محمد بن اسحاق عن طاؤس کے واسطے سے یہ روایت بیان کی ہے اور عمر بن سعد کا تعارف [رقم: ٢٨٧] پر گزر چکا ہے۔

[2] السنن الواردة في الفتن (٦٣) اس کی سند صحیح ہے، اس میں وہم واقع ہوا ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ بات مکہ میں عمرے کے طواف کے وقت کہی جب حکمین جدا ہو گئے تھے، نہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد۔ اس کی تفصیل ہم بیان کر چکے ہیں۔

سفیان سے مراد: ابن عیینہ ہیں جو عمرو بن دینار سے بیان کرنے میں سب سے ثقہ تھے۔ عمرو سے مراد: ابن دینار ابو محمد الجمحی المکی الاثرم ہے۔

تخریج: اس روایت کو عمر بن شبہ نے تاريخ المدينة (١٢٤٥/٤) میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن ابی الوزیر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے اسی کے مثل بیان کیا۔ ابن ابی الوزیر سے مراد: ابراہیم بن عمر بن مطرف الہاشمی ہیں جو ان کے مولا ہیں۔ ان کی کنیت ابو عمرو ہے۔ اور کہا جاتا ہے: ابو اسحاق ابن ابی الوزیر المکی، نزیل بصرہ، ان کو امام دارقطنی اور ایک جماعت نے ثقہ کہا ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں: ان میں کوئی حرج نہیں۔ ابن حجر کہتے ہیں: یہ صدوق ہیں۔ دیکھیں: تهذيب الكمال (١٥٧/٢) التقريب (٢٢٢)

←



......⊙❀⊙......

← بلاذری نے ''أنساب الأشراف'' میں کہا ہے: مدائنی، ابن ابی جزی سے بیان کرتے ہیں، وہ عمرو بن دینار سے اسی کے مثل بیان کرتے ہیں۔

اسی طرح اس روایت کو نعیم بن حماد الفتن (٤٧٣) (٥١٩) میں ''عمرو بن دینار عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ'' کے طریق سے بیان کرتے ہیں۔ نعیم کا حال ضعف میں معلوم ہے۔

چھٹی بحث:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں خلافت کے زیادہ حق دار ہونے کا میزان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اقتدار پر حملے

① سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں خلافت کے زیادہ حق دار ہونے کا میزان

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے معاملے میں یہ رائے تھی کہ اسلام میں سبقت، دین اور عبادت میں افضل پر قوت، رائے اور معرفت میں افضل کو مقدم رکھا جائے۔ اسی بنا پر آپ نے اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ حقدار گردانا۔''[1]

یعنی اسی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ وہ خلافت کے زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں بھی اس بات کا ببانگِ دہل اعلان کیا تھا کہ جو کوئی اس معاملے میں بات کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ سامنے آ کر دکھائے۔ ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ اس کے حقدار ہیں۔[2]

② صفین سے قبل سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیادہ حق دار ہونے کی رائے

ابتدا میں تمام امت نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی، ما سوائے اہلِ شام کے، اور عراقی لشکر شامی فوج پر برتری وتفوق رکھتا تھا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اقرار کرتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔ مگر انھوں نے اور اہلِ شام نے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے بدلہ لینے سے قبل آپ کی بیعت کرنے سے پہلو تہی کی۔

[**444**] صفین سے کچھ پہلے ابو مسلم خولانی اور ان کے ہمراہ چند لوگ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

---

① فتح الباري (٧/٤٠٤)

② [رقم: ٤٣١] اور اس کے بعد والی روایت دیکھیے۔

پاس آئے اور ان سے کہنے لگے: آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خلافت کے معاملے میں تنازع کرتے ہیں، کیا آپ ان کے مثل ہیں؟ فرمانے لگے: نہیں، واللہ! مجھے معلوم ہے کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل ہیں اور اس معاملے میں مجھ سے زیادہ حقدار ہیں۔ لیکن آپ نہیں جانتے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو حالتِ مظلومیت میں شہید کر دیا گیا اور میں ان کا چچا زاد بھائی اور جانشین ہوں۔ مجھے تو بس عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص چاہیے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو میرے حوالے کر دیں تو میں ان کی بیعت کر لوں گا۔ سو ابو مسلم خولانی اور آپ کے ساتھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بات کی تو آپ نے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے حوالے نہ کیا۔"[1] اس بنا پر ان کے مابین جنگ برپا ہوئی۔

صفین میں جنگ ہوئی تھی، لیکن سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت لینے یا اس کے زیادہ مستحق ہونے کے معاملے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ نہیں کی تھی، نہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان دو وجوہات کی بنا پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تلوار اٹھائی تھی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ اس بنا پر کی تھی کہ انھوں نے بیعت نہیں کی تھی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت سے پہلے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے مطالبے کی خاطر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف محاذ آرائی کی۔

[**445**] ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے محض سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی۔[2][3]

---

[1] یہ بات [رقم: ۱-۲] میں گزر چکی ہے اور ان دونوں کے الفاظ کو میں نے جمع کر دیا ہے۔

[2] یعنی جنگِ صفین۔

[3] مصنف ابن أبي شيبة: (۳۱۱۹۳) یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے اور اس سند میں قیس بن رمانہ سے مراد قیس بن ابی مسلم کوفی ہیں۔ امام بخاری اور ابن حاتم نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے اور امام ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ اس کا ایک وصف یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ رافضی تھا، البتہ یہ بات ثابت نہیں جیسا کہ تخریج میں آ رہا ہے۔

اس کی سوانح حیات ملاحظہ کریں: التاريخ الكبير (۱٥٤/۷)، الجرح والتعديل (۹٦/۷)، الثقات لابن حبان (۳۲۸/۷)، لسان الميزان (٤/٤٧٩- ٤٨٠) ، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٥٢/٨)

وکیع سے مراد: ابن الجراح ہیں اور موسیٰ سے مراد: ابن قیس حضرمی ہیں جنھیں جنت کی چڑیا کا لقب دیا گیا۔ یہ صدوق راوی تھے۔ ان پر تشیع کا الزام ہے اور ابو بردہ سے مراد: ابن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ ثقہ راوی ہیں۔

شواہد: ہم یہ بات گذشتہ کئی روایات میں ذکر کر چکے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ←

→ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خون کے مطالبے کے لیے لوگوں کو بلایا تو اہلِ شام نے آپ کی بات کو قبول کر لیا اور انھوں نے خلیفہ کے بجائے جنگ کرنے کے لیے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بطور امیر بیعت کر لی۔ [رقم: ۱- ۳۱] کی روایات دیکھیے اور خصوصاً [رقم: ۱۱] روایت دیکھیے۔

تخریج: الطبقات الكبرى لابن سعد [(ص: ۱۲۱، ح: ٤٥) الطبقة الرابعة، تحقيق: عبدالعزيز سلومي] ہمیں فضل بن دکین نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں موسیٰ بن قیس حضرمی نے بیان کیا اور خطیب بغدادی نے اپنی ''تاریخ'' میں (ص: ۳۲۴) پر نقل کیا ہے کہ مجھے احمد بن سلیمان بن علی المقری نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن محمد بن یوسف نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن جعفر مطیری نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن داؤد بن صدقہ الشحام ابوجعفر نے مطیر ہ میں بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابونعیم فضل بن دکین نے بیان کیا، ابوجعفر کہتے ہیں کہ ابو نعیم نے یہ حدیث ترک کر دی تھی۔ ابوبکر بن ابی شیبہ اور موسیٰ خندقی نے اس کے بارے میں ان سے سوال کیا تو انھوں نے اس کی بابت ہمیں بتلایا۔ ابوجعفر کہتے ہیں کہ میں نے ابوسعید الاشج کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ قیس بن ابی مسلم سے مراد: قیس بن رمانہ ہے۔ یہ رافضی تھا۔

میں (شمری) کہتا ہوں: جس کی نسبت ابونعیم فضل بن دکین کی جانب کی گئی ہے اکثر وبیشتر یہ اس روایت کے منکر ہونے کی جانب اشارہ ہے، کیونکہ وہ اس روایت کو بیان کرنے سے باز رہتے تھے یا شاید ابونعیم خود رُک گئے تھے، کیونکہ وہ شیعہ تھے۔ امام ذہبی نے ابونعیم کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حافظ تھے اور حدیث میں حجت تھے۔ البتہ یہ شیعہ تھے جس میں غلو اور سب وشتم نہ تھا۔ میزان الاعتدال (۳۵۰/۳)

لیکن جیسا کہ محاورہ ہے: ''ثَبِّتِ الْعَرْشَ ثُمَّ انْقُشْ'' یعنی پہلے تخت کو مضبوط کرو پھر اس پر نقش ونگاری کرو۔ یہ حکایت ابونعیم کے بارے میں درست نہیں ہے۔ اسی طرح ایک قول ابوسعید اشج کی جانب بھی منسوب ہے۔ اس کی سند میں دو علتیں ہیں:

پہلی علت: ابوجعفر الشحام مطیری کی میں نے کسی کتاب میں توثیق نہیں پائی اور نہ ہی اس کے بارے میں جرح ملی ہے۔ لہٰذا یہ راوی مجہول الحال ہے اور خطیب بغدادی نے یہ خبر اس کے احوال میں نقل کی ہے۔

دوسری علت: ابوجعفر الشحام کے واسطے سے اس روایت پر طعن کیا گیا ہے۔ جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔

احمد بن سلیمان بن علی بن عمران المقری سے مراد: ابوبکر الواسطی ہیں۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ یہ صدوق راوی تھا۔ (تاريخ بغداد: ٤٠٢/٤) اور احمد بن محمد بن یوسف سے مراد: ابن دوست ہیں۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ امام، حافظ، مسند تھا۔ کئی محدثین نے اس کے حفظ وفہم کی مداح سرائی کی، البتہ اس کے عادل ہونے میں اختلاف ہے۔ امام زہری نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن ابی الفوارس نے اس کے مطیری سے روایت بیان کرنے میں طعن کیا ہے۔ سير أعلام النبلاء (۳۲۲/۱۷)

یعنی ان کے محمد بن جعفر مطیری سے روایت بیان کرنے میں اختلاف منقول ہے۔ اور محمد بن جعفر المطیری کے →

[**446**] ابوجعفر عقیلی سے منقول ہے کہ ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: ''اگر انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص لینے کے سوا کسی اَور غرض سے جنگ کی ہو تو اللہ تعالیٰ انھیں واصلِ جہنم کرے۔''[1]

روزِ اوّل سے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہی تھی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی خلافت کے زیادہ مستحق ہیں حتی کہ صفین کی جنگ ہوگئی۔ جب جنگ ختم ہوئی تو اختلاف ایک اَور رُخ اختیار کر گیا۔

③ صفین کے بعد دونوں ملکوں (عراق و شام) میں قوت کے موازین بدلنے والے عوامل

وہ تین عوامل جن کی بنا پر عراقی لشکر کمزور اور شامی فوج طاقتور ہوئی:

1. مسلسل فتنوں اور فساد و ہنگامہ آرائی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اقتدار اور اثر و رسوخ کو نقصان پہنچایا۔ نیز ان کی وجہ سے مسلسل قوت میں کمی ہوتی رہی۔ یہ فتنے اور پریشانیاں کبھی دینی ہوتی تھیں، جیسے: سبائی فتنہ یا خوارج کا فتنہ تھا، اسی طرح کچھ اقتصادی فتنے کھڑے ہوئے، مثلاً: اہلِ فارس کا خراج دینے سے انکار کرنا، کچھ سیاسی وعسکری فتنے تھے، مثلاً: خوارج اور خریت بن راشد کا فتنہ، نیز مصر کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قبضے میں چلے جانا وغیرہ، نیز اہلِ عراق کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عناد اور عدمِ اطاعت۔
2. شامیوں کے ہاں دینی، سیاسی، اقتصادی، عسکری اور عملی استحکام۔ اہلِ شام کی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت نے ان کی قوت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔
3. سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ اثر علاقوں پر حملے کرنا۔

← بارے میں امام دارقطنی کہتے ہیں: یہ ثقہ راوی تھا۔ دیکھیے: تاریخ بغداد: (۱۴۳/۲)، سیر أعلام النبلاء (۳۰۱/۱۵)
اور یہ روایت ابوجعفر، ابونعیم اور الاشج کے واسطے سے مروی ہے جسے امام ابن حجر نے ''لسان المیزان'' میں ابن رمانہ کے حالات میں نقل کیا ہے اور ابونعیم یہ روایت بیان کرنے میں منفرد نہیں ہے بلکہ اَور دو لوگوں نے اس کی متابعت کی ہے۔ وہ دو لوگ امام وکیع، جن کا تذکرہ اسی باب کی روایت میں ہے، اور دوسرے خلاد بن یحییٰ ہے۔ جیسا کہ آئندہ روایت میں ان کا تذکرہ آ رہا ہے۔

[1] الضعفاء الکبیر (۴۵۱/۵) یہ روایت سابقہ روایت کی طرح اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصود صفین کے روز اپنے آپ تھا۔ خلاد: صدوق راوی ہے اس پر مرجی ہونے کی تہمت ہے۔

اب اس کی تفصیل دیکھیے:

جنگِ صفین کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان فتنوں کا قلع قمع کرنے میں مصروف ہو گئے جو مسلسل جاری رہے اور عراقی فوج کو کمزور کرنے کا باعث بنے، ان میں سے اہم درج ذیل ہیں:

1 ۳۷ھ میں صفین سے واپسی پر نیشاپور کا خاتمہ:

طبری بیان کرتے ہیں: اہلِ نیشاپور کافر ہو گئے اور بیعت سے سرتابی کی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خلید بن قرۃ یربوعی[1] کو روانہ کیا تو اس نے اہلِ نیشاپور کا محاصرہ کر لیا۔ حتی کہ انھوں نے صلح کر لی اور اہلِ مرو نے بھی ان سے صلح کر لی۔[2]

2 خوارج کا فتنہ:

اس کے بارے میں آئندہ پانچویں فصل میں مستقل بحث آئے گی۔

3 یزید بن حجیہ تیمی کا معاملہ:

ابن عساکر کہتے ہیں کہ یزید بن حجیہ تیمی جنگِ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ موجود تھے، صلح کے معاہدے کے گواہ تھے اور اصحابِ علی رضی اللہ عنہ میں سے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں فارس کے شہر رے میں عامل بنا کر بھیجا، انھوں نے لوگوں سے مال وصول کیا اور اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے انھیں مال کا نگران مقرر کیا تو وہ مال لے کر بھاگ گئے اور جا کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے الحاق کر لیا۔ ابن عساکر نے اس کا اظہار اشعار کی صورت میں کیا۔ امام مدائنی نے اپنی کتاب "الخونۃ"[3] میں اس قصے کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] مجھے اس کا تعارف نہیں ملا۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس کا نام خالد بن قرہ یربوعی ذکر کیا ہے۔ البداية والنهاية (۳۵۲/۷)

[2] تاريخ الطبري (۱۰۹/۳، ۱۲۵) امام طبری کہتے ہیں: [کہ اس سال ۳۷ھ میں] سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جعدہ بن ہبیرہ کو خراسان کی جانب بھیجا۔ علی بن محمد نے ذکر کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن میمون نے عمرو بن شجیرہ، عن جابر، عن الشعبی ...) کے واسطے سے یہ روایت بیان کی۔ یہ روایت امام طبری نے صیغۂ تمریض کے ساتھ ذکر کی ہے اور اس روایت کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہے اور اس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔
علی بن محمد سے مراد: ابوالحسن المدائنی ہیں اور عبداللہ بن میمون سے مراد: قداح ہیں۔ یہ منکر الحدیث اور متروک راوی ہے۔ عمرو بن شجیرہ کے بارے میں مجھے علم نہیں ہو سکا اور جابر سے مراد ابن یزید جعفی ہیں۔ یہ ضعیف راوی اور رافضی ہے۔

[3] تاريخ دمشق (۱٤۷/٦۵)

آئندہ صفحات میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حیات کے آخری خطبے کا بیان آئے گا، جس میں انھوں نے کہا کہ میں نے فلاں بندے کو عامل مقرر کیا تھا مگر اس نے دھوکا دہی اور غداری سے کام لیا اور سارا مال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔[1]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶] بات سے بات نکلتی ہے۔نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب ”وقعة صفين“ (ص: ۱۱۱) میں کہا ہے: ہمارے اصحاب نے کہا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مخنف بن سلیم کو اصبہان و ہمذان بھیجا۔ پھر نصر بن مزاحم [محمد بن عبیداللہ سے حکم کے واسطے سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب مال لے کر بھاگ گیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میں نے بڑے مسائل حل کیے تو یہ کیا رہ گیا؟!“] یہ واقعہ درست نہیں ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کا متن شدید منکر درجے کا ہے اور معرفت کی غرض سے میں نے اسے ذکر کر دیا ہے۔مخنف بن سلیم صحابی ہیں۔

مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ کی اصبہان پر ولایت:

جہاں تک مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ کی ولایت کی بات ہے تو ابوالشیخ نے ”طبقات المحدثين بأصبهان“ (۱/۳۱۱، ۳۱۲) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں حسن بن محمد دارکی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو زرعہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن علاء نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عمرو بن یحییٰ بن عمرو بن سلمہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میرے باپ اپنے باپ یعنی میرے دادا عمرو بن سلمہ سے، وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے یزید بن قیس کو ری، ہمذان اور اصبہان کا عامل بنا کر بھیجا۔ جب وہ ہلاک ہوگیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عاملین کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ آپ نے عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو ہمذان اور مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ کو اصبہان کا عامل مقرر کیا۔اس کی سند عمرو بن یحییٰ کی وجہ سے حسن ہے اور اس کے بقیہ تمام رجال ثقہ ہیں۔

عمرو بن یحییٰ کے بارے میں ابن معین کے قول میں اختلاف ہے، کبھی تو وہ اس کو ثقہ قرار دیتے ہیں اور کبھی اسے کمزور کہتے ہیں اور ان کی توثیق زیادہ مثبت ہے، کیونکہ کمزوری میں جو روایت ہے اسے دو راویوں نے اس سے نقل کیا ہے۔ ان میں سے ایک راوی کذاب ہے، اس کا نام احمد بن ابو یحییٰ انماطی ہے اور دوسرا لیث بن عبدہ ہے جس کے بارے مجھے معلومات نہیں مل سکیں۔ البتہ توثیق کی روایت ثابت ہے، اسے امام ابو حاتم رازی نے اسحاق بن منصور اور ابن معین کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ ابن خراش کہتے ہیں کہ یہ کوئی پسندیدہ راوی نہ تھا۔ امام ابن حبان نے ”الثقات“ میں اسے ذکر کیا ہے۔

عمرو بن یحییٰ کی سوانح: الجرح والتعديل (٦/٢٦٩)، الثقات (٨/٤٨٠)، الكامل في الضعفاء (٥/١٢٢)، لسان الميزان (٤/٣٧٨)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٧/٣٧٣)، التذييل على كتب الجرح والتعديل (٦٠٠)

اور الدارکی ثقہ راوی ہے۔ (سير أعلام النبلاء: ١٤/٤٨٦) **ابو زرعہ سے مراد: رازی ہے۔ محمد بن علاء سے مراد: ابوکریب ہمدانی ہیں۔** اور یحییٰ بن عمرو کے بارے میں یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام عجلی کہتے ہیں: یہ کوفہ کے رہنے والے تھے اور ثقہ تھے۔ (التذييل على كتب الجرح والتعديل: ٩٣٤)

←

4 خریت بن راشد ناجی کا معاملہ:

۳۸ھ میں خریت بن راشد ناجی[1] نے اپنی قوم بنو ناجیہ کے ساتھ خروج کیا۔ وہ اہواز میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا والی تھا۔ اس نے لوگوں کی کثیر تعداد کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے سرتابی پر ابھارا تو لوگوں نے اس کی بات مان لی۔ اس نے بہت سے شہروں اور مال پر قبضہ کر لیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے معقل بن قیس ریاحی کی قیادت میں اس کی جانب ایک لشکر بھیجا تو انھوں نے خریت کو شکست دے کر اسے قتل کر دیا۔[2]

ابومخنف کا خیال ہے کہ خریت راشد ناجی خارجی تھا۔ اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے تحکیم کا انتقام لیا تھا۔ اس نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جو خریت اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین نہروان کے بعد پیش آیا، جس میں وہ صفین والے دن تحکیم کو تسلیم کرنے کی بنا پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ملامت کرتا ہے۔[3]

درست بات یہ ہے کہ خریت بن راشد ناجی خارجی نہیں تھا، کیونکہ تاریخ میں جو اس کے افعال ملتے ہیں، وہ خوارج کے مثل نہ تھے۔ بلکہ اس کے ہاں سے خلافت کی ہیبت ختم ہوگئی تھی، تو وہ دنیا کی طمع کر بیٹھا

← اور عمرو بن سلمان ثقہ راوی ہیں۔ (التقريب: ٥٠٤١) اور اس کی سوانح عمری کا طویل قصہ عنقریب (ص: ٦٤٧) پر آ رہا ہے۔ امام البانی رحمہ اللہ نے عمرو بن یحییٰ کی اپنے باپ اور اپنے دادا تک کی روایات کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: (السلسلة الصحيحة: ٢٠٠٥)

تخریج: ابونعیم اصبہانی نے (أخبار أصبهان: ٣٢١/٢) میں ابو الشیخ کے واسطے سے نقل کیا ہے اور ابو الشیخ نے طبقات المحدثين بأصبهان (٢٧٧/١) میں اور انہی کے طریق سے ابونعیم نے (أخبار أصبهان: ١٠١/١) میں اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں ام کلثوم بنت علی اور شہد کا قصہ بھی نقل کیا ہے۔

[1] اس کے صحابیِ رسول ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور زبیر بن بکار نے ذکر کیا ہے کہ یہ جنگِ جمل اور صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہوئے اور سیف بن عمر کہتے ہیں کہ جنگِ جمل کے دن یہ قبیلہ مضر پر تھے اور انھیں عبداللہ بن عامر نے فارس کے علاقوں میں سے کسی علاقے کا عامل بنایا تھا اور یہ ردّہ کی جنگوں میں بنو ناجیہ پر تھے اور تب یہ امارت کے کسی عہدے پر فائز تھے۔ (الإصابة: ٢٧٣/٢)

[2] تاريخ الطبري (١٣٧/٣) دکتور یحییٰ الیحیی کہتے ہیں کہ قریب تھا کہ خریت بن راشد اجتماع والی جگہ پر ہی خروج کر دیتا۔ ابومخنف کی روایات (ص: ٤٨٤) پر دیکھیے۔ خریت بن راشد ناجی کا خروج صحیح سند کے ساتھ منقول ہے۔ ابوطفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب معقل بن قیس ریاحی خریت بن راشد سے جنگ کر کے فارغ ہوئے ......) اور عنقریب یہ روایت آ رہی ہے۔

[3] تاريخ الطبري (١٣٧/٣- ١٣٨) راوی کہتے ہیں کہ ہشام بن محمد نے ابومخنف سے، انھوں نے حارث ازدی سے، انھوں نے اپنے چچا عبداللہ بن فقیم سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ...اس کی سند ضعیف ہے۔

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے نکل گیا، اس نے مسلمانوں کو زکاۃ سے منع کیا اور نصرانیوں کو جزیہ سے روک دیا۔[1] اپنی فوج اکٹھی کی، جو تین اصناف پر مشتمل تھی اور سارے بنو ناجیہ سے تھے:

① مسلمان، ② نصاریٰ، ③ مرتد۔[2]

ہیثم بن عدی کا قول ہے کہ خریت حروری خارجی نہ تھا۔[3]

[**447**] طبری کی روایت ہے، شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ نہروان سے قتال کیا تو لوگوں کی کثیر تعداد ان کے مخالف ہوگئی، اردگرد کے لوگ چھوڑ گئے۔ بنو ناجیہ مخالفت کرنے لگے، ابن الحضرمی بصرہ آ گیا اور اہلِ اہواز بھی چلے گئے۔ اہلِ خراج طمع کرنے لگے کہ ان کو توڑ دیں، سو انھوں نے سہل بن حنیف کو فارس سے نکال دیا جو وہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عامل تھے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: زیاد[4] کی جگہ فارس میں آپ کے لیے میں کافی ہوں، آپ نے زیاد کو ہی فارس روانہ کرنے کا حکم دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ آ گئے اور ایک عظیم لشکر کے ہمراہ زیاد کو فارس بھیج دیا، انھوں نے اہلِ فارس کو شکست سے دوچار کیا تو وہ خراج دینے لگے۔[5]

اس سے پتا چلتا ہے کہ یہ سارے احداث و واقعات نہروان کے بعد پیش آئے۔

[**448**] حنبل بن اسحاق نے اپنی ''تاریخ'' میں نقل کیا ہے جیسا کہ ''تاریخ دمشق'' میں منقول ہے: سیدنا عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''خوارج کہتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو قیدی بنا لیا ہے، لیکن ان میں سے کوئی بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس نہیں پہنچا تھا، نہ بنو ناجیہ پہنچے تھے،[6] سوائے ابو طفیل رضی اللہ عنہ کے۔

---

① الإصابة (۲۷۳/۲)

② الإصابة (۲۷۳/۲) آئندہ روایات [رقم: ۴۴۷ تا ۴۵۰] دیکھیے۔

③ البداية والنهاية (۳٤۲/۷)

④ یہ زیاد بن ابیہ ہیں جو فارس کے کسی صوبے پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والی تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک اسی عہدے پر فائز رہے۔ (سیر أعلام النبلاء: ٤۹٥/۳)

⑤ تاریخ الطبري (۱٤۲/۳) یہ روایت مقبول ہے اور اس کی سند شدید ضعیف ہے۔ علی بن مجاہد: متروک راوی ہے اور امام شعبی کو اس کے بارے میں علم نہیں ہو سکا۔ اس کے باقی تمام رجال ثقہ ہیں۔ ابو الحسن سے مراد: المدائنی ہیں۔
شواہد: اس روایت میں تمام تاریخی اساسی واقعات کا بیان ہے اور تمام تر ثابت ہیں۔

⑥ اور یہ اس طرح نہیں یعنی بنو ناجیہ کا واقعہ جس کے بارے میں خوارج کا گمان تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان میں سے مسلمانوں کو اپنا قیدی بنا لیا۔ یہ عبارت آئندہ خبر میں صریح لفظ کے ساتھ آ رہی ہے کہ ''ایک قوم نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بنو ناجیہ کے لوگوں کو قیدی بنا لیا حالانکہ وہ مسلمان تھے۔''

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب میں وہاں آیا تو میں نے ابوطفیل رضی اللہ عنہ سے اس کی بابت دریافت کیا، تو انھوں نے کہا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کسی مسلمان کو قیدی نہیں بنایا، بلکہ انھوں نے بنو ناجیہ کو قیدی بنایا، یہ نصرانی تھے، پھر مسلمان ہو گئے اور بعد میں پھر مرتد ہو گئے تھے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے جنگجوؤں کو قتل کر ڈالا، ان کے بچوں کو قیدی بنا کر کو مصقلہ بن ہبیرہ [1] کو ایک لاکھ کے عوض فروخت کر دیا، اس نے آپ کو پچاس ہزار دیے اور باقی پچاس ہزار ادھار کیا، ان کو مصقلہ نے آزاد کر دیا اور یہ لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا ملے، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی آزادی کو قبول کیا۔ [2]

اس روایت سے پتا چلتا ہے کہ خوارج نہروان کے بعد دسیوں سال تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے رہے ہیں اور آپ کے گرد ونواح میں شبہات کی ترویج کرتے رہے۔ انھوں نے کہنا شروع کر دیا: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو قیدی بنا لیا ہے۔'' ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''ایک قوم کا دعویٰ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بنو ناجیہ کو مسلمان ہونے کے باوجود اپنا اسیر بنا لیا ہے۔'' [3]

---

[1] ابو الفضل البکری شیبانی، اہلِ عراق کے چشم و چراغ تھے اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے اور اردشیر خرا فارس کے علاقوں میں سے کسی کے والی تھے جنھیں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جانب سے مبعوث کیا گیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مالِ خراج دینے کے معاملے میں ان کو سرزنش کی جنھیں وہ اپنے چچا زاد بھائیوں کو دینا چاہتے تھے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انھوں نے بنو ناجیہ کے عیسائی لوگوں سے فدیہ کے طور پر مال لیا اور سارا مال سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش نہیں کیا اور بقیہ مال سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا، پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے عہدِ خلافت میں طبرستان کے فتح ہونے سے قبل اس کا والی مقرر کر دیا تو مصلقہ طبرستان کی جانب متوجہ ہوا اور اس کے شہروں میں اور اس کی بستیوں میں گھستا چلا گیا۔ واپسی پر وہ کسی کھائی سے گزر رہا تھا تو دشمن نے اسے پہاڑوں کے پتھروں اور چٹانوں سے مار مار کر قتل کر دیا۔ اس کے اکثر ساتھی مارے گئے۔ تاریخ دمشق (٢٦٩/٥٨) الأعلام للزركلي (٢٤٩/٧)

[2] تاریخ دمشق (٢٧٠/٥٨) اس کی سند صحیح ہے۔ حمیدی سے مراد: عبداللہ بن زبیر ہیں اور سفیان سے مراد: ابن عیینہ ہے۔ عمار سے مراد: ابو معاویہ بن معاویہ بجلی دہنی ہیں۔ ابوطفیل سے مراد: عامر بن واثلہ لیثی ہیں۔ "تاریخ دمشق" (١٧١٢/٣) میں ابن عساکر کی روایات دیکھیے۔

تخریج: اسے بلاذری نے (أنساب الأشراف: ٤١٧/٢) میں بیان کیا ہے کہ ہمیں علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان بن عیینہ نے یہ روایت اختصار کے ساتھ بیان کی اور اس کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا کہ (عمار کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے گھر تشریف لائے اور آپ نے اسے پراگندہ کر دیا) اس کی سند صحیح ہے، البتہ اس کے آخر میں جو اضافہ ہے یہ مرسل ہے۔

[3] آئندہ روایت [رقم: ٤٤٩] ملاحظہ کیجیے۔

اس روایت کا ظاہر بتلا رہا ہے کہ عمار دہنی نے ابوطفیل رضی اللہ عنہ سے ۱۰۰ھ کے بعد سوال کیا تھا اور خوارج کا طعن اس کے بعد شروع ہوا تھا، کیونکہ عمار دہنی کہتا ہے: ''کوئی بھی علی رضی اللہ عنہ سے نہیں ملا، نہ ہی بنو ناجیہ، سوائے ابوطفیل کے۔'' اور ابوطفیل رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔[1]

[**449**] بلاذری سے منقول ہے، سیدنا عمار بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ گیا تو میری ابوطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا: ایک قوم کا دعویٰ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بنو ناجیہ کے مسلمانوں کو قیدی بنا لیا ہے، تو وہ فرمانے لگے: معقل بن قیس ریاحی، جب خریت بن راشد حروری[2] سے جنگ کر کے فارغ ہوا تو وہ فارس کے ساحلِ سمندر پر چلا گیا۔ وہاں وہ بنو ناجیہ کے پاس گیا اور پوچھنے لگا: تم کون ہو؟ انھوں نے کہا: ہم مسلمان ہیں تو اس نے انھیں چھوڑ دیا۔ پھر بنو ناجیہ کی ایک دوسری قوم کے ہاں گیا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم نصرانی ہیں، پہلے پہل تو ہم مسلمان ہو گئے تھے مگر جب ہمیں دیگر ادیان کی نسبت اس دین کی فضیلت و اہمیت کا علم ہوا تو پھر ہم دوبارہ ویسے ہی ہو گئے۔ اس بنا پر معقل بن قیس نے ان پر تلوار سونت لی۔ اس نے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا اور بقیہ کو قیدی بنا لیا۔ انہی لوگوں کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔[3]

راوی کا قول: ''معقل بن قیس ریاحی، جب خریت بن راشد ناجی سے جنگ کر کے فارغ ہوا'' اس امر کے صحیح صریح اور ثابت ہونے کی دلیل ہے کہ نہروان کے بعد خریت بن راشد ناجی اور اس کی قوم، جو بنو ناجیہ سے تھی، انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور اس امر کی بھی دلیل ہے کہ جیشِ علی رضی اللہ عنہ کے قائد معقل بن قیس ریاحی ہیں جنھوں نے خریت بن راشد کو شکست سے دوچار کیا۔

یہ قصہ کچھ تفصیل کے ساتھ بھی منقول ہے:

[**450**] ابن ابی شیبہ روایت لائے ہیں: عمار دہنی بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابوطفیل نے بیان کیا کہ جس لشکر کو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بنو ناجیہ کی جانب روانہ کیا تھا، میں بھی ان میں شامل تھا، جب ہم ان کے پاس پہنچے تو انھیں تین گروہوں میں منقسم پایا۔ ابوطفیل کہتے ہیں: ہمارے امیر نے ان کی ایک

---

[1] تقریب التہذیب (۳۱۱۱) سیدنا ابوطفیل رضی اللہ عنہ آخری دم تک مکہ میں ہی مقیم رہے۔ (سیر أعلام النبلاء: ۳/۴۷۰، ٤/٤٦٧)

[2] "الحروري": محمودی اور سہیل زکار کی طبع میں اسی طرح منقول ہے۔ شاید کہ لفظ ناجی درست ہو، کیونکہ خریت بن راشد حروری نہیں تھا۔ جیسا کہ تھوڑی دیر قبل گزر چکا ہے۔ (صفحہ: ۵۸۲) دیکھیے۔

[3] أنساب الأشراف (٤١٧/٢) [(۱۸۲/۳- ۱۸۳) ت: سهيل زكار] اس کی سند صحیح ہے۔

جماعت سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ وہ کہنے لگے: ہم پہلے پہل تو عیسائی تھے، پھر ہم حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور پھر اسلام پر ہی ثابت قدمی اختیار کی۔ ہمارے امیر فرمانے لگے: ان کو چھوڑ دو۔ پھر دوسرے گروہ سے پوچھا: تم لوگ کون ہو؟ انھوں نے جواباً کہا: ہم نصرانی ہیں۔ ہم نے اس دین سے افضل دین کہیں نہیں پایا۔ ہم اسی دین پر کاربند ہیں۔ ہمارے امیر کہنے لگے: انھیں بھی چھوڑ دو۔

اس کے بعد ہم ایک تیسرے گروہ سے ملے، ہمارے امیر نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم نصرانی تھے، پھر ہم حلقہ بگوش اسلام ہوئے، مگر پھر دوبارہ عیسائی مذہب اختیار کر لیا، کیونکہ ہمیں اس سے افضل دین کہیں نہیں ملا۔[1] ہمارے امیر نے انھیں اسلام کی دعوت دی، مگر انھوں نے ٹھکرا دی۔ امیر نے اپنے اصحاب سے کہا کہ جب میں اپنے سر کو تین مرتبہ چھوؤں تو ان پر چڑھائی کر دینا، لہٰذا انھوں نے ایسا ہی کیا۔ انھوں نے ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیا اور بچوں کو اسیر بنا لیا۔ میں ان قیدیوں کو لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پھر مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی آیا اور اس نے انھیں دو لاکھ دراہم کے عوض خرید لیا، مگر وہ ایک لاکھ درہم لے کر آیا تھا، جسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مصقلہ اپنے درہموں سمیت واپس ہو لیا اور ان قیدیوں کو آزاد کرنے کا ارادہ کرنے لگا۔ مصقلہ نے انھیں آزاد کر کے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے الحاق کر لیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ انھیں قیدی نہیں بنائیں گے؟ فرمایا: نہیں، آپ نے ان کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔[2]

---

[1] اور ابن ابی شیبہ اور طبری کے دیگر الفاظ یہ ہیں: (ہمارے پہلے دین سے)

[2] مصنف ابن أبي شيبة (٣٣٤٠٧) اس کی سند صحیح ہے۔

تخریج: اسے ابن ابی شیبہ (٢٩٦١٦) نے اسی سند کے ساتھ مختصر بیان کیا ہے، البتہ اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں: (میں ان کے بچوں کو قیدی بنا کر سیدنا علی کے پاس لے گیا... الخ)

اور اسے امام بیہقی نے السنن الكبرى (١٦٨٩٥) میں ابن ابی شیبہ کے واسطے سے مکمل قصہ نقل کیا ہے۔ اور امام طبری نے (تاريخ الطبري: ١٤٥/٣) میں کہا ہے کہ (مجھے علی بن حسن ازدی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرحیم بن سلیمان ...) نے یہ کامل قصہ بیان کیا اور اس روایت کی سند میں تصحیف واقع ہوئی ہے۔ (عبدالرحیم) عبدالرحمٰن سے بدل گیا ہے اور اس کے بعد: عن عبدالملك بن سعيد بن حاب عن الحر عن عمار الدهني ....۔ اسی تصحیف کی بنا پر محمد طاہر البرزنجی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور (ضعيف تاريخ الطبري: ٨٦٣/٨) میں اسے ذکر کیا ہے۔

امام طحاوی نے (شرح معاني الآثار: ٢١٢/٣، رقم: ٥١١٤) پر نقل کیا ہے کہ ہمیں ابن مرزوق نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو داود طیالسی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سلیمان بن معاذ الضبی نے عمار بن ابی معاویہ الدہنی کے واسطے سے بیان کیا۔ پھر عمار دہنی کہتے ہیں کہ (مجھے ابو شعبہ نے بیان کیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے بچوں کو قیدی ←

راوی کا قول: "فلم يعرض له" کا مطلب ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان قیدیوں کی بابت کوئی بات نہیں کی جنھیں مصقلہ نے بقیہ قیمت ادا کرنے سے قبل آزاد کر دیا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں دوبارہ غلام نہیں بنایا۔ اس کی تفسیر لفظ "فأجاز علي رضي الله عنه عتقهم" کر رہا ہے۔

اس فقہی مسئلے کا فیصلہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کیا۔

یہ واقعہ اقتصادی مشکلات کے ضمن میں آتا ہے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو درپیش تھیں۔ مصقلہ نے تمام اسیروں کو کسی معاوضے کے بغیر آزادی کا پروانہ تھما دیا۔

5 خراج ادا کرنے والے اہلِ فارس کا فتنہ:

۳۹ھ میں اہلِ فارس نے خراج (جزیہ) دینے سے انکار کر دیا، اور فارس سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے والی سہل بن حنیف اوسی انصاری کو ملک بدر کر دیا۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زیاد بن اُبیہ کو ان کی جانب روانہ کیا تو انھوں نے ان کے فتنے کا سر کچلا۔[1]

۳۹ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جیش الخمیس تیار کر کے آذربائیجان روانہ کی، تاکہ مشرقی عراق میں اہلِ فارس کے فتنے کے بعد کوئی دوسرا فتنہ سر نہ اٹھا سکے۔

6 سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ اثر علاقوں پر حملے:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ اثر علاقوں پر حملے کرنا، نیز ان کی مصر پر حکومت اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اطراف میں ان کے لشکروں کی موجودگی بھی ایسے ہی اسباب ہیں۔ آئندہ ہم امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملوں کے بارے میں ایک مستقل بحث لکھیں گے۔

← بنا کر لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کے بچوں کو مجھ سے کون خریدے گا؟) اس روایت میں سلیمان بن معاذ کے علاوہ تمام راوی ثقہ ہیں اور سلیمان بن معاذ سے مراد: سلیمان بن قرم بن معاذ ہیں جو سوء الحفظ راوی تھے اور شیعہ تھے۔ (التقريب: ٢٦٠٠)

اور ابو شعبہ جن سے مراد: البکری الاشجعی بصری ہیں، کے علاوہ امام ابن ابی حاتم نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ دیکھیے: الجرح والتعديل (٣٩٠/٩) فتح الباب في الكنى والألقاب (٣٧٩٠) الفرائد على مجمع الزوائد (٦٩٨)

اور ابن مرزوق سے مراد: ابراہیم اموی بصری ہیں۔

[1] تاريخ خليفة (ص: ١٩٢) تاريخ الطبري (١٥١/٣) یہ روایت اپنے قرائن کی بدولت مقبول ہے، کیوں کہ یہ مشہور ہے اور ان علاقوں میں بہرحال سرکش حرکتیں موجود تھیں، نیز انھی کی وجہ سے شرطۃ الخمیس کا شعبہ جاری کیا گیا تھا۔

④ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاقوں پر حملوں کا بیان

ان سے مراد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ اثر علاقوں میں کیے گئے وہ پیشگی حملے ہیں جو انھوں نے نہروان کے بعد کیے تھے۔ ان سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ عراقی لشکر کو سانس لینے کا موقع نہ ملے جس سے وہ شام پر دوبارہ حملہ کرسکیں، نیز اگر لڑائی ہو بھی جائے تو ان کے مقاصد پورے ہوتے رہیں۔

یہ بھی درست ہے کہ ان حملوں کو ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مصر پر حکومت اور اپنی فوجوں کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اردگرد پھیلانے'' کا نام دیا جائے۔

درمیان میں ایک سکون کا وقفہ آیا، اس پر دونوں فریق متفق تھے کہ اس دوران میں مطلقاً جنگ بندی رہے گی، اس کی ابتدا فریقین کے اس اتفاق سے ہوئی تھی کہ صفین کے دن سے جنگ بند رہے گی اور تحکیم کے بعد ختم ہو جائے گی، جیسا کہ ''وثیقۂ تحکیم'' میں ہے: ''اس دن مومنوں کے درمیان امن، استقامت اور اسلحہ نہ اٹھانے پر جنگ بندی ہوگئی۔ ان کے اموال، جانیں، اہلِ خانہ، زمینیں، ان کے حاضر و موجود سب امن میں ہوں گے، نیز عبد اللہ بن قیس اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما پر اللہ کا عہد ہے کہ وہ امت کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں گے، وہ انھیں لڑائی اور گروہ بندی کی طرف نہیں لوٹائیں گے، یہاں تک کہ فیصلہ مکمل ہو جائے۔''[1] فیصلے کا وقت رمضان تک کا طے تھا۔[2]

لوگ منتظر تھے کہ حکمین اب جمع ہونے کے بعد کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ جب تحکیم مکمل ہوگئی تو یہ امن کا وقفہ ختم ہوگیا اور اس کے ختم ہونے کے فوراً بعد دونوں گروہوں نے عسکری اعمال شروع کر دیے۔

فریقِ اوّل جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے، اپنا لشکر لے کر نخیلہ کی طرف چلے گئے اور وہاں رہ کر شام سے جنگ کی تیاری کرتے رہے، مگر آپ نے شام پر حملہ کے بجائے نہروان کی طرف خروج کیا اور اہلِ نہروان سے نمٹ لینے تک غزوۂ شام کے معاملے کو موخر کر دیا۔

فریقِ ثانی جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں تھا، انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ اثر علاقوں پر حملے

---

[1] یعنی یہ صلح جو صفین کے روز ہوئی یہ تب تک رہے گی جب تک حکمین رضی اللہ عنہما کا اجتماع نہ ہو جائے اور وہ حق کے ساتھ نہ لوٹیں اور حاکموں میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ مقررہ وقت سے قبل کوئی فیصلہ کریں اور نہ ہی کوئی ایسی بات یا ایسا فعل کرنا جائز ہے کہ جو اس مدت کے دوران تحکیم سے قبل کسی فتنے یا جنگ کا باعث بنے۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۳۸۷]

شروع کر دیے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یقیناً اس بات کا علم تھا کہ خوارج سے نمٹ لینے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا شام پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔ اسی لیے انھوں نے پیشگی حملے کیے، تاکہ انھیں محدود رکھا جا سکے اور عراقی لشکر کے عزائم میں حائل ہو سکیں۔

ان حملوں میں سے کچھ یہ ہیں:

⊙ **سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ۳۸ھ[1] میں مصر پر تسلط:** اس کی تفصیل یہ ہے کہ شام عراق اور مصر کے درمیان واقع ہے، تو معاویہ رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ مصر پر تسلط حاصل کر کے شام کو ایک سپورٹ حاصل ہو جائے، لہٰذا آپ نے اس کی طرف عمرو بن عاص اور معاویہ بن حدیج رضی اللہ عنہما کو روانہ کیا، انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے عامل محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو شکست دی، اور انھیں شہید کر دیا گیا۔ اس طرح مصر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ تسلط آ گیا۔

⊙ **۳۸ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بصرہ کو بھی زیرِ تسلط کرنے کی کوشش:** سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمرو بن حضرمی کو بصرہ کی جانب روانہ کیا، تاکہ اسے بھی قبضے میں لے کر اہلِ بصرہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کھڑا کر دیا جائے، ادھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جاریہ بن قدامہ کو پچاس لوگوں، ایک قول کے مطابق: پانچ سو لوگوں کے ہمراہ ابن حضرمی اور اس کے متبعین کی جانب بھیجا، سب لوگ ایک گھر میں پناہ گزیں ہو گئے۔ تو جاریہ بن قدامہ نے ان کا محاصرہ کر لیا، پھر اس گھر کو نذرِ آتش کر دیا، اس طرح ابن حضرمی اور اس کے متبعین قتل کر دیے گئے۔ ایک قول کے مطابق: ان کی تعداد چالیس تھی[2] اور ایک کے مطابق: ستر تھی۔ سو یہ کوشش اس ہدف کو حاصل کرنے میں ناکام رہی، البتہ کچھ اہداف حاصل ہو گئے، جیسے اضطراب پیدا کرنا اور عراقیوں کے عزائم کو روک دینا وغیرہ!

اس حملے کی وجہ یہ رہی کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ۳۷ھ میں اہلِ بصرہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حکم سے برانگیختہ کیا تھا کہ وہ تحکیم کے معاملے سے فارغ ہونے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی طرف لوٹ آئیں گے، مگر خوارج کے فتنے کے سبب جو زمانۂ تحکیم میں شدت اختیار کر گیا تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے منصوبے کے مطابق عمل نہ ہو سکا۔[3] ۳۸ھ کو ماہِ صفر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہروان کے مقام پر خوارج سے جنگ کرنے کے لیے چلے گئے۔

---

[1] تاريخ الطبري (۱۲۶/۳)

[2] تاريخ خليفة (ص: ۱۹۶- ۱۹۷) اور اسی واسطے سے ابن عساکر (۲۴۵/۲۹)، تاريخ الطبري (۱۳۶/۳- ۱۳۷).

[3] فتح الباري (۲۸/۱۳)، تاريخ الطبري (۱۳۶/۳) اور اس کی تفصیل خوارج کی بحث میں (ص: ۶۳۷) آ رہی ہے۔

[451] امام بخاری رحمہ اللہ صحیح البخاری میں جاریہ بن قدامہ سعدی کے ہاتھوں ابن حضرمی کو جلا کر قتل کرنے کا قصہ لائے ہیں، بخاری کے الفاظ ہیں: ''جس دن جاریہ بن قدامہ نے ابن حضرمی کو جلایا تو جاریہ بن قدامہ کہنے لگے: ابوبکرہ کو یہ منظر اوپر سے دکھاؤ، لوگوں نے کہا: وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں۔[1]
سیدنا عبدالرحمٰن کہنے لگے: مجھے میری والدہ نے ابوبکرہ کے بارے میں بیان کیا کہ انھوں نے کہا: اگر وہ میرے گھر داخل ہو جائیں تو میں ان کو چھڑی سے بھی نہیں ماروں گا۔[2]

⦿ اس کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مشغول کرنے میں مصروف ہو گئے، تاکہ ان کی قوت مجتمع ہو کر ان سے جنگ نہ کریں۔ پھر ۳۹ھ میں کئی لشکر روانہ کیے، جنھوں نے عین تمر اور دیگر علاقوں پر حملے کیے، جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ اثر تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کو جنگ کے لیے ابھارا، مگر وہ عمل درآمد سے عاجز آ گئے، آپ نے ان کو خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں آپ نے انھیں برا بھلا کہا لیکن جن کو پکارا جا رہا تھا، وہ تو زندہ ہی نہ تھے۔[3]

⦿ امام طبری نے ۳۹ھ کے حوادث میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیگر حملوں کا بھی ذکر کیا ہے،[4] جو ہیت، انبار اور تیماء وغیرہ علاقوں پر کیے گئے۔ بعض میں شدید قسم کا قتال ہوا، اس کی بعض تفاصیل میں کچھ نکارت اور مبالغے ہیں جو درست نہیں ہیں۔

⦿ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام ۴۰ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ابی ارطاۃ کو یمن روانہ کیا۔ مورخین نے اپنی ضعیف روایات میں کچھ چیزوں کا بیان کیا ہے، جو درست نہیں ہے اور علمی تنقید کے میزان میں قابلِ اعتماد نہیں ہے، بلکہ ان میں واضح طرفداری موجود ہے۔[5]

---

[1] یعنی انھوں نے جاریہ بن قدامہ سے کہا: اے جاریہ! ابوبکرہ نے وہ سب دیکھ لیا ہے، جو آپ نے ابن الحضرمی کے ساتھ کیا، تو بسا اوقات وہ آپ پر اسلحہ یا کلام کے ساتھ انکار کریں گے۔
جب سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو کہا: اگر یہ میرے گھر میں داخل ہو جائیں تو میں ان پر چھڑی تک نہ اٹھاؤں، میں مسلمانوں کی جنگ کا موقف ہی نہیں رکھتا، تو ان سے اسلحہ کے ساتھ کیسے لڑوں گا۔ (فتح الباري: ۲۸/۱۳)

[2] صحیح البخاري (٦٦٦٧) یہ مکمل حدیث اس روایت [رقم: ۲۵۴] پر گزر چکی ہے۔

[3] تاریخ الطبري (۱٤۹/۳)

[4] تاریخ الطبري (۱٤۹/۳- ۱۵۰)

[5] دیکھیے: تاریخ الطبري (۱۵۳/۳) زیاد بن عبد اللہ بکائی کی روایت، جو عوانہ کے واسطے سے بیان کی گئی ہے۔ زیاد کے حال کی وجہ سے اس روایت کی سند ضعیف ہے اور یہ روایت منقطع ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ زیاد کے بارے میں ←

[**452**] ابوبکر محمد بن قاسم ابن الانباری سے منقول ہے، زہیر بن ارقم یا ابن الأقمر بیان کرتے ہیں:
سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں جمعے کا خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ بسر یمن میں آچکا ہے اور بخدا! میرا خیال ہے کہ عنقریب وہ تم پر حاوی ہو جائیں گے اور وہ تمھاری نافرمانی اور اپنی اطاعت، نیز تمھاری خیانت اور اپنی امانت، نیز تمھارے فساد فی الارض اپنی اصلاح کی بنیاد پر تم پہ غالب آ جائیں گے۔ میں نے فلاں کو بھیجا تو اس نے خیانت اور غداری کی، پھر میں نے فلاں کو بھیجا تو اس نے بھی دھوکا دیا اور خیانت کی، حتی کہ اگر میں نے تم میں سے کسی کو ایک پیالہ بھی امانت میں دیا تو اس نے اس کی کھونٹی اڑا لی، میں ان سے اور وہ مجھ سے تنگ آ چکے، میں انھیں پسند نہیں کرتا اور وہ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔ یا اللہ! تو مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے راحت دے دے۔ آپ کو اس جمعہ کے بعد شہید کر دیا گیا۔[1]

یہ صحیح روایت طبری کی ابن اسحاق سے نقل کردہ روایت کا ردّ کر رہی ہے، جس میں ہے کہ صلح کا معاہدہ ۴۰ھ میں سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ہوا۔[2] اور بسر کا حملہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے آخری ایامِ زندگی میں ہوا۔

← فرماتے ہیں کہ یہ صدوق راوی ہے اور مغازی کی روایت میں یہ ثبت راوی ہے اور ابن اسحاق کے علاوہ اس کی روایت میں ضعف ہے۔ مغازی سے آپ کا مقصود مغازی محمد بن اسحاق ہے۔ امام ابن معین نے مغازی ابن اسحاق سے اس کی روایت بیان کرنے کی توثیق کی ہے، البتہ دیگر روایات میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

[1] المنتظم لابن الجوزي (١٦٣) اس کی سند صحیح ہے اور عنقریب [رقم: ٥١٦] روایت میں تخریج، رجال کا تعارف اور اس روایت پر کیے گئے کلام کے ساتھ آرہی ہے۔

[2] امام طبری کہتے ہیں کہ اس سال یعنی ۴۰ھ میں جو کچھ سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین مکاتبت کے بعد مہادنت (عارضی جنگ بندی) ہوئی، اس کا تذکرہ ایک کتاب میں ہے کہ ان کے درمیان جنگ بندی ہوگی اور والیِ عراق علی رضی اللہ عنہ اور والیِ شام معاویہ رضی اللہ عنہ ہوں گے اور کوئی بھی اپنے ساتھی کے معاملے میں لشکر کشی یا جنگ کے ذریعے مداخلت نہیں کرے گا۔ زیاد بن عبداللہ ابن اسحاق کے واسطے سے کہتے ہیں کہ فریقین میں سے جب کسی نے بھی اپنے ساتھی کی بات نہ مانی تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب لکھا کہ اگر آپ چاہیں تو ملک عراق پر آپ حکومت کریں اور ملک شام کا والی میں ہوں گا اور جنگ بندی رہے گی اور مسلمانوں کا خون نہیں بہایا جائے گا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور فریقین راضی ہو گئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شام میں اپنے لشکر کے ہمراہ ٹھہر گئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ عراق میں اپنے لشکر کے ہمراہ ٹھہر گئے۔ (تاریخ الطبري: ١٥٤/٣)

امام ابن جوزی نے اپنی کتاب (المنتظم: ١٦٣/٥) اور ابن کثیر نے (تاریخ ابن کثیر: ٣٥٧/٧) میں یہ روایت نقل کی ہے اور منتظم اور تاریخ ابن کثیر میں منقول روایت کی سند ضعیف ہے۔ امام طبری نے صیغۂ تمریض کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے، تاکہ ابن اسحاق کے کمزور موقف کی وضاحت کر سکیں اور اس کا متن منکر ہے اور یہ صحیح روایات کے مخالف ہے۔ ←

یہ کہنا درست نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ حملے خلافت کے لالچ میں کیے تھے، بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کبھی بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خلافت کی وجہ سے نہیں لڑے، نہ صفین میں اور نہ ہی کسی اَور جنگ میں۔ نہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کی وجہ سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی۔ اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

نہروان کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملے:

ان سے مراد وہ پیشگی حملے ہیں، تاکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ دوبارہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ نہ کریں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ دوبارہ حملہ کریں گے۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی صفین میں محاذ آرائی بیعت سے قبل سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے کی وجہ سے تھی۔ آپ نے کہا: میں نے صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے صفین کے دن جنگ کی۔[1]

ابومسلم خولانی اور ان کے ہمراہ چند لوگ صفین سے کچھ دیر قبل سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے: آپ علی رضی اللہ عنہ سے خلافت کی بابت تنازع میں پڑے ہیں یا پھر آپ ان کے مثل ہیں؟ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: نہیں، اللہ کی قسم! مجھے پتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے افضل اور مجھ سے زیادہ اس معاملے کے حقدار ہیں، مگر کیا تمھیں معلوم نہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مظلوم شہید کر دیا گیا اور میں ان کا چچا زاد بھائی ہوں اور ان کا ولی ہوں۔ میں تو محض سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینا چاہتا ہوں، آپ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ میرے حوالے کر دیں، تو میں ان کی خلافت کو تسلیم کر لوں گا، وہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور اس سلسلے میں ان سے بات کی۔

← یہ روایت ابن اقمر کی روایت کے مخالف ہے۔ یوں احساس ہوتا ہے کہ یہ روایت زیاد بن عبداللہ بکائی کی روایت سے، ابن اسحاق کی مغازی میں سے ہے۔

بالفرض اس مہادنت کی وجہ سے ہم اس روایت کو امن کی خاطر اور اقتصادی تنظیم اور شہر کے امن کو برقرار رکھنے پر محمول کر لیں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہ ہوگا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں شام میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت ہو گئی تھی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہوئی۔ جیسا کہ صحیح روایات میں منقول ہے جس کا ذکر ہم پیچھے کر چکے ہیں۔ دیکھیے: [رقم: ۱۰۶] اور اس کے بعد کی روایت۔ لیکن یہ معاملہ اپنے نصاب کی جانب لوٹتا ہے اور وہ یہ کہ یہ مہادنت صحیح نہیں ہے۔

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۴۵]

مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے نہ کیا۔[1] پھر ان کے مابین جنگ ہوئی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے صفین کی جنگ خود اختیار نہیں کی، انھیں جنگ میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ چوں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی گردانتے تھے، اس لیے انھوں نے شام کی طرف پیش قدمی کی تھی، تب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام اپنے دفاع پر مجبور ہوئے۔

بلکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سمجھتے تھے کہ عراقیوں سے قتال دفاعی نوعیت کا ہے، کیوں کہ عراقی لشکر نے ان پر حملہ کر دیا ہے، اور جس پر حملہ ہو جائے، اس کے لیے لڑنا جائز ہے۔ انھوں نے یا اہلِ شام نے لڑائی شروع نہیں کی، بلکہ لڑائی عراقی فوجوں نے شروع کی ہے۔[2]

⊙ جہاں تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو صفین میں انھوں نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے خلافت کی طمع سے یا ان سے تنازع کھڑا کرنے کی خاطر لڑائی نہیں کی تھی، اور افتراق الحکمین کے بعد آپ نے نخیلہ کے مقام پر اپنا لشکر اس لیے تیار نہیں کیا تھا کہ چوں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کے زیادہ حق دار ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے، لہٰذا ان سے لڑنا ہو گا۔ بلکہ آپ نے اہلِ شام سے اس غرض سے جنگ کی تھی کہ وہ بغاوت چھوڑ کر بیعت کرنا تسلیم کر لیں۔ جب اہلِ شام نے شرط لگائی کہ بیعت اس وقت تک موخر کی جائے گی، جب تک قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص مکمل نہ ہو جائے۔

شرعی بغاوت محض اعتقاد سے نہیں ہوتی کہ فلاں شخص فلاں سے خلافت کا زیادہ حقدار ہے، بلکہ بغاوت بالفعل نافرمانی سے ہوتی ہے۔ شرعی طور پر بغاوت کی تعریف یوں کی گئی ہے: جس شخص کی امامت ثابت ہو چکی ہو اس کی اطاعت سے خود کو روک لینے کا نام بغاوت ہے، جس میں مبالغہ کی حد تک نافرمانی ہو، اگرچہ وہ تاویل کی بنا پر ہی کیوں نہ ہو۔[3] لہٰذا شرعی بغاوت مجرد رائے سے نہیں ہوتی، بلکہ فعل سے ہوتی ہے۔ صحابہ نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کر لی تھی، حالاں کہ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ یزید کا غیر اس کا زیادہ حق دار ہے۔

---

[1] دیکھیں: [رقم: ۴۴۴]

[2] منهاج السنة (۳۸۳)الإنصاف فيما وقع في العصر الراشدي لحامد الخليفة (ص: ۶۳۹)

[3] الموسوعة الفقهية الكويتية (۱۰۵)

⑤ صفین کے بعد خلافت کے زیادہ حق دار ہونے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے اور اس کے اثرات

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صفین کے بعد خلافت کے زیادہ حق دار ہونے کی تعیین کا معاملہ حالات کی بنا پر کچھ یوں ہے:

حبر الامت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فقیہ ہونے کی شہادت دی۔

[453] صحیح البخاری میں ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: آپ کا امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا خیال ہے، وہ ایک وتر کے قائل ہیں؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: وہ درست ہیں، کیونکہ وہ فقیہ ہیں۔[1]

لہٰذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت کے زیادہ مستحق ہونے کے معاملے میں ایک فقہی قول نے بھی مدد دی تھی، وہ یہ تھا کہ خلافت کے معاملے میں قوت، رائے اور فہم میں افضل شخص دین اور سبقتِ اسلام میں افضل شخص سے مقدم رکھا جائے گا۔ ہمارے اس زمانے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے پر اگر کوئی اعتراض وارد کرے تو حقیقت میں اس کا دل اس اصول کی موافقت کرے گا اور اس کی زبان اس کی مخالفت کرے گی، اس دور کی ایک بڑی جماعت اس قاعدے پر متفق ہے۔

میرا مطلب ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والا حقیقت میں اس قاعدے کی اصل میں یا اس فقہی قول میں ان کی موافقت کرے گا۔ نہ کہ اس بات کی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خلافت کا زیادہ حق رکھتے تھے۔ میں تو فقیہ نہیں ہوں کہ کسی فقہی قول کو اختیار کر لوں، یا اس کی جانب مائل ہو جاؤں۔ فقہی ترجیحات تو اہلِ علم سے پوچھی جائیں۔

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانے میں خلافت کے زیادہ حق دار تھے، اس میں اہلِ سنت کی کوئی دو رائے نہیں ہے۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس پر حکمین بھی متفق تھے اور اہلِ عراق، شام اور تمام ممالک کے لوگ متفق تھے۔ ابو الاعور سلمی کے علاوہ کسی سے بھی اس کے خلاف منقول نہیں ہے، ان کی رائے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق تھی۔

---

[1] صحيح البخاري (٣٥٥٤) ابن ابی مریم سے مراد: سعید بن حکم جمحی ہیں اور نافع بن عمر وہ بھی جمحی ہیں اور ابن ابی ملیکہ سے مراد: عبداللہ بن عبید اللہ قرشی تیمی ہیں۔

آپ کو حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا قول یاد ہو گا، جب انھوں نے کہا: اے ابو تراب! آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو جواب کیوں نہ دیا، لہٰذا ثابت ہوا کہ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔[1]

حاصل کلام یہ ہوا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والا بھی اصل صورتِ حال میں ان کی موافقت کرے گا، لیکن اس کے طریقے کو لے کر اختلاف کرے گا، اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا طریقہ اجتہاد کی وجہ سے اختیار کیا تھا، لیکن انھیں اجتہاد میں خطا ہوئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مغفور ہیں۔ ان شاء اللہ

درست روایات[2] اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جنگِ صفین کے بعد نہ کہ صفین سے پہلے خود کو خلافت کا حقدار گردانے لگے تھے، اور اس کے لیے شدید حریص بھی تھے۔ کیونکہ انھوں نے اپنے آپ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کا زیادہ اہل سمجھا۔ اس عہدے پر زیادہ قدرت رکھنے والا سمجھا کہ مجھے اہلِ عراق پر عسکری واقتصادی قوت کی برتری حاصل ہے، نیز شام میں امن بھی قائم ہے۔

اور یہ قوت مسلسل بڑھتی جا رہی تھی، نیز عراقی قوت مسلسل فتنوں کے باعث کمزور پڑ گئی تھی، خوارج کے نکلنے سے بھی ان میں تفرقہ پڑ گیا تھا۔

اسی بنا پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوشش کی کہ جس وجہ سے حکمین یہاں جمع ہوئے ہیں، وہ فیصلہ اپنے حق میں کروا لیں۔ آپ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنی جانب مائل کرنے کی بھی کوشش کی، مگر انھوں نے اسے قبول نہ کیا۔ پھر جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس معاملے سے نکالنے پر اتفاق کیا تو معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر شدید غصہ آ گیا جس وجہ سے انھوں نے ابو اعور سلمی کو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی جانب ڈانٹنے کے لیے بھیجا۔

اس سب کے باوجود معاویہ رضی اللہ عنہ اس بات کے مخالف ہرگز نہ تھے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی شرعی خلیفہ ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے اسلام میں سبقت لے جانے والے، فضیلت اور قرابت میں برتر ہیں۔

---

[1] اس کی تفصیل میں نے ''حکمین، اہلِ عراق، اہلِ شام اور دیگر ممالک کا سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھنے پر اتفاق'' کے عنوان کے تحت بیان کر دی ہے۔ جہاں پر اس حدیث کا تذکرہ ہے (وہ حتمی نتائج جنھیں لے کر دونوں حاکم لوٹے)۔

[2] جو [رقم: ۴۲۸ تا ۴۳۴] روایت گزر چکی ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے صفین کے بعد خلافت کے لیے تگ ودو کی، مگر آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حیات میں کبھی اس کا دعویٰ کیا اور نہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا لوگوں سے اس کا مطالبہ کیا اور یہ خواہش دل میں ہی موجود رہی، یہاں تک کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ظاہر ہوگئی۔

جنگِ صفین کے بعد کے حالات نے معاملات مزید مشکل کر دیے تھے، اور وہ بہت زیادہ گھمبیر ہوکر رہ گئے تھے۔ سابقہ صحیح روایات اس طرف توجہ دلاتی ہیں کہ اس وقت حالات نے معاملات کا دھارا کچھ ایسا بنا دیا تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صفین کے بعد کسی طرح بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کو تیار نہیں تھے، بھلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے مطالبات کو تسلیم ہی کر لیں، پچھلے مطالبات تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص اور قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کی حوالگی تھا، بعد میں ایک نئی شرط لگائی گئی تھی اور وہ شرط سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی قوت کی حفاظت اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی شام میں امارت باقی رکھنا تھی[1] اور یہ شرط سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قبول نہیں ہونے لگی تھی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ شرط دو وجہ سے لگائی تھی:

1. جنگِ صفین کے بعد جو جدید خطرہ رونما ہوگیا تھا، اس سے نجات حاصل کر لی جائے اور وہ خوارج کا خطرہ تھا جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور قائدینِ شام کی گھات میں تھے، ان کا یہ خطرہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ سنگین اور خطرناک تھا، جن کے خطرے سے بچنے کے لیے آپ نے بیعت سے قبل قصاص کا مطالبہ رکھا تھا۔[2]

2. صفین کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خود کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھنے لگے تھے، اگرچہ وہ اس بات کا اقرار بھی کرتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہیں۔ خصوصاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں شام کی امارت سے معزول کر دیا تھا، لہٰذا اس وقت بیعت کا مطلب یہ تھا کہ آپ شام کی امارت سے ہاتھ دھو بیٹھیں، اور ان کی قوت جاتی رہے۔ یعنی اگر انھوں نے شام کی امارت کے بغیر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تو ان کی ساری قوت ختم ہو جائے گی اور اپنی خلافت کی رائے کا استحقاق ختم ہو جائے گا اور اگر انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت شام کی امارت کی شرط لگانے کے بغیر کر لی تو خلافت حاصل کرنے کا موقع ہاتھ سے گنوا بیٹھیں گے۔

یہ متضاد قسم کے آثار جو صفین کے بعد پیدا ہوئے تھے جنھوں نے ہر دو فریق کو ایک بند گلی میں لے

---

[1] اس نقطہ کے بارے میں حدیث (ص: ۵۲۷) پر گزر چکی ہے۔
[2] اس نقطہ کے بارے میں حدیث (ص: ۵۲۷) پر گزر چکی ہے۔

جا کر کھڑا کر دیا تھا، جس کے بعد صلح تو اب کوئی بھی نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ ہر فریق کو انتصار کی ضرورت تھی، فتنے کے درمیان کے احوال فتنے کے بعد جیسے احوال کی طرح نہیں ہوتے۔

لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ معرکۂ صفین کے بعد اختلاف منصبِ خلافت کے لیے مقابلے کی جانب رُخ کر گیا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب خود کو اس عہدے کا زیادہ حقدار سمجھا، تو وہ مقابلے پر آئے۔ لیکن اس کے باوجود انھوں نے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں لوگوں کو اپنی خلافت پر بیعت کا حکم نہیں دیا۔ گو اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت حاصل کر لی، یعنی اس نظام میں انھوں نے کامیابی سمیٹی بلکہ اسے بڑی اہم کامیابی سے تعبیر کیا جائے گا۔

یہ ایک اضافی اور اہم سبب ہے جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس نظام میں کامیابی کی خاطر خلافت کے حصول کی جانب لے گیا، تاکہ نزاع میں انھیں مدد حاصل ہو سکے اور عراقی حملوں سے بچ سکیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ خوارج سے نمٹ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان پر حملہ کریں گے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے گمان کیا کہ جنگِ صفین میں شمولیت کے مثبت نتائج سامنے آئیں گے مگر نتائج اس کے برعکس نکلے۔ ہم فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سیدنا علی، معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم پر رحم فرمائے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق شرعی خلیفہ کی اطاعت کرنا خوشی نہ خوشی ہر حال میں واجب ہے۔ جبکہ اہلِ شام نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی وجہ سے صفین میں نہیں اترے، بلکہ یہ ان کا ذاتی اجتہاد تھا۔[1] اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد میں غالب طور پر مصیب تھے، مکمل مصیب مگر نہیں تھے،[2] کہیں پر وہ خطا بھی کر بیٹھے، آپ معصوم نہیں تھے جیسا کہ بعض بدعتی لوگوں کا خیال ہے۔

اسی لیے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اجتماعِ حکمین کے بعد اور دومۃ الجندل سے رحلت سے پہلے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ کلام کیا، جس میں آپ نے بتانے کی کوشش کی کہ یہ اختلاف مزید بڑھ گیا ہے، حتی کہ خلافت کے معاملے میں مقابلہ بازی کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملاقات کی تو آپ کو علم ہو گیا تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت کے معاملے

---

1. [رقم: ٦١] اور اس کے مابعد روایت دیکھیں۔
2. [رقم: ٦٧] اور اس سے ماقبل کی تعلیق دیکھیں۔

میں رغبت رکھتے ہیں۔ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب قاصد بنا کر بھیجا تھا اور انھیں اپنی بیعت کی پیشکش کی تھی۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے چھوڑ دینے کے عوض بہت سا مال دینے کی طرف مائل کیا، تب بھی سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔

[**454**] ابن سعد سے منقول ہے، انھوں نے کہا کہ ہمیں روح بن عبادہ نے خبر دی، وہ کہتے ہیں کہ مجھے مثنی قصیر نے بیان کیا، وہ محمد بن منتشر سے، وہ مسروق بن اجدع سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: میں ایامِ تحکیم میں سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا اور حالت یہ تھی کہ میرا خیمہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے خیمے کے ساتھ تھا، اس روز لوگ رات کے وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ صبح جب سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور خیمے کا پردہ اوپر اٹھایا تو فرمانے لگے: اے مسروق بن اجدع! میں نے کہا: جی، ابوموسیٰ! میں حاضر ہوں، تو ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: امارت اس کو ہی کہتے ہیں جس میں مشورہ کیا جائے، اور بادشاہت اس کو کہتے ہیں جس پر تلوار کے ذریعے غالب آیا جائے۔[1]

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا کہ امارت جو مشورہ سے بنائی جاتی ہے، ممکن نہیں ہے۔ اہلِ شام واقعۂ صفین کے بعد امارت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد نہیں کریں گے، خصوصاً حالات پلٹ جانے اور حکمین کے عدمِ اتفاق کے بعد تو ہرگز نہیں دیں گے، البتہ بادشاہت جو قوت اور تلوار کے زور پر حاصل کی جاتی ہے۔ وہ اُفق پر نمودار ہو رہی ہے۔

سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی پیشین گوئی کی تھی کہ اب صلح کا رستہ بند ہو چکا ہے، فتنہ اب لاعلاج ہو جائے گا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کبھی صلح کے لیے نہیں ملیں گے۔ ان کے درمیان جب بھی کوئی

---

[1] الطبقات الکبری (٤/١١٣)، اس کی سند صحیح ہے اور اس کے رجال شیخین کے ہیں، یہ روایت [رقم: ٤٣٧] میں گزر چکی ہے۔
اس مضمون کی روایت (مصنف عبد الرزاق: ١٩١٨٦) میں بھی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو زخم آئے تو انھوں نے مجھے کہا: مجھ سے تین چیزیں یاد رکھو: امارت مشورے سے ملتی ہے، عرب کے فدیے میں ہر غلام کے بدلے ایک غلام ہو گا، اور لونڈی کے بدلے دو غلام ہوں گے، اور کلالہ کے معاملے میں وہ ہو گا جو میں کہوں گا۔ راوی کہتے ہیں: میں نے ابن طاوس سے پوچھا: انھوں نے کیا کہا تھا؟ تو انھوں نے مجھے بتانے سے انکار کر دیا۔
اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ معمر سے مراد: معمر بن راشد ازدی ہیں اور ابن طاؤس سے مراد: عبد اللہ بن طاؤس بن کیسان ہیں۔

غالب آئے گا تو تلوار سے آئے گا، اور امارت وشوریٰ کا معاملہ قریب ہے کہ ختم ہو جائے اور بادشاہت کا دور آنے کو ہے۔

صرف اتنا نہیں بلکہ تحکیم کے بعد مکہ جاتے ہوئے انھوں نے صراحت کی کہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کر جائے گا۔ کیونکہ ہر فریق اپنی رائے پر مصر ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عمرے کے طواف کے دوران میں فرمایا: ''یہ تو فتنوں کا ایک حیض ہے، اب مسلسل جنگیں باقی ہیں۔''[1] یعنی حکمین کے عدمِ اتفاق کے باعث عنقریب گذشتہ فتنوں سے بھی بڑے فتنے رونما ہوں گے، اگر معاملہ اسی طرح جاری رہا۔

میں کہتا ہوں: اس فتنے کے طبیب امیر المومنین سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ تھے جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی۔ آپ کے دور میں حالات عموماً صلح کی طرف چلے گئے تھے۔

اسی طرح سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فتنے کے دوران میں اس بات کی پیشین گوئی کی تھی، کہ خلافت کا دور گزر چکا اور ملوکیت کا زمانہ آگیا ہے، عنقریب قریشی خاندان عرب پر روم وفارس کی مانند حکومت کریں گے جو ملوکیت اور وراثت پر مشتمل ہوگی۔

[**455**] ''جامع معمر بن راشد'' کی روایت ہے، زہدم بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ہم سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھے کہ انھوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں آپ کو ایک حدیث بیان کرتا ہوں، جو نہ اعلانیہ ہے اور نہ خفیہ ہے، نہ ہی وہ سری ہے کہ وہ میں آپ سے چھپاؤں اور نہ ہی وہ اعلانیہ ہے کہ تمھیں اس کی بابت خطاب کر کے بتلاؤں۔ وہ یہ ہے کہ جب سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا اور انھیں شہید کیا گیا تو میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ آپ اس معاملے سے دور رہیے۔ مگر انھوں نے میری بات نہیں مانی، میرا نہیں خیال تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ غالب آئیں گے، بخدا! تم پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ضرور غالب ہوں گے۔ کیونکہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا ﴾ [بني إسرائيل: ٣٣]

''جس شخص کو حالتِ مظلومیت میں شہید کر دیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو سلطان بنایا ہے۔''

اللہ کی قسم! عن قریب قریش تمھارے اندر فارس اور روم کی سیرت چلائیں گے، راوی کہتے ہیں:

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۴۱]

ہم نے کہا: اے ابن عباس! آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں، اگر ہمارے ساتھ ایسا ہو تو ہم کیا کریں؟ تو آپ فرمانے لگے: تم میں سے جو معروف کو لے گا، وہ نجات پا جائے گا، اور جو اسے چھوڑ دے گا، وہ ان صدیوں کی طرح ہو جائے گا جو ہلاک ہو گئیں۔[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں بیان کی ہے اور اس پر تعلیق لگائی ہے:

''حبر الامت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ[2] کے عموم سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے والی ہونے کا استدلال کیا ہے اور عنقریب آپ کی حکومت ہو گی،[3] کیونکہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی تھے، کیوں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو حالتِ مظلومیت میں شہید کیا گیا تھا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ بھی کرتے رہے، تاکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لے سکیں، کیونکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اموی تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے مہلت کا مطالبہ کرتے رہے، تاکہ وہ اس پر تمکن حاصل کر لیں اور پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ نیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کرتے تھے کہ وہ شام ان کے حوالے کر دیں، مگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو حوالے کرنے تک اس مطالبے کو تسلیم نہیں کیا بلکہ بیعت سے اپنا اور اہلِ شام کا انکار واضح کر دیا۔ پھر اس طوالت کے باوجود معاملہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں چلا گیا،[4] جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیتِ کریمہ سے استنباط کیا تھا اور پیشین گوئی کی تھی اور معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بن گئے۔ یہ بہت عجیب بات تھی۔''[5]

[**456**] اس معنی کی ایک روایت امام نسائی سے منقول ہے۔ محمد بن زیاد بیان کرتے ہیں:

---

1. جامع معمر بن راشد (۲۰۹۶۹) اس کی سند صحیح ہے، اس کے تمام رجال شیخین کی شروط کے مطابق ثقہ ہیں۔ ایوب سے مراد: ابن ابی تمیمہ کیسان سختیانی ہے۔ ابو قلابہ سے مراد: عبداللہ بن زید جرمی ہیں۔ زہدم سے مراد: ابن مضرب جرمی، ابو مسلم بصری ہیں۔ یہ روایت [رقم: ۲۲] پر گزر چکی ہے اور اس سے قبل ہم اس کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی تعلیق ذکر کر چکے ہیں۔
2. یعنی اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾ [الإسراء: ۳۳]
3. یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے ولی ہے اور عنقریب وہ بادشاہ اور خلیفۃ المسلمین ہوں گے۔
4. یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین بن گئے۔
5. تفسیر القران العظیم (۷/۹) دیکھیں: [رقم: ۲۱] اور اس سے پہلے اور بعد کی روایت بھی۔

''جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کے ولی عہد ہونے کی بیعت لی[1] تو مروان[2] کہنے لگا: یہ سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سنت ہے، اس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکر[3] کہنے لگے: یہ ہرقل اور قیصر کی سنت ہے۔ مروان بن حکم کہنے لگا: اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَالَّذِيْ قَالَ لِوٰلِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ ﴾ [الأحقاف: ١٧]

''وہ جس نے اپنے والدین سے کہا، تمھارے لیے اف ہو۔''

جب یہ بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچی تو وہ فرمانے لگیں: اللہ کی قسم! اس نے جھوٹ کہا، یہ ان کے متعلق نازل نہیں ہوئی، اگر میں اس کا نام لوں جس کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی ہے، تو میں اس کا نام لے لیتی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو مروان پر تب لعنت کی تھی، جب مروان ابھی اس کی پشت میں تھا۔ مروان بھی اللہ کی لعنت والے کا ایک ٹکڑا ہے۔''[4]

---

[1] یعنی جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کے ولی عہد ہونے کی لوگوں سے بیعت لی، یہ ۵٦ھ کی بات ہے۔ (تاريخ الطبري: ٢٤٧/٣)

[2] مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف الملک ابو عبدالملک قرشی اموی تابعی ہے۔ یہ اللہ کے نبی سے مشرف با زیارت نہ ہو سکا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں کئی بار مدینہ کا والی بنا، پھر معاویہ بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کی وفات کے بعد ٦۵ھ ماہِ محرم میں اس کی خلافت پر بیعت کی گئی۔ تب شام اور مصر اس کے زیرِ سلطنت تھے اور عراق اور حجاز خلیفۃ المسلمین سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ماتحت تھے۔ اسی سال ماہِ رمضان میں مروان کی وفات ہوگئی۔ اس کا عہدِ خلافت نو ماہ پر محیط رہا۔ تاريخ الطبري (٣٨٠/٣- ٤٢٣) سير أعلام النبلاء (٤٧٦/٣)

[3] عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما یہ صحابیِ رسول ہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سگے بھائی ہیں۔ جنگِ بدر میں یہ مشرکین کے ساتھ آئے تھے، بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور فتحِ مکہ سے تھوڑی دیر پہلے ہجرت کر کے مدینہ آگئے۔ یہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی اولاد تھے اور ماہر تیر انداز تھے اور بہادری میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کی وفات ۵۳ھ کے بعد ہوئی۔ (سير أعلام النبلاء: ٤٧١/٢)

[4] سنن الكبرىٰ للنسائي (١١٤٢٧) اس کی سند منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہیں۔ علی بن حسین سے مراد: درہمی ہے اور امیہ بن خالد سے مراد: ثوبانی ہیں۔ شعبہ سے مراد: ابن حجاج اور محمد بن زیاد سے مراد: قرشی جمحی ہیں۔
اسے امام حاکم (٨٤٨٣) نے درہمی کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ امام حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شروط کے مطابق صحیح ہے اور انھوں نے اسے نقل نہیں کیا، اس کے بعد آپ امام ذہبی کا قول لے کر آئے ہیں کہ اس روایت میں انقطاع ہے۔ محمد نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں کیا۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ "إتحاف المهرة" (٢٢٧٢٦) میں فرماتے ہیں: امام ذہبی فرماتے ہیں کہ محمد بن زیاد نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ نہیں پایا، لہٰذا یہ روایت منقطع ہے۔ ←

[457] ابو قاسم بغوی کی "معجم الصحابة" میں نیز "تاریخ دمشق" اور "أسد الغابة" میں روایت ہے۔ محمد بن زیاد بیان کرتے ہیں: "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان کی جانب ایک مکتوب ارسال کیا کہ وہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت لیں، اس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکر کہنے لگے: تم یہاں ہرقل کا نظام لے آئے ہو، تم اپنے بیٹوں کی بیعت لیتے پھرتے ہو، مروان کہنے لگا: لوگو! اس شخص کے بارے میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِیْ قَالَ لِوٰلِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ ﴾ [الأحقاف: ١٧]

"وہ جس نے اپنے والدین سے کہا، تمھارے لیے اُف ہو"

اس پر سیدۂ کائنات عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا غضبناک ہوگئیں اور کہنے لگیں۔ قسم بخدا! وہ نہ تھے، اگر میں چاہوں تو اس کا نام لے سکتی ہوں۔[1]

[458] ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں لائے ہیں، جیسا کہ "تفسیر ابن کثیر" میں ہے، اسماعیل بن ابی خالد بیان کرتے ہیں: "مجھے عبداللہ بن مدنی[2] نے خبر دی کہ میں اسی مسجد میں تھا جس میں مروان خطبہ دے رہا تھا، مروان کہنے لگا: اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین کو یزید کے بارے میں اچھا خواب دکھایا ہے۔ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو نائب بنایا ہے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا تھا۔ اس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکر کہنے لگے: یہ ہرقل کا نظام ہے۔ اللہ کی قسم! سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد میں سے اور نہ ہی اپنے اہلِ بیت میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے پر رحمت اور کرم کرتے ہوئے ایسا کر دیا ہے۔ مروان کہنے لگا: تو تو وہی نہیں جس نے اپنے والدین کو کہا تھا کہ تم پر افسوس ہو؟ تو عبدالرحمٰن نے کہا: تو اس لعین کا بیٹا نہیں ہے، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تھی؟ راوی بیان کرتے ہیں: ان دونوں کی گفتگو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سن لی اور کہنے لگی: اے مروان! تو نے عبدالرحمٰن کو ایسے ایسے کہا ہے؟ تو نے جھوٹ کہا، وہ آیت اس کے بارے میں نہیں، بلکہ فلاں بن فلاں کے بارے میں نازل

← امام البانی رحمہ اللہ نے السلسلة الصحيحة (٣٢٤٠) میں اس کو صحیح قرار دیا ہے اور محمد بن زیاد کی دو لوگوں نے متابعت کی ہے، اس کے لیے آئندہ دو روایات ملاحظہ فرمائیں۔

[1] تاريخ دمشق (٣٥/٣٥) اور اسی طریق سے ابن الأثیر نے أسد الغابة (٤٨٢/٣- ٤٨٣) میں، اس روایت کی سند مرسل کی طرح ہے۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر (٨٩٦/٢) اور اس سے سابقہ اور آئندہ روایت ملاحظہ کیجیے۔

[2] المديني: اسی طرح ایک مطبوعہ میں نقل ہے کہ اس سے مراد یہی ہے۔

ہوئی تھی۔ اس کے بعد مروان زار و قطار رونے لگا اور منبر سے اتر کر سیدۂ کائنات کے حجرۂ مبارک تک آیا اور آپ سے بات چیت کرنے کے بعد واپس چلا گیا۔[1]

---

[1] تفسیر ابن کثیر (۱۹/۱۳) عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے علاوہ یہ روایت حسن ہے، میں نے اسی پر توقف کیا ہے۔ عبداللہ البہی کے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن مہدی اور احمد نے اسے منکر کہا ہے، البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا اثبات کیا ہے اور امام مسلم نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے اسے نقل کیا ہے اور بہی صدوق راوی ہے، کبھی کبھار غلطی کر جاتا ہے۔ دیکھیں: التاریخ الکبیر (٥٦/٥) تهذیب التهذیب (٨٩/٦) التقریب (٣٧٢٣) البتہ مروان کے خطبہ کے بارے میں سماع کی تصریح بہی نے بیان کی ہے اور اسے امام البانی رحمہ اللہ نے (السلسلة الصحیحة: ٣٢٤٠) میں صحیح قرار دیا ہے۔

تخریج: یہ روایت محقق نے تفسیر ابن أبي حاتم (٣٢٩٥/١٠) القسم المتمم میں داخل کی ہے اور مسند البزار (٢٢٧٣) میں اس کی تخریج کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یوسف بن موسیٰ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبدالرحمٰن بن مغراء نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن ابی خالد نے یہ روایت اختصار کے ساتھ بیان کی۔ اس میں "أهر قلية" کے الفاظ نہیں ہیں اور نہ ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول منقول ہے۔ یہ روایت کشف الأستار (١٦٢٤)، مجمع الزوائد (٩٢٣٥) اور امام ابن حجر عسقلانی کی مختصر زوائد البزار (١٢٦٣) میں آئی ہے۔ ہیثمی کہتے ہیں کہ اسے بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن درجے کی ہے۔

اس روایت کی ایک تیسری متابعت بھی ہے۔ ابن ابی دنیا نے الإشراف في منازل الأشراف (٢٥٠) میں نقل کیا ہے اور اسی طریق سے ابن عساکر (٣٥/ ٣٥) نے نقل کیا ہے۔ مجھے محمد بن ابی معشر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابومعشر نے ابوکثیر مولیٰ آلِ زبیر کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ایک مکتوب مروان کے پاس آیا، تب وہ مدینہ میں تھا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ محمد صدوق راوی ہے اور اس کا باپ ابومعشر ہے۔ اس سے مراد: نجیح بن عبدالرحمٰن ہے۔ یہ ضعیف راوی ہے۔ عمر رسیدہ ہو کر اسے اختلاط کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا اور اس کا شیخ مبہم ہے جس کا مجھے علم نہیں ہو سکا۔ سابقہ دو روایات ملاحظہ فرمائیے۔

اور ایک روایت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ امام احمد (٦٥٢٠) نے نقل کیا ہے۔ ہمیں ابن نمیر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عثمان بن حکیم نے ابو امامہ بن سہل بن حنیف سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کپڑے پہننے کے لیے چلے گئے، تاکہ مجھ تک پہنچ جائیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ تمھارے پاس ایک لعین شخص ضرور آئے گا، اللہ کی قسم! میں مسلسل خوفزدہ رہا اور ہر آتے جاتے کو دیکھتا رہا حتی کہ فلاں شخص، یعنی حکم داخل ہوا۔ اسے امام البانی اور شعیب ارناؤط نے صحیح قرار دیا ہے۔ السلسلة الصحیحة (٣٢٤٠). ابن نمیر سے مراد: عبداللہ ہے اور ابو امامہ سے مراد: اسعد ہیں اور یہ حدیث مسند البزار (٢٣٥٢) اور المعجم الأوسط (٧١٥٥) میں ابن نمیر کے طریق سے مروی ہے۔

←

[**459**] امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ یوسف بن ماہک بیان کرتے ہیں: مروان حجاز میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا عامل تھا، اس نے وہاں خطبہ دیتے ہوئے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ شروع کر دیا تاکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد اس کی بیعت لے سکے، اس پر عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اس سے کچھ کہا، مروان نے لوگوں کو انھیں پکڑنے کا کہا تو وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں چلے گئے اور پکڑے نہیں جاسکے۔ اس پر مروان بن حکم کہنے لگا: اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل کی:

﴿ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ ﴾ [الأحقاف: ١٧]

''وہ جس نے اپنے والدین سے کہا، تمھارے لیے اُف ہو۔''

تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردے کے پیچھے سے کہا: اللہ نے میری براءت[1] کے علاوہ کوئی چیز قرآن میں ہمارے متعلق نازل نہیں کی۔[2]

☆ گفتگو کا رُخ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی پیشین گوئی کی طرف لوٹتا ہے، ذیل میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا تیسرا قول ذکر کیا جاتا ہے:

[**460**] عمر بن شبہ سے منقول ہے۔ قیس بیان کرتے ہیں کہ میں نے شداد بن ازمع کو کہتے ہوئے سنا: میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو آپ سواری پر سوار تھے۔ میں نے عرض کی: ابوعبداللہ! میں آپ سے ایک مسئلے کے متعلق سوال کرنا چاہتا ہوں، مگر آپ تو سوار ہیں۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: آپ کس مسئلے کی بابت سوال کرنا چاہتے ہیں؟ میں سواری پر بھی آپ کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے کہا: میں آپ سے سیدنا علی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے بارے میں بات کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تو فرمانے لگے: میں اس کو ایک جملے میں بیان کر دیتا ہوں، مشورہ اور ناراضی کی باہم جنگ ہوئی اور ناراضی قیامت تک کے لیے غالب آگئی۔[1]

← اور الاستیعاب (٣٦٠/١) میں شعیب بن محمد کے طریق سے مروی ہے، وہ اپنے دادا سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور اسی باب کی ایک روایت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مسند أحمد (١٦١٢٨) میں منقول ہے۔

[1] یعنی میری براءت کا بیان جو اہلِ افک نے مجھ پر تہمت زنی کی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد سورت نور کی آیات تھیں جو ان کی شان میں نازل ہوئیں۔

[3] صحیح البخاري (٤٥٥٠) موسیٰ سے مراد: ابوسلمہ تبوذکی منقری ہے اور ابوعوانہ سے مراد: وضاح بن عبداللہ الیشکری ی اور ابوبشر سے مراد: جعفر بن ابی وحشیہ ایاس یشکری ہیں۔

[1] تاریخ المدینة (١٢٥٤/٤)، اس کی سند صحیح ہے۔ راوی ثقہ ہیں اور شیخین کے رجال ہیں، سوائے شداد بن ازمع کے۔ ←

ان کے قول: ''میں آپ سے حضرت علی وعثمان رضی اللہ عنہما کی بابت سوال کرتا ہوں'' سے مراد یہ ہے کہ میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے بارے میں سوال کرنا چاہتا ہوں۔

ان کے قول: ''میں ان دونوں کو آپ کے لیے ایک ہی جملے میں اکٹھا کروں گا'' سے مراد یہ ہے کہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کرنے والوں کی خبر اکٹھی کر کے دونوں کا خلاصہ ایک کلمے یا ایک جملے میں بیان کر دوں گا۔

عمرو رضی اللہ عنہ کے قول: "اقتتلت الأثرة ... الخ" "أثرة" سے مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ شام کے باغیوں کے ساتھ معاملہ ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلافت کا استحکام چاہتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ سب ان کی حکومت کے تحت ہوں، ان کا معاملہ اور امت کا معاملہ درست ہو جائے، اور فتنے ختم ہوں۔

اور "السخطة" سے مراد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کی ناراضی ہے جو تاخیرِ قصاص کے حوالے سے تھی۔

سو خلافت کا استحکام چاہنے والے نے جن کو شوریٰ کے ذریعے چنا گیا تھا، (یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ) ناراض شخص سے جنگ کی، جو قصاص کے معاملے میں ناراض تھے۔ مراد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے وراثتی حکومتوں کا دور شروع ہو گیا، بادشاہت خلافت اور شوریٰ کے مقابلے میں غالب آ گئی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت سے تاریخِ اسلام کی پہلی ملوکیت شروع ہوئی اور اب قیامت تک بادشاہت ہی رہے گی۔ إلا ما شاء اللّٰه.

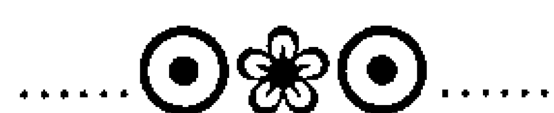
اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے پیشین گوئی کی تھی کہ خلافت اور شوریٰ کا زمانہ گزر چکا ہے اور وراثتی ملوکیت کا زمانہ آ چکا ہے۔

← ان کے متعلق ابن سعد کہتے ہیں: یہ ثقہ اور قلیل الحدیث تھے، ان کا ذکر ابن حبان نے "الثقات" میں کیا ہے۔ خلیفہ کہتے ہیں: آپ بشر بن مروان کے زمانے میں تہتر (۷۳) یا چوہتر (۷۴) ہجری میں فوت ہوئے۔ طبقات ابن سعد (۱۹۶/٦) طبقات خليفة (ص: ١٤٩) الثقات (٣٥٨/٤)

اسماعیل سے مراد: ابن ابی خالد احمسی ہے، اور قیس سے مراد: ابن ابی حازم احمسی ہے۔

تخریج: اس روایت کو قاسم سرقسطی، الدلائل في غريب الحديث (١٠٣٧/٣) میں لائے ہیں، کہتے ہیں: حمیدی سے روایت ہے، وہ سفیان سے بیان کرتے ہیں۔ اس کو پھر اسی سند سے ذکر کیا ہے، اور کہا ہے: عرب جب دو چیزیں ایک ہی معاملے میں جمع کرتے ہیں تو کہتے ہیں: "جمعتها لك في خرزة.

خبر کا ظاہر بتاتا ہے کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے ۴۱ھ کے بعد اس سوال کا جواب دیا تھا، کیوں کہ انھوں نے فرمایا: ناراضی قیامت تک غالب آگئی۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ پایا ہے۔



ساتویں بحث:

افتراقِ حکمین اور نہروان کے بعد اہلِ عراق کو لاحق ہونے والا خوف اور پریشانی

صفین، تحکیم اور نہروان کے بعد اہلِ عراق پے در پے فتنوں کی ہولناکی سے گھبراہٹ اور حواس باختگی کا شکار ہو گئے، ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ وہ نامناسب طریقے سے راستوں اور گزرگاہوں پر بیٹھنے لگے، اور خبریں تلاش کرنے لگے۔ انھوں نے مساجد میں مجالس لگانی ترک کر دیں، جو اس دور کا عرف اور پہچان تھی۔ اللہ ہم سب کو فتنوں سے محفوظ رکھے!

عاصم بن کلیب اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے کہا: صفین سے واپسی تک لوگ مساجد میں مجالس کا اہتمام کیا کرتے تھے، مگر تحکیم کے بعد لوگوں نے عراق کے معاملے کو ہلکا لے لیا اور گلی کوچوں میں بیٹھ کر معلومات اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔[1]

حکمین کے جنگ ختم کروائے بغیر جدا ہو جانے کی خبر لوگوں پر بجلی کی طرح گری، کیوں کہ ان کے جدا ہونے کا مطلب آگے جنگیں ہی تھیں۔ اور یہی چیز لوگوں کی پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔

نہروان کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام کے درمیان نئے قسم کے معرکوں کا دور شروع ہوا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زیرِ اثر علاقوں پر حملے شروع کر دیے، تاکہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو غزوۂ شام سے مشغول کر سکیں، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ شام پر دوبارہ حملہ کریں گے۔

انھوں نے چاہا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنی ہی سلطنت میں مشغول کر دیں۔ پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مصر کے حاکم بھی بن گئے، آخری حملہ جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کیا تھا وہ بسر بن ابی ارطاۃ کی کمان میں یمن پر حملہ تھا جس سے خوف وہراس مزید بڑھ گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ عراق کو بسر کے خلاف جنگ کے لیے

---

[1] [رقم: ۴۸۰] دیکھیے اور اس کی سند جید ہے۔

ابھارا، مگر وہ کنی کترا گئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بات نہیں مانی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کی وجہ سے موت کی تمنا کیا کرتے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کے کچھ دن بعد ہی شہید ہو گئے۔[1]

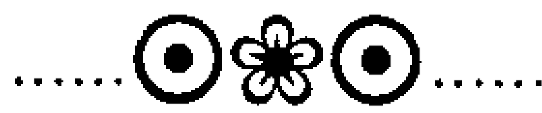
تو ان لوگوں کے جنگ سے پھرنے کا سبب وہی تھا جو ہم ذکر کر آئے ہیں۔ وہ خوف و ہراس میں مبتلا ہو چکے تھے، اور وہ صفین کا تجربہ دوہرانا نہیں چاہتے تھے۔ نہ ہی نہروان کا المناک تجربہ دوہرانے کے موڈ میں تھے، جس میں ان کے بیٹے، اقارب اور قبائل کے لوگ کام آئے تھے۔ لیکن ہم بات کر رہے ہیں، ان نفوس کی جن کے خون بہائے گئے اور انھیں ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ اٹھوایا گیا۔

خوارج سے قتال حق تھا، مگر ان کے وجود چکنا چور ہو گئے تھے اور انھوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر صعوبتیں جھیلی تھیں، گو خلیفہ کی مخالفت کے لیے یہ ان کا کوئی معقول عذر نہیں، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر کی اطاعت خوشی و ناخوشی ہر حال میں کرنے کا حکم دیا ہے۔ مگر یہ فتنے ایسے تھے جن میں حق و باطل باہم گڈ مڈ ہو گئے تھے۔

شکاری اور تیر انداز باہم اس طرح مل گئے کہ ان دونوں میں تمیز کرنا ممکن نہیں رہ گیا تھا۔ اس موقعے پر صحابہ و تابعین کی ایک کثیر تعداد اس فتنے سے سرے سے ہی الگ رہی۔

اسی بنا پر بعض علماء کا کہنا ہے کہ ''فریقین کے لیے جنگ ترک کرنے میں ہی خیر تھی۔''

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ صفین میں اپنے اجتہاد کی بنیاد پر آئے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور ہیں۔ آپ نے کسی کو اپنے ہمراہ جنگ کرنے کے لیے مجبور بھی نہ کیا تھا اور آپ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اہلِ شام کی بہ نسبت حق کے زیادہ قریب تھے۔



---

[1] دیکھیے: [رقم: ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶]

آٹھویں بحث:

جیشِ عراق کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے عناد رکھنا

مطلقاً کہنا درست نہیں کہ اہلِ عراق سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بغض وعناد رکھتے تھے، بلکہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کے معاملے میں مختلف مراحل میں رہے ہیں۔

صفین کے وقت انھوں نے آپ کی اطاعتِ کاملہ کی اور مرنے کی تیاری کر کے آپ کے ہمراہ اس جنگ میں گئے، سوائے خوارج کے جو تحکیم کے ذریعے جنگ بندی کے بعد آپ سے جدا ہو گئے تھے۔

جبکہ نہروان میں لشکر کا دو تہائی حصہ بوجھل ہو گیا، لہٰذا ایک تہائی لشکر کے سوا کوئی بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نہروان کی جانب جانے کو تیار نہ ہوا۔[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جو حکمین کی جدائی کے بعد لشکر تیار کر کے نخیلہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تھا، اس کا مقصد دوسری مرتبہ شام پر چڑھائی کرنا تھی۔ اسی کی خاطر آپ نے اہلِ کوفہ اور دیگر لوگوں کو اپنے ساتھ ملنے کی دعوت دی تھی، مگر انھوں نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خوارج کی خون ریزی کا علم ہوا تو آپ نے رُخ بدل دیا اور نہروان کے مقام پر خوارج کی جانب چلے گئے۔ آپ نے اس ایک تہائی لشکر سے خوارج کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ذوالثدیہ کو تلاش کرنے کا حکم دیا۔ لوگوں نے اسے بار بار تلاش کیا، مگر اس کی لاش کہیں نہ مل سکی۔ اس تلاش کے دوران میں انھیں اپنے بھائی اور بیٹے اوندھے منہ گرے پڑے ملے، وہ اندر ہی اندر گھٹتے رہے۔ انھوں نے امیر المومنین کے ہمراہ لڑنے سے خود کو روک رکھا تھا، حتی کہ ان میں سے بعض نے بہت تنگ آ کر یہ بھی کہا تھا کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ہمیں ہمارے ہی بھائیوں کے بارے میں دھوکے میں مبتلا کر دیا اور ہم نے انھیں قتل کر دیا۔[2]

اس بات سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دل پر ضرب پڑی اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔[3] اس کے بعد جب

---

[1] اس کی تفصیل میں نے (ص: ۶۶۳-۶۶۴) پر واقعہ نہروان میں فریقین کی تعداد کے عنوان میں ذکر کر دی ہے۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۴۹۶]

[3] دیکھیے: [رقم: ۴۹۶]

ذوالشد یہ ان کو مل گیا تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مگر ارضِ نہروان پر ان کے بھائیوں اور بیٹوں کی تہ بہ تہ پڑی لاشوں کا غم انھیں اندر ہی اندر سے کھائے جا رہا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب خوارج کے معاملے کو نمٹا کر فارغ ہوئے تو آپ نے نہروان کے مقام پر موجود اپنے ساتھیوں کو جنگِ شام کے لیے نکلنے کا کہا، لیکن وہ بوجھل ہو گئے اور آپ سے کہنے لگے کہ لڑائی تھوڑی موخر کر دیں۔ وہ اپنے لشکر کو لے کر نخیلہ مقام پر چلے گئے اور اپنے لشکر کو شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا، مگر وہ ادھر ادھر کھسک گئے۔

چند لوگوں کے علاوہ باقی سب نے کوفہ کی راہ اختیار کی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ منظر دیکھا تو آئندہ برس تک لڑائی کو موخر کر دیا۔ اللہ جانتا ہے کہ آپ کس حال میں کوفہ داخل ہوئے۔[1]

[**461**] امام ابن کثیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ جب اہلِ عراق نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شام کی جانب جانے سے گریز کیا، تو آپ نے انھیں خطبہ دیتے ہوئے ڈانٹ ڈپٹ کی، انھیں ڈرایا، وعید سنائی اور انھیں چیلنج دیے، اور مختلف سورتوں سے جہاد کی آیات پڑھ کر سنائیں اور دشمن کی جانب پیش قدمی پر ابھارا۔ لیکن انھوں نے انکار کر دیا، بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی موافقت کے بجائے آپ کی مخالفت کی۔ اپنے شہروں میں ہی رہے اور آپ سے ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ کہا جاتا ہے: ایسا خوارج کے مقتولین کی وجہ سے ہوا، کیوں کہ وہ ان کے اپنے ہی قریبی اور بھائی تھے، وہ ان کی عبادت اور قراءت کی بنا پر انھیں خود سے افضل اور بہتر مانتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ بوجھل ہو گئے اور انھوں نے آپ کو چھوڑ دیا اسی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ چلے گئے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کس حال میں کوفہ میں داخل ہوئے۔[2]

ان کی اس بات: ''غرّنا ابن أبي طالب'' ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں دھوکہ دیا۔'' سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ عراق نہروان کے دن سے ہی اہلِ نہروان کو قتل کرنے کی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانے لگے تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر اہلِ نہروان کے ساتھ معاملہ کرنے کی بنا پر یہ عیب جوئی مسلسل جاری رہی حتی کہ آپ ایک عرصے بعد ان کے اس رویے سے تنگ آ کر منبر پر چڑھ کر کہنے لگے: مجھے اس کالے بھجنگ کے متعلق کون معذور سمجھے گا، جو اللہ اور اس کے رسول پر جھوٹ بولتا ہے، مراد ابن سوداء تھا، اگر مجھے یہ ڈر نہ

---

[1] [رقم: ۵۰۹] اور آئندہ روایت دیکھیے۔

[2] البداية والنهاية (٣٤٢/٧) [(٦٤٣/١٠) ط: هجر] [(٥١٩/٧) ط: دار ابن كثير بدمشق، الثانية] یہ روایت مقبول ہے اور راوی کا قول: (قيل: ... الخ) یہ روایت طبع ہجر اور ابن کثیر میں وارد ہوئی ہے اور دوبارہ عنقریب [رقم: ۵۱۰] پر آئے گی۔

ہوتا کہ ایک گروہ مجھے اس کے خون کے متعلق عیب لگاتا رہے گا، جیسے مجھ پر اہلِ نہروان کے خونوں کو لے کر طعن کیا گیا۔ تو میں اس کو ڈھیر بنا دیتا۔[1]

جملہ ''اہلِ نہروان کے قتل کا جو مجھ پر الزام ہے۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ان سے شدید تنگ آ چکے تھے۔ وہ نہروان کے دن سے ہی اہلِ نہروان کے قتل کو لے کر طعن و تشنیع اور الزام کے تیر برسا رہے تھے، کیونکہ وہ ان کے بیٹے اور قبیلے کے لوگ تھے۔

یہ خطبہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ ان کے دل رنجیدہ اور ان کے نفوس جنگ سے تنگ آ چکے ہیں اور وہ تب تک اس کراہت کو ہوا دیتے رہیں گے جب تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے خود تنگ نہ آ جائیں۔ بس آپ نے ان کی بابت خود کو کئی بار ملامت بھی کی اور کئی مواقع پر موت کے متمنی بھی ہوئے۔

آپ دعا کرتے تھے: یا اللہ میں ان سے اور یہ مجھ سے تنگ آ چکے ہیں۔ میں ان کو ملامت کرتا ہوں، یہ مجھے ملامت کرتے ہیں۔ مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے راحت نصیب فرما۔ تمھارے سب سے بدبخت کو کس چیز نے منع کر رکھا ہے کہ اسے خون سے رنگ دے؟ آپ نے ہاتھ داڑھی پر رکھا اور کہا۔[2]

بعض صحیح روایات سے پتا چلتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ انھیں اور وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے اور وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے شدید بغض رکھتے تھے، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو کئی بار اپنے ہمراہ جنگ کی دعوت دی تھی اور وہ آپ سے عناد رکھتے تھے۔ حتی کہ ان کے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین وحشت اور ایک دوسرے سے نفرت پروان چڑھ گئی۔[3]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملوں کے زمانے تک ان کے دلوں میں عناد بھر چکا تھا، ہم بیان کر آئے ہیں کہ ایک تہائی میں سے اکثر وہ تھے جنھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر نہروان کی جنگ لڑی۔ ان کے دل آپ کے ہمراہ جنگ لڑنے سے گھٹن کا شکار تھے، وہ فتنوں اور داخلی جنگوں کی وجہ سے تنگ آ چکے تھے۔

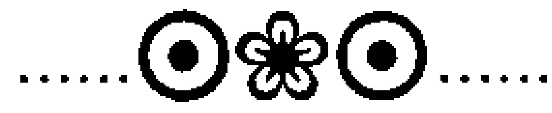
صفین، نہروان اور تحکیمین کے افتراق کے بعد ان پر وحشت اور خوف طاری ہو چکا تھا۔ حتی کہ وہ خود کو ہلکا سمجھنے لگے تھے اور ان میں تیسرے خطرناک تجربے کی سکت ہی باقی نہ تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ انھیں

---

1. دیکھیے: [رقم: ۴۹۹]
2. دیکھیے: [رقم: ۵۱۴ تا ۵۲۱]
3. دیکھیے: [رقم: ۵۱۴ تا ۵۲۱]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملوں کو روکنے کے لیے بلاتے رہے مگر انھوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا، کیوں کہ ان کے جسم اس سے زیادہ بوجھ اٹھانے کے عادی نہ تھے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ انھیں مسلسل جنگ کے لیے بلاتے رہے، یہاں تک ان کے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے درمیان وحشت اور نفرت پروان چڑھ گئی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے عناد کی وجہ سے موت کی آرزو کرنے لگے۔ اس کے بعد آپ کو شہید کر دیا گیا۔



نویں بحث:

شرطۃ الخمیس، اس کے اوصاف اور اس کے معرضِ وجود میں آنے کے مقاصد

امام زہری بیان کرتے ہیں: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو اہلِ عراق میں سے آذربائیجان کی طرف جانے والے مقدمۃ الجیش پر، اس کی زمین پر اور شرطۃ الخمیس پر مقرر کیا۔ شرطۃ الخمیس کا شعبہ جو آپ نے ہی عربوں میں سے بنایا تھا، یہ چالیس ہزار لوگ تھے جنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کر رکھی تھی۔ قیس ہمیشہ اس فوج کے معاملات دیکھتے رہے، یہاں تک کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔''[1]

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے واقعۂ صفین کے قریباً دو برس بعد ۳۹ھ میں ایک لشکر ترتیب دیا، جس کا نام انھوں نے ''شرطۃ الخمیس'' رکھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ وہ پہلی ہستی ہیں جنھوں نے عربی لشکر میں ''شرطۃ الخمیس'' کا نظام متعارف کروایا۔

''شرطہ'': فوج کا وہ پہلا دستہ جو جنگ میں جاتا ہے اور موت کو گلے لگانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔

''خمیس'': لشکر کو کہتے ہیں۔ ایک قول کے مطابق: لشکرِ جرار کو جیش کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایک اور قول کے مطابق: مضبوط اور سخت لشکر کو خمیس کہا جاتا ہے۔

اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ وہ پانچ شاخوں میں منقسم ہوتا ہے:

1. مقدمہ
2. قلب
3. میمنہ
4. میسرہ
5. ساقہ

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۵۶۴]

یہ لشکر عظیم قوت کا مالک تھا، جس نے آپ کے کسی بھی معاملے میں مخالفت کرنے والوں کے خلاف لڑنے کے لیے موت پر بیعت کی تھی۔ وہ مخالفت اہلِ شام کریں یا کوئی اَور۔ اس لشکر کی تعداد ۴۰ ہزار تھی جو خالص عربی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ اس لشکر کے سپہ سالار قیس بن سعد رضی اللہ عنہما تھے۔ اس کے خالص عربی نسل ہونے کا سبب یہ تھا کہ خیانت اور خلفشار سے محفوظ رہا جا سکے، کیونکہ جب عجمی ان کے علاقے میں کوئی فتنہ کھڑا کرتے تو لشکر کے اکثر سپاہی اپنی قوم سے لڑنے کی ہمت نہ کرتے اور دم دبا کر بھاگ جاتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان میں شرطۃ الخمیس کا قیام عمل میں لایا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عراق کی پشت سے سرحد کی حفاظت کو یقینی بنائیں۔ شرطۃ الخمیس اپنی اس مہم میں کامیاب رہا۔

یوں مشرقی علاقہ ارضِ اہواز اور ارضِ فارس جو مسلسل فتنے دیکھ چکا تھا، جیسے خریت بن راشد ناجی کا فتنہ ۳۸ھ میں اہواز میں نمودار ہوا، پھر اہلِ فارس کے خراج نہ دینے کا فتنہ ۳۹ھ میں شروع ہوا۔ ان دونوں سے نمٹ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شرطۃ الخمیس کی بنیاد رکھی اور انھیں اسی جانب آذربائیجان ہی میں رکھا، تاکہ وہاں نئے فتنے سر نہ اٹھا سکیں۔

آپ نے شرطۃ الخمیس کو اہلِ شام کے مقابلے میں کھڑا نہیں کیا، کیونکہ وہ خاص مقام کے لیے بنایا گیا تھا، اگر وہ جگہ خالی ہو جاتی تو سرحد غیر محفوظ ہو جاتی اور مشرقی عراق سے فتنوں کا ظہور دوبارہ ہو جاتا۔ لہٰذا یہ کہنا بجا ہوگا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عراق کی عقبی جانب محفوظ کرنے کی خاطر ''شرطۃ الخمیس'' ترتیب دیا۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ہمیشہ شرطۃ الخمیس کا نظام سنبھالتے رہے۔[1]

---

[1] قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں جیش الخمیس کے ساتھ ہونے سے متعلق روایات کو یعقوب بن سفیان نے "المعرفة والتاريخ" (ص: ۸۱- ۸۲) میں نقل کیا ہے: ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے اسرائیل سے، انھوں نے ابواسحاق سے، انھوں نے ریم ابی العلاء بن اسعد ہمدانی کے واسطے سے بیان کیا، زہیر بن معاویہ رضی اللہ عنہ جو ان کی مسجد میں امام تھے، وہ کہتے ہیں: میں نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو دیکھا تب ہم مسکن میں موجود تھے، میں نے اسے دیکھا کہ اس نے قضائے حاجت کی اور اپنے موزوں پر مسح کر لیا۔ یوں احساس ہوتا ہے جیسے میں اس کی انگلیوں کے نشانات کو موزوں کے اوپر دیکھ رہا ہوں۔ پھر وہ آگے بڑھے اور ہماری امامت کروائی۔ تب ہماری تعداد ۱۰ ہزار تھی۔ زہیر ابواسحاق سے روایت کرتے ہیں: وہ کہتے ہیں کہ وہ ان کی مسجد میں امام تھے۔ زہیر کہتے ہیں کہ میں قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ شرطۃ الخمیس میں موجود تھا اور ان کی تعداد ۱۰ ہزار تھی جنھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے روانہ کیا تھا۔ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ ابواسحاق کہتے ہیں کہ ابومیسرہ میرے پاس موجود تھے۔ ابومیسرہ کہتے ہیں کہ ←

یوں آپ رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کی مہارت اور ان کے تجربے سے استفادہ کیا اور انھیں اس عہدے سے برطرف نہیں کیا۔ البتہ انھیں مصر کی ولایت سے معزول کر کے آذربائیجان اور شرطۃ الخمیس کا والی مقرر کر دیا۔

اس کے بعد جب سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی خلافت پر بیعت کر لی گئی تو انھوں نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو معزول کر دیا اور انھیں ۱۲ ہزار سپاہیوں سمیت آذربائیجان سے کوفہ واپس بلا لیا، تاکہ انھیں مقدمۃ الجیش کے طور پر ملکِ شام روانہ کر سکیں۔ باقی ماندہ دستے کو آپ نے سرحد کی حفاظت کے لیے آذربائیجان میں برقرار رکھا۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو معزول کر کے ان کی جگہ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو والی مقرر کیا اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو شرطۃ الخمیس کا سپہ سالار برقرار رکھا۔[1]

شرطۃ الخمیس سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اپنے قیام سے لے کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت تک سرحد کی حفاظت کے لیے مامور رہا۔ دونوں اَدوار میں اس لشکر کی کمان قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں رہی۔ اس کے بعد جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حکم پر اس فوج کے امیر اور یہ فوج سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت میں شامل ہوگئی تو یہ مضبوط دستہ ٹوٹ گیا اور امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ نے سرحد کے سپاہیوں کو واپس بلا لیا۔



← اے ابو العلاء! کیا آپ نے اسے دیکھا؟ تو ابو العلاء کہنے لگے: ہاں میں نے اسے دیکھا۔ یہ روایت اپنے قرائن کی بنا پر مقبول ہے، اس کی سند ریم (عینی شاہد) تک صحیح ہے اور قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے شرطۃ الخمیس کی قیادت کرنے کی خبر صحیح اور ثابت ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ واقعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کا ہے، کیونکہ ریم کا قول ہے کہ انھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا اور میں نے اس واقعہ کا تذکرہ اس لیے کیا، کیونکہ اس میں جیش الخمیس کے اوصاف کا بیان تھا اور اس روایت میں یہ بھی بیان ہے کہ ان کی تعداد ۱۰ ہزار تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہ جیش الخمیس کے بعض لشکر کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حکم پر مسکن لے کر گئے ہوں۔ ریم کے احوال کا بیان [رقم: ۱۰۵] پر گزر چکا ہے۔

[1] دیکھیے: [رقم: ۵۶۵]

پانچویں فصل:

خوارج

اس میں چار بحثیں شامل ہیں:

پہلی بحث: خوارج کا ظہور اور نہروان سے قبل ان کی حرکات وسکنات۔

(اس میں چودہ (۱۴) مطالب ہیں)

دوسری بحث: ۳۸ھ میں نہروان کے مقام پر خوارج سے سامنا۔

(اس میں آٹھ (۸) مطالب ہیں)

تیسری بحث: خوارج کے منہج میں پیچیدگی، ان کے متبعین اور قائدین پر۔

چوتھی بحث: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی کوفہ کے ایک گروہ کے بارے میں فراست کہ وہ عنقریب خارجی ہوں گے۔

پہلی بحث:

خوارج کا ظہور اور نہروان سے قبل ان کی حرکات وسکنات

امام طبری سے منقول ہے: ''خوارج نے صفر ۳۷ھ میں صلحِ تحکیم کے وقت سے ہی امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر تحکیم کے انکار کی ابتدا کر دی تھی اور ماہِ صفر ۳۸ھ میں واقعۂ نہروان تک وہ اسی انکار پر ڈٹے رہے۔''[1]

[462] بلاذری نے ابومخنف کا بیان نقل کیا ہے: ''(تحکیم کی) کتابت صفر کے مہینے میں جمعہ کے دن ہوئی تھی،[2] اور اس کا وقت آٹھ ماہ بعد رمضان میں مقرر ہوا تھا جس میں حکمین نے باہم ملنا تھا۔

پھر لوگ اپنے مقتولین کو دفنانے لگے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس موجود قیدیوں کو آزاد کر دیا، اور دو دن بعد وہاں سے چلے گئے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اسی راستے پر واپس ہو لیے جہاں سے آئے تھے، یہاں تک کہ ہیت اور صندوداء[3] نامی مقام پر پہنچ گئے اور پھر ربیع الاول سنہ ۳۷ھ میں کوفہ تشریف لے گئے۔''[4]

---

① تاریخ الطبري (۱۲۵/۳)

② ''وثيقة التحكيم'' میں منقول ہے کہ یہ مکاتبت سنہ ۳۷ھ ۱۷ر صفر کو بدھ والے دن ہوئی۔ [رقم: ۳۸۷] دیکھیے۔

③ ہیت: انبار سے اوپر دریائے فرات کے گرد ونواح میں ایک شہر کا نام ہے۔ (معجم البلدان: ۴۲۰/۵) اور ''صندوداء'': یاقوت نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ (معجم البلدان: ۴۲۵/۳)

④ أنساب الأشراف (۳۳۷/۲) یہ روایت اپنے اوّل وآخر سے اپنے شواہد کی بنا پر مقبول ہے اور اس کا بقیہ حصہ اس کے قرائن کی بدولت مقبول ہے۔ ایک قول کے مطابق: یہ مکاتبت جمعہ کے دن ہوئی۔

البتہ جہاں تک قیدیوں کو رہا کرنے کا معاملہ ہے تو تاریخ میں اس کی اصل موجود ہے، اس میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں کہ فریقین نے اپنے اسیروں کو قتل کر ڈالا یا جنگ کے بعد ان کی حفاظت کو یقینی بنایا۔ ان کا صلح پر اتفاق کر لینا ہی قرینہ ہے کہ قیدیوں کو چھوڑنا صلح کا حصہ ہے۔ البتہ بقیہ روایت کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کے لیے آئندہ اور اس سے آگے والی روایت ملاحظہ کیجیے۔

[463] محمد بن سائب کلبی کا بیان ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ربیع الاول کی آخری ۱۰ راتوں میں[1] صفین سے کوفہ واپس آئے اور یہاں چھے ماہ قیام کیا۔ یہاں آپ مال وصول کرتے، عاملین کو بھیجتے اور لوگوں کے معاملات دیکھتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اسی صورتِ حال پر تھے اور خوارج تحکیم کے انکار پر مصر کھڑے تھے کہ معن بن یزید بن اخنس سلمی رضی اللہ عنہم[2] سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا، وہ کہنے لگا: معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے، تو آپ کو بھی چاہیے کہ آپ اپنا وعدہ پورا کریں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چار سو لوگوں کو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ بھیجا، ان کے ساتھ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بھی تھے، عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کو نمازیں پڑھاتے تھے اور ان کے امور کو دیکھتے تھے، جبکہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ حکم تھے، یہ لوگ دومۃ الجندل پہنچے، یہاں ان کے پاس سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، عبدالرحمٰن بن اسود زہری، عبدالرحمان بن حارث بن ہشام مخزومی، ابوجہم بن حذیفہ عدوی، مغیرہ بن شعبہ ثقفی بھی آ گئے۔ مغیرہ رضی اللہ عنہ ابتدا میں سب معاملات سے الگ تھے، اور درست بات یہ ہے کہ سعد رضی اللہ عنہ حاضر نہیں ہوئے، ان کے بیٹے عمر کی کوشش تو رہی کہ وہ حاضر ہو جائیں، لیکن وہ نہیں آئے۔[3]

[464] عمر بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں: سنہ ۳۷ھ میں جب رمضان کا چاند طلوع ہوا تو معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق سے چار سو لوگوں کے ساتھ نکلے اور دومۃ الجندل پہنچ گئے۔ پھر یزید بن حر العبسی[4] کو

---

(1) یعنی: ۲۰/۰۳/۳۷ھ

(2) وہ، ان کے والد اور ان کے دادا اخنس سب صحابی ہیں، آپ قیس کے گھڑ سواروں میں سے تھے۔ فتح دمشق کے وقت موجود تھے، اور وہی ان کا گھر تھا۔ صفین میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ ان کا ترجمہ تاریخ دمشق (۴۳۷/۵۹) اور تاریخ الإسلام (۲۵٤/۵) میں موجود ہے۔

(3) أنساب الأشراف (۳۴۵/۲ - ۳۴۶) یہ روایت مقبول ہے اور اس کا بعض حصہ شواہد کی بنا پر صحیح ہے، البتہ سند کمزور ہے۔
شواہد: جہاں تک اس روایت کے شروع کی بات ہے تو اس کے لیے آئندہ روایت ملاحظہ کیجیے، البتہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا تحکیم میں حاضر ہونا، یہ صحیح سند سے ثابت ہے۔ [رقم: ۴۲۶] دیکھیں۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تحکیم سے الگ رہنا اور ان کے بیٹے کا اپنے باپ کے تحکیم میں حاضر ہونے کی حرص کا واقعہ بھی صحیح سند سے ثابت ہے۔ [رقم: ۱۹۹] اور اس کے بعد کی روایت دیکھیے۔

(4) ابن عساکر نے اس کا ترجمہ کیا ہے، وہ کہتے ہیں: اہلِ دمشق کے اعتبار سے یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ صفین میں حاضر ہوئے اور یہ حکمین کی تحکیم کے معاملے میں جو صلح نامہ لکھا گیا اس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے گواہ تھے۔ اسے ابومخنف وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے شرطہ کا اور غزوہ صائفہ کا امیر مقرر کیا تھا۔ یہ دمشق میں سکونت پذیر تھے۔ (تاریخ دمشق: ۱۵۱/۶۵)

علی رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا کہ انھیں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے آنے کا بتائیں اور ان سے وعدہ وفا کرنے کا کہیں۔ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھیں حاضر ہونے پر ابھارا، کہنے لگا: آپ کے اس معاملے میں آنے سے اصلاح ہوگی، جنگ رکے گی اور آگ بجھ جائے گی، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابن حر! میں نے ان کی سانسیں پکڑ رکھی ہیں،[1] اگر میں ان سے غائب ہو گیا تو اس شہر میں جو فتنہ ہوگا، وہ ان کے اور اہلِ شام کے درمیان جنگ سے زیادہ بڑا ہوگا۔[2] البتہ میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجتا ہوں جن پر لوگ راضی بھی ہیں۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنی جگہ پر بھیجتا ہوں، میں بہرحال بے خبر نہیں رہوں گا۔[3] انھوں نے ایسا ہی کیا، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف پیغام بھیجا، وہ بصرہ سے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، پھر یہ دونوں ان کے پاس پہنچے، آپ نے ان دونوں کو لشکر کے ساتھ روانہ کیا اور خود وہیں رُک گئے۔[4] [5]

یہ روایت بتلا رہی ہے کہ حکمین وعدے کے مقام پر ۳۷ھ کو ماہِ رمضان میں نکلے۔ اس کی تائید شعبی کی روایت سے ہوتی ہے، کہتے ہیں: سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ رمضان کے مہینے میں گئے۔[6]

[**465**] امام زہری فرماتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ صفین سے کوفہ گئے تو چھے ماہ تک ان سے خوارج نے مخاصمہ کیا۔ وہ کہتے تھے کہ آپ نے اپنے معاملے کو مشکوک بنا دیا ہے، اپنے دشمن کو حاکم بنا دیا ہے اور آپ جہاد میں کمزور پڑ گئے ہیں۔ وہ قرآن کی تاویل کرنے لگے اور کہنے لگے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ ﴾ [الغافر: ۲۰] ''اللہ حق کا فیصلہ فرماتا ہے۔''

---

[1] اس سے مقصود خوارج تھے، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی مسلسل نگرانی کی اور ان کی حرکات کو بغور دیکھ کر ان پر حملہ کرنے کا راستہ تنگ کر دیا۔

[2] یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جنگِ صفین کو فتنہ کی جنگ خیال کرتے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول کہ ان کے اور اہلِ شام کے مابین جنگ ہوگی، اس سے مراد جنگِ صفین تھی۔

[3] یعنی عنقریب میرے پیغام رساں مجھ تک اجتماع الحکمین کی خبریں باہم پہنچاتے رہیں گے اور مجھ سے کچھ مخفی نہ ہوگا۔

[4] یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں مقیم رہے اور اجتماع الحکمین میں حاضر نہیں ہوئے۔

[5] أنساب الأشراف (۲/۳۴۵-۳۴۶) یہ روایت مقبول ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ تنوخی کے بارے میں مجھے کچھ علم نہیں ہو سکا۔ اس روایت کے راوی میمون ہیں، یہ قصہ عمر بن عبدالعزیز کے واسطے سے منقول ہے۔

شواہد: یہ روایت اس سے پہلے والی روایت کی تفصیل ہے اور اس کے جمیع اصول صحیح ہیں۔ یہ روایت بتلا رہی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اجتماعِ حکمین میں حاضر نہیں ہوئے اور انھوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حاکم بنا کر بھیجا، یہ دونوں واقعات صحیح ہیں۔

[6] [رقم: ۴۷۴] دیکھیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان کی مخاصمت طوالت اختیار کر گئی، پھر ابن الکواء کی قیادت میں وہ پانچ ہزار کی تعداد میں اپنے جھنڈے لے کر نکلے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور صعصعہ بن صوحان کو بھیجا۔ انھوں نے ان کو تاکیداً جماعت کی طرف بلایا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔[1]

[**466**] طبری کی روایت کے مطابق: جب تحکیم کا واقعہ پیش آیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ صفین سے واپس پلٹے تو خوارج نے اپنے راستے جدا کر لیے اور آپ کی مخالفت کرتے ہوئے نہرِ فرات پر جا کر پناہ گزین ہوئے۔[2]

---

[1] أنساب الأشراف (۲/۳۵۲- ۳۵۳) یہ جس قدر ہم نے نقل کیا ہے، وہ راوی کے قول: (ان کی تعداد پانچ ہزار تھی) کے علاوہ مقبول ہے، بلکہ راجح قول کے مطابق: ان کی تعداد سات ہزار تھی۔ [رقم: ۴۸۲] دیکھیے۔ اس روایت میں صعصعہ بن صوحان کا تذکرہ نہیں ہے، کیونکہ صعصعہ بن صوحان کی نصیحت کا ایجابی اثر ہوا جو امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ خوارج کو پند و نصائح کرنے گئے تھے۔ (ص: ۶۳۰) دیکھیے۔ اس روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجنے کی زمانی ترتیب کا تذکرہ بھی نہیں ہے۔ اس روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کی جانب بہت جلد بھیجنے کا تذکرہ ہے۔ اس کی سند ضعیف اور مرسل ہے اور اس روایت میں بہت سی تفاصیل کا بیان ہے جس کا بعض حصہ منکر درجے کا ہے جسے ہم نے یہاں ذکر نہیں کیا۔ اس کی تفصیل میں نے [رقم: ۴۸۶] پر خوارج کی تعداد اور اس کے بعد کے واقعات میں بیان کر دی ہے۔

شواہد: یہ روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خوارج کے خروج اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور صعصعہ بن صوحان کے ان کے پاس جانے کے دو واقعات کو بیان کر رہی ہے اور یہ دونوں واقعات آئندہ دو روایات میں منقول ہیں۔ الطبري (٤٦٦) ابن أبي شيبة (٤٦٧) اس روایت کی سند صحیح ہے۔

اور [رقم: ۳۷۷] میں صعصعہ بن صوحان کے جانے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں: پھر خوارج حروراء نامی جگہ پر چلے گئے۔ ان کی تعداد ۱۰ ہزار سے کچھ زائد تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ انھوں نے انھیں اللہ کا واسطہ دیا مگر انھوں نے انکار کر دیا تو ان کے پاس صعصہ بن صوحان چلے آئے اور انھیں اللہ کی قسم دی اور فرمایا کہ تم کس بنا پر اپنے خلیفہ سے جنگ کرنے کے درپے ہو؟ تو وہ کہنے لگے کہ ہم فتنہ سے ڈرتے ہیں، فرمانے لگے کہ تم آئندہ برس کے فتنے کے خوف سے اس برس گمراہ ہونے میں جلدی مت کرو تو ان سب نے رجوع کر لیا۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

تخریج: یہ روایت ابوعبداللہ محمد بن عائذ قرشی نے اپنی کتاب "الجمل وصفين" میں نقل کی ہے۔ اسی طرح تاریخ دمشق (۲۷/۱۰۴- ۱۰۷) میں بھی منقول ہے کہ مجھے ولید بن محمد نے محمد بن مسلم بن شہاب زہری کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ولید سے مراد: ابو بشر موقری بلقاوی ہے۔ یہ متروک راوی ہے۔ (التقریب: ۷۴۵۳)

[2] یعنی خوارج صفین سے نہرِ فرات پر آ کر مقیم ہوئے اور انھوں نے وہاں اپنا ایک لشکر تیار کیا، تاکہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ان سے پہلے کوفہ چلے جائیں، ادھر امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ آئے اس کے بعد خوارج حروراء چلے گئے۔

ادھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے اور خوارج حروراء کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے۔ آپ نے ان کی جانب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا، لیکن وہ واپس آ گئے اور کچھ نہ کر سکے۔ اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود باہر آئے اور ان سے بات چیت کی حتی کہ ان کے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین صلح ہو گئی تو وہ بھی کوفہ چلے آئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: لوگ باتیں کر رہے ہیں کہ آپ نے اپنے کفر سے رجوع کر لیا ہے۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ظہر کے وقت خطبہ دیا۔ لوگوں کی باتوں کو ذکر کر کے ان کی مذمت کی، اس پر وہ سب مسجد کے کونے سے بیک زبان بول اٹھے: "لا حکم إلا للّٰه" "اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں ہے۔" ایک شخص [1] انگلیاں اپنے کانوں میں دبائے سامنے آیا اور کہنے لگا:

﴿ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ [الزمر: ٦٥]

"آپ کی طرف اور آپ سے پہلے والوں کی طرف وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔"

تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

﴿ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴾ [الروم: ٦٠]

---

[1] ابو مخنف کا خیال ہے کہ اس کا نام حکیم بن عبدالرحمٰن بن سعید البکائی ہے جبکہ مجھے کتب تراجم میں اس کا تذکرہ نہیں مل سکا۔ امام طبری کہتے ہیں: ابو مخنف کا قول ہے کہ ہمیں اجلح بن عبداللہ نے قاسم بن ولید کے واسطے سے بیان کیا کہ حکیم بن عبدالرحمٰن بن سعید بکائی خوارج کی رائے رکھتا تھا۔ ایک دن جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو وہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ﴿ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ [الزمر: ٦٥]، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ﴿ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴾ [الروم: ٢١]۔ دیکھیے: تاریخ الطبري (١١٤/٣)

پھر امام طبری کہتے ہیں: ابو مخنف عبدالملک بن ابی حرہ سے روایت کرتا ہے کہ جب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے لیے بھیجا تو اہل کوفہ کی ایک جماعت بھی آپ کے ہمراہ چلی گئی۔ ان کا مقصود خوارج کو اپنے ساتھ ملانا تھا، مگر ان کے اہل و عیال نے اس بات کو ناپسند کیا۔ ان میں سے قعقاع بن قیس طائی جو طرماح بن حکیم کا چچا تھا اور عبداللہ بن حکیم بن عبدالرحمٰن بکائی۔۔۔) تاریخ الطبري (١١٥/٣-١١٦)

میں (شمری) کہتا ہوں: ایک خارجی کے لیے اپنے بیٹے کو خوارج کے ساتھ الحاق کرنے سے روکنا کیسے ممکن ہے؟!! اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابو مخنف کے قول میں تضاد ہے اور اس نام کی تعیین صحیح نہیں ہے۔

"صبر کر یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے، وہ لوگ تیرا استخفاف نہ کریں، جو یقین ہی نہیں رکھتے۔" [1]

[467] ابو رزین بیان کرتے ہیں: جب صفین میں تحکیم ہوئی اور خوارج سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہو گئے، تو وہ آپ کی مخالفت میں واپس لوٹ گئے تھے، ان کا لشکر الگ تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا لشکر الگ تھا۔ حتی کہ علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر سمیت کوفہ چلے آئے اور خوارج اپنے لشکر کے ہمراہ حروراء کی جانب چلے گئے۔ آپ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان سے بات چیت کرنے کے لیے روانہ کیا، مگر وہ کچھ نہ کر سکے۔ پھر علی رضی اللہ عنہ خود تشریف لائے اور ان سے بات چیت کی، حتی کہ ان کے مابین صلح ہو گئی، وہ سب رضا مندی کے ساتھ کوفہ چلے آئے۔ یہاں وہ تقریباً دو دن ٹھہرے۔ پھر اشعث بن قیس سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: لوگ باتیں کر رہے ہیں کہ آپ نے ان کی خاطر کفر سے رجوع کر لیا ہے۔ [2] اگلے روز جمعہ تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے خوارج کی لوگوں سے علاحدگی اور اس معاملے کا ذکر کیا جس کی بنا پر انھوں نے رستے جدا کیے تھے، آپ نے ان کی مذمت کی اور ردّ کیا۔ راوی کہتے ہیں: جب آپ رضی اللہ عنہ منبر سے نیچے اترنے لگے [3] تو مسجد کے کونے سے سب لوگ بیک زبان بولنے لگے: "لا حكم إلا لله" "اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں۔" سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں بھی تمھارے درمیان اللہ کے حکم کا انتظار کر رہا ہوں۔ آپ نے ہاتھ سے اشارہ کیا، ابھی آپ منبر پر ہی تھے کہ ایک شخص کانوں میں انگلیاں دبائے آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

---

[1] تاريخ الطبري (۱۱٤/۳) اس روایت کی سند صحیح ہے۔ ابو کریب سے مراد: محمد بن علی اور ابن ادریس سے مراد: ابو محمد عبداللہ اودی کوفی ہیں، جبکہ ابو رزین سے مراد: مسعود بن مالک اسدی کوفی ہیں۔

امام البانی نے (إرواء الغليل: ٢٤٦٨) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام البانی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ ابو رزین تصحیف ہے، جبکہ اصل ابو وزیر ہے جو عبداللہ بن وزیر ہے اور وہ ثقہ ہے، اس پر تشیع کا الزام ہے۔ یہ دونوں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں لیکن اسماعیل بن سمیع ابو رزین سے روایت کرتا ہے اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں اس کا نام بھی ثابت ہے۔ آئندہ روایت ملاحظہ کیجیے۔ امام البانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان دو واقعات کو باہم یکجا کر دیا گیا ہے اور راوی نے اسے ایک ہی قصہ قرار دیا ہے۔ راجح قول کے مطابق یہ دو واقعات ہیں: (۱) خطبۂ جمعہ کا واقعہ اور (۲) نمازِ فجر کا واقعہ۔ اس کا بیان [رقم: ۴۷۰] عنقریب آ رہا ہے۔

[2] ایک مطبوعہ نسخے میں "كفرك" کی تصحیف ہوئی ہے اور اس کی جگہ "كفره" لکھا گیا ہے۔ اس کی تصحیح "تاریخ طبری" سے کی گئی ہے، سابقہ روایت ملاحظہ کیجیے۔

[3] شاید منبر سے نزول سے مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ان کی مذمت پر مبنی کلام ختم ہونا ہے، حقیقی نزول مراد نہیں ہے۔ اور کثیر بن نمر کی روایت میں ہے کہ یہ تمام واقعات تب رونما ہوئے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ منبر پر موجود تھے۔ ملاحظہ کیجیے: [رقم: ۴۶۹]

﴿ لَئِنۡ اَشۡرَكۡتَ لَيَحۡبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴾ [الزمر: ٦٥]

''اگر تو نے شرک کیا تو تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔''[1]

ان کا کہنا: ''لوگ آپ کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں کہ آپ نے کفر سے رجوع کر لیا ہے۔''

یہ قصہ بلاذری نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ خوارج کہنے لگے: امیر المومنین نے توبہ کر لی ہے اور انھوں نے اس بات کا بھی یقین کر لیا ہے کہ تحکیم کفر و گمراہی ہے۔ ہم جانوروں کے موٹے ہونے کے منتظر ہیں، پھر ہم شام واپس چلے جائیں گے۔[2]

ان کا کہنا: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں ان کا ردّ کیا۔ آپ نے خوارج کی لوگوں سے علاحدگی اور اس کی وجوہات کو بیان کرتے ہوئے ان کا ردّ کیا اور کھل کر مذمت کی۔'' بلاذری سے یہ بھی تفصیل کے ساتھ منقول ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں منبر پر کہا کہ جو تحکیم کو گمراہی کہتا ہے[3] اور کہتا ہے کہ میں نے اپنے فیصلے سے رجوع کر لیا ہے، تو اس نے جھوٹ کہا ہے۔[4]

[**468**] اعمش اور دیگر نے بیان کیا ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہل حروراء سے بات چیت کے لیے نکلے، ان سے گفتگو کی، دلائل دیے، یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی واپسی کے بعد کا قصہ ہے۔ یہ سب کوفہ اکٹھے داخل ہوئے، ان میں سے کوئی شخص نکلتا اور تحکیم کے خلاف (لا حكم إلا لله) کا نعرہ لگانے لگتا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: ہم ان سے مالِ غنیمت کو نہیں روکیں گے، نہ ہم ان کے مسجدوں میں داخلے پر پابندی لگاتے ہیں، نہ ہی ہم اس وقت تک ان سے لڑائی کریں گے، جب تک وہ خون نہ بہائیں، اور جب تک کوئی حرام کام نہ کریں۔[5]

یہاں ایک شخص خطبہ میں اور اس میں خوارج کے شور و غوغا کرنے کے وقت میں عینی شاہد موجود ہے جس کا نام کثیر بن نمر ہے۔

---

1. مصنف ابن أبي شيبة (٣٩٠٥٥) اس کی سند سابقہ روایت کی طرح صحیح ہیں۔
2. دیکھیے: [رقم: ۴۷۱]
3. یعنی جس شخص نے یہ کہا کہ میں نے تحکیم کے معاملے سے رجوع کر لیا ہے تو اس نے جھوٹ بولا اور وہ شخص بھی جھوٹا ہے جس نے یہ گمان کیا کہ میں نے تحکیم کو گمراہی قرار دیا ہے۔
4. دیکھیے: [رقم: ۴۷۱]
5. أنساب الأشراف (٣٩٥/٢) یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے اور اس کی سند اس کے منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہے اور اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں۔

[469] ابن ابی شیبہ کثیر بن نمر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو میں بھی جمعہ میں موجود تھا، اچانک ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا: "لا حکم إلا للّٰه"، پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: "لا حکم إلا للّٰه" اس کے بعد سب مسجد کی ایک طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہیں ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا کہ ''جی بالکل! حکم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ لیکن یہاں کلمۂ حق کہہ کر باطل مراد لیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم آپ کے بارے میں دیکھا جائے گا، سو جب تک تم ہمارے ساتھ ہو ہم تین کام کریں گے: ہم تمھیں اللہ کی مسجدوں میں ذکر سے نہیں روکیں گے، نہ تم سے مالِ غنیمت روکیں گے، اور نہ تم سے لڑیں گے جب تک کہ تم ہم سے نہیں لڑو گے۔'' پھر خطبہ دینے لگے۔[1]

دوسرا حادثہ:

[470] ابن ضریس کی روایت ہے،[2] ابوعبدالرحمٰن سلمی بیان کرتے ہیں: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نمازِ فجر

← **شواہد:** یہ روایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خوارج کے پاس جانے کے بارے میں بتلا رہی ہے، اس روایت میں خوارج کے کوفہ آنے کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ یہ سارا واقعہ گذشتہ دو روایات میں ذکر ہو چکا ہے۔ البتہ بقیہ روایت آئندہ روایت میں حسن سند کے ساتھ آ رہی ہے اور اس کی متابعت بھی کی گئی ہے۔

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٣٩٠٨٥) یہ روایت صحیح ہے اور اس کی سند متابعت کی بنا پر حسن درجے کی ہے۔

کثیر بن نمیر سے مراد: حضرمی کوفی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع کیا اور ابن ابی حاتم نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے اور امام ابن حبان نے "الثقات" میں اسے ذکر کیا ہے، لیکن ابو رزین نے اس کی متابعت کی ہے جیسا کہ [رقم: ٤٦٦ تا ٤٦٧] دو روایات میں آیا ہے۔ ابن نمیر سے مراد: عبداللہ ہیں اور اجلح سے مراد: ابن عبداللہ کندی ہیں۔ کثیر بن نمر کے حالات: الطبقات الكبرى (٢٣٦/٦)، التاريخ الكبير (٢٠٧/٧)، الجرح والتعديل (١٥٧/٧)، الثقات لابن حبان (٣٣١/٥)

ابو مخنف کی جو روایت طبری میں بیان ہوئی ہے اس پر امام البانی رحمہ اللہ نے توقف اختیار کیا ہے اور ابن ابی شیبہ کی روایت پر توقف اختیار نہیں کیا، اسی بنا پر اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ (إرواء الغليل: ٢٤٦٧)

تخریج: اسے امام بیہقی نے السنن الكبرى (١٦٧٦٣) میں ابن ابی شیبہ کے طریق سے نقل کیا ہے اور امام طبری نے تاریخ الطبري (١١٤/٣) میں نقل کیا ہے۔ طبری کہتے ہیں: ابو مخنف کہتا ہے کہ مجھے اجلح بن عبداللہ نے یہ روایت بیان کی اور اسے طبرانی (١٧٧٧) نے محمد بن کثیر کی سند سے نقل کیا ہے کہ ہمیں حارث بن حصیرہ نے سلمہ بن کہیل وغیرہ کے واسطے سے نقل کیا۔

[2] یہ حافظ، محدث، ثقہ، معمر، مصنف، ابو عبداللہ محمد بن ایوب بن یحییٰ بن ضریس بجلی رازی ہیں۔ ←

میں سورت انبیاء کی قراءت کی اور ایک آیت چھوڑ دی۔ پھر یاد آیا تو دوبارہ اسی مقام سے شروع کر کے وہ آیت پڑھ لی۔ پھر آپ اسی مقام سے پڑھنے لگے، جہاں سے پہلے پڑھ رہے تھے۔ تو ایک آدمی کہنے لگا:

﴿ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ [الزمر: ٦٥]

''آپ کی طرف اور آپ سے پہلے والوں کی طرف وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔''

تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

﴿ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴾ [الروم: ٦٠]

''صبر کر یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے، وہ لوگ تیرا استخفاف نہ کریں جو یقین ہی نہیں رکھتے۔''[1]

← ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے حدیث لکھی ہے، نیز یہ ثقہ اور صدوق راوی تھے اور امام خلیلی کہتے ہیں کہ یہ محدث، ابن محدث، ثقہ، متفق علیہ، عالم حدیث اور کئی کتب کا مصنف تھا۔ اس کی وفات ۲۹۴ھ میں ہوئی۔ دیکھیے:
الجرح والتعديل (١٩٨/٧) الإرشاد للخليلي (٦٨٤/٢) سير أعلام النبلاء (٤٤٩/١٣)

[1] فضائل القران لابن ضريس (١٥) یہ روایت حسن لغیرہ ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔
حماد سے مراد: ابن سلمہ ہیں، انھوں نے عطاء سے اختلاط سے پہلے اور بعد کی روایات کا سماع کیا ہے اور موسیٰ سے مراد: ابوسلمہ بن اسماعیل تبوذکی ہیں۔ اور ابوعبدالرحمٰن سلمی سے مراد: عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ کوفی ہیں۔ یہ ثقہ اور مثبت راوی تھے۔

تخریج: اسے شافعی نے الأم (١٧٤/٧) اور ابن ابی الجعد نے اپنی مسند (٢٣٧١) میں اور اسی طریق سے ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح تفسیر ابن كثير (٤٢/١١) المستدرك للحاكم (٤٧٠٤) اور اسی واسطے سے امام بیہقی نے سنن الكبرى (٣٣٢٧) میں شریک نخعی کے واسطے سے نقل کیا ہے اور ابن ابی شیبہ (٣٩٠٤٦) نے عبدالرحمٰن بن حمید رواسی کی تاریخ سے نقل کیا ہے۔ ان دونوں (شریک اور رواسی) نے عمران بن ظبیان سے، انھوں نے ابویحییٰ حکیم بن سعد سے روایت کیا ہے اور عمران ضعیف راوی ہے جبکہ شریک کی متابعت کی گئی ہے۔

امام طبری نے اپنی تفسیر (١٢٠/٢٠) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں ابن وکیع نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن آدم نے شریک کے واسطے سے، انھوں نے عثمان بن ابی زرعہ کے واسطے سے، انھوں نے علی بن ربیعہ کے واسطے سے بیان کیا۔
ابن وکیع سے مراد: سفیان ہے، یہ صدوق راوی تھا، مگر اس کے وراق نے اس کی کتابوں میں وہ چیزیں داخل کر دیں جو اس کی حدیث میں نہیں تھیں۔ اسے وعظ و نصیحت کی گئی مگر اس نے قبول نہ کی، یوں اس کی حدیث ساقط ہو گئی۔
(التقريب: ٢٤٥٦) ←

اس کا قول: ''آپ کے پاس ایک شخص آکر کہنے لگا: لوگ باتیں کر رہے ہیں کہ آپ نے اپنے کفر سے ان کی طرف رجوع کر لیا ہے ...'' اس قصے کو بلاذری نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

[**471**] بلاذری سے منقول ہے، شعبی بیان کرتے ہیں: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ حروراء سے جھگڑا کیا تو سارا کوفہ کھڑا ہو گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ زید بن حصین[1] الطائی[2] کی جانب دیکھنے لگے، آپ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: ''دبي حجل'' (ایک عربی کھیل کی طرف اشارہ ہے جس میں ایک یا دونوں ٹانگوں پر اچھل کود کی جاتی ہے) تو زید کہنے لگے:

← اور امام طبری نے اپنی تفسیر (۲۰/۱۲۰) میں نقل کیا ہے، ہمیں وکیع نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں میرے باپ نے سعید بن جبیر سے، انھوں نے علی بن ربیعہ کے واسطے سے بیان کیا۔

امام طبری نے اپنی تفسیر (۲۰/۱۲۱) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں بشر بن معاذ عقدی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یزید بن زریع نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ بن دعامہ سدوسی کے واسطے سے بیان کیا۔ یہ روایت مرسل ہے، اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

[1] ایک مطبوع نسخہ میں زید بن حصین کو یزید بن حصین لکھا گیا ہے جو تصحیف ہے۔ آئندہ حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

[2] زید بن حصین اور ایک قول کے مطابق: زید بن حصن بن وبرہ بن جوین بن عمرو طائی سنبسی، اس کا نسب کلبی نے نسب معد والیمن الکبیر (۱/۲٤۸) میں نقل کیا ہے۔ کلبی اور اس سے اقتباس کرنے والوں نے اس کا نام ''زید بن حصن'' بیان کیا ہے، جبکہ بلاذری اور طبری جیسے مورخین کہتے ہیں کہ اس کا نام ''زید بن حصین'' تھا۔ یہ اہلِ کوفہ کے عباد میں سے تھا۔ ابن درید نے ''الاشتقاق'' (ص: ۳۹۱) میں اسی طرح کہا ہے۔ اور یہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شامل ہوا۔ اس روایت میں مذکور اس کا قصیدہ اس بات کی دلیل ہے اور اس (قصیدے) میں یہ بھی بیان ہے کہ اس نے جنگِ جمل اور صفین میں نیزہ بازی کی۔ معرکۂ صفین کے بعد زید نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور یہ خوارج کے سرداروں میں سے ہو گئے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکمین کے اجتماع میں بھیجا تو خوارج کے سرداران اس زید یا عبداللہ بن وہب راسبی کے گھر جمع ہوئے اور انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن وہب راسبی کی بیعت کر لی۔ اس کی تفصیل عنقریب [رقم: ۴۷۳ تا ۴۷۴] پر آرہی ہے۔ ابومخنف نے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح تاریخ الطبري (۳/۱۲۱) میں ہے کہ زید نہروان کے روز خوارج کے میمنہ کا قائد تھا اور اسی جنگ میں ۳۸ھ کو اسے قتل کر دیا گیا۔

اس کی سوانح عمری کا بیان ''بغية الطلب في تاريخ حلب'' (٤٠١٣/٩) ''الإصابة لابن حجر'' (۲/۶۰۳) میں مذکور ہے۔ اس کا ایک چچا زاد بھائی تھا جس کا نام معاذ بن جوین بن حصین سنبسی تھا۔ یہ شاعر تھا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے کوفہ کے امیر ہونے کے زمانے میں یہ خوارج کا سرغنہ تھا۔ اس کی روایات أنساب الأشراف (۵/۱٦۹، ۱۷۱، ۱۷۲) اور تاریخ الطبري (۳/۱۷۵، ۱۷۸، ۱۸۱، ۲۵۲، ۲۵۳) میں مذکور ہیں۔

حَقًّا لَقَدْ ذَبَّتْ بِأَطْرَافِ الأَسَلِ فِيْ يَوْمِ صِفِّيْنَ وَفِيْ يَوْمِ الْجَمَلِ

''حقیقت تو یہ ہے کہ صفین اور جمل میں نیزوں کی اطراف چلی ہیں۔''

تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ تو چھوٹا سا لشکر تھا۔ زید کہنے لگے: کیا آپ کو بڑے لشکر فائدہ دیتے ہیں؟[1] پھر جب کوفہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے کہا: امیر المومنین تو تائب ہو گئے ہیں اور انھوں نے تحکیم کو کفر اور گمراہی مان لیا ہے۔ ہم اب جانوروں کے موٹے ہونے کا انتظار کر رہے ہیں،[2] پھر ہم شام جائیں گے۔ اس کی خبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو فرمایا: جو کہتا ہے کہ میں نے فیصلے سے رجوع کر لیا ہے، یا تحکیم کو گمراہی کہا ہے،[3] وہ جھوٹا ہے۔ حروریہ ٹھہر چکے تھے، پھر تحکیم کے بعد دوبارہ لوٹ آئے۔[4]

''وہ جھوٹا ہے جو......'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ قول منبر پر کہا تھا، جیسا کہ مصنف بن ابی شیبہ میں ہے۔[5]

[**472**] ابن ابی شیبہ سے منقول ہے، ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے عاصم بن ضمرہ کو کہتے ہوئے سنا: خوارج جب ''لا حکم إلا للّٰہ'' کی بنیاد پر خروج کر چکے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: یقیناً حکم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، مگر ان کے کہنے کا مطلب ہے کہ امارت بھی کسی کے لیے نہیں ہے، حالاں کہ لوگوں کا نیک یا فاجر امیر ضرور ہونا چاہیے۔ جس کی امارت میں مومن کام کریں، کافر فائدہ حاصل کریں اور اسی ترتیب کو آخر تک چلاتا رہے۔[6]

---

[1] مجھے اس جملے کا مطلب سمجھ نہیں آیا شاید سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس سے بطور مزاح ایسا کہا ہو۔

[2] اس سے مراد ہے کہ ہم موسم سرما کے چلے جانے کے منتظر ہیں۔ پھر موسم بہار میں جانور خوب کھا کر پھلیں پھولیں گے۔

[3] یعنی جس نے یہ کہا کہ میں نے تحکیم سے رجوع کر لیا ہے تو اس نے جھوٹ کہا اور جس نے یہ گمان کیا کہ میں نے تحکیم کو گمراہی قرار دیا ہے تو اس نے بھی جھوٹ کہا۔

[4] أنساب الأشراف (۲/۳۵۶) ت: محمودي (۳/۱۳۰) ت: زکار۔ اس روایت کی سند حسن لغیرہ ہے۔
ابن الاسود: صدوق راوی ہے، اکثر خطا کر جاتا ہے اور اس روایت کے باقی تمام رجال ثقہ ہیں۔ حسن بن صالح سے مراد: ابن صالح بن حی ہمدانی ہیں اور فراس سے مراد: ابن یحییٰ ہمدانی ہیں اور اس روایت کے بعض شواہد امام طبری وغیرہ کی روایت سے صحیح ہیں۔ [رقم: ۴۶۶، ۴۶۷]

[5] دیکھیں: [رقم: ۴۶۷] اور اس کے بعد کی تعلیق۔

[6] مصنف ابن أبي شيبة (۳۹۰۶۲) اس روایت کی سند عاصم بن زمرہ کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔ یہ صدوق راوی ہے۔ اصحابِ سنن نے اس سے روایت کیا ہے، اس روایت کے بقیہ تمام رواۃ شیخین کی شروط کے مطابق ثقہ ہیں۔ عفان سے مراد: ابن مسلم اور ابو اسحاق سے مراد: السبیعی ہیں، یہ ثقہ راوی ہے اور آخری عمر میں اختلاف کا شکار ہو گیا تھا۔ شعبہ کا اس سے سماع قدیم ہے۔

←

[473] بلاذری سے منقول ہے، عامر شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو حرقوص بن زہیر تمیمی، شریح بن اوفی عبسی، فروہ بن نوفل اشجعی،[1] عبداللہ بن شجرہ سلمی، حمزہ بن سنان سدی اور عبداللہ بن وہب راسبی آپ کے پاس آئے۔ عبداللہ بن وہب راسبی کو ذو الثفنات کہا جاتا تھا، کیوں کہ سجدوں کے آثار اس کے چہرے اور ہاتھوں پر موجود تھے، تو ان کو اونٹ کے ثفنات سے تشبیہ دی گئی۔[2] وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا کہ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو مقرر نہ کریں، اور شام چلے جائیں لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کر دیا، فرمایا: ہم سے وہ لوگ ایک چیز پر جدا ہوئے ہیں، سو اس میں کوتاہی جائز نہیں ہے۔ تو وہ فوراً عبداللہ بن وہب کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یا زید بن حصین کے گھر میں جمع ہو گئے۔ وہاں انھوں نے ان لوگوں کا تذکرہ کیا جو صفین میں شہید ہوئے تھے، جیسے عمار بن یاسر، ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص، خزیمہ بن ثابت، ابو ہیثم بن تیہان وغیرہ، پھر حکمین کے معاملے کا ذکر کیا، جس نے تحکیم پر رضا مندی کا اظہار کیا اسے کافر قرار دینے لگے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے براءت کا اظہار کرنے لگے۔ پھر حرور یہ ایک دوسرے سے ملنے لگے، تو عبداللہ بن شجرہ نے ان سے کہا: اے میری قوم کے لوگو! مدائن کی جانب کوچ کر جاؤ اور تب تک وہاں ٹھہرے رہو، یہاں تک کہ وہ لوگ بھی آ جائیں جن کو ملانے کی تم کوشش کر رہے ہو۔ اس بستی کو خالی کر دو جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اس پر زید بن حصین کہنے لگے: مدائن کے گورنر سعد بن مسعود ہیں، وہ ہمیں اس سے منع کریں گے اور ان کے اور تمھارے درمیان حائل ہوں گے۔ وہ ایک دوسرے کو اپنی ریاست پیش کرتے رہے، لیکن کوئی قبول نہیں کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ ذو الثفنات نے قبول کر لی اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں یہ ریاست دنیا میں رغبت کے لیے نہیں لے رہا، نہ ہی اسے موت کے ڈر سے چھوڑوں گا، پھر وہ نہروان کی طرف چلے گئے۔[3]

← تخریج: اسے امام بیہقی نے الکبریٰ (١٦٧٦٤) میں ابراہیم بن بکر مروزی کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ ہمیں عفان نے روایت کیا اور بلاذری نے أنساب الأشراف (٣٧٧/٢) میں نقل کیا ہے کہ مجھے روح بن عبدالمومن نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو ولید الطیالسی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں شعبہ نے یہ روایت بیان کی۔
ابن ابی شیبہ (٣٩٠٨٦) نے ابو البختری کے واسطے سے یہ روایت مرسل بیان کی ہے۔

[1] فروہ اشجعی کی روایات عنقریب آ رہی ہیں۔ [رقم: ٦٠٠، ٦٠١] اور ان دونوں روایات سے پہلے اور بعد کی تعلیق ملاحظہ کیجیے۔

[2] الثفن: ثفنہ کی جمع ہے۔ اس سے مراد ہر وہ چیز جو اکٹھی ہو کر زمین سے جا لگے، مثلاً: دونوں گھٹنے وغیرہ اور زمین کے ساتھ لگنے کی وجہ سے وہ موٹی اور سخت ہو جائے۔ النهاية (٢١٥/١) مادة: ثفن.

[3] أنساب الأشراف (٣٥٩/٢) یہ روایت ابو ہیثم بن تیہان کے تذکرے کے علاوہ مقبول ہے۔ اس کی وفات سیدنا ←

[474] بلاذری سے منقول ہے، شعبی بیان کرتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حروراء کی جانب بھیجا تو انھوں نے کہا: اے قوم کے لوگو! تم امیر المومنین سے کس چیز کی وجہ سے ناراض ہو؟ کہنے لگے: تین وجہ سے، انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین میں لوگوں کو حاکم بنایا ہے، انھوں نے جنگ کر کے نہ تو کسی کو قیدی بنایا، نہ مالِ غنیمت سمیٹا اور فیصلے کے وقت اپنے نام سے امیر المومنین مٹا دیا ہے۔ تو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: جہاں تک بندوں کو حاکم بنانے کی بات ہے، تو وہ خرگوش جس کی قیمت چوتھائی درہم ہو اور محرم حالتِ حرام میں اس کا شکار کر لے، اس کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ نے بندوں کے سپرد کیا ہے۔ اسی طرح میاں بیوی کا فیصلہ بھی بندوں کے سپرد ہے۔ میں تمھیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں: کیا عورت کی شرم گاہ اور خرگوش کے بارے میں بندوں کا چوتھائی درہم کا فیصلہ افضل ہے یا پھر اس کا لوگوں میں باہم صلح کروانا اور ان کے خون کی حفاظت کرنا افضل ہے؟ تو وہ کہنے لگے: بلکہ یہ بہتر ہے۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: جہاں تک کسی کو قیدی نہ بنانے یا مالِ غنیمت حاصل نہ کرنے کا تعلق ہے تو کیا تم اپنی ماں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بناؤ گے؟ تو وہ کہنے لگے: نہیں۔ پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جہاں تک اپنے نام سے امیر المومنین مٹانے کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے روز مشرکین نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: اگر ہم تسلیم کرتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے جنگ کرتے ہی کیوں؟

← عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت ۲۰ھ میں ہوئی۔ اس کی سند مجالد جیسے کی وجہ سے محتمل ہیں۔ عبداللہ بن صالح سے مراد: ابو احمد عجلی ہیں۔ یہ ثقہ راوی ہیں اور صاحبِ ''تاریخ'' احمد بن عبداللہ عجلی کے والد بزرگوار ہیں۔ ابن مجالد سے مراد: اسماعیل ہے۔ جو صدوق ہے اور غلطی کر جاتا ہے۔

شواہد: ان کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے تحکیم کو باطل قرار دینے کا مطالبہ صحیح سند سے ثابت ہے۔ ابن ابی شیبہ کے الفاظ ہیں: ''لوگ آپ کے بارے میں چہ مگوئیاں کر رہے ہیں کہ آپ نے اپنے کفر سے رجوع کر لیا ہے۔'' اور کفر سے ان کا مقصود تحکیم کا معاملہ تھا۔ دیکھیے: [رقم: ۴۶۷]۔ البتہ خوارج کے عبداللہ راسبی کی بیعت کرنے کا تذکرہ ''صحیح مسلم'' میں آیا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں: ''جب ہمارا خوارج سے سامنا ہوا، تب عبداللہ بن وہب راسبی خوارج کا سردار تھا۔'' دیکھیں: [رقم: ۴۹۴]، جہاں تک خوارج کے نہروان کی جانب کوچ کر جانے کی بات ہے تو یہ صحیح اور مشہور ہے اور معرکۂ نہروان بھی ثابت ومشہور ہے۔ بطور مثال ملاحظہ کیجیے: [رقم: ۴۹۶]

تخریج: اسے امام طبری نے تاریخ الطبري (۱۱۵/۳) میں نقل کیا ہے۔ ابومخنف عبدالملک بن ابوحرہ سے روایت کرتا ہے کہ (جب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے نفاذ کے لیے بھیجا....) اس روایت میں زیادات ہیں جس کا بعض حصہ نافع اور بعض منکر ہے۔ اس روایت کی تنقیح ضروری ہے۔

اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''علی! رسول اللہ کا لفظ مٹا دو اور محمد بن عبداللہ لکھ دو۔'' حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ علی رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے۔ خوارج میں سے کچھ واپس پلٹ گئے، باقی اسی حال میں کھڑے رہے۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فیصلہ نافذ کرنے کے لیے شام روانہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تو آپ کے پاس حرقوص بن زہیر سعدی، زید بن حصین طائی، زرعہ بن برج طائی ایک جماعت کے ساتھ آئے، انھوں نے درخواست کی کہ آپ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو نہ بھیجیں، بلکہ ان کو شام بھیجیں تاکہ وہ شامیوں سے جنگ کرسکیں۔ مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ رمضان میں (تحکیم کے لیے) گئے۔ یہ سب لوگ زید بن حصین طائی کے گھر اکٹھے ہوئے اور انھوں نے عبداللہ بن وہب کی بیعت کر لی، جسے ذوالثفنات کہا جاتا تھا، کیونکہ اس کی پیشانی ناک اور ہاتھوں پر سجدوں کے آثار تھے۔ اسی بنا پر اُسے اونٹ کی سخت جگہ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تھی۔ اس کی یہ بیعت ۲۰ رشوال کو ہوئی۔ اس کے بعد یہ لوگ یہاں سے نکل کر نہروان کے مقام پر اکٹھے ہوئے اور پھر سے "لا حكم إلا لله" کا نعرہ لگانے لگے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ان لوگوں کا کہنا ہے کہ کوئی امارت نہ ہوگی، حالانکہ امیر کا ہونا ضروری ہے، تاکہ مومن اس کی امارت میں کام کر سکے اور فاجر فائدہ اٹھا سکے۔ جو بات یہ لوگ کرتے ہیں وہ کلمۂ حق تو ہے مگر اس سے وہ باطل چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ کلام کریں گے تو ہم بحث کریں گے اور اگر یہ خاموش رہیں تو ہم خاموش رہیں گے۔

جب حکمین میں اختلاف ہوگیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مکتوب ارسال کیا، تب وہ نہروان میں جمع ہو چکے تھے، آپ نے لکھا کہ حکمین کسی بات پر رضا مندی کے بغیر جدا ہو گئے ہیں، لہٰذا تم وہیں چلے جاؤ، جہاں پہلے تھے اور ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لیے شام کی طرف نکلو، مگر انھوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے: ہم تب تک آپ کے ہمراہ نہیں جائیں گے، جب تک آپ توبہ نہیں کر لیتے اور اپنے کفر کی گواہی نہیں دے دیتے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔[1]

---

[1] أنساب الأشراف (۳۶۰/۲) یہ روایت مقبول ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ عبداللہ بن صالح سے مراد: ابواحمد عجلی ہیں۔ سابقہ روایت دیکھیے۔

شواہد: اس روایت کے شواہد سابقہ روایت کے شواہد کی طرح ہیں، البتہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جو قول ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی امارت نہیں لیکن لوگوں کا امیر ہونا ضروری ہے۔ ابن ابی شیبہ کے نزدیک یہ روایت حسن سند کے ساتھ منقول ہے۔ [رقم: ۴۷۲] دیکھیے۔

←

ان کے قول: ''انھوں نے جنگ کے لیے جانے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم تب تک آپ کے ہمراہ نہ جائیں گے جب تک آپ توبہ نہیں کر لیتے اور اپنے کفر کا اقرار نہیں کر لیتے'' کی تفسیر: خوارج کا گمان تھا کہ ان کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو امام تسلیم کرنا روا نہیں ہے، کیونکہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دے دیا تھا۔ اسی وجہ سے انھوں نے معرکۂ شام میں جانے سے انکار کر دیا۔

ان کا قول: ''سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ماہِ رمضان میں روانہ ہوئے'' اس کی تائید گذشتہ روایت [رقم: ۴۶۴] کر رہی ہے اور اس کے بعد اس کے تعلیقات ملاحظہ کریں۔

سابقہ روایات [462] تا [474] پر تعلیقات

① صفین کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور خوارج کے مابین ہونے والے واقعات اور ان کی زمانی ترتیب کا بیان

1. ماہِ صفر ۳۷ھ کو صفین کے موقع پر خوارج نے تحکیم کے معاملے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔
2. خوارج امیر المومنین کو کافر قرار دیتے تھے۔
3. خوارج نے جنگِ صفین سے واپسی کے دوران میں امیر المومنین کے لشکر سے علاحدگی کر کے دوسرا راستہ اختیار کیا۔
4. خوارج نے اپنے لیے حروراء کو ٹھکانہ بنایا۔
5. حروراء پہنچنے کے بعد خوارج امیر المومنین کو ڈرانے دھمکانے لگے، تو لوگ آپ کے پاس ان کے ڈرانے دھمکانے کی خبریں لانے لگے اور کہنے لگے: امیر المومنین! لوگوں نے آپ کے خلاف خروج کیا ہے۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: انھیں چھوڑ دو، جب تک وہ مجھ سے جنگ نہیں کرتے میں بھی ان سے جنگ نہیں کروں گا۔ عنقریب وہ ایسا کر گزریں گے۔

← اور افتراق الحکمین کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے معرکۂ شام کے عزم کے بارے میں ابن ابی شیبہ نے امام مسلم رحمہ اللہ کی شروط پر صحیح سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہلِ نہروان سے جنگ کر کے فارغ ہو چکے تو آپ فرمانے لگے کہ میں اس برس جنگ نہ لڑوں گا۔ [رقم: ۴۹۶] دیکھیے۔ یعنی میں اس سال معرکۂ شام نہیں لڑوں گا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنگ لڑنے کے لیے تیار تھے لیکن آپ نے اسے آئندہ سال تک موخر کر دیا، البتہ اس جنگ سے قبل آپ کو شہید کر دیا گیا۔

6. سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو حروراء میں خوارج کو دعوت دینے کے لیے بھیجا کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں شامل ہو جائیں۔
7. امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی ایک مجلس میں خوارج کے ساتھ خود مناظرہ کیا۔
8. امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دوسری مرتبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کی طرف علمی مباحثہ کرنے کے لیے بھیجا۔
9. جب امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ خوارج سے ناامید ہو چکے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خوارج کے ساتھ مناظرے کے نتائج نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خوش کر دیا۔
10. امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود صعصعہ بن صوحان اور عبداللہ بن کواء کے ساتھ حروراء تشریف لے گئے اور خوارج کو اطاعت کی طرف بلایا۔
11. امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور خوارج کے مابین اس بات پر صلح ہوئی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام سے ذلت کو قبول نہیں کریں گے۔ اس اتفاق کے باعث خوارج کی ایک بڑی جماعت کوفہ میں داخل ہو گئی۔
12. خوارج نے امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کلام ''ذلت قبول نہ کرنے'' کو سمجھنے میں خطا کی۔
13. خوارج کوفہ آنے کے فوری بعد جھوٹی افواہیں پھیلانے لگ گئے۔
14. اشعث بن قیس خوارج کے کوفہ آنے کے دو دن بعد جمعرات کے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور خوارج کی نشر کردہ افواہوں کی بابت خبردار کیا۔
15. امیر المومنین نے اگلے دن خطبۂ جمعہ میں ان کا ردّ کیا، جس پر خوارج نے دوران خطبہ شور وغوغا شروع کر دیا۔
16. امیر مومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ میں خوارج کو تین حقوق کی ضمانت دی، جب تک وہ خونریزی نہ کریں۔
17. امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان تین حقوق کی بابت ان کو بھی خبردار کیا، جنھوں نے حروراء کے موقعے پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی مول لی تھی۔
18. خوارج سکون سے زندگی بسر کریں گے۔
19. خوارج حکمین کے اجتماع کے موقعے پر مشتعل ہو گئے اور سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو بھیجنے پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے لگے اور اہلِ شام سے جنگ کا مطالبہ کرنے لگے۔

20 سیدنا علی رضی اللہ عنہ خوارج کے فتنے اور شر کے باعث حکمین کے اجتماع میں حاضر نہیں ہو سکے، آپ ان کی حرکات وسکنات کی قریب سے نگرانی کرتے رہے۔

21 امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ماہِ رمضان ۳۷ھ میں معاہدے کے لیے روانہ کیا جس بنا پر خوارج نے آپ کی بیعت توڑ دی۔

22 خوارج نے ۱۰؍شوال ۳۷ھ کو عبداللہ بن وہب راسبی کی بطور خلیفہ بیعت کر لی۔

23 خوارج کوفہ کے بازار سے ہتھیار اور گھوڑے خریدنے گئے اور ماہِ شوال ۳۷ھ کو نہروان چلے گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کا سامنا نہیں کیا اور نہ ہی ان کو منع کیا، کیونکہ انھوں نے ابھی تک کوئی خونریزی نہیں کی تھی۔

24 امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب اختلاف کے حل کے سلسلے میں حکمین کے عدمِ اتفاق کی خبر ملی، تو آپ مقامِ نخیلہ کی طرف لشکر لے کر گئے اور وہاں معرکۂ شام کی تیاری کرنے لگے۔

25 امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ خوارج کو اطاعت اور ان کے ہمراہ معرکۂ شام جانے کی دعوت دیتے رہے، مگر خوارج نے انکار برقرار رکھا اور کہتے رہے: جب تک آپ توبہ نہیں کر لیتے اور کفر کی شہادت نہیں دیتے، ہم آپ کی اطاعت نہیں کریں گے۔

26 خوارج معاہدے کی پاسداری کے معاملے میں خیانت کے مرتکب ہوئے، انھوں نے خونریزی کی اور لوگوں کی کثیر جماعت کو شہید کیا۔ انہی شہداء میں عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہما اور ان کی بیوی بھی شامل تھے۔

27 سیدنا علی رضی اللہ عنہ نخیلہ کے مقام پر لشکر کی تیاری میں مصروف تھے تو آپ کو خوارج کی عہد شکنی اور خونریزی کا علم ہوا، آپ نے لشکر کو خوارج سے جنگ کے لیے ابھارا، اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں سے شام کے بجائے نہروان جانے کے لیے مشورہ کیا تو آپ کے لشکر نے موافقت کی۔

28 امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نخیلہ میں ہی قیام کیا اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو خوارج کے پاس بھیجا، آپ نے انھیں تین دن کی مہلت دی کہ یہاں سے چلے جاؤ، ورنہ ہم تم پر لشکر کشی کر دیں گے۔ مگر خوارج نے اسے قبول نہ کیا۔

29 امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو مہلت دینے کے بعد ماہِ محرم ۳۸ھ کو نہروان کا رخ کیا۔ آپ ماہِ صفر میں خوارج کے روبرو آئے اور انھیں کہا کہ جب تک وہ قتال میں پہل نہیں کریں گے، تب تک ہم اپنی تلواروں کو میانوں میں رکھیں گے۔

30 خوارج نے جنگ میں پہل کی اور بہت جلد نیست و نابود ہو کر رہ گئے۔ اس کی تفاصیل ہم اپنے مقام پر ذکر کر آئے ہیں۔

31 امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ذوالثدیہ کو تلاش کیا۔ اس کے مل جانے پر آپ نے اور آپ کے متبعین نے سجدۂ شکر کیا۔

32 امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ نہروان سے فارغ ہو کر اپنے لشکر کو معرکۂ شام کے لیے نکلنے کی دعوت دی، مگر وہ کاہلی کا شکار ہو گئے اور اس غزوے کو موخر کرنے کا مطالبہ کیا۔

33 امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ہمراہ نخیلہ آئے اور اپنے لشکر کو جنگِ شام کی تیاری کا حکم دیا، مگر وہ ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور سوائے چند لوگوں کے باقی سب کوفہ کی جانب کھسک گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ منظر دیکھا تو آپ نے آئندہ سال تک اس جنگ کو مؤخر کر دیا اور اللہ جانتا ہے کہ آپ کس دل سے کوفہ گئے۔

34 امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ۱۷؍ رمضان ۴۰ھ بروز جمعہ فجر کے وقت دھوکے سے حملہ کیا گیا، ۱۹؍ رمضان کو آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ اس دارِ فانی سے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

۲ صفین میں جنگ بندی کے بعد خوارج کا ظہور (اختصار کے ساتھ)

پہلا مرحلہ (قراء کا مرحلہ): اس مرحلے میں عبادت گزاروں اور زاہدوں نے محض ایک معاملے پر اعتراض کیا اور وہ جنگ بندی کا معاملہ تھا۔ اس مرحلے کی ابتدا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے جنگ بندی سے متعلق حکم کے فوری بعد ہوا، اسی مرحلے میں سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ان کو نصیحت کی، وہ ہمیشہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ رہے اور کبھی آپ سے جدا نہ ہوئے۔

دوسرا مرحلہ (خوارج کا مرحلہ): اس مرحلے میں خوارج نے تحکیم کے معاملے میں اعتراض کیا، جو ان کے دعوے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے دین میں بندوں کو حاکم بنانا تھا۔ اس مرحلے کی ابتدا معاہدۂ صلح کی خط کتابت کے بعد ہوئی۔ اس مرحلے میں خوارج کا اعتراض محض جنگ بندی پر نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین میں بندوں کو حاکم بنانے پر تھا، اس لیے انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ''حکم تو بس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔'' اسی بنا پر انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے گمان میں کافر سمجھا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین میں بندوں کو حاکم بنا دیا ہے۔ پھر وہ آپ سے الگ ہو گئے کہ کہیں ہم بھی ان کی طرح کافر نہ ہو جائیں۔

⊙ تفصیل اس کی کچھ یوں ہے کہ صفین میں قراء (خوارج) نے دو مراحل میں وجود پایا:

پہلا مرحلہ (قراء کا مرحلہ):

یہ پہلا معاملہ تھا جب انھوں نے امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ جاری رکھنے کا مطالبہ کیا۔ کہنے لگے: کیا ہم اس قوم کی طرف نہ چلیں، تاکہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔[1] انھوں نے محض جنگ بندی کے سوا کسی اور چیز پر اعتراض نہیں کیا، سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے ان کے اسی قول کی بنا پر فرمایا: ''تم اپنی رائے کو تہمت دو۔''[2] یعنی اپنی جنگ جاری رکھنے کی رائے کو غلط کہو۔

اس مرحلے کی ابتدا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے جنگ بندی کے حکم سے فوری بعد ہوئی۔ اس مرحلے تک انھیں قراء کہا جاتا رہا اور خوارج کے نام سے ملقب نہیں ہوئے، کیونکہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے علاحدگی اختیار نہیں کی تھی۔ اس پر راوی کا قول دلیل ہے کہ ''ہم انھیں تب تک قراء کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔ مگر وہ اپنے کندھوں پر تلواریں اٹھا لائے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: امیر المومنین! کیا ہم چلیں ...... الخ۔[3] انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہہ کر پکارا۔

اسی مرحلے میں ان کو سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی، جس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔

دوسرا مرحلہ (خوارج کا مرحلہ):

اس مرحلے کی شروعات معاہدۂ تحکیم کی کتابت سے ہوئی، معاہدہ تحریر کیا گیا تو ان کا موقف مزید سنگین ہو گیا اور محض جنگ بندی سے بدل کر اللہ تعالیٰ کے دین میں بندوں کو حاکم بنانے کے معاملے تک جا پہنچا۔

اس مرحلے میں انھوں نے حکمین اور تحکیم سے راضی ہر شخص کی تکفیر کی بدعت شروع کی، ان کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت میں بندوں کو حاکم بنانا کسی صورت روا نہیں ہے۔ تو انھوں نے کہنا شروع کر دیا: ''حکم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔''

ایک صریح اور صحیح روایت میں بیان ہے کہ خوارج تحکیم سے راضی ہونے کو شرک قرار دینے لگے، یہ اس وقت کی بات ہے، جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو وہ مسجد کے کونے سے

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۳۷۷]

[2] دیکھیے: [رقم: ۳۷۷]

[3] دیکھیے: [رقم: ۳۷۷]

یہ کہتے ہوئے کود پڑے کہ ''حکم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔'' ایک شخص تو اپنے کانوں میں انگلیاں دبائے آپ کے سامنے آ کر کہنے لگا:

﴿ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ [الزمر: ٦٥]

''آپ پر اور آپ سے پہلے والے انبیاء پر وحی کی گئی کہ اگر تو نے شرک کیا تو وہ تیرا عمل ضائع کر دے گا، اور تو مشرکین میں سے ہو جائے گا۔''[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کی بنا پر وہ آپ کی فوج سے الگ ہو گئے، اس کے بعد انھیں خوارج کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ان کے اس وصف کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا کہ وہ لوگوں سے الگ ہو جائیں گے۔[2] پھر صفین سے واپسی پر انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے راستے کے علاوہ کسی اَور راستے پر چلتے ہوئے[3] حروراء کے مقام پر جا کر پناہ لی۔ اسی بنا پر انھیں ''حروریہ'' کہا جاتا ہے۔[4]

خوارج نے حروراء کے مقام پر صعصعہ بن صوحان سے کہا: ہمیں اس بات کا خدشہ ہے کہ کہیں ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کوئی کلمۂ کفر نہ کہہ دے۔[5] یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خوارج نے تکفیر کی بدعت وثیقۂ تحکیم کی کتابت کے بعد شروع کی۔

خوارج میں سب سے پہلے شبث بن ربعی تمیمی یربوعی نے ''لا حکم إلا للّٰه'' کا نعرہ بلند کیا۔[6]

---

① دیکھیے: [رقم: ۴٦٦]

② دیکھیے: [رقم: ٧٧]

③ دیکھیے: [رقم: ۴٦٧]

④ مزید مطالعہ کے لیے شیخ ناصر العقل کی کتاب ''الخوارج أول الفرق في تاريخ الإسلام'' دیکھیے: [دار اشبیلیاء، الریاض، الاولی، ۱۴۱۹ھ] (ص: ۲۴) اس سے پہلے اور بعد کی روایت دیکھیے۔

⑤ دیکھیے: [رقم: ۳۸۰]

⑥ ابوعبدالقدوس کوفی، یہ بڑا سردار اور ماہر گھڑ سوار تھا۔ یہ ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا اور اس نے تحکیم کے معاملے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا مگر بعد میں توبہ تائب ہو کر رجوع کر لیا۔ یہ اور احنف بنوتمیم کے سردار تھے۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ مخضرم تھا۔ یہ سجاح کا مؤذن تھا۔ پھر مسلمان ہو گیا، پھر یہ ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اعانت کی۔ اس کے بعد یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ساتھی رہا، پھر اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا۔ اس کے بعد دوبارہ توبہ کر لی، پھر یہ ان لوگوں میں شامل ہوا جنھوں ←

[475] امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: شبث بن ربعی تمیمی کہنے لگا: میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے حروریہ میں "لا حكم إلا لله" کا نعرہ لگایا۔" تو ایک شخص کہنے لگا: یہ کوئی قابلِ ستائش فعل نہیں ہے۔[1]

"حرر" کا معنی حکم ہے، یہ مغلطائی کا قول ہے۔[2] یعنی جس نے سب سے پہلے "لا حكم إلا لله" کا نعرہ لگایا، اور اسی کی ترویج کی۔ جیسے: "أول من جهّم الجهمية" کا معنی "جس نے سب سے پہلے تجہم کی بدعت ایجاد کی۔"

خلاصۂ کلام:

❀ خوارج نے کتاب اللہ کو حاکم بنانے کی بنا پر نہیں بلکہ حکمین کو مقرر کرنے کی بنا پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کی، کیوں کہ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قاصد کتاب اللہ کے حکم کی دعوت دینے آیا تو اس معاملے کو قراء نے کفر نہیں قرار دیا۔ بلکہ حکمین متعین کیے گئے کہ وہ کتاب اللہ پر فیصلہ کریں گے، تو اس وقت حکمین مقرر کرنے کو انھوں نے کفر قرار دیا۔

← نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ پھر یہ مختار بن ابی عبید کے ساتھ مل کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنے لگا۔ بعد میں یہ کوفہ کا والی بنا۔ اس کے بعد یہ مختار بن ابی عبید کے قاتلین میں شامل ہوا اور تقریباً ۸۰ھ میں کوفہ میں فوت ہوا۔ دیکھیے: سير أعلام النبلاء (٤/١٥٠)، التقريب (٢٧٣٥)

راوی کا قول: (فحضر قتل حسين) یعنی اس نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں معاونت کی۔

راوی کا قول: (فحضر قتل المختار) یعنی اس نے مختار بن ابی عبید ثقفی کے قتل میں معاونت کی اور عنقریب [رقم: ٦٠١] پر ایک روایت آرہی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ شبث نے خوارج کے قول سے توبہ کر لی تھی۔

[1] الضعفاء الصغير (ص: ٦١)، ترجمة (١٦٣) [(ص: ٧٤) ترجمة (١٦٧) ت: أبي العينين. اس کی سند امام بخاری رحمہ اللہ کے شروط پر صحیح ہے اور یہ شبث بن ربعی کے قول کا ٹکڑا ہے جو اس نے اپنے بارے میں اقرار کیا۔

معتمر سے مراد: ابن سلیمان بن طرخان تیمی ہے اور انس سے مراد: ابن مالک انصاری رضی اللہ عنہ ہے۔

تخریج: اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے "التاريخ الكبير" (٤/٢٦٦- ٢٦٧) میں اسی طرح نقل کیا ہے، البتہ انھوں نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: "وقال لنا مسدد ..." اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے "نزهة السامعين في رواية الصحابة عن التابعين" (ص: ٣٧) مسدد کے طریق سے اور خلیفہ نے "تاريخ الخليفة" (ص: ١٩٢)، امام طبری نے "المنتخب من ذيل المذيل" (ص: ١٤٩) اور ابو عروبہ نے "الأوائل" (١٦٦) میں معتمر کے طریق سے اس سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

[2] إكمال تهذيب الكمال (٦/٢٠٤)

اس لیے انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے اللہ تعالیٰ کے دین میں لوگوں کو حاکم بنا ڈالا ہے، لہٰذا اللہ کے سوا کسی کا حکم قابلِ قبول نہیں ہے۔[1]

❀ صفین کے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے خروج کا سبب بھی یہی تحکیم تھی۔ ان کا خیال تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے دین میں حاکم بنا دیا ہے۔ سو انھوں نے کہا: "لا حکم إلا للّٰہ"

❀ تکفیر کا نعرہ انھوں نے معاہدۂ تحکیم کی کتابت کے بعد لگایا، اس کے بعد وہ آپ سے الگ ہو گئے، اس غرض سے کہ کہیں وہ کفر میں مبتلا نہ ہو جائیں، جس کی تہمت وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر لگاتے تھے۔

❀ اسی طرح انھوں نے محض جنگ بندی کی بنا پر بھی کافر نہیں کہا، وہ اس پر آپ کو ملامت کیا کرتے تھے۔ اسے کفر مگر نہیں سمجھتے تھے، دوسری طرح یوں سمجھیے کہ وہ اسے برائی سمجھتے تھے، کفر خیال نہ کرتے تھے۔[2]

❀ اگر ہم فرض کر لیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تحکیم کے بغیر جنگ بندی کروا رہے ہیں، تو خوارج آپ رضی اللہ عنہ کی تکفیر ہرگز نہ کریں گے اور آپ سے علاحدگی اختیار نہ کریں گے۔ بلکہ ان کا موقف فقط جنگ جاری رکھنے کا رہے گا، اور اعتراض جنگ روکنے پر رہے گا۔

حکمین کی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرنے کے دلائل:

1 خوارج کہتے تھے کہ "حکم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔"

2 اشعث نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: لوگ آپ کے بارے میں چہ مگوئیاں کر رہے ہیں کہ آپ نے کفر سے رجوع کر لیا ہے۔[3] وہ کفر جس کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس سے رجوع کر لیا ہے، وہ تحکیم کا معاملہ تھا۔ اس کی وضاحت آئندہ روایت میں آئی ہے۔

خوارج کہنے لگے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے توبہ کر لی ہے اور اس تحکیم کو کفر و ضلالت تسلیم کر لیا ہے۔ تو اب ہم محض جانوروں کے موٹا ہونے کے منتظر ہیں،[4] پھر دوبارہ شام کی طرف کوچ کر جائیں گے۔[5] سو انھوں نے تحکیم کو ہی کفر کا نام دیا۔

---

① دیکھیے: [رقم: ۴۸۲]، [۴۷۹]

② اس کی تفصیل عنقریب (ص: ۶۲۵) پر آ رہی ہے۔

③ دیکھیے: [رقم: ۴۶۷]

④ یعنی ہم موسمِ سرما کے چلے جانے کے منتظر ہیں۔ پھر جانور موسمِ بہار میں کھا پی کر خوب موٹے ہوں گے۔

⑤ [رقم: ۴۷۱] دیکھیے۔

3 سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج سے مناظرے میں سوال کیا: تم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کس چیز کا انتقام لے رہے ہو؟ تو انھوں نے محض جنگ بندی کا ذکر نہیں کیا، بلکہ تین باتیں ذکر کیں۔ انھوں نے کہا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے دین میں بندوں کو حاکم بنا دیا ہے، حکم تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ دوسری چیز یہ کہ انھوں نے جنگ میں کسی کو قیدی نہیں بنایا اور مالِ غنیمت بھی نہیں لیا۔ تیسرے انھوں نے امیر المومنین کا لقب کیوں مٹایا؟ اس کا مطلب ہے کہ وہ امیر الکافرین ہوئے۔[1]

اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول پیچھے گزر چکا ہے، جہاں اس کا جواب بھی مرقوم ہے۔ اگر چاہیں تو وہاں رجوع کر سکتے ہیں۔[2]

③ خوارج کے شبہات کا ردّ، جن کی بنا پر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر معترض ہوئے

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے مناظرے کے دوران خوارج سے کہا: مجھے بتلاؤ کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی سے، آپ کے سسرالیوں سے، مہاجرین و انصار پر کیا اعتراض کرتے ہو؟ تو وہ کہنے لگے: تین اعتراضات ہیں: پوچھا: وہ کیا ہیں؟ تو وہ کہنے لگے: انھوں نے اللہ تعالیٰ کے معاملے میں بندوں کو حاکم بنایا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ [الأنعام: ٥٧] ''حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔''

بندوں کے حکم سے کیا مطلب؟! میں نے کہا: یہ ایک اعتراض ہوا۔ پھر انھوں نے کہا: دوسرا یہ کہ انھوں نے جنگ کی[3] مگر قیدی نہیں بنائے، نہ ہی مالِ غنیمت بنایا۔ اگر انھوں نے کفار سے جنگ کی تھی تو پھر ان کے قیدی اور غنیمت حلال تھے۔ لیکن اگر وہ مومن تھے تو پھر ان سے جنگ جائز نہ تھی۔ میں نے کہا: یہ دوسرا اعتراض ہوا، اب تیسرا بتلاؤ؟ کہنے لگے: انھوں نے اپنے نام سے ''امیر المومنین'' کا لقب مٹا ڈالا، لہٰذا وہ امیر الکافرین ہوئے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، میں نے کہا: کیا کوئی اَور اعتراض بھی ہے؟ کہنے لگے: نہیں، بس یہی تین چیزیں ہیں۔[4]

---

① اس کی تفصیل آئندہ مطلب میں بعنوان: ''خوارج نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کس چیز کا انتقام لیا۔'' آ رہی ہے۔

② [رقم: ٣٧٧] کے حاشیے میں جملہ (اے لوگو! اپنی جانوں پر تہمت لگاؤ) دیکھیے۔

③ یعنی جنگِ جمل والے دن۔

④ [رقم: ٤٨٢] دیکھیے۔

خوارج سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: جو قمیص آپ کو اللہ تعالیٰ نے پہنائی تھی وہ اتر چکی ہے، جو نام آپ کا اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا وہ بھی ختم ہو چکا۔[1] پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کے دین میں حاکم بھی بنا ڈالا، حالاں کہ حکم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔"[2]

انھوں نے مزید کہا: آپ نے اپنے معاملے کو مشکوک بنایا اور اپنے دشمن کو حکم بنا ڈالا ہے، نیز جہاد میں بزدلی دکھائی ہے۔ اور قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے کہنے لگے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ﴾ [الغافر: ٢٠] "اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔"[3]

گذشتہ بحث سے چار اشکالات کا پتا چلتا ہے جن میں سے بعض کی بنا پر انھوں نے تکفیر کی، اور بعض میں نہیں کی:

1. سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے دین میں بندوں کو حاکم بنایا، جبکہ حکم تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اس بنا پر انھوں نے آپ کو کافر قرار دیا۔
2. انھوں نے جنگِ جمل لڑی مگر کسی کو قیدی بنایا نہ غنیمت اکٹھی کی۔ اگر تو آپ نے کفار سے لڑائی کی تھی تو پھر انھیں قیدی بنانا اور ان کا مال غنیمت بنانا حلال تھا۔ لیکن اگر وہ مومن تھے تو پھر ان سے جنگ کرنا حلال نہ تھا۔ اس معاملے میں انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ملامت تو کی، تکفیر نہیں کی۔
3. سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کا لقب خود مٹایا تو گویا وہ امیر الکافرین ہوئے۔ اس بنا پر انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کافر قرار دیا۔
4. آپ دنیت (ذلت) کی بات پر راضی ہو گئے، اس پر وہ آپ کو ملامت کرتے تھے، مگر کافر قرار نہ دیتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس معاملے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رضا مندی دو صورتیں اختیار کر گئی ہے:

اوّل: صلح نامے سے امیر المومنین کا خطاب مٹا دینا۔ منصبِ خلافت سے اعتزال اور سبکدوشی ہے اور ان کے گمان میں یہ گناہ ہے۔

دوم: صفین کے روز جنگ بندی کروانا جہاد سے بزدلی کی علامت ہے۔ یہ بھی خوارج کے زعم میں گناہ تھا۔

---

[1] قمیص اور نام سے خوارج کا مقصود امیر المومنین کا عہدہ تھا۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے نام سے صفین کے روز اہلِ شام سے صلح کا معاہدہ طے کرتے وقت اسے مٹا ڈالا تھا۔

[2] [رقم: ۴۷۹] دیکھیے۔

[3] [رقم: ۴۶۵] دیکھیے۔

اسی لیے وہ ''امیر المومنین'' کا خطاب مٹا دینے کو کفر صرف اس صورت میں گردانتے تھے کہ اس سے تو کافروں کا امیر ہونا لازم آئے گا، انھوں نے اسے دنیت (ذلت) ہونے کی وجہ سے کفر نہیں سمجھا تھا۔

خوارج کا قول: ''آپ نے اپنے معاملے کو مشکوک بنایا اور اپنے دشمن کو حکم بنا ڈالا'' چار شبہات پر مشتمل تھا:

1. اس سے ان کی مراد امیر المومنین کا خطاب ہے، جیسے انھوں نے کہا: ''آپ کو جو قمیص اللہ تعالی نے پہنائی تھی اور جو نام آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تھا وہ ختم ہو چکا۔'' اس کی تفصیل چوتھے شبہے کے ذیل میں آ گئی ہے۔
2. آپ نے اپنے دشمن کو حاکم بنا ڈالا ہے۔ یہ پہلے شبہے کے ذیل میں آتا ہے۔
3. آپ نے جہاد میں بزدلی دکھائی ہے، اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ آپ ذلت پر راضی ہوئے، یہ چوتھے شبہے کے ذیل میں لکھا ہوا ہے۔
4. قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے کہنے لگے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ﴾ [غافر: ۲۰] ''اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔'' اس آیت سے ان کی مراد یہ تھی کہ ''حکم تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہے'' یہ پہلے شبہے کے ذیل میں آتا ہے۔

ملاحظہ: ''الدنیة'' کے مفہوم کو لے کر خوارج پر دو مرحلے گزرے ہیں:

پہلا مرحلہ: یہ اہلِ شام کے سامنے کمزوری، بے بسی اور کم ہمتی کا مظہر ہے۔ یہ لفظ ان کے نزدیک صفین کے دن جنگ روکنے کے عمل اور صحیفۂ صلح سے لفظ ''امیر المومنین'' مٹانے کی منظر کشی کرتا ہے۔ جب ان کا سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مناظرہ ہوا تو وہ یہی تفسیر کر رہے تھے، تو ان کو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطاب ''رسول اللہ'' کو معاہدے کی تحریر سے مٹایا تو اس چیز نے آپ کی حیثیتِ نبوت کو ختم نہیں کیا۔[1]

''الدنِیَّة'' کے اس معنی کو وہ کفر نہیں سمجھتے تھے۔

دوسرا مرحلہ: وہ ''الدنیة'' سے مراد اجتماعِ حکمین کے وقت کو لیتے تھے۔ ان پر یہ تفسیر اس وقت ظاہر ہوئی جب ان کے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح ہو گئی، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں دنیت کو قبول نہیں کروں گا، سو انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کلام کا سوئے فہمی سے ایسا غلط معنی کیا۔[2]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۸۲]

[2] اس کی تفصیل صفحہ (۶۳۱) پر آ رہی ہے۔

اس معنی کی بنیاد پر خوارج نے لفظِ "الدنية" کو کفر خیال کیا۔

یوں خوارج "الدنية" کی تفسیر میں تدریجاً بڑھتے گئے، یہاں تک کہ اسے کفر قرار دے دیا، حالاں کہ ایسا تھا نہیں۔

خوارج کے شبہات کا ردّ:

پہلے دو شبہات کا ردّ آپ کو سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے خوارج کے ساتھ مناظرے میں ملے گا۔ لہٰذا وہاں دیکھیے۔ [1]

مزید اس میں اضافہ کر لیجیے کہ ان کا جو اعتراض تھا کہ "اگر وہ مومن تھے، پھر ان سے قتال جائز نہیں تھا۔" تو مومنوں سے قتال کے عدمِ جواز کا معاملہ مطلق نہیں ہے، بلکہ جب شروط بکثرت پائی جائیں تو باغیوں کے خلاف جنگ حلال ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَقَٰتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيٓءَ إِلَىٰٓ أَمْرِ اللَّهِ ۚ ﴾ [الحجرات: ۹]

"بغاوت کرنے والوں سے قتال کرو، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر آ جائیں۔"

اگرچہ اہلِ جمل مجموعی حیثیت سے اصلاحی تھے، باغی نہ تھے۔ جنگِ جمل فریقین کے ارادے کے بغیر لڑی گئی تھی۔ جہاں تک آخری دو شبہات کی بات ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مناظرے میں کہا تھا: اللہ کی قسم! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے اور آپ کے اپنے نام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مٹا دینے نے آپ کو نبوت سے خارج نہیں کیا۔ [2] یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسمِ نبوت مٹایا تو اس لقب کو مٹانے سے آپ عہدۂ نبوت سے خارج نہیں ہو گئے تھے۔ نہ ہی آپ کفر پر راضی ہوئے تھے، نہ ہی اس بنا پر وہ نبی سے دجال بن گئے تھے۔ نعوذ باللّٰہ!

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صلح حدیبیہ کے لیے راضی ہوئے تو آپ کی یہ صلح کمزوری کی بنا پر نہ تھی، نہ ہی جہاد میں سستی کی بنا پر تھی، بلکہ حکمت اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے فتح پر مبنی تھی۔

یہ لوگ پاگل پن میں حد سے تجاوز کر گئے حتی کہ انھوں نے ایک کلمے کے مدِ مقابل دوسرا کلمہ لا کھڑا کیا، جو علمِ منطق میں درست نہیں اور ان دونوں میں لزوم بھی نہیں ہے۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۸۲]

[2] دیکھیے: [رقم: ۴۸۲]

انھوں نے کہا: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین کا خطاب مٹا دیا لہٰذا وہ امیر الکافرین ہوئے۔'' یہ ایسا قول ہے جو واضح طور پر باطل ہے۔ جب انھوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت سے اتر گئے ہیں تو پھر تو وہ کسی کے بھی امیر نہ ہوئے، نہ مومنوں کے اور نہ کافروں کے۔ جس طرح آپ کے امیر المومنین ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ امیر المومنین کی ساری ریاست مومن ہی ہو گی، بلکہ یہود ونصاریٰ اور دیگر مذاہب کے لوگ بھی وہاں رہتے ہیں۔ لہٰذا امیر المومنین کا منصب رکھنے والا شخص تمام بلادِ اسلام کا خلیفہ ہو گا جس میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ نصاریٰ اور دیگر لوگ بھی رہتے ہوں گے۔

نیز یہ کہنا کہ ''پھر امیر الکافرین ہوئے'' ساری امت کی تکفیر ہے اور یہ ان کی کمزور عقلوں اور مفاہیم کے خلط ملط ہونے کی نشانی ہے۔ لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا تحکیم پر راضی ہونا، ساری امت کو کافر نہیں کرتا۔

خوارج کے ان شبہات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے پاس علم کا فقدان تھا، جو ان کا دفاع کر سکے اور حکمت تھی نہیں، جو ان کو عقل آ جائے۔ وہ قولی لوازمات کے سمندر میں بہتے چلے گئے حتی کہ وہ ان کی عقول پر حاوی ہو گئے اور انھیں ڈبو کر رکھ دیا۔

④ خوارج نے دو مرتبہ امیر المومنین کے خلاف خروج کیا تھا

پہلا خروج: صفین میں تحکیم پر اتفاق کے بعد ماہِ صفر ۳۷ھ میں خوارج نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا۔ تب ان کی تعداد چھے ہزار تھی۔ وہ کوفہ کی طرف اس راستے سے نہیں گئے، جہاں سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ گئے تھے، بلکہ وہ اکٹھے ہو کر حروراء چلے گئے۔ وہاں انھوں نے اپنا لشکر تیار کیا اور حروراء کی طرف ہی منسوب ہوئے، کیونکہ ان کے خروج کے بعد یہ ان کی پہلی منزل تھی۔

جب وہ حروراء پہنچے تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس گئے اور انھیں اطاعت کی دعوت دی، مگر انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں مناظرے کی دعوت دی، چنانچہ آپ نے خود کوفہ کے اندر اپنی مجلس میں ان سے مناظرہ کیا۔

ایک مدت کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس دوبارہ آئے اور ان سے علمی مباحثہ کیا۔ اس میں آپ نے حق واضح کیا اور ان کے شبہات کا جواب دیا۔ اس بنا پر دو ہزار لوگوں نے رجوع کر لیا، حتی کہ وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہمراہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ آ گئے۔

اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ صعصعہ بن صوحان کے ہمراہ باقی ماندہ خوارج کی طرف نکلے، آپ نے انھیں اطاعت کی دعوت دی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مابین رضامندی ہوگئی، سو ان میں سے بعض حروراء سے کوفہ آ گئے، مگر انھوں نے اپنی خارجی رائے سے رجوع نہ کیا۔ حالاں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مابین اتفاق اس بات پر ہوا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اہلِ شام سے ذلت قبول نہیں کریں گے۔

الگ ہونے کے بعد خوارج کا پہلا ٹھکانہ صفین سے حروراء اور پھر کوفہ تھا۔ البتہ یاد رہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور خوارج کے مابین رضامندی کے بعد سب خوارج کوفہ نہیں گئے تھے۔

دوسرا خروج: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو رمضان ۳۷ھ میں دومۃ الجندل میں حکمین کے مقام پر بھیجا تو خوارج مشتعل ہو گئے۔ اس کے بعد انھوں نے ماہِ شوال میں خفیہ طور پر نہروان کی جانب خروج کیا، حتی کہ وہاں انھوں نے چار ہزار کا لشکر تیار کر لیا۔

دوسرے خروج میں خوارج کا ٹھکانہ کوفہ سے نہروان تھا۔ ان میں سے بعض حروراء سے نہروان کی جانب گئے تھے۔

⑤ خوارج کے پہلی اور دوسری دفعہ کے رجوع میں فرق

خوارج کے پہلی مرتبہ رجوع کا سبب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مناظرہ تھا۔ تب خوارج سے دو ہزار لوگ دل و جان سے تسلیمِ خم کر کے حروراء سے واپس سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ آ گئے اور ان کا رجوع خالص توبہ پر مشتمل تھا۔

خوارج کے دوسرے رجوع کا سبب غلط فہمی تھی۔ اس مرتبہ ان کی کثیر تعداد حروراء سے امیر مومنین کے پاس کوفہ آ گئی۔ یہ رجوع فقط جسموں کا تھا جبکہ ان کے دل ضلالت و سرکشی پر کاربند تھے۔

⑥ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما خوارج کے پاس دو مرتبہ گئے

اول: پہلی مرتبہ جنگِ صفین کے تھوڑے دن بعد ان کی طرف گئے جب وہ حروراء میں مقیم تھے۔ وہاں جا کر آپ نے ان کو اطاعت کی دعوت دی، مگر انھوں نے اسے قبول نہ کیا۔ آپ (علی رضی اللہ عنہ) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کے پاس بھیجا، آپ واپس پلٹ آئے اور کچھ نہ کر سکے۔

دوم: ابن عباس رضی اللہ عنہما خوارج کے پاس گئے، تب بھی وہ حروراء میں ہی تھے۔ دوسری مرتبہ آپ نے ان سے علمی مناظرہ بھی کیا۔ اس دفعہ ان کے دو ہزار لوگوں نے رجوع کر لیا۔ یعنی پہلی مرتبہ آپ نے انھیں اطاعت کی دعوت دی، جبکہ دوسری مرتبہ علمی مناظرہ کیا۔

اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

⦿ پہلی دفعہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما صفین سے واپسی کے چند ہی دنوں بعد خوارج کے پاس گئے تھے۔ ہوا یہ تھا کہ صفین سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے لشکر سمیت کوفہ آ گئے تھے اور خوارج نے اپنا رستہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ کر لیا تھا، وہ آپ کے ہمراہ کوفہ نہیں آئے تھے، بلکہ حروراء میں ہی خیمہ زن ہو گئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ آپ نے انھیں کوفہ آنے، اطاعت کرنے اور جلد از جلد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچنے کی دعوت دی، مگر انھوں نے اسے قبول نہ کیا۔ یوں وہ واپس پلٹ گئے اور انھیں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کے لیے قائل نہ کر سکے۔ مگر اس کا ایک بہت بڑا فائدہ ہوا جس کا تذکرہ ہم دوسری باری میں کریں گے۔

اس کے بعد امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے خوارج میں سے حاملینِ قرآن کو مسجد کوفہ آنے کی دعوت دی، تاکہ ان سے ہم کلام ہو سکیں۔ وہ آئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مصحف اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمانے لگے: اے مصحف! لوگوں سے کلام کر، خوارج متعجب ہوئے اور کہنے لگے: یہ تو ورق پر سیاہی ہے۔ یوں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان پر حجت تمام کی۔[1]

خوارج جب سے حروراء پہنچے تھے، اسی وقت سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی دھمکیاں جاری تھیں، لوگ ان کی حرکات و سکنات کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی بابت خبر دیتے تھے۔ کہتے: امیر المومنین! انھوں نے آپ کے خلاف خروج کیا ہے۔ تو آپ فرماتے: انھیں چھوڑ دو۔ جب تک وہ مجھ سے جنگ نہیں کرتے، میں بھی ان پر ہتھیار نہیں اٹھاؤں گا اور عنقریب وہ ضرور ایسا کریں گے۔[2]

صعصعہ بن صوحان رحمہ اللہ نے خوارج سے کہا: ''تم کس وجہ سے اپنے خلیفہ سے جنگ پر آمادہ ہو۔''[3] مراد جنگ کی دھمکیاں تھیں، کیوں کہ جنگ کا پہلا مرحلہ یہی ہوتا ہے۔

---

[1] عنقریب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مناظرہ [رقم: ۴۷۹] پر آ رہا ہے۔
[2] دیکھیے: [رقم: ۴۸۳]
[3] دیکھیے: [رقم: ۳۷۷]

⊙ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوبارہ خوارج کی طرف جانا:

خوارج کی حرکتوں اور دھمکیوں کے باوجود سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے دوبارہ خوارج کے ہاں جانے کی اجازت طلب کی۔ لیکن دعوتِ اطاعت کی غرض سے نہیں، بلکہ اپنے اور خوارج کے مابین اعلانیہ مناظرے کی غرض سے۔ ابتداء میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس سے منع کر دیا، کہ کہیں انھیں نقصان نہ پہنچا دیں، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما خوارج سے پہلے تجربے کے بعد جانتے تھے کہ انھیں ڈرا دھمکا کر اطاعت کی دعوت دے کر یا اطاعت کی اہمیت ذکر کر کے تعامل نہ کیا جائے جس کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ ان کے دلوں پر جہالت اور شبہات چھا چکے ہیں۔ ان میں روشنی کی کوئی کرن باقی نہیں رہی اور نہ ہی حق کو قبول کرنے کے لائق ہیں۔ آپ جان گئے کہ یہاں ایک عالمِ ربانی اور راسخ فی العلم شخص کی ضرورت ہے جو ان پر حق ظاہر کر سکے، ان کے شبہات کا جواب دے سکے، تو اس کے لیے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خود کو پیش کیا۔

پہلی مرتبہ جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج کو اطاعت کی دعوت دی تو گو انھوں نے قبول نہیں کی مگر اس سے عظیم فائدہ حاصل ہوا، کیونکہ آپ پر ان کی مشکلات کا سبب اور اس کے علاج کا طریقہ واضح ہو گیا تھا۔ آپ کو علم ہو چکا تھا کہ ان کے لیے کیا درست ہے اور کیا درست نہیں ہے۔ اگرچہ ظاہراً یہی لگتا تھا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک لاحاصل تجربہ کرنے جا رہے ہیں، مگر اعتبار نتائج کا ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال نہ ہوتی اور پہلا تجربہ نہ ہوتا تو دوسری دفعہ اتنی بڑی کامیابی نصیب نہ ہوتی۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما چاشت کے وقت امیر المومنین کے پاس پہنچے اور کہا: امیر مومنین! نمازِ ظہر کو ذرا ٹھنڈا کر کے ادا کر لیجیے۔ شاید میں اس قوم سے کچھ کلام کر سکوں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: مجھے آپ کی جان سے خطرہ ہے، تو انھوں نے کہا: ایسا نہیں ہے۔[1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے علی رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ ''آپ مت ڈریں!'' کیونکہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتے تھے اور بہتر سلوک کرتے تھے۔ آپ دن کے پہلے پہر حروراء کے لیے نکلتے اور درمیانے پہر واپس کوفہ آ جاتے، آپ دن کے آخری پہر یا رات کے وقت نہ جاتے، نہ ہی ان کے یہاں رات گزارتے بلکہ واپس آ کر رات کوفہ میں بسر کرتے۔ آپ ان کی ناعاقبت اندیشی اور کم فہمی کو جان چکے تھے، آپ نے ان کے ساتھ تعامل کرتے ہوئے احتیاطاً گفتگو کے نشیب و فراز کو ملحوظ رکھا۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۸۲]

آپ جب خوارج کے پاس پہنچے تو ان کی عبادت سے متعجب ہوئے۔ ابن الکواء نے اپنے متبعین کو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امورِ دین اور قرآن کے بارے میں مناقشہ کرنے سے منع کیا۔ مگر انھوں نے ابن الکواء کی بات پر کان نہ دھرے۔ آپ نے تین دن تک ان سے مباحثہ کیا۔ اس مناظرے کی تفصیل عنقریب آئے گی۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما مناظرے کے بعد دو ہزار لوگوں کو توبہ کی غرض سے اپنے ہمراہ امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آئے۔ جنھوں نے اپنی توبہ کا اعلان کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کو تسلیم کر لیا۔ عبداللہ بن شداد کا قول ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہمراہ چار ہزار[2] خوارج آئے اور ابن الکواء سمیت سب نے توبہ کر لی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ آ گئے۔[3]

بلاذری کی روایت ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ مناظرہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بذاتِ خود ان کے پاس جانے سے قبل ہوا۔ بلاذری بیان کرتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ حروراء کی جانب گئے اور آپ نے جا کر خوارج سے گفت وشنید کی اور ان پر حجت تمام کی۔ یہ سب ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کی جانب بھیجنے کے بعد کا قصہ ہے، جس کی بنا پر وہ سب لوگ کوفہ آ گئے۔[4]

ان کے یہ کہنے ''تو وہ سب کوفہ میں داخل ہوئے'' سے مراد شاید وہ سب لوگ ہیں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ آ گئے تھے، کیوں کہ کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے جن سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے معاہدہ کر لیا تھا۔[5]

⑦ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بذاتِ خود خوارج کے پاس حروراء گئے

آپ کے ہمراہ آپ کے رفیق، مقررِ بلیغ صعصعہ بن صوحان عبدی اور ابن الکواء بھی تھے۔ ابن الکواء پہلے خوارج کا سردار تھا، پھر تائب ہو گیا تھا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خوارج سے مایوسی کے بعد جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کامیابی حاصل کر لی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حیرت ہوئی، پھر انھوں نے بطورِ خلیفہ خود خوارج کی طرف جانے کا عزم کیا۔ چنانچہ آپ

---

① [رقم: ۴۸۲، ۴۸۳] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

② اسی طرح ابن شداد نے کہا ہے اور ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ صحیح قول کے مطابق وہ دو ہزار لوگ تھے۔

③ دیکھیے: [رقم: ۴۷۹]

④ دیکھیے: [رقم: ۴۶۸]

⑤ دیکھیں: [رقم: ۴۷۹]، عنقریب ایک حدیث آ رہی ہے جس میں بیان ہے کہ خوارج کی جماعت کے کتنے لوگ باقی رہ گئے تھے۔ مزید دیکھیں: (ص: ۶۳۳)

ان کی جانب چلے گئے، آپ کے ہمراہ عرب کے خطیبِ بے باک صعصعہ بن صوحان عبدی اور خوارج سے تائب ہونے والا ایک شخص عبداللہ بن الکواء بھی تھا جو خوارج کا سردار تھا، بعد ازاں تائب ہو گیا تھا۔

انھوں نے خوارج سے بات چیت کی، ان کے مابین صلح ہو گئی جس بنا پر اکثر خوارج کوفہ لوٹ آئے[1] اور کچھ لوگ حروراء میں بچ گئے جن کی تعداد قریباً ۵۰۰ تھی۔ ان کے سردار فروہ بن نوفل اشجعی تھے۔[2]

صعصعہ بن صوحان رحمہ اللہ کے قصے میں آتا ہے کہ انھوں نے خوارج کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیا، تو بہت سارے لوگوں نے آپ کی بات مان لی، تو انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کے بارے میں بتایا۔ پھر کافی تعداد میں لوگ کوفہ آ گئے۔[3]

اسی طرح ایک صحیح روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کلام کے الفاظ موجود ہیں، آپ نے ان سے کہا: تم لوگ اس قضیہ (تحکیم) پر صبر کا دامن نہ چھوڑو۔ اگر تم مجھے ''الدنية'' (ذلت) قبول کرتا پاؤ تو مجھ سے علاحدگی اختیار کر لینا۔[4]

صعصعہ بن صوحان رحمہ اللہ **کا کلام:** ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم کو قبول کر لیا اور لوٹ گئے، دوسرے لوگوں نے بھی واپسی کی راہ لی۔ ان میں سے کچھ لوگ حروراء چلے گئے، جو بعد میں خوارج کے نام سے موسوم ہوئے۔ ان کی تعداد ۱۰ ہزار سے کچھ زائد تھی۔ اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس پیغام بھیجا[5] اور انھیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیا مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ پھر ان کے پاس صعصعہ بن صوحان آئے اور انھیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہا، تم کس وجہ سے اپنے خلیفہ سے لڑتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: ہم فتنے سے خوفزدہ ہیں۔[6] آپ نے ان سے کہا: اگلے برس کے فتنے کے خوف سے اس سال

---

① تفصیل دیکھیں: [رقم: ۴۶۶]

② عنقریب فروہ بن نوفل اشجعی کا قصہ [رقم: ۶۰۰، ۶۰۱] آ رہا ہے۔

③ تفصیل دیکھیں: [رقم: ۳۸۰]

④ مزید دیکھیں: [رقم: ۶۰۱]

⑤ یعنی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا جو انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے رہے، مگر وہ انکار پر ڈٹے رہے۔ مزید تفصیل کے لیے [رقم: ۴۶۶، ۴۶۷] دیکھیں۔

⑥ یعنی ہم دین میں فتنے کی بابت خوفزدہ ہیں اور ان کے زعم کے مطابق تحکیم پر رضا مندی کفر کا سبب ہے۔ اس سے ان کا مقصود تھا کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اتباع کر کے کہیں کفر میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس بات سے وہ ڈرتے تھے، کیونکہ ان کے گمان کے مطابق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کفر کے مرتکب ہوئے جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین میں بندوں کو حاکم بنایا۔

کی گمراہی میں جلدی نہ کرو۔[1] چنانچہ انھوں نے رجوع کر لیا،[2] یہ مکالمہ اس بات کی دلیل ہے کہ صعصعہ بن صوحان کا مکالمہ بہت زیادہ پر اثر تھا۔

یعقوب بن شیبہ سے اس کی تفصیل یوں منقول ہے: صعصعہ بن صوحان نے ان سے کہا: یہ قضیہ تو آئندہ سال ہوگا، لہٰذا تم اپنے اسی حال میں رہو[3] حتی کہ تمھیں قضیے کی کیفیت کا علم ہو جائے۔[4] انھوں نے کہا: ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں ابو موسیٰ کوئی کفریہ کام نہ کر دے۔[5] کہا: تم آئندہ برس کے کفر کے خوف سے اس برس کا کفر تو نہ کرو۔ جب صعصعہ آ گئے تو عبداللہ بن الکواء کہنے لگے: اے قوم! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں نے تمھیں اس معاملے کی دعوت دی تھی؟ انھوں نے کہا: بالکل ایسا ہی ہے۔ اس پر ابن الکواء کہنے لگے: یہ شخص مشفق و ناصح ہے، لہٰذا تم اس کی اطاعت کر لو۔ لوگوں کی کثیر تعداد نے صعصعہ بن صوحان کی بات مان لی، جس کی خبر اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دی تو کئی لوگ آئے اور کوفہ میں داخل ہو گئے۔[6]

جہاں تک ابن الکواء کے کلام کا تعلق ہے تو سابقہ روایت میں گزر چکا ہے کہ جب صعصعہ گفتگو سے فارغ ہو چکے تو ابن الکواء کہنے لگے: اے قوم! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں نے تمھیں اس معاملے کی طرف دعوت دی تھی یعنی کہ خارجی قول سے توبہ کرنے سے پہلے تمھیں اس کی طرف نہیں بلایا تھا؟ تو وہ کہنے لگے: کیوں نہیں! آپ کہنے لگے: تو پھر اس مشفق و ناصح کی بات مان لو۔[7] اس کے بعد اکثر لوگوں نے آپ کی اتباع کر لی اور صعصعہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کے رجوع کی بابت بتایا۔ تو خوارج کے اکثر لوگ کوفہ آ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مل گئے۔[8]

---

[1] وہ ان سے کہنے لگے کہ تم فتنے میں پڑھنے میں جلدی مت کرو۔ اس سے مراد آئندہ فتنے کے خوف سے امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنا تھی اور اجتماع الحکمین ممکن ہے آئندہ برس ہو یا نہ ہو سکے۔ صعصعہ بن صوحان رحمہ اللہ کا قول ان کا الزامی جواب ہے، نہ کہ ان کی موافقت۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۳۷۷]

[3] یعنی امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی بن جاؤ۔

[4] اس سے مراد موعد التحکیم ہے۔

[5] اس کی درست عبارت "فلا تضلوا" ہے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

[6] دیکھیے: [رقم: ۳۸۰]

[7] یعنی صعصعہ بن صوحان رحمہ اللہ۔

[8] دیکھیے: [رقم: ۳۸۰]

⑧ خوارج کی کم فہمی

خوارج نے اپنی عادت کے مطابق اس اتفاق سے غلط مراد لے لی، انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول کہ میں ''الدنیة'' (ذلت) کو قبول نہ کروں گا، سے مراد یہ لیا کہ میں تحکیم قبول نہیں کروں گا۔ انھوں نے ''الدنیة'' کی تفسیر تحکیم کر دی۔ اسی ناقص اور غلط فہمی کی بنا پر انھوں نے سمجھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ عنقریب اہلِ شام سے معاہدہ ختم کر دیں گے اور تحکیم ختم کر دیں گے، نیز ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکمین کے اجتماع میں نہیں بھیجیں گے۔ نیز انھوں نے سمجھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا ہے، سو اب انھوں نے کفر سے توبہ کر لی ہے۔

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دنیت قبول نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اہلِ شام سے سوائے بیعت یا قتال کے کچھ قبول نہ کریں گے۔

خوارج حروراء سے واپس کوفہ اسی کم فہمی کے ساتھ آئے تھے، لیکن کوفہ داخل ہوتے ہی اپنی کم فہمی کی بنا پر افواہیں پھیلانے لگے، انھوں نے یہ افواہیں مشہور کیں:

- سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم میں رضامندی سے رجوع کر لیا ہے اور کفر سے تائب ہو گئے ہیں۔
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اعتراف کر لیا ہے کہ تحکیم کفر و ضلالت ہے۔
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تحکیم کو باطل قرار دیا ہے اور اسے ختم کر دیا ہے۔
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ تحکیم کے لیے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو کبھی روانہ نہیں کریں گے۔
- امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ تحکیم کے بجائے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر سے جنگ کرنے جلد شام کا رُخ کریں گے۔

خوارج کے کوفہ آنے کے تقریباً دو دن بعد جمعرات کے روز اشعث بن قیس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خوارج کی باتوں کے بارے میں بتایا، اگلے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطبۂ جمعہ میں منبر پر خطاب کیا اور خوارج کے تمام دعووں کا انکار کر دیا، آپ نے تحکیم کو کفر و ضلال کہنے والی منحرف آراء پر ملامت کی۔

اشعث بن قیس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: لوگ باتیں کر رہے ہیں کہ آپ نے کفر سے رجوع کر لیا ہے۔ اگلے روز جمعہ تھا، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد خطبہ ارشاد فرمانے

لگے، آپ نے ان کا ذکر کیا، اور لوگوں سے خوارج کے الگ ہونے کا ذکر کیا، نیز اس معاملے کا ذکر کیا جس کی وجہ سے انھوں نے علاحدگی کی پھر ان پر تنقید کی۔ ①

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب وہ کوفہ داخل ہوئے تو لوگوں نے کہنا شروع کر دیا: امیر المومنین نے توبہ کر لی ہے اور اس تحکیم کو کفر و ذلالت مان لیا ہے، اب ہم جانوروں کے فربہ ہونے کے منتظر ہیں۔ ② اس کے بعد ہم شام جائیں گے۔ اس بات کی خبر سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: جس نے یہ کہا کہ میں نے تحکیم سے رجوع کر لیا ہے اور تحکیم کفر و ذلالت ہے، وہ شخص جھوٹا ہے۔ ③

تو لوگ مسجد کے کونوں سے نکل کر کہنے لگے: ''حکم بس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔'' جس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرمایا: ہاں یہ بات درست ہے کہ حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔ لیکن یہ کلمہ حق ہے جس سے مراد باطل لی جا رہی ہے۔ سو اب ہم تمھارے ساتھ تین طرح کا سلوک کریں گے: ہم تمھیں اللہ تعالیٰ کی مساجد میں ذکر سے نہیں روکیں گے، مالِ فے سے منع نہیں کریں گے اور جب تک تم ہم سے لڑائی نہیں کرتے، ہم تم پر تلوار زنی نہیں کریں گے۔ پھر آپ دوبارہ خطبہ دینے لگے۔ ④

تو ایک شخص آپ کے سامنے آکر کانوں میں انگلیاں دبائے کہنے لگا:

﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ [الزمر: ٦٥]

''آپ کی طرف اور آپ سے پہلے والوں کی طرف وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔''

تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے:

﴿ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴾ [الروم: ٦٠]

''صبر کر یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے، وہ لوگ تیرا استخفاف نہ کریں جو یقین ہی نہیں رکھتے۔'' ⑤

---

① دیکھیے: [رقم: ۴٦٧]

② اس سے ان کا مقصود تھا کہ ہم موسم سرما کے گزر جانے کے منتظر ہیں پھر موسم بہار میں جانور کھا پی کر خوب فربہ ہو جائیں گے۔

③ دیکھیے: [رقم: ۴٧١]

④ دیکھیے: [رقم: ۴٦٩]

⑤ ملاحظہ ہو: [رقم: ۴٦٦، ۴٦٧]

⑨ حروراء میں رہ جانے والے بقیہ معاندین کو خط

خوارج کے دو ہزار لوگ جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ اور ایک بڑی جماعت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ ایک غلط فہمی کے ساتھ واپس آ گئی تو پیچھے خوارج کی تعداد پانچ ہزار رہ گئی تھی، جو آخری دم تک حروراء ہی میں مقیم رہے۔ ان کا امیر فروہ بن نوفل اشجعی تھا۔ اس گروہ نے نصیحت ماننے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کوفہ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سرکشوں کی جانب ایک مراسلہ تحریر کیا: ہمارے اور لوگوں کے مابین جو معاملہ ہوا وہ یقیناً تم دیکھ چکے ہو۔[1] لہٰذا امتِ محمدیہ کے باہم مل جانے تک تم جہاں چاہو قیام کر سکتے ہو۔[2] البتہ اس کی چند شروط ہیں:

① تم ناجائز خون ریزی نہیں کرو گے۔

② کسی کا راستہ نہیں روکو گے۔

③ کسی ذمی پر ظلم نہیں کرو گے۔

اگر تم اس معاملے میں خیانت کے مرتکب ہوئے تو پھر تمھارے اور ہمارے مابین جنگ ہو گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔[3]

صعصعہ بن صوحان کے قصے میں بیان ہوا ہے کہ انھوں نے خوارج کو قسم دی، تو اکثر لوگوں نے ان کی بات مان لی۔ جس کی خبر انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دی، پھر بہت سے لوگ کوفہ آئے۔[4] اسی طرح ایک روایت میں لوگوں کی کثیر تعداد کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ حروراء سے تمام خوارج کوفہ نہیں آئے تھے۔

واقدی کی روایت میں ہے: جب ابن عباس رضی اللہ عنہما[5] نے ان سے بات چیت کی تو وہ تین گروہوں

---

[1] اس سے آپ کا مقصود یہ کہنا تھا کہ تم دیکھ چکے کہ کیسے تمھارے ساتھیوں نے توبہ کی اور وہ مسلمانوں کی جماعت سے آملے ہیں، البتہ جہاں تک تمھاری بات ہے تو تم انکار پر ڈٹے ہو۔

[2] یعنی تم نے رجوع کرنے سے انکار کر دیا لہٰذا اب حروراء یا جہاں تمھارا جی چاہے رہو، حتی کہ ہمارے اور تمھارے مابین صلح ہو جائے یا ہماری اور اہلِ شام کے مابین صلح ہو جائے

[3] ملاحظہ ہو: [رقم: ۴۷۹]

[4] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۸۰]

[5] واقدی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ جبکہ درست بات یہ ہے کہ جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان سے ہم کلام ہوئے۔

میں بٹ گئے۔ ایک گروہ وہیں چلا گیا، جہاں پہلے ٹھہرا ہوا تھا، دوسرا وہیں ٹھہرا رہا اور کہنے لگا کہ ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے معاملے میں عجلت بازی سے کام نہیں لیں گے اور ہم معاملہ نمٹ جانے تک انتظار کریں گے۔ یہ نخیلہ کے لوگ تھے۔[1]

بلاذری کی روایت میں ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب تحکیم کی کتابت کی تو لوگ تین طبقوں میں منقسم ہو گئے: کچھ نے "لا حكم إلا للّٰه" کا نعرہ لگانا شروع کر دیا۔[2] ایک گروہ اپنے پہلے شہروں اور گھروں کی طرف چلا گیا اور ایک کہنے لگا: ہم یہ معاملہ نمٹ جانے تک انتظار کریں گے اور عجلت سے کام نہیں لیں گے۔"[3]

⑩ خوارج سے نسبتاً نرمی،[4] جبکہ ان کی اشتعال انگیزی اور بیعت توڑنے کا بیان

اس کے بعد خوارج حروراء رہنے لگے، کوفہ اور اس کے مضافات میں نسبتاً سکون ہو گیا، پھر جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اجتماعِ حکمین میں بھیجنے کا ارادہ کیا تو خوارج کے سرکردہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے: آپ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے لیے روانہ نہ کریں، نہ تحکیم پر رضامندی کا اظہار کریں، بلکہ آپ اہلِ شام سے جنگ کریں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات نہ سنی اور ان سے کہا: ایک قوم ہم سے وعدہ کر کے گئی،[5] سو اس وعدے کو توڑنا جائز نہیں ہے۔[6]

آپ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ماہِ رمضان المبارک ۳۷ھ[7] میں تحکیم کے مقام پر روانہ کر دیا

---

① ملاحظہ ہو: [رقم: ۶۰۰]

② خوارج نے تحکیم کا نعرہ لگایا: یعنی انھوں نے کہا کہ حکم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کا چلے گا اور اس روایت میں احنف کا تذکرہ خطا پر مبنی ہے، بلکہ احنف فاضل، حکیم، بردبار اور امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حمایت یافتہ تھا۔ سابقہ روایت دیکھیے۔

③ ملاحظہ ہو: [رقم: ۶۰۱]

④ خوارج کہاں سکونت پذیر ہوئے۔ اس کے لیے دیکھیں: [رقم: ۴۷۱] اس میں بیان ہے کہ تحکیم کے بعد خوارج حروراء نامی جگہ پر آ کر بسے۔

⑤ اس قوم سے مراد اہلِ شام تھے۔

⑥ ملاحظہ ہو: [رقم: ۴۷۳]

⑦ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے رمضان المبارک میں اجتماعِ حکمین کی جانب نکلنے کے بارے میں [رقم: ۴۶۴] اور اس کے بعد کی تعلیق اور [رقم: ۴۷۴] ملاحظہ ہو۔

جس پر خوارج پھر سے مشتعل ہو گئے اور انھوں نے عبداللہ بن وہب راسبی کے مکان میں گٹھ جوڑ کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی۔ اور ۱۰/شوال ۳۷ھ کو عبداللہ بن وہب راسبی کی بیعت کر لی۔

اب وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی تیاری کے لیے کوفہ کے بازار سے اسلحہ اور گھوڑے خریدنے لگے۔ اسی ماہِ شوال میں چار ہزار لوگوں کے ہمراہ نہروان کے مقام پر چلے گئے اور دوسری بار سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے علاحدگی اختیار کر لی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، نہ ان کا پیچھا کیا، حتی کہ آپ نے انھیں ہتھیار اور گھوڑے خریدنے سے بھی نہیں منع کیا، بلکہ نہروان کی جانب جانے سے بھی منع نہیں کیا۔ کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے معاہدہ کر لیا تھا کہ جب تک وہ ناجائز خون ریزی نہیں کریں گے، آپ ان سے جنگ نہیں کریں گے[1] اور اس عہد کے بعد انھوں نے ابھی تک خون ریزی نہیں کی تھی۔

یعقوب بن شیبہ بیان کرتے ہیں: خوارج گھوڑے خریدنے لگے اس کی اطلاع سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دی گئی، تو انھوں نے فرمایا: انھیں چھوڑ دو، پھر خوارج یہاں سے نکل کر نہروان چلے گئے۔[2]

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فتنۂ خوارج اور ان کے شر کے پیشِ نظر اجتماعِ حکمین میں حاضر نہیں ہو پائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان پر نظر رکھے ہوئے تھے اور ان کی نگرانی کر رہے تھے۔

[**476**] بلاذری روایت لائے ہیں کہ مدائنی بیان کرتے ہیں ابو الفضل تنوخی سے، وہ ان سے بیان کرتے ہیں جنھوں نے میمون بن مہران سے سنا، وہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں: جب ۳۷ھ کو ماہِ رمضان کا چاند نظر آیا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق سے ۴۰۰ لوگوں کو لے کر دومۃ الجندل پہنچے اور یزید بن حر العبسی کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جانب قاصد بنا کر روانہ کیا کہ وہ جا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کے دومۃ الجندل میں پڑاؤ کے بارے میں خبردار کرے اور انھیں وعدہ وفا کرنے کا کہے، وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انھیں حاضری کے لیے ابھارا، کہنے لگا: آپ کی یہاں موجودگی خیر کا باعث ہے اور جنگ بندی اور بغض وعداوت ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ابن حر! میں ان لوگوں (خوارج) سے نمٹ کر رہوں گا۔ اگر میں نے انھیں چھوڑ دیا اور ان کے پاس نہ ہوا تو اس شہر میں فتنہ ان کے اور اہلِ شام کے مابین جنگ سے بھی بدتر ہو گا، البتہ میں سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنا قاصد بنا کر روانہ کر رہا ہوں۔ یقیناً لوگ ان پر راضی ہیں، نیز اپنا والی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بنا رہا ہوں، میں حکمین کے اجتماع

---

[1] چند صفحات قبل (ص: ۶۳۳) ملاحظہ ہو۔

[2] ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۸۰]

سے بے خبر نہیں رہوں گا، چنانچہ آپ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بصرہ سے اور سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو بعض اطراف سے بلوا لیا، اور انھیں گھڑ سواروں کے ساتھ بھجوا دیا، جب کہ خود وہیں پر مقیم رہے۔[1]

[477] بلاذری سے منقول ہے، عامر شعبی بیان کرتے ہیں: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کا ارادہ کیا تو حرقوص بن زہیر تمیمی، شریح بن اوفی عبسی اور فروہ بن نوفل اشجعی،[2] عبداللہ بن شجرہ سلمی، حمزہ بن سنان سدی اور عبداللہ بن وہب راسبی آپ کے پاس آئے۔ عبداللہ بن وہب راسبی کو ذوالثفنات کہا جاتا تھا، کیوں کہ سجدوں کے آثار اس کے چہرے اور ہاتھوں پر موجود تھے، تو ان کی تشبیہ اونٹ کے ثفنات سے دی گئی۔ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو مقرر نہ کریں، اور شام چلے جائیں۔ لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس سے انکار کر دیا، فرمایا: ہم سے وہ لوگ ایک چیز پر جدا ہوئے ہیں۔[3] سو اس میں کوتاہی جائز نہیں ہے۔ تو وہ عبداللہ بن وہب کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یا زید بن حصین کے گھر میں جمع ہو گئے، وہاں انھوں نے علی رضی اللہ عنہ کے صفین میں شہید ہونے والے ساتھیوں کو یاد کیا، جیسے سیدنا عمار بن یاسر، ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص، خزیمہ بن ثابت، ابو ہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہم وغیرہ۔ پھر حکمین کے معاملے کا ذکر کیا اور تحکیم پر رضا مندی ظاہر کرنے والوں کی تکفیر کرنے لگے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے براءت کا اظہار کرنے لگے۔ پھر بعض حروری ایک دوسرے سے ملنے لگے، تو عبداللہ بن شجرہ نے ان سے کہا: اے میری قوم کے لوگو! مدائن کی جانب کوچ کر جاؤ اور تب تک وہاں ٹھہرے رہو، یہاں تک کہ وہ لوگ بھی آ جائیں جن کو ملانے کی تم کوشش کر رہے ہو۔ اس بستی کو خالی کر دو جس کے باشندے ظالم ہیں۔

اس پر زید بن حصین کہنے لگے: مدائن کے گورنر سعد بن مسعود ہیں، وہ ہمیں اس سے منع کریں گے اور ان کے اور تمھارے درمیان حائل ہوں گے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو اپنی امارت پیش کرنے لگے، کوئی قبول کرنے کو تیار نہیں تھا بلکہ اسے ٹھکرا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ذو الثفنات نے قبول کر لی اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں یہ ریاست دنیا میں رغبت کے لیے نہیں لے رہا، نہ ہی اسے موت کے ڈر سے چھوڑوں گا، پھر وہ نہروان کی طرف چلے گئے۔[4]

---

[1] أنساب الأشراف (۲/۳۴۵- ۳۴٦) یہ خبر مقبول ہے۔ اور [رقم: ۴٦۴] پر گزر چکی ہے۔

[2] فروہ اشجعی کی روایات کا آئندہ ذکر ہوگا۔ دیکھیے: [٦٦٠، ٦٠١] اور ان دونوں کے پہلے اور بعد والے حواشی۔

[3] یعنی اہلِ شام۔

[4] أنساب الأشراف (۲/۳۵۹) مقبول روایت ہے، اس کا ذکر ابو الہیثم بن تیہان نے کیا ہے۔ اس کی تخریج [رقم: ۴۷۳] میں گزر چکی۔

[478] بلاذری سے منقول ہے، شعبی بیان کرتے ہیں: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج کی طرف بھیجا۔ ...الخ! ان میں سے دو سو افراد نے رجوع کر لیا اور دوسرے اپنے موقف پر قائم رہے۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو فیصلہ جاری کرنے کے لیے شام روانہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو آپ کے پاس حرقوص بن زہیر سعدی، زید بن حصین طائی، زرعہ بن برج طائی ایک جماعت کے ساتھ آئے، انھوں نے درخواست کی کہ آپ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو نہ بھیجیں، بلکہ ان کو شام بھیجیں تاکہ وہ شامیوں سے جنگ کر سکیں۔ مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ رمضان میں (دومۃ الجندل) چلے گئے۔ اس وقت یہ سب لوگ زید بن حصین طائی کے گھر اکٹھے ہوئے اور انھوں نے عبداللہ بن وہب کی بیعت کر لی جسے ذوالثفنات کہا جاتا تھا، کیونکہ اس کی پیشانی، ناک اور ہاتھوں پر سجدوں کے آثار تھے۔ اسی بنا پر اسے اونٹ کی سخت جگہ کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تھی۔ اس کی یہ بیعت ۱۰/ شوال کو ہوئی۔ اس کے بعد یہ لوگ یہاں سے نکل کر نہروان کے مقام پر اکٹھے ہوئے اور "لا حکم إلا للّٰہ" کا نعرہ لگانے لگے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ان لوگوں کا کہنا ہے کہ کوئی امارت نہ ہوگی، حالانکہ امیر کا ہونا ضروری ہے، تاکہ مومن اس کی امارت میں کام کر سکے اور فاجر فائدہ اٹھا سکے۔ جو بات یہ لوگ کرتے ہیں، وہ کلمۂ حق تو ہے مگر اس سے وہ باطل چاہتے ہیں۔ اگر یہ لوگ کلام کریں گے تو ہم بحث کریں گے اور اگر یہ خاموش رہیں تو ہم خاموش رہیں گے۔ جب حکمین میں اختلاف ہو گیا، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مکتوب ارسال کیا، تب وہ نہروان میں جمع ہو چکے تھے، آپ نے لکھا کہ حکمین کسی بات پر رضا مندی کے بغیر جدا ہو گئے ہیں، لہٰذا تم وہیں چلے جاؤ، جہاں پہلے تھے اور ہمارے ساتھ جنگ کرنے کے لیے شام چلو، مگر انھوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے: ہم تب تک آپ کے ہمراہ نہیں جائیں گے، جب تک آپ توبہ نہیں کر لیتے اور اپنے کفر کی گواہی نہیں دے دیتے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔[1]

خوارج کے انکار اور توبہ کے مطالبہ کی وجہ یہ تھی کہ ان کے خیال میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو امام بنانا جائز نہیں تھا، کیوں کہ وہ ان کی تکفیر کر چکے تھے۔ اسی لیے وہ ان کے ساتھ شام جانے سے رُک گئے۔

---

[1] أنساب الأشراف (۲/۳۶۰) یہ روایت مقبول ہے اور مکمل گزر چکی ہے: [رقم: ۴۷۴]۔

⑪ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا معرکۂ شام کی تیاری کرنا اور خوارج کو اپنے ساتھ لڑنے کی دعوت دینا

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ شام کے لیے تیاری کی اور خوارج کو اپنے ساتھ جانے کی دعوت دی۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے غیر نتیجہ خیز ہونے کی خبر ملی، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بارِ دگر اہلِ شام سے لڑنے کے لیے اپنا لشکر لے کر جانے کا فیصلہ کیا، اور نہروان کے خوارج کو پیغام بھیجا کہ وہ بھی شام کی جنگ کے لیے ان کے ساتھ جائیں مگر انھوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے: ہم تب تک آپ کے ہمراہ نہیں جائیں گے جب تک کہ آپ کفر کا اقرار کر کے توبہ نہیں کر لیتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

بلاذری کا بیان ہے: جب حکمین جدا ہوئے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو مکتوب ارسال کیا، تب وہ نہروان میں جمع تھے۔ مکتوب میں درج تھا کہ حکمین بغیر کسی فیصلے کے جدا ہو گئے ہیں۔ لہٰذا تم اپنی پہلی منزلوں پر واپس آجاؤ اور شام کی جنگ میں ہمارے ساتھ چلو، مگر وہ انکار پر ڈٹے رہے اور کہنے لگے: جب تک آپ کفر کا اقرار کر کے توبہ نہیں کر لیتے ہم آپ کے ساتھ نہیں جائیں گے۔ مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔[1]

⑫ خوارج کی عہد شکنی اور خون ریزی کا بیان

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو جنگِ شام کے لیے اپنے ہمراہ جانے کی دعوت دی، تب وہ نہروان میں خیمہ زن تھے۔ ان کا عملی جواب بجائے اہلِ شام کے خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی تیاری کا تھا۔ حکمین کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب نخیلہ کے مقام پر جنگِ شام کی تیاری میں مصروف تھے، تو آپ کو خوارج کے جرائم، فساد اور خون ریزی کی خبریں موصول ہوئیں جو ان کی عہد شکنی کا اعلان تھیں، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لشکر سے خطاب کیا اور انھیں اللہ کے رسول کی خوارج سے قتال کی فضیلت والی حدیث سنائی۔ اس کے بعد آپ نے پوچھا: کیا تم معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام سے جنگ کرنا چاہتے ہو؟ اگر تم نے وہ جنگ کی اور خوارج کو یوں ہی چھوڑ دیا تو وہ تمھارے اہل و عیال اور بچوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ سب کہنے لگے: نہیں، ہم خوارج سے جنگ کریں گے۔

---

[1] [رقم: ۴۷۴] ملاحظہ ہو۔ یہ روایت مقبول ہے۔

ابن ابی شیبہ کی روایت ہے: نہروان میں خوارج کا ایک گروہ الگ ہو کر لوگوں کو قتل کی دھمکیاں دینے لگ گیا تھا۔ ان کے ساتھیوں نے کہا کہ تم برباد ہو جاؤ! ہم نے اس وجہ سے علی رضی اللہ عنہ سے جدائی اختیار نہیں کی تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب ان کے بارے میں علم ہوا تو آپ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا خیال ہے؟ تم اہلِ شام سے جنگ کرنے کے خواہاں ہو یا پھر ان سے جنگ کرو گے، جو پیچھے تمھارے بیوی بچوں کے پاس رہ گئے ہیں؟ تو سب لوگوں نے کہا: ہم ان سے جنگ کریں گے۔[1]

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو خوارج کی طرف بھیجا، وہ انھیں تین دن تک دعوت دیتے رہے، مگر وہ باز نہ آئے۔[2] پھر آپ نے نہروان کی جانب ان کا تعاقب کیا۔ اس جنگ میں خوارج تباہ ہو کر رہ گئے۔ اس کی تفصیل آئندہ بحث میں آرہی ہے۔

⑬ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خوارج سے مناظرہ

[**479**] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مسند احمد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خوارج سے مناظرہ تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ عبیداللہ بن عیاض بن عمرو القاری کہتے ہیں: عبداللہ بن شداد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا، ہم بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تھا، اور وہ عراق سے ہی آیا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس سے کہنے لگیں: عبداللہ بن شداد! میں جس بارے میں سوال کر رہی ہوں، کیا وہ سچ ہے؟ تو مجھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہونے والوں کی بابت بتا رہا ہے؟ وہ کہنے لگا: میں بھلا آپ سے جھوٹ کیوں کہوں گا؟ فرمایا: پھر ان کا قصہ بتلاؤ؟ کہنے لگا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب معاویہ رضی اللہ عنہ سے معاہدہ کر کے حکمین مقرر کر دیے تو آٹھ ہزار قراء نے آپ کے خلاف خروج کر دیا۔ وہ حروراء نامی جگہ پر جا کر پناہ گزین ہوئے، جو کوفہ کے ایک جانب کا علاقہ ہے۔ ان لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: جو قمیص اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہنائی وہ اتر چکی ہے اور جو نام اللہ تعالیٰ نے آپ کا رکھا وہ ختم ہو چکا ہے۔[3] پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کے دین میں لوگوں کو حکم بنا دیا، جبکہ حکم تو بس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

---

① ملاحظہ ہو: [رقم: ۴۹۶]

② عنقریب سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت [رقم: ۴۹۲] پر آرہی ہے۔

③ قمیص اور نام سے خوارج کا مقصود امیر المومنین کا عہدہ تھا۔ جنگِ صفین میں اہلِ شام سے صلح کا معاہدہ کرتے وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے مٹا ڈالا۔

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو پتا چلا کہ انھوں نے اس بنا پر انھیں ملامت کی ہے اور اس بنا پر ان سے علاحدگی اختیار کی ہے۔ تو آپ نے ایک شخص کو منادی کا حکم دیا، اس نے منادی کی کہ حاملینِ قرآن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں۔ جب سارا گھر قراء سے بھر گیا تو آپ نے ایک بڑا نسخہ منگوایا، اسے اپنے سامنے رکھ لیا، اس پر ہاتھ لگاتے اور کہتے: اے مصحف! لوگوں سے بات کر، اس پر لوگوں نے کہا: امیر المومنین! آپ کس سے بات کر رہے ہیں؟ یہ تو ورق پر سیاہی ہے اور ہم تو اس کے متعلق بات کرتے ہیں، جس سے ہمیں روایت کی جاتی ہے، آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟ آپ فرمانے لگے: تمھارے یہ ساتھی جنھوں نے خروج کیا ہے، میرے اور ان کے مابین کتاب اللہ موجود ہے۔ اللہ اپنی کتاب میں بندے اور عورت کے متعلق کہتے ہیں:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ ﴾ [النساء: ۳۵]

”اگر تمھیں میاں بیوی کی لڑائی کا خدشہ ہو تو ایک حکم مرد کے اہلِ خانہ سے اور ایک عورت کے اہلِ خانہ سے مقرر کر دینا، اگر وہ دونوں اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان توفیق پیدا کر دے گا۔“

لہٰذا امتِ محمدیہ کا خون اور اس کی حرمت میاں بیوی کے جھگڑے سے حد درجہ عظیم ہے۔ مجھے لوگوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے معاہدہ کی بنا پر ملامت کرنا شروع کر دی ہے۔ سیدنا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ [1] ہمارے

---

[1] اس سے مراد: سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ودّ بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوی بن غالب بن فہر عامری قرشی ہیں۔ یہ صحابیِ رسول ہیں اور ان کی کنیت ابو یزید ہے۔ فتح مکہ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ دورِ جاہلیت اور اسلام میں بھلائی کے کاموں میں معروف تھے۔ خطیبِ قریش، فصیح اللسان، قریش کے اشراف زادے، فراخ دل، سخی اور بلیغ مقرر تھے۔ جنگِ بدر میں یہ مشرکین کے ساتھ تھے اور قیدی بنا لیے گئے۔

ایک مرسل روایت میں بیان ہے کہ جب یہ بدر کے قیدیوں میں تھے تو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس کے سامنے کے دو دانت کھینچ لیجیے۔ یوں اس کی زبان باہر آجائے گی اور پھر دوبارہ کبھی آپ کے خلاف زبان درازی کرنے والا خطیب سامنے نہیں آئے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل درآمد نہیں کیا اور فرمایا: ممکن ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کا قائم مقام بن جائے جس کی آپ مذمت نہ کریں۔ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور اہلِ عرب میں سے لوگ مرتد ہونے لگے تو سیدنا سہیل رضی اللہ عنہ بطور خطیب اہلِ مکہ میں کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے اور انھوں نے لوگوں کو اسلام پر ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہنے پر ترغیب دلائی تو بفضل اللہ ←

پاس آئے تو ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس حدیبیہ کے مقام پر تھے، جہاں آپ نے اپنی قوم قریش سے مصالحت کی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے لکھا: بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ تو سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم نہ لکھیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر ہم کیسے لکھیں؟ کہا: لکھو: باسمك اللهم! رسول اللہ ﷺ فرمانے لگے: لکھو: محمد رسول اللہ۔ کہنے لگا: اگر مجھے پتا ہو کہ آپ ہی اللہ کے رسول ہیں تو پھر میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔ لہٰذا انھوں نے لکھ دیا: یہ وہ معاہدہ ہے، جو محمد بن عبداللہ نے قریش سے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ﴾

[الأحزاب: ٢١]

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اسوۂ حسنہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہو۔''

تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی جانب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھیجا، میں بھی ان کے ساتھ گیا، جب ہم ان کے لشکر کے درمیان پہنچے تو ابن الکواء[1] کھڑا ہو گیا، اور لوگوں کو خطبہ دینے لگا: اس نے کہا: اے حاملینِ قرآن! یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، لہٰذا جو کوئی انھیں نہیں جانتا، میں انھیں اللہ تعالیٰ کے کلام سے ان کی پہچان کروا دیتا ہوں۔ قرآن نے جو ﴿ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴾ [الزخرف: ٥٨] کہا ہے، تو یہ انہی کے اور ان کی قوم کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا اسے اس کے ساتھی کی طرف لوٹا دو اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس سے مناظرہ نہ کرو، تو لوگ کھڑے ہو کر کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم اس سے ضرور کتاب اللہ کی بابت مناظرہ کریں گے۔ اگر یہ حق لے کر آیا ہے تو ہم اس سے جان جائیں گے اور اس

← لوگ ثابت قدم ہو گئے۔ انتہیٰ۔ پھر یہ بطور مجاہد شام چلے گئے اور ١٨ھ میں طاعون کے مرض میں ان کا انتقال ہوا۔ یہ وہ خوش نصیب ہستی ہیں کہ جب حدیبیہ کے روز یہ مسلمانوں سے گفت و شنید کرنے کی غرض سے سامنے آئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے نام سے نیک فال لی، جیسا کہ صحیح البخاري (٢٥٨١) میں تذکرہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً تمھارا معاملہ آسان ہو گیا۔'' مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد، الجزء المتمم، الطبقة الرابعة (ص: ٤٣٢) تحقيق السلومي، مشاهير علماء الأمصار (١٨٠)، معرفة الصحابة لأبي نعيم (١٣٢٤/٣)، البداية والنهاية (٣٧٨/٣)، (٣٠٠/٥) سير أعلام النبلاء (١٩٤/١)، الإصابة (٢١٢/٣)

[1] اس کا نام عبداللہ بن الکواء تھا، بعد ازاں اس نے خوارج کے مذہب سے توبہ کر کے اسلام قبول کر لیا اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی صحبت میں دوبارہ چلا آیا۔ (میزان الاعتدال: ٣٢٩/٣)

کی اتباع ضرور کریں گے اور اگر یہ باطل لے کر آیا ہے تو ہم اسے اس کے باطل کے ساتھ شکست دے دیں گے۔

انھوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کتاب اللہ کی بابت تین روز تک مناظرہ کیا، حتی کہ ان میں سے چار ہزار لوگ تائب ہو گئے جن میں ابن الکواء بھی شامل تھا اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہمراہ کوفہ آ گئے۔ باقی ماندہ لوگوں کے پاس سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود تشریف لے گئے اور فرمانے لگے: ہمارا اور لوگوں کا معاملہ تو تم یقیناً دیکھ چکے،[1] تم امتِ محمدیہ کے اجتماع تک جہاں چاہو رہ سکتے ہو۔[2] البتہ شرط یہ ہے کہ ناجائز خون ریزی نہ کرو گے، کسی کا راستہ نہ کاٹو گے اور کسی پر ظلم نہ کرو گے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو پھر کوئی معاہدہ نہیں رہے گا اور ہم تم سے جنگ کریں گے۔[3] یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ابن شداد! تو پھر کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کر دیا؟ کہا: اللہ کی قسم! آپ نے تب تک ان سے جنگ نہ کی جب تک انھوں نے راستہ نہیں کاٹا اور [ناجائز خون ریزی نہیں کی۔ پھر انھوں نے ابن خباب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا] اور ذمیوں پر ظلم کرنا جائز سمجھا۔ سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: کیا اللہ کی قسم! ایسا ہی ہوا؟ کہا: اللہ کی قسم! وہ اللہ جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ فرمایا: مجھے اہلِ عراق کی صرف ایک چیز کا علم ہے جس کا وہ تذکرہ کیا کرتے تھے۔ وہ ذوالثدی ذوالثدی کہتے تھے۔ ابن شداد نے کہا: میں نے یقیناً اسے دیکھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مقتولین میں اس کے پاس بھی کھڑا رہا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بلا کر کہا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ کوئی کہتا کہ میں نے اسے بنوفلاں کی مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی حتمی بات نہ کہہ سکا جس سے اس کی شناخت ہو سکے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ عراق کے گمان کے بارے میں کیا

---

[1] اس سے مقصود آپ کا یہ کہنا تھا کہ یقیناً تم دیکھ چکے ہو کہ تمھارے ساتھیوں نے کس طرح توبہ کر کے مسلمانوں کی جماعت سے الحاق کر لیا، لیکن ایک تم ہو جو انکار پر ڈٹے ہو۔

[2] یعنی اب جب کہ تم رجوع سے انکاری ہو تو تم حروراء یا کسی بھی جگہ رہو جب تک ہمارے اور تمھارے درمیان یا ہمارے اور اہلِ شام کے مابین صلح نہ ہو جائے، ہم تمھارا معاہدہ تمھاری طرف پھینکتے ہیں۔

[3] اب ہم بابانگِ دہل طریقِ مستقیم پر چلتے ہوئے تم سے جنگ کریں گے اور طریقِ مستقیم یہ ہے کہ ہم تمھارے خلاف پرعزم ہو کر جنگ کریں اور تمھیں یہ کھلم کھلا بتلا دیں کہ اب ہمارا تم سے کوئی معاہدہ نہیں۔ اب ہمارے پاس عہد شکنی کے لیے تمھیں جنگ کی بابت خبردار کرنے کے علاوہ کچھ نہیں۔ لہٰذا اب ہم اور تم سب عہد شکنی میں برابر ہوئے۔

کہنا تھا؟ ابن شداد نے کہا: میں نے انھیں کہتے ہوئے سنا کہ اللہ اور اس کے رسول سچے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: کیا آپ نے اس کے علاوہ کوئی اَور بات سنی؟ کہا: نہیں، اس پر سیدہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہاں اللہ اور اس کے رسول سچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، وہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کلام سنتے جو انھیں پسند آتا تو کہا کرتے تھے، اللہ اور رسول نے سچ کہا۔ تو اہلِ عراق ان کی تکذیب کرنے لگے اور ان کے متعلق جھوٹ گھڑنے لگے۔[1]

خوارج کا یہ کہنا: ''امیر المومنین! آپ کس بارے سوال کر رہے ہیں؟ یہ تو محض ورق پر سیاہی ہے'' اس بات کی دلیل ہے کہ مناظرے کے زمانے میں خوارج نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں توڑی تھی، کیونکہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کہہ کر پکارا تھا، انھوں نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اجتماعِ حکمین کے لیے بھیجنے کے بعد بیعت توڑی تھی۔ جب آپ نے انھیں بھیجا تو خوارج نے آپ کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن وہب راسبی کی بیعت کر لی تھی۔ یہ ۱۰/شوال ۳۷ھ کا واقعہ ہے۔[2]

[**480**] اس باب میں عبداللہ بن احمد بن حنبل نے ''زیاداتِ مسند احمد'' میں، نیز ابن ابی عاصم، بزار، نسائی اور ابویعلی نے اپنی سندوں سے بیان کیا ہے، عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: صفین اور تحکیم سے فارغ ہونے سے قبل لوگ مساجد میں مجلسیں لگا کر بیٹھا کرتے تھے۔ اس کے بعد لوگ[3] ان معاملات کو ہلکا لینے لگے اور گلی کوچوں میں معلومات اکٹھی کرنے کے لیے

---

[1] مسند أحمد (٦٥٦) اور بریکٹوں کے درمیان والی زیادت مستدرک حاکم سے ہے۔ شعیب ارناؤط کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ امام ابن کثیر اور امام البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیں: البداية والنهاية (٣١٢/٧)، إرواء الغليل (٢٤٥٩)

تخریج: اسے امام حاکم (۲۶۵۷) نے نقل کیا ہے کہ ہمیں علی بن حمشاذ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ہشام بن علی سدوسی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر عبدی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن سلیم نے اس سند کے ساتھ بیان کیا۔ امام حاکم کہتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شروط کے مطابق صحیح ہے، البتہ شیخین نے اس روایت کو نقل نہیں کیا اور امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔

ابن حمشاذ کا بیان عنقریب [رقم: ۵۶۸] پر آ رہا ہے اور سیدنا سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قصے کو امام بخاری (۲۵۸۱) نے اور امام مسلم (۱۷۴/۵) نے نقل کیا ہے۔

[2] ملاحظہ ہو: [رقم: ۴۷۷، ۴۷۸]

[3] لوگوں سے مراد اہلِ عراق ہیں۔

بیٹھنے لگے،[1] ایک دن ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے اور آپ کسی شخص کے معاملے میں بات کر رہے تھے کہ اچانک آپ کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے سفر والا لباس زیبِ تن کیا ہوا تھا۔ کہنے لگا: امیر المومنین! مجھے بات کی اجازت دیجیے۔ راوی کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ جس معاملے کی بات کر رہے تھے آپ کو اس سے مشغول کر دیا گیا۔ تو ہم نے اس شخص کو پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور کہا: تو کس چیز کے متعلق امیر المومنین سے بات کا ارادہ رکھتا ہے؟ تو اس نے کہا: میں عمرہ پر گیا تھا، تو وہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں جنھوں نے تمھاری زمین میں خروج کیا ہے، جنھیں حروریہ کہا جاتا ہے؟ میں نے عرض کی: یہ لوگ حروراء نامی مقام سے خروج کو نکلے ہیں، اسی لیے انھیں حروریہ کہا جاتا ہے۔ فرمایا: کیا تو نے ان کی ہلاکت کا مشاہدہ کیا ہے؟

راوی بیان کرتے ہیں: مجھے معلوم نہیں کہ اس نے ہاں کہا یا نہ کہا۔ تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا: خوش نصیب ہے وہ شخص، جو ان کی ہلاکت والی جگہ پر حاضر ہوا۔ اللہ کی قسم! اگر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ چاہتے تو تمھیں ان کے بارے میں ضرور بتاتے، میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق سوال کو حاضر ہوا ہوں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب وہاں سے فارغ ہوئے تو کہا: اجازت طلب کرنے والا کہاں ہے؟ راوی کہتے ہیں: وہ کھڑا ہوا اور اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وہی کچھ بتایا جو ہمیں بتا چکا تھا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے "لا إله إلا الله" اور "الله أكبر" کہا۔ دو مرتبہ نعرہ بلند کیا۔ پھر فرمانے لگے: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا آپ کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی! تیرا اور ایسی ایسی قوم کا کیا حال ہوگا؟ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا: قوم کا کیا حال ہوگا؟ میں نے عرض کی: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا: ''ایک قوم مشرق سے نمودار ہوگی، وہ قرآن کی تلاوت تو کریں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے یوں

---

[1] یعنی لوگ مساجد میں باہم مجالس لگایا کرتے تھے اور یہ اس زمانے کا عرف تھا، مگر واقعۂ صفین، تحکیم اور نہروان کے بعد حالات نے کروٹ لی تو لوگوں نے مساجد میں بیٹھنا چھوڑ دیا اور وہ گلی کوچوں اور گزرگاہوں پر غیر مناسب طریقے سے بیٹھنے لگے، تاکہ حالات کی خبروں سے واقف ہو سکیں۔ اس کا سبب پے در پے کثرت سے آنے والے فتنوں سے خوف زدہ اور سہا ہوا ہونا تھا اور اس سے دورِ فتن میں واقع اضطراب کی کیفیت واضح ہوتی ہے اور نفوس پر اس کی شدت بھی عیاں ہو جاتی ہے۔

نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکلتا ہے۔ ان میں ایک شخص ناقص الخلقت ہو گا۔ اس کا ہاتھ حبشی عورت کے پستان کی مانند ہو گا۔‘‘

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا میں نے تمھیں اس کے بارے میں بتا دیا ہے؟ تو وہ کہنے لگے: جی ہاں! آپ نے پھر کہا: میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا تم کو میں نے بتا دیا ہے؟ تو انھوں نے کہا: جی ہاں! پھر فرمایا: مگر تم مجھے بتاتے ہو کہ وہ شخص ان میں نہیں تھا۔ میں نے تمھارے سامنے قسم اٹھائی کہ وہ ان میں سے ہی تھا، انھوں نے کہا: جی ہاں! انھوں نے کہا: جیسے تمھیں اس کے اوصاف بتائے گئے، کیا تم اسے گھسیٹتے ہوئے میرے پاس نہیں لائے تھے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے ”لا إله إلا الله“ اور ”الله أكبر“ کا نعرہ بلند کیا اور تین مرتبہ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا۔[1]

[**481**] عبدالرزاق اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں، ابوطفیل بیان کرتے ہیں: ابن الکواء سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا: اعمال کے اعتبار سے خسارے میں کون لوگ ہیں؟ - فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ صُنۡعًا ﴾ تک[2] - تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیرے لیے بربادی ہو۔ اہلِ حروراء انہیں میں سے ہیں۔[3]

---

[1] یہ روایت مسند أحمد (١٣٧٨، ١٣٧٩)، السنة لابن أبي عاصم (٩١٣)، مسند البزار (٨٧٢)، سنن الكبرى للنسائي (٨٥١٥)، مسند أبي يعلى (٤٨٢)، البداية والنهاية (٣٢٤/٧)، المطالب العالية (٤٤٣٧، ٤٤٣٨) میں مختصر اور مفصل بیان ہوئی ہے اور میں نے ان کے الفاظ کو جمع کر دیا ہے۔
امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی سند جید ہے اور شعیب ارناؤط نے بھی اسی طرح کہا ہے، نیز امام البانی اور احمد شاکر رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [المسند: (١٣٧٨) (١٣٧٩) ط: دار الحديث]

[2] اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ۞ اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴾ [الكهف: ١٠٣- ١٠٤]

[3] تفسیر عبدالرزاق (١٧٢٤) اس کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام راوی شیخین کی شروط کے مطابق ثقہ ہیں۔ ثوری سے مراد: سفیان ہیں اور ابوطفیل سے مراد: عامر بن واثلہ لیثی ہیں۔

تخریج: یہ روایت مفسرین کے نزدیک مشہور ہے۔ اسے امام طبری نے اپنی تفسیر الطبري (١٢٧/١٨) میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سند سے نقل کیا ہے۔ امام طبری کہتے ہیں: اہلِ تاویل نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد علماء اور درویش لوگ ہیں۔ بعض نے کہا: بلکہ اس سے دونوں اہلِ کتاب یہود ونصاریٰ مراد ہیں۔ بعض نے کہا: اس سے مراد خوارج ہیں جبکہ درست قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے مراد ہر وہ شخص لیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا کے حصول کے لیے عمل کرتا ہے اور ہر وہ شخص جو اپنے اعمال کی بدولت اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث بنتا ہے۔

⑭ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خوارج سے مناظرہ

[482] امام حاکم رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مناظرے کا قصہ مفصل بیان کیا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جب خوارج نے خروج کیا تو وہ ایک گھر میں اکٹھے ہوئے،[1] ان کی تعداد چھے ہزار تھی۔ میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی: امیر المومنین! نمازِ ظہر کو ذرا ٹھنڈا کر کے ادا کر لیں، تاکہ میں اس قوم سے کچھ بات کر سکوں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے آپ کی جان کا اندیشہ ہے، میں نے کہا: ہرگز نہیں، فرماتے ہیں: میں ان کے پاس گیا اور میں نے بہترین یمنی جبہ زیبِ تن کیا ہوا تھا۔ ابوضمیر بیان کرتے ہیں: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما خوبصورت اور بلند آہنگ شخص تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: میں ان کے پاس پہنچا تو وہ ایک گھر میں جمع تھے، میں نے انھیں سلام کہا: تو وہ کہنے لگے: ابن عباس! ہم آپ کو مرحباً کہتے ہیں۔ یہ کیسا حلہ ہے؟[2] میں نے کہا: تم مجھ پر کیا الزام لگاتے ہو؟ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین جبہ زیبِ تن کرتے ہوئے دیکھا ہے، پھر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ [الأعراف: ٣٢]

”کہہ دیجیے، کس شخص نے اللہ تعالیٰ کی زینت کو حرام قرار دیا، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہے، کس نے رزق میں سے طیبات کو حرام کیا۔“

انھوں نے کہا: آپ یہاں کس غرض سے آئے ہیں؟ عرض کی: میں آپ کے پاس انصار و مہاجرین صحابہ کے یہاں سے اس لیے آیا ہوں، تاکہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں وہ آپ کو بتا سکوں۔ ان پر قرآن نازل ہوا ہے اور وہ وحی کا تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں، ان کی موجودگی میں قرآن نازل ہوا، تم میں ان جیسا کوئی بھی نہیں ہے۔[3]

تو کچھ کہنے لگے[4]: قریش سے مت جھگڑو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

---

[1] یعنی وہ حروراء میں ایک گھر میں اکٹھے ہوئے۔ حروراء کوفہ سے دو میل دوری پر ایک بستی کا نام ہے۔ (معجم البلدان: ٢/٢٤٥)

[2] یہ غلو کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور تنگی قبول کرنے کا رویہ ہے، یہاں تک کہ لباس میں بھی۔

[3] سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہاں فضائلِ صحابہ اور ان کے علم کا تذکرہ کیا، تاکہ یہ خوارج ان کی اقتدا کریں اور اہلِ حق سے نہ جھگڑیں۔

[4] اس سے مراد عبداللہ بن کواء ہے، جیسا کہ [رقم: ٤٧٩] پر گزر چکا ہے۔

﴿ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴾ [الزخرف: ۵۸] ''بلکہ وہ تو جھگڑالو قوم ہیں۔''[1]

تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں ایسی قوم کے پاس سے یہاں آیا ہوں جن جیسی مجتہد قوم میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ ان کے چہرے جاگ جاگ کر بدل چکے، ان کے ہاتھ اور گھٹنے جھک چکے،[2] تو وہاں سے

---

[1] نصوصِ شریعہ سے غلط فہمی، ان کے اصل مقامات پر غلط استدلال، علماء پر زبان درازی اور ان کی عدمِ توقیر، یہ سب خوارج کی صفات ہیں۔

یہ آیت کفارِ قریش کے بارے میں نازل ہوئی اور اس میں ایک قصہ ہے جسے حبر الامہ اور ترجمان القران سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ امام طحاوی نے "شرح مشکل الآثار" (۹۸۶) میں ابو یحییٰ مولیٰ ابن عقیل انصاری کے واسطے سے نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قرآنِ مجید میں ایک ایسی آیت ہے لوگ اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہیں کرتے اور میرا نہیں خیال کہ لوگوں کو اس آیت کا علم ہوگا، مگر پھر بھی وہ مجھ سے اس کی بابت سوال نہیں کرتے۔ پوچھا گیا: اے ابن عباس! وہ کون سی آیت ہے؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴾ [الأنبياء: ۹۸] تو اہلِ مکہ پر یہ بڑی گراں گزری اور انھوں نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا ہے اس پر ابن زبعری کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ تمھارا کیا معاملہ ہے؟ وہ کہنے لگے کہ محمد نے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا ہے۔ ابن زبعری کہنے لگا: محمد نے کیا کہا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ اس نے کہا ہے: ﴿ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴾ [الأنبياء: ۹۸] ابن زبعری کہنے لگا: اسے میرے پاس لے کر آؤ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا۔ ابن زبعری کہنے لگا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا یہ آیت ہمارے معبودوں کے ساتھ خاص ہے، یا یہ ہر اس معبود کے ساتھ خاص ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلکہ یہ ہر اس معبود کے لیے ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کی جاتی ہے۔'' ابن زبعری کہنے لگا کہ ہم نے اس سے جھگڑا کیا اور اس کعبہ کے رب کی قسم! اے محمد! کیا تیرے زعم کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام عبدِ صالح نہیں ہے؟ عزیر علیہ السلام عبدِ صالح نہیں ہے؟ تمام ملائکہ نیک نہیں ہیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: ''کیوں نہیں۔'' ابن زبعری کہنے لگا: تو پھر نصاری عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں، یہود عزیر علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اور یہ بنو ملیح فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ اہلِ مکہ نے ہنگامہ آرائی شروع کر دی تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴾ [الأنبياء: ۱۰۱] یعنی عیسیٰ علیہ السلام، عزیر علیہ السلام اور فرشتے، پھر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴾ [الزخرف: ۵۷] اور وہ شور وغل مچا رہے تھے۔ اسے امام احمد نے (۲۹۱۸) ابو یحییٰ کے طریق سے نقل کیا ہے اور شعیب ارناؤط نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

[2] عبادت میں اصلاح کے مظاہر اور شدتِ اجتہاد کے درمیان اور صحیح منہج وحق کی ہدایت کے درمیان کوئی لزوم نہیں ہے، لہٰذا ہدایت کا سارا دار و مدار اتباعِ سنتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔

کچھ لوگ چلے گئے۔ بعض کہنے لگے: ہم ضرور اس سے بات کریں گے اور دیکھیں گے کہ کیا کہتا ہے۔ میں نے کہا: تم رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی، آپ کے سسرالیوں اور مہاجرین وانصار کو ملامت کیوں کر رہے ہو؟ انھوں نے کہا: تین وجوہات کی بنا پر ہم ایسا کہہ رہے ہیں۔ پوچھا: کون سی؟[1] کہا: پہلی یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے دین میں بندوں کو حاکم بنا دیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ [الأنعام: ٥٧] ''حکم بس اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔''

بندوں کا حاکمیت سے کیا کام؟ میں نے کہا: ایک چیز ہوگئی۔ انھوں نے کہا: دوسری یہ کہ انھوں نے جنگ[2] میں قیدی بنائے، نہ مالِ غنیمت سمیٹا۔ اگر تو انھوں نے کفار سے جنگ کی تھی تو پھر انھیں قیدی بنانا اور مالِ غنیمت حلال تھا، لیکن اگر وہ مومنین تھے تو پھر ان سے جنگ کیوں کی؟ میں نے کہا: دو چیزیں ہوگئیں۔ تیسری کون سی ہے؟ کہا: انھوں نے ''امیر المومنین'' کا خطاب مٹا دیا ہے، لہٰذا وہ امیر الکافرین ہوئے۔ میں نے کہا: کیا اس کے علاوہ کوئی اَور بھی ہے؟ کہا: بس یہی ہیں۔[3] پھر میں نے ان سے کہا: کیا خیال ہے اگر میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ پڑھ کر سناؤں جس میں تمھاری باتوں کا ردّ ہے، تو کیا تم راضی ہو؟[4] انھوں نے کہا: جی ہاں! میں نے کہا: جہاں تک تمھارا یہ سوال ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملے میں حاکم بنایا تو میں تمھیں اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان پڑھ کر سناتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم بندوں کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ خرگوش یا اس کی مثل کسی اور شکار کی بات ہے جس کی قیمت ایک چوتھائی درہم ہے، فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ [المائدۃ: ٩٥]

---

[1] مخالف کے شبہہ کی معرفت، اس کی تکفیر کا طریقہ اور معاملات کے بارے میں اس کے تصور کی معرفت از حد ضروری ہے، تاکہ مخالف کا ردّ کیا جا سکے، اس کے سوالوں کا جواب دیا جا سکے اور درست راستے کی جانب اس کی راہنمائی کی جا سکے۔

[2] یعنی جنگِ جمل کے دن۔

[3] یہ بہت اہم قاعدہ ہے: مخالف کے کلام کو بغور، توجہ اور انہماک سے سنا جائے اور اس کا ردّ شروع کرنے سے قبل اس کے تمام دلائل کو اکٹھا کیا جائے۔

[4] یہ باہمی حوار کے قواعد میں سے دوسرا بہت اہم قاعدہ ہے، وہ یہ کہ متفق علیہ صحیح اور ثابت روایات کی جانب رجوع کیا جائے۔ جب طرفین کے مابین تنازعہ ہو جائے تو ان روایات کی جانب لوٹا جائے ورنہ باہمی مکالمہ ثمر آور نہ ہو گا۔

''اے ایمان والو! احرام میں ہوتے ہوئے کوئی شکار نہ مارے، تم میں سے جو جان بوجھ کر اسے قتل کرتا ہے تو اس کی جزا اسی کے مثل جانور ہو گا جس کا حکم تم میں سے ہی دو عادل لوگ لگائیں گے۔''

میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں[1]: کیا خرگوش یا اس کی مثل کسی شکار میں بندوں کا حکم افضل ہے، یا پھر بندوں کے خون اور باہمی صلح کے متعلق بندوں کا حکم افضل ہے؟

آپ کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو اس کا فیصلہ خود فرما لیتے، اسے بندوں کے سپرد نہ کرتے۔ نیز میاں بیوی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ ﴾ [النساء: ٣٥]

''اگر تم ان کے درمیان لڑائی سے ڈرتے ہو تو ایک حکم مرد کے گھر سے اور ایک عورت کے گھر سے بنا لو، اگر ان کا اصلاح کا ارادہ ہوا تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان توفیق پیدا کر دے گا۔''

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بندوں کا حکم ایک سنتِ مامون بنا دیا ہے۔ کیا تمھارے اس سوال کا جواب مل گیا؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! پھر کہا: جہاں تک تمھارا جنگ میں قیدی یا مالِ غنیمت کا مسئلہ ہے تو کیا تم اپنی ماں عائشہ کو قیدی بناتے؟ پھر تم ان سے وہ جائز سمجھتے جو دیگر قیدیوں سے سمجھا جاتا ہے؟ اگر تم ایسا کرتے تو کافر ہو جاتے۔ کیونکہ وہ تمھاری ماں ہیں، اور اگر تم انھیں ماں نہیں مانتے تو تم کفر کے مرتکب ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ۗ ﴾ [الأحزاب: ٦]

''نبی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ اولی ہے، اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

لہٰذا تم دو گمراہیوں کے درمیان گھوم رہے ہو، جس جانب کو بھی اختیار کرو گے، گمراہ ہو جاؤ گے۔ اس پر سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ میں نے کہا: کیا اس سوال کا جواب بھی مل گیا؟ کہنے لگے: جی ہاں! عرض کی: جہاں تک تیسرا سوال ہے کہ انھوں نے امیر المومنین کا خطاب کیوں مٹایا؟ تو میں تمھیں اس کی دلیل دیتا ہوں اور دکھاتا ہوں جس سے تم خوش ہو جاؤ گے۔ آپ نے یہ تو سن رکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ

[1] یعنی میں تم سے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں۔ یہ مؤثر خطاب ہے جو انسان کے سارے بدن کو جھنجوڑتا اور انسان کے ایمان اور اللہ کے خوف کے بارے میں انسان کو مشتعل کرتا ہے۔

نے صلح حدیبیہ کے روز سہیل بن عمرو اور ابو سفیان بن حرب سے کتابت کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے امیرالمومنین سے کہا: علی! لکھو: یہ وہ معاہدہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے مصالحت کی ہے، تو مشرکین کہنے لگے: نہیں، اللہ کی قسم! ہمیں نہیں معلوم کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اگر ہمیں علم ہو جاتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ سے جنگ نہیں کرتے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے کہ میں اس کا رسول ہوں۔ علی! لکھو: اس بات پر محمد بن عبداللہ نے مصالحت کی ہے۔'' اللہ کے رسول ﷺ یقیناً علی رضی اللہ عنہ سے بہتر ہیں، جب آپ ﷺ نے لفظِ ''رسول'' مٹایا تو آپ منصبِ نبوت سے نہیں اترے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس کے بعد ان کے دو ہزار لوگ لوٹ آئے، [1] باقی سب ضلالت پر قتل کیے گئے۔ [2]

---

[1] یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ان کی تعداد چھے ہزار تھی جن میں سے دو ہزار لوگوں نے رجوع کر لیا اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی روایت جو عبداللہ بن شداد سے مروی ہے اس میں یہ بات گزر چکی ہے کہ خوارج کی تعداد آٹھ ہزار تھی جن میں سے چار ہزار لوگوں نے رجوع کر لیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: [رقم: ۴۷۹] پہلا قول اُصح ہے کیونکہ وہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

[2] اسے امام حاکم نے المستدرك (٢٦٥٦) میں نقل کیا ہے اور فرماتے ہیں: یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے، البتہ شیخین نے اسے نقل نہیں کیا اور امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔

تخریج: اسے امام بیہقی نے حاکم کے واسطے سے سنن الکبریٰ (١٦٧٤٠) میں نقل کیا ہے اور امام طبرانی نے الکبیر (١٠٥٩٨) میں اور ابونعیم نے الحلية (٣١٨/١) میں عبدالرزاق اور ابو حذیفہ موسیٰ بن مسعود نہدی کے طریق سے نقل کیا ہے۔ یہ دونوں عکرمہ بن عمار سے روایت کرتے ہیں، البتہ ان دونوں نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ خوارج میں سے ۲۰ ہزار لوگوں نے رجوع کر لیا اور باقی ماندہ چار ہزار لوگ قتل کر دیے گئے۔ یہ روایت مصنف عبدالرزاق (١٨٦٧٨) میں ہے، البتہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما جب ان کے پاس آئے تو انھوں نے خوارج کی تعداد کا تذکرہ نہیں کیا۔ لیکن یعقوب بن سفیان نے المعرفة والتاریخ (٥٢٢/١) میں ابو حذیفہ موسیٰ کے واسطے سے ایک روایت نقل کی ہے اور اس میں امام حاکم کی مثل خوارج کی تعداد کا تذکرہ کیا کہ ان کی کل تعداد چھے ہزار تھی جن میں سے دو ہزار لوگوں نے رجوع کر لیا اس کا بیان عنقریب [رقم: ۴۸۳] آ رہا ہے۔

اس روایت کو امام احمد (٣١٨٧) اور امام نسائی نے سنن الکبریٰ (٨٥٢٢) میں عبدالرحمٰن بن مہدی کے طریق سے، انھوں نے سیدنا عکرمہ بن عمار کے واسطے سے روایت نقل کی ہے اور امام احمد نے اس روایت کا اختصار کیا ہے۔ نسائی کے الفاظ ہیں: کہ ان میں سے دو ہزار لوگوں نے رجوع کر لیا اور بقیہ ماندہ لوگ حالتِ گمراہی میں واصلِ جہنم کر دیے گئے، ان خوارج کو مہاجرین اور انصار نے قتل کیا۔ البتہ جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس آئے تو ان کی تعداد کتنی تھی؟ اس کا تذکرہ اس روایت میں نہیں ہے۔

←

....

← اور اسے بکار بن قتیبہ بکراوی نے اپنے نسخے میں نقل کیا ہے، اسی طرح تاریخ دمشق (٦٦٣/٤٢)، أبو داود (٤٠٣٧) اور مستدرك للحاكم (٧٣٦٨) میں یہ روایت عمر بن یونس کے طریق سے سیدنا عکرمہ بن عمار کے واسطے سے بیان ہوئی ہے اور امام ابو داود اور امام حاکم نے اس روایت کا اختصار کیا ہے۔ بکار کے الفاظ ہیں کہ جب خوارج اس گھر میں اکٹھے ہوئے تب ان کی تعداد تقریباً چھے ہزار تھی، میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ... ، راوی کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک تہائی لوگوں نے رجوع کر لیا اور ایک تہائی لوگ انکار پر ڈٹے رہے اور وہ سب حالتِ گمراہی پر قتل کر دیے گئے۔ امام حاکم کے الفاظ ہیں کہ ان کی تعداد چھے ہزار تھی۔ اور امام حاکم نے اس روایت کے آخری حصے کا تذکرہ نہیں کیا اور محبّ طبری نے الرياض النضرة (٢٢٦/٣- ٢٢٧) میں ان الفاظ کے ساتھ روایت بیان کی ہے، پھر راوی نے کہا: اسے بکار بن قتیبہ نے اپنے نسخہ میں نقل کیا ہے۔ الخلفاء الرشدين للذهبي (ص: ٢٨٠- ٢٨١) اور تاريخ الإسلام (٥٨٨/٣- ٥٩٠) میں یہ روایت عکرمہ بن عمار کے واسطے سے ان الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٨٣٨/٢)

اور ابن عبدالبر نے جامع بيان العلم وفضله (٩٦٢/٢) میں نضر بن محمد جرشی کے واسطے سے روایت نقل کی ہے کہ خوارج کے دو ہزار لوگوں نے رجوع کر لیا اور باقی بچ جانے والے لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اور سارے کے سارے مار دیے گئے۔ البتہ اس میں اس بات کا تذکرہ نہیں ہے کہ جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس آئے تو ان کی تعداد کتنی تھی۔

ترجیح کا بیان: عبدالرزاق نے خوارج کی جو تعداد بیان کی ہے اس میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، جبکہ یہ بات تاریخی طور پر صحیح نہیں۔ یہ بات کہ خوارج کی تعداد ۲۴ ہزار تھی، یعنی وہ تقریباً جیشِ علی رضی اللہ عنہ کے نصف لوگ تھے۔ میرے خیال میں اس روایت میں راوی کو خطا لگی ہے۔ امام طبرانی کی جہاں تک بات ہے، اگر تو انھوں نے دو اسناد کو جمع کیا اور پھر عبدالرزاق کے الفاظ پر اعتماد کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر ابو حذیفہ نے یہ روایت دو طرح سے بیان کی ہے تو یہ اس کے سوئے حفظ کی وجہ سے ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ابو حذیفہ کے بارے میں کہا ہے کہ یہ صدوق راوی ہے، البتہ سیء الحفظ ہے اور یہ تصحیف کرتا ہے۔ (التقريب: ٧٠١٠)

اور عبدالرزاق کی مخالفت کی گئی ہے؛ امام ابن مہدی اور عمر بن یونس اور نضر جرشی نے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ خوارج کے دو ہزار لوگوں نے رجوع کیا۔ یہ تینوں ثقہ راوی ہیں اور یہ اُصح قول ہے۔

یہ روایت عمر بن یونس نے بھی بیان کی ہے، البتہ اس کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ اس روایت کو ابو امیہ طرسوسی نے اس سے روایت کیا ہے۔ ابو امیہ کہتے ہیں کہ خوارج کی تعداد چھے ہزار تھی ان میں سے دو ہزار لوگوں نے رجوع کیا جبکہ بکار بن قتیبہ نے اس کی مخالفت کی ہے، انھوں نے عمر بن یونس سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد چھے ہزار تھی جن میں سے ایک تہائی لوگوں نے رجوع کر لیا اور ایک تہائی لوگ واپس چلے گئے اور باقی بچ جانے والے سب لوگ حالتِ گمراہی میں قتل کر دیے گئے۔ ←

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا کہ ''امیر المومنین! نمازِ ظہر ٹھنڈی کر کے ادا کیجیے۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دن کے پہلے پہر کوفہ سے حروراء کی جانب جاتے تھے۔ وہاں دوپہر کے وقت پہنچتے۔ جیسا کہ آئندہ روایت میں بیان ہے،[1] آپ خوارج سے مناظرہ کرتے اور کوفہ لوٹ آتے۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر ظہر ادا کرتے۔ یعنی آپ نے تین دن تک جاری رہنے والے مناظروں میں ان کے ہاں کوئی رات نہیں گزاری، بلکہ آپ دن کے پہلے پہر چلے جاتے اور ظہر کے وقت آ کر امیر المومنین کے ہمراہ نماز ادا کرتے۔

[**483**] یعقوب بن سفیان سے منقول ہے، ابو زمیل دؤلی سے روایت ہے، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: خوارج جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہو گئے تو وہ ایک گھر میں اکٹھے ہوئے ان کی تعداد چھے ہزار تھی۔ جب خوارج الگ ہوئے تو چھے ہزار کی تعداد میں تھے، انھوں نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کریں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہتا: امیر المومنین! ایک قوم نے آپ کے خلاف خروج کیا ہے، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے: انھیں چھوڑ دو! جب تک وہ مجھ سے نہیں لڑتے، میں بھی ان سے جنگ نہیں کروں گا۔ ایک روز میں ان کے پاس ظہر سے پہلے آیا اور ان سے کہا: امیر المومنین! نمازِ ظہر ہماری خاطر ٹھنڈی کر کے ادا کریں، تاکہ میں اس قوم کے لوگوں سے کچھ بات کر سکوں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے آپ کی جان کا اندیشہ ہے۔ عرض کی: میں اخلاقِ حسنہ کا مالک ہوں، کسی کو تکلیف نہیں دیتا تو آپ رضی اللہ عنہ نے مجھے اجازت دے دی، میں نے اعلیٰ قسم کا یمنی لباس زیبِ تن کیا اور پیدل چل پڑا۔ میں دوپہر کے وقت ان کے پاس پہنچا۔ میں ایسی قوم کے پاس گیا کہ جن سے بڑی مشقت کرنے والی قوم میں نے ہنوز نہیں دیکھی تھی، ان کی پیشانیاں سجدے کر کر کے زخمی ہو چکی تھیں اور ان کے

➜ **اس حدیث کے بارے میں محدثین کا حکم:**

امام ہیثمی کہتے ہیں: اسے امام طبرانی نے اور اس روایت کے بعض الفاظ کو امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے اور ان دونوں کے رجال صحیح ہیں۔ (مجمع الزوائد: ١٠٤٥٠)

امام ابن تیمیہ، ابن حجر عسقلانی اور احمد شاکر رحمہم اللہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور امام البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔ شعیب ارناؤط نے ''سنن أبي داود'' میں کہا ہے کہ اس کی سند قوی ہے۔ ملاحظہ ہو: مسند أحمد (٣٧٠/٣) دار الحديث، منهاج السنة (٥٣٠/٨)، الدراية في تخريج أحاديث الهداية (١٣٨/٢) اور سامی بن خالد الحمود کا مقالہ بنام: ابن عثيمين يحاور المسلّحين (معالم في التعامل مع الفئة الضالّة) نسخة إليكترونيا من موقع صيد الفوائد.

[1] ملاحظہ ہو: [رقم: ٤٨٣]

ہاتھ یوں تھے گویا کہ وہ اونٹ کی سخت جگہ ہو، ان کے بدنوں پر پسینے سے شرابور کپڑے تھے۔ ان کے چہرے جاگنے کی وجہ سے متغیر ہو چکے تھے۔ میں نے انھیں سلام کہا تو بولے، ابن عباس مرحبا! آپ یہاں کس غرض سے تشریف لائے؟ میں نے کہا: میں آپ کے پاس ...... الخ۔[1] اس کے آخر میں ہے: ان میں سے دو ہزار لوٹ گئے۔

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جو کہا ہے کہ ''انھیں چھوڑ دو جب تک وہ مجھ سے نہیں لڑتے میں بھی ان سے نہیں لڑوں گا، اور عنقریب وہ ایسا کریں گے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو علم تھا کہ خوارج دو اسباب میں سے کسی ایک پر ان سے جنگ کریں گے۔ پہلا سبب یہ تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے علاحدگی میں خوارج کے اوصاف اور ان کے خروج کے متعلق حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سن رکھی تھی اور وہ قاریِ قرآن اور عبادت گزار ہوں گے، نیز دیگر اوصاف بھی تھے۔ لہٰذا آپ نے ان تمام اوصاف کو ان خوارج پر منطبق پایا، بلکہ حدیث ''خاصف النعل'' اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو علم تھا کہ عنقریب وہ آپ سے جنگ کریں گے، اس کی بابت آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار کیا تھا۔[2]

یا پھر اس کا دوسرا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی نقل و حرکت، تصرفات اور افکار و نظریات سے یہ اندازہ لگا لیا ہو کہ یہ ضرور ان سے جنگ کرنے کے لیے سامنے آئیں گے اور کبھی دو سبب اکٹھے بھی ہو جاتے ہیں۔

غیر صحیح روایت:

[**484**] ابوبکر ابن ابی شیبہ سے منقول ہے، عاصم بن کلیب جرمی اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ''میں مسجد سے نکل رہا تھا تو اچانک میری نظر ابن عباس رضی اللہ عنہما پر پڑی۔ تب آپ حکمین کے معاملے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بات کر کے آرہے تھے۔ آپ سلیمان بن ربیعہ کے گھر میں داخل

---

[1] المعرفة والتاريخ (۵۲۲/۱) یہ حدیث صحیح ہے اور موسیٰ بن مسعود کی وجہ سے اس روایت کی سند حسن ہے۔ موسیٰ بن مسعود سے مراد ابو حذیفہ نہدی بصری ہے۔ یہ صدوق سیء الحفظ راوی ہے اور تصحیف کرتا ہے۔ اس کی متابعت کی گئی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے سابقہ روایت دیکھیے۔

تخریج: اسے امام ابن جوزی نے المنتظم (۱۲۴/۵) اور تلبيس إبليس (ص: ۸۲- ۸۳) میں یعقوب بن سفیان تک اپنی سند کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

[2] [رقم: ۴۸۵] اور اس پر تعلیق دیکھیے۔

ہوئے تو میں ان کے ہمراہ اندر چلا گیا۔ لوگ پے در پے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آتے اور ان سے کہتے: اے ابن عباس! آپ نے کفر کیا، شرک کیا، اللہ کا شریک ٹھہرایا، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایسے کہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے کہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایسے کہا ہے۔ یہاں تک کہ مجھے بھی انھوں نے اس میں داخل کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے: وہ لوگ کون ہیں؟! وہ اللہ کی قسم! ابتدائی اصحابِ محمد ہیں، اللہ کی قسم! وہ ٹوپیوں اور جبوں والے ہیں۔ راوی کہتے ہیں: اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آپ اپنے اس شخص کو بلاؤ، جو تم میں سب سے زیادہ گفتگو کرنے والا، سب سے زیادہ جدال کرنے والا اور سب سے زیادہ دلائل جاننے والا ہو، وہ کلام کرے۔

انھوں نے بنو تغلب کے ایک بھینگے شخص کا انتخاب کیا، جسے ''عتاب'' کہا جاتا تھا، تو وہ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ''اللہ نے اس طرح کہا ہے، اللہ نے اس طرح کہا ہے۔'' گویا قرآن سے ایک ہی سورت سے اپنی دلیل لے رہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مجھے تو قاریِ قرآن دکھتا ہے اور عالم لگتا ہے، جیسے تو نے فصل اور وصل کے ساتھ قرآن پڑھا ہے۔ میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، کیا تم جانتے ہو کہ اہلِ شام نے خود تحکیم طلب کی تھی، ہم نے اسے ناپسند کیا تھا اور انکار کیا تھا۔ جب تمھیں تکلیف پہنچی، زخم پہنچے اور تمھیں فرات کے پانی سے روک دیا گیا تو تم خود پانی طلب کرنے لگے۔ مجھے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ ان کے پاس بڑی کمر والا گھوڑا ہے جس پر وہ بھاگنے جا رہے تھے، یہاں تک کہ تم میں سے ایک شخص آیا اور کہنے لگا: میں نے اہلِ عراق کو دیکھا ہے، وہ اس طرح بکھرے پھر رہے ہیں جیسے نفر کی رات مکہ میں لوگ بکھرتے ہیں۔[1] ہر جگہ پہ الگ الگ پھرتے ہیں، جیسے لیلۃ النفر میں مکہ

---

[1] یعنی کوچ کرنے کا دن اور یہ دو دن ہیں۔ پہلا کوچ کرنے کا دن ۱۲/ ذوالحجہ اور دوسرا کوچ کرنے کا دن ۱۳/ ذوالحجہ ہے۔ جہاں تک پہلے دن کی بات ہے تو یہ ایامِ تشریق میں سے دوسرا دن ہے اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے، کیونکہ حجاج کرام کے لیے اس میں منیٰ سے حرمِ مکہ بیت اللہ کی جانب کوچ کرنے کی اجازت ہے، تاکہ حجاج میں سے جو شخص جلدی کرنا چاہے وہ طوافِ وداع کر لے اور جلد از جلد اپنے گھر لوٹ آئے۔ ایامِ تشریق میں سے اس سے تیسرے دن کی رمی ساقط ہو جاتی ہے اور اسی طرح منیٰ میں رات گزارنا بھی اس کے لیے لازم نہیں، البتہ اگر حجاج کرام تاخیر کا ارادہ کریں اور ایامِ تشریق میں سے تیسرے دن کو پالیں تو یہ تیسرا دن کوچ کرنے کا ہوگا۔ ملاحظہ ہو: النهاية لابن الأثير (٩٢/٥) الموسوعة الفقهية الكويتية (١٧/٥٥- ٥٦)، (٢٣/١٦٤- ١٦٥)، (١٤/٢٦-٢٧).

میں ہوتا ہے۔ مزید ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کیسے شخص تھے؟ تو انھوں نے کہا: بہترین شخص تھے اور ان کی تعریف کی، پھر کہا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کیسے تھے؟ انھوں نے کہا: بہترین تھے اور تعریف کی، پھر کہا: کیا خیال ہے اگر کوئی شخص حج کرنے کے لیے نکلے یا عمرہ کرنے کے لیے نکلے، پھر وہ کسی بکری یا چوپائے کا شکار کر لے تو اس کے بارے میں ان دونوں میں سے کوئی فیصلہ کرے تو کیا ان کا فیصلہ قبول ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ ﴾ [المائدة: ٩٥] ''اس کا فیصلہ دو عدل والے کریں گے۔''

جب کہ امت کا معاملہ تو اس سے زیادہ بڑا ہے۔ پھر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے: امت کے خون کے معاملے میں حکمین کا انکار نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے ایک پرندے کے قتل میں دو حکم بنائے ہیں اور ایک عورت اور بندے کے اختلاف میں دو فیصلہ کرنے والے بنائے ہیں، تاکہ وہ ان دونوں کے درمیان عدل اور انصاف قائم کریں جہاں ان کا اختلاف ہے۔[2]

---

[3] مصنف ابن أبي شيبة (٣٩٠٢٨) یہ روایت شاذ ہے اور صحیح روایات کی مخالفت کی بنا پر یہ صحیح نہیں ہے۔ عاصم اور اس کا باپ دونوں صدوق راوی ہیں اور اس روایت کے باقی تمام روات ثقہ ہیں، البتہ ابن مدینی کے بارے میں عاصم کہتے ہیں کہ جب یہ اکیلا روایت کرے تو اس کی روایت حجت نہیں۔

اور سفیان بن عیینہ ثقہ ہونے کے باوجود وصفِ تدلیس سے متصف ہے اور یہ عنعنہ کے ذریعے روایت کرتا ہے، لیکن محدثین کہتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی سے تدلیس کرتا ہے۔ جبکہ میں کہتا ہوں کہ ان شاذ روایات کے متن میں عنعنہ کا کوئی احتمال نہیں، لہٰذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ متن کی نکارت راوی کی تدلیس کی بنا پر ہے۔

متن میں شذوذ کا بیان:

ایک روایت میں وارد ہے کہ کلیب جرمی نے خوارج کے بارے میں کہا: اللہ کی قسم! بخدا! یہ صحابہ کے ابتدائی لوگ ہیں، بخدا! یہ لوگ ٹوپیوں اور جبوں والے ہیں۔ کلیب اسی طرح کہتے ہیں کہ اس میں راوی کو خطا لگی ہے۔ اگر اس روایت کے صحیح ہونے کی نسبت اس راوی کی طرف کی جائے تو اس نے اپنے سے اُوثق اور اُعلم راوی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مخالفت کی ہے۔

اہلِ بدعت اس خبر سے خوش ہوئے ہیں، انھوں نے کلیب جرمی کے قول کو اپنی تالیفات میں تدلیس اور تزویر سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بنا دیا ہے جبکہ یہ کلیب کا قول ہے، جیسے آپ دیکھ رہے ہیں۔

اس عبارت میں تناقض ہے۔ بڑی ٹوپیوں والے اور جبوں والے لوگ خوارج تھے، صحابہ نہیں تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''الأوسط للطبراني'' میں ابو السائغہ کی سند سے، سیدنا جندب بن عبداللہ بجلی بیان کرتے ہیں کہ جب خوارج نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر خروج کیا اور آپ ان کی تلاش میں نکلے، تو ہم ان کے معسکر کے پاس پہنچے۔ ان کی ←

← تھیں جیسے مکھی کی آواز ہوتی ہے اور وہ قرآن کی قراءت کر رہے تھے، ان میں ٹوپیوں اور جبوں والے لوگ تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ لوگ وہ تھے جو زہد اور عبادت میں معروف تھے۔ فتح الباري (۲۹٦/۱۲) المعجم الأوسط (٤٠٥١) ''ابو السائغۃ'' کی تصحیف ہوگئی ہے اور اس میں ''ابو السابغۃ'' لکھا گیا ہے جو شمر بن ذی الجوشن ہے، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں: یہ روایت کا اہل نہیں تھا۔ میزان الاعتدال (۲۸۰/۲) نیز دیکھیں: الفرائد علی مجمع الزوائد (٦٨٥)

أنساب الأشراف (۳۷۲/۲) میں معرکۂ نہروان کے قصہ میں لکھا ہے: خوارج نے آواز دی، اے تواضع کرنے والو! جنت بلا رہی ہے۔ اے ٹوپیوں والو! آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر یک دم حملہ کرو۔

اور یہ روایت تو ثابت ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج کو دلیل دی تھی کہ ان میں تو کوئی بھی صحابی نہیں ہے اور یہ چیز ان کے مذہب کے باطل ہونے کی دلیل بنی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: میں تمھارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجر و انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے آیا ہوں، تاکہ میں تم تک ان کی بات پہنچا دوں اور ان کے کلام کی خبر دوں۔ ان پر قرآن نازل ہوا، وہ تم سے وحی کے زیادہ عالم تھے اور انھی میں قرآن نازل ہوا، تم میں سے ان جیسا کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ روایت گزر چکی ہے یاد رکھیے کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے۔

روایت کے الفاظ: ''کیا تم جانتے ہو کہ اہلِ شام نے تحکیم طلب کی تھی، لیکن ہم نے اسے ناپسند کیا تھا اور انکار کیا تھا۔'' صحیح روایات کے خلاف ہیں، کیونکہ جنھوں نے تحکیم کو ناپسند کیا تھا، وہ خوارج اور ان جیسے لوگ تھے، جبکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اسے پسند کیا تھا بلکہ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تعریف کی تھی اور اس کا نام فتح رکھا تھا اور سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے خوارج پر ردّ کیا تھا، جنھوں نے تحکیم کو ناپسند کیا تھا، پھر انھوں نے صلح حدیبیہ کا قصہ ذکر کیا، تاکہ اس سے وہ نصیحت پکڑیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت سے رُک جائیں۔

الفاظِ روایت: ''جب تمھیں زخم پہنچا اور تکلیف آئی اور تم سے فرات کا پانی روک دیا گیا تو تم اسے طلب کرنے لگے۔'' بھی محض خطا اور صحیح روایات کے مخالف ہے۔ خوارج نے تحکیم طلب نہیں کی تھی، نہ ہی جنگ بندی کا مطالبہ کیا تھا، بلکہ جنگ بندی اہلِ شام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے طلب کی تھی جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیا تھا۔ پھر خوارج نے اس پر اعتراض کیا تھا۔ خوارج نے تو ہرگز بھی تحکیم طلب نہیں کی تھی بلکہ اسے ردّ کر دیا تھا اور جنگ جاری رکھنے کا مطالبہ کیا تھا۔

الفاظِ روایت: ''تم سے فرات کا پانی روک دیا گیا۔'' یہ بھی محض خطا ہے، کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے جنگ کے ابتدائی دور میں ہی اہلِ عراق اور پانی کے درمیان رستہ چھوڑ دیا تھا، جب صفین میں دونوں لشکر حاضر ہوئے تھے اور پانی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چلا گیا تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر سے پانی چھوڑ دینے کا کہا تھا، کیونکہ پانی سے منع نہیں کیا جاتا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ایک عینی شاہد کا کہنا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ انھوں نے ہمارے لیے پانی چھوڑ دیا، ہم رات نہیں رُکے یہاں تک کہ ہم نے دیکھا کہ ہمارے پانی پینے والے اور ان کے پانی پینے والے ایک ہی جگہ پر اژدھام کر رہے ہیں اور کوئی انسان دوسرے انسان کو تکلیف نہیں دے رہا۔ ←

← تمام مورخین بلا استثناء ان دو باتوں پر متفق ہیں: پہلی یہ کہ اہلِ شام نے صفین کے ابتدائی ایام میں پانی روکا تھا، دوسرے یہ کہ اہلِ شام نے تحکیم طلب کی تھی اور یہ جنگِ صفین کے آخری دنوں کی بات ہے۔ اور اسی آخری دن پانی اہلِ شام کے پاس نہیں تھا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور اس سے دونوں لشکر اکٹھے پیتے تھے۔ یہ ایک روایت کیسے دعویٰ کرتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج سے کہا کہ تم سے فرات کا پانی روک دیا گیا اور تم اسے طلب کر رہے تھے۔

روایت کے الفاظ: ''تمھارا کیا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص حج کرنے یا عمرہ کرنے کے لیے نکلے اور کسی ہرن کو شکار کر لے یا زمین کے کیڑوں مکوڑوں کو قتل کر دے۔'' بھی خطا ہے بلکہ اس میں نکارت ہے جو شریعت کی مخالفت ہے، کیونکہ ''ھوام'' کو احرام اور غیر احرام میں قتل کرنا جائز ہے، حرام تو حرم کا شکار ہے۔ اور شکار سے مراد اصل خلقت کے اعتبار سے ممتنع اور متوحش حیوان ہیں۔ جیسے کبوتر، چڑیاں اور ہرنی وغیرہ جبکہ اس کے برعکس حیوان انسی، مرغی وچوپائے وغیرہ کو شکار نہیں کہا جاتا۔ دیکھیے: حاشية الروض المربع (١٩/٤- ٣٠)

الزبیدی نے تاج العروس [(١١٨/٣٤) مادة: همم] میں ذکر کیا ہے کہ ''ھوام''، ''ھامة'' کی جمع ہے اور کئی معانی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے:

- ایک گھوڑے پر بھی بولا جاتا ہے۔ ابن الاعربی کہتے ہیں: یہ گھوڑے اور خچر کو کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ کسی اَور کو نہیں کہا جاتا۔

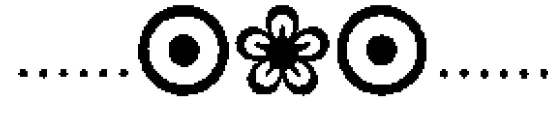
- دوسرا سانپ کو کہا تھا ہے۔ شمر کہتے ہیں: ''ھوام'' سے مراد سانپ ہیں۔

- تیسرے ہر زہر والا جانور، ہر زہر والی چیز جس کا زہر قتل کر دیتا ہے، اسے ''ھوام'' کہتے ہیں۔

- اور ایسے جانوروں پر بھی بولا جاتا ہے جو زہر والے نہیں ہوتے، لیکن قاتل ہوتے ہیں۔ انہی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جو آپ نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''کیا تجھے تیرے ہوام (سر کی جوئیں) تکلیف دیتی ہیں۔'' ''ھوام'' سے مراد جوئیں ہیں کیونکہ یہ سر میں رینگتی ہیں۔

الفیومی نے المصباح المنير (٦٤١/٢) میں کہا ہے: ''الهامة'' اس کو کہتے ہیں جس کا زہر ہو اور قتل کرنے والا ہو، جیسے سانپ ہے۔ یہی بات ازہری نے کہی ہے۔ اس کی جمع ''الهوام'' آتی ہے۔ بسا اوقات ''الهوام'' کا لفظ ایسی چیزوں پر بھی بولا جاتا ہے جو قتل نہیں کرتیں، جیسے حشرات ہیں اور اسی سے حدیث ہے: ''کیا تجھے تیرے سر کے ''ھوام'' تکلیف دیتے ہیں۔'' اس سے مراد جوئیں تھیں، تو یہ استعارہ کی بنیاد پر بولا گیا تھا۔

← معجم المصطلحات والألفاظ الفقهية لمحمود عبد المنعم (٤٥٦/٣) میں ہے کہ ''الهوام'' میم کی شد کے ساتھ ''ھامة'' کی جمع ہے۔ اور یہ کہتے ہیں: ① رینگنے والے سانپوں کو۔ ② ان چیزوں کو کہتے جو انسان کے جسم پر لازم ہو جاتی ہیں، جب ایک لمبے عرصے تک اسے صاف نہ کیا جائے۔ ③ جیسے جوئیں۔ پھر اس کی نسبت انھوں نے ''نيل الأوطار'' کی طرف کی ہے۔



میں کہتا ہوں: اس سے واضح ہو گیا کہ "ھوام" کا قتل کرنا محرم اور غیر محرم دونوں کے لیے جائز ہے۔ جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس خبر میں آیا ہے کہ اس میں فدیہ ہے، یہ بھی دلیل ہے کہ یہ روایت اور اس کا متن شاذ ہے۔

تخریج: اس کتاب کو ابن دیزیل نے اپنی کتاب الصفین (رقم: ١٠٤) میں ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ شرح نهج البلاغة (٢٢٥/٢) میں ابو عبداللہ المکی کی سند سے ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں سفیان نے اس سند کے ساتھ مختصر بیان کیا۔ ساتھ انھوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قصہ ذکر کیا۔

ابو عبداللہ المکی سے مراد شاید محمد بن عباد بن الزبرقان ہے جو صدوق ہے لیکن وہم کرتا ہے۔

ابو احمد العسکری نے المصون في الأدب (ص: ١٣٦) میں لکھا ہے: ہمیں ابو بکر محمد بن حسن بن درید نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں الریاشی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں العتبی نے بیان کیا: وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: حارث بن نوفل اپنے بیٹے عبداللہ کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تو نے اپنے بیٹے کو کیا سکھایا ہے؟ تو کہنے لگا: قرآن اور مسائلِ وراثت، تو فرمایا: اس کو فصیح شعر بھی سکھا، کیونکہ یہ عقل کو کھولتے ہیں اور منطق کو فصیح کرتے ہیں اور زبان کو چلاتے ہیں اور مروت اور شجاعت پر دلالت کرتے ہیں۔ میں نے خود دیکھا صفین کے دن مجھے صرف کچھ چیزوں نے روک رکھا تھا اور وہ صرف مجھے وہاں عمرو کے اشعار نے روک رکھا تھا جب وہ کہتے تھے: ..." پھر انھوں نے ان اشعار کا ذکر کیا۔

اس کی سند بھی ضعیف اور منقطع ہے۔ ابن درید کے متعلق مسلمہ بن قاسم کہتے ہیں: یہ اخبار الناس اور ایام الناس بہت روایت کرتا ہے، لیکن کسی کے نزدیک ثقہ نہیں ہے۔ لسان المیزان (١٣٤/٥) دیکھیں: إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني (ص: ٨٥٤)

"الریاشی" سے مراد: ابو الفضل عباس بن فرج نحوی ہے جو ثقہ ہے۔ التقریب (٣١٨١)، "العتبی" سے مراد: ابو عبدالرحمٰن محمد بن عبیداللہ بن عمر بن معاویہ بصری ہے جو علامہ اخباری عمدہ شاعر ہے۔ یہ شراب پیتا تھا۔ اس کی توثیق نہیں ملی اور اس کے والد کا تعارف بھی نہیں ملا۔

دوسری بحث:

جنگِ نہروان ۳۸ھ میں خوارج کا سامنا

① حدیث: ''خاصف النعل''

[485] مسند احمد میں سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ایک مرتبہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ اپنی کسی اہلیہ محترمہ کے گھر سے تشریف لے آئے، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑے، راستے میں آپ کا جوتا ٹوٹ گیا، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ جوتا سینے لگے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم آگے چل پڑے، ہم بھی چلتے رہے، ایک جگہ پہنچ کر آپ رک گئے اور علی رضی اللہ عنہ کا انتظار کرنے لگے، ہم بھی رُک گئے۔

اسی دوران میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں ایک آدمی ایسا بھی ہوگا جو قرآنِ کریم کی تاویل وتفسیر پر اسی طرح قتال کرے گا، جیسے میں نے اس کی تنزیل پر قتال کیا ہے۔'' یہ سن کر ہم جھانکنے لگے، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی اس وقت موجود تھے، لیکن نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ شخص جو جوتا سی رہا ہے۔'' اس پر ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ خوشخبری سنانے کے لیے گئے تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسے انھوں نے یہ بات سن لی ہے۔[1][2]

[486] سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا سے تشریف لائے، آپ کا جوتا ٹوٹ گیا تھا، جسے آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی

---

[1] امام حاکم کے الفاظ ہیں کہ ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ کو خوشخبری دی مگر آپ نے اپنا سر تک نہ اٹھایا گویا کہ انھوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی تھی۔

[2] مسند أحمد (۱۱۷۷۳) امام البانی اور شعیب ارناؤط رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

حسین بن محمد سے مراد: ابن بہرام مروذی اور فطر سے مراد: ابن خلیفہ ہیں اور رجاء اسماعیل کے والد ہیں۔ اس سے مراد: ابن ربیعہ ہے۔ ملاحظہ ہو: السلسلة الصحیحة (۲۴۸۷)

اسے امام حاکم (۴۶۲۱) نے اعمش اور فطر کے طریق سے اسماعیل بن رجاء کے واسطے سے اس اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

طرف پھینکا،[1] پھر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''تمھارے اندر وہ بھی ہے جو قرآن کی تاویل پر قتال کرے گا، جیسے میں نے اس کی تنزیل پر قتال کیا۔'' تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں؟ کہا: نہیں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں؟ کہا: نہیں، وہ جو حجرے میں جوتا گانٹھ رہا ہے۔ رجاء زبیدی کہتے ہیں: ایک شخص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس رحبہ میں آیا، کہا: امیر المومنین! کیا حدیثِ نعل میں کچھ ہے؟ کہا: اللہ تو گواہ ہے کہ یہ ان روایات میں سے ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے راز داری سے خبر دی تھی۔[2] [3]

قرآنِ مجید کی تاویل پر قتال:

یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآنِ مجید پر بھروسا کر کے جہاد کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَقَٰتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً ﴾ [التوبة: ٣٦] ''تمام مشرکین سے قتال کرو۔''[4]

اس سے مراد کفار سے جنگ ہے جیسا کہ بدر و احد اور اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات وغیرہ۔

تاویل کی بنا پر جہاد:

اس سے مراد اہلِ قبلہ سے جنگ ہے جو ''لا إله إلا اللّٰه'' کا نعرہ بلند کرتے ہوں۔ یہ لوگ خوارج، اہلِ نہروان تھے جنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے قتال کیا۔ امام طحاوی (ت: ۲۳۱ھ)[5] ، ....

---

[1] قطیعی کے الفاظ یوں ہیں: اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے درست کرنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔''

[2] قطیعی کے الفاظ یوں ہیں: کیا آپ کے پاس حدیثِ نعل کی بابت کچھ علم ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: کیا اس کی بابت آپ کو بھی علم ہو چکا ہے؟ وہ کہنے لگے: ہاں! سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے اللہ! تو بخوبی جانتا ہے کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے رازدارانہ کی تھی۔

[3] شرح مشكل الآثار (٤٠٥٨) شعیب ارناؤط نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور قطیعی نے فضائل الصحابة (١٠٨٣) میں عمار بن رزیق کے طریق سے امام اعمش کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے۔

[4] ملاحظہ ہو: امام سندی کی مسند کا حاشیہ (٦/٤٥٢، ح: ٤٩٤٣)

[5] شرح مشكل الآثار (١٠/٢٣٧) میں امام طحاوی رحمہ اللہ نے ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان: ''باب بيان مشكل ما روي عن رسول اللّٰه'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ذکر کرتے ہیں کہ تم میں سے ایک وہ شخص بھی ہوگا جو تاویلِ قرآن کی بنا پر لوگوں سے جنگ کرے گا جیسے ان سے تنزیلِ قرآن کی بنا پر میں نے جنگ کی۔ پھر امام طحاوی نے (۴۰۵۸) سے (۴۰۶۱) تک احادیثِ خاصف النعل نقل کیں۔ پھر امام طحاوی رحمہ اللہ نے (۱۰/۲۴۱) میں کہا: اہلِ حروراء سے مراد وہ لوگ تھے جن سے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تاویلِ قرآن کی بنا پر جنگ کی۔ ←

بیہقی (ت: ۴۵۸ھ)،[1] ابن بلبان (ت: ۷۳۹ھ)[2] اور ....

← اس کے بعد امام طحاوی نے خوارج سے قتال، ان کی صفات، ان میں ذوالثدیہ کے ہونے کی نشانی والی احادیث (۴۰۶۳) سے (۴۰۷۳) تک احادیث نقل کیں۔ پھر امام طحاوی (۱۰/ ۲۵۸- ۲۵۹، ح: ۴۰۷۴) نے نقل کیا۔ سیدنا ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے اختلاف کے وقت ایک فرقہ دین سے نکل جائے گا، اوران کے دوگروہوں میں سے اس فرقے کو وہ گروہ قتل کرے گا جوحق کے زیادہ قریب ہوگا۔''

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اہلِ تاویل وہ لوگ تھے جن سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب نے جنگ کی اور یہ ان خصائص میں سے ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے خلفائے راشدین مہدیین کے ساتھ مختص کیا ہے۔ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خصائص میں سے ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان میں سے ہیں یہ کسی اور کے ساتھ خاص نہیں۔ یعنی چاروں خلفائے راشدین میں سے خوارج سے جنگ کرنا کسی کے حصے میں نہیں آیا۔

میں (شمری) کہتا ہوں: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں خوارج سے جنگ کی لیکن امام طحاوی کا یہاں مقصود خلفائے راشدین کا زمانہ ہے۔

3. امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (٦/٤٢٦) میں ایک باب قائم کیا ہے، جس کا عنوان ہے: (خوارج کے خروج کرنے کی روایات، ان کی نشانی، ان میں ناقص الخلقت شخص کا وجود، انھیں قتل کرنے کا اجر، ناقص الخلقت شخص کو قتل کرنے والے کا نام، اللہ کے رسول ﷺ کا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ان سے جنگ کرنے کی جانب اشارہ اور ان روایات میں آثارِ نبوت کے سچ ہونے کے وجود کا بیان) اس کے بعد امام بیہقی نے خوارج سے قتال کی فضیلت ان کی صفات اور بطور نشانی ان میں ذوالثدیہ کے ہونے کی احادیث نقل کی ہیں۔ پھر حدیث: "خاصف النعل" (٦/٤٣٥، ٤٣٦) لا کر اس باب کا اختتام کیا ہے۔

4. ابن بلبان نے حدیث: "خاصف النعل" صحیح ابن حبان (٦٩٣٧) میں نقل کی ہے اور پھر (۱۵/۳۸۶، ۶۹۳۸) حدیث پر ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان: (وہ لوگ جن سے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے تاویلِ قرآن کی بنا پر جنگ کی ان کے وصف کا بیان) رکھا ہے، پھر اس کے بعد خوارج سے قتال کی فضیلت اور بطور نشانی ان میں ذوالثدیہ کے وجود والی حدیث کا تذکرہ کیا ہے۔

ان دونوں احادیث کو ابن حبان نے تیسری قسم، آٹھویں نوع میں ذکر کیا ہے۔ شعیب ارناؤط نے بھی اس کی جانب اشارہ کیا ہے اور تیسری قسم کا نام ابن حبان نے (اللہ کے رسول ﷺ کی وہ احادیث جن کی معرفت ضروری ہے) رکھا ہے اور آٹھویں نوع کا نام ابن حبان نے (مرد وزن مناقبِ صحابہ کے بارے میں روایات اور ان کے اسماء کا تذکرہ) رکھا ہے۔ صحیح ابن حبان (۱/۱۳۱- ۱۳۲) "التقاسیم والأنواع" کے ارقام کے ذکر میں شعیب ارناؤط کا منہج جاننے کے لیے دیکھیے: مقدمة صحیح ابن حبان (۱/۱۷۲) یہ بات یاد رکھیے کہ صحیح ابن حبان کی کتب اور ابواب بندی کی ترتیب ابن بلبان نے قائم کی ہے اور یہ کام ابن حبان نے نہیں کیا۔ مقدمة صحیح ابن حبان (۱/۵۳) میں شعیب ارناؤط کا کلام دیکھیے۔

ابن کثیر (۷۷۴ھ)[1] کا یہی موقف ہے اور یہ ائمۂ حدیث اور علومِ حدیث کے بصیرت مند محققین ہیں۔

آپ نے ان لوگوں سے قتال کو تاویل پر مبنی قرار دیا، کیوں کہ خوارج سے قتال کی معرفت غور وفکر کی محتاج ہے۔ نیز فہم[2] کی محتاج ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے عہد کیا اور کہا: ہم تم سے اس وقت تک نہیں لڑیں گے، جب تک تم ہم سے نہیں لڑو گے۔[3] یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صبر وتحمل اور بڑی فہم و بصیرت کے ساتھ ان سے جنگ کی۔

علامہ سندھی (ت: ۱۱۳۸ھ)[4] کی رائے یہ ہے کہ تاویل پر قتال سے مراد اہلِ شام اور یومِ صفین کے باغی گروہ سے قتال ہے۔ لیکن اس کی دلیل انھوں نے ذکر نہیں کی۔

البتہ احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں اس سے مراد اہلِ نہروان تھے۔ اس کے کئی دلائل ہیں:

1 فہمِ صحابہ: حدیث میں وارد ہے کہ (ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دینے آئے) صحابہ نے سمجھا کہ اس جنگ کے برپا ہونے کا مطلب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے جس کی آپ کو بشارت دی گئی ہے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم سیدھے کھڑے ہو گئے، حالانکہ ہم میں سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہر ایک کی خواہش وتمنا تھی کہ وہ اس فضیلت و بشارت کا مقصود ہو۔

---

[1] البداية والنهاية (۳۳۸/۷) امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خوارج کے خلاف جنگ پر مدح میں حدیث: امام احمد فرماتے ہیں کہ ہمیں حسین بن محمد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں فطر نے بیان کیا، پھر امام صاحب حدیث "خاصف النعل" لے کر آئے ہیں۔ اسے امام احمد نے نقل کیا ہے اور چند صفحات قبل ہم یہ حدیث ذکر کر چکے ہیں۔ اور اسی مصدر (۲۴۱/۶، ۲۴۳) میں امام احمد رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے جس کا عنوان: (اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوارج کے بارے میں احادیث اور ان سے جنگ کا بیان) ہے۔
پھر امام احمد رحمہ اللہ نے خوارج سے جنگ کی فضیلت اور بطور نشانی ان میں ذوالثدیہ کے وجود والی احادیث نقل کی ہیں اور انہی روایات میں سے ایک حدیث "خاصف النعل" ہے۔

[2] امام سندی کی المسند (۴۵۱/۶، ح: ۴۹۴۳) کا حاشیہ دیکھیں، انھوں نے اسے صفین میں باغی گروہ کے خلاف جنگ کے تحت نقل کیا ہے، اس کا جواب دیکھیے۔

[3] اس کی تفصیل (ص: ۶۵۶) پر بعنوان: ''امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خوارج پر شروط اور ان کی خون ریزی کا بیان'' کے تحت دیکھیں۔

[4] امام سندی کی المسند (۴۵۱/۶، ح: ۴۹۴۳) کا حاشیہ دیکھیں۔

2 نبی ﷺ کی بشارت اس جیش کے لیے تھی جو خوارج سے جنگ کرے گا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے خوارج سے جنگ کرنے کی فضیلت بیان کی اور انھیں اجرِ عظیم کی خوشخبری دی۔ اگر خوارج سے جنگ کرنے والوں کو علم ہو جائے کہ لسانِ نبوت ﷺ سے ان کے لیے اجر وثواب کی کیا بشارت نکلی ہے، تو وہ عمل سے کنارہ کش ہو جائیں اور عمل پر تکیہ چھوڑ دیں۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک ایسا شخص ہوگا جس کے بازو ہوں گے مگر ہاتھ نہیں ہوں گے۔[1]

اللہ کے رسول ﷺ نے اس عرصے میں، یعنی عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حسن رضی اللہ عنہ کی صلح تک کے فتنے کے عرصے میں، دو چیزوں کی بشارت دی، اور وہ دو یہ ہیں:

اوّل: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کی بشارت۔[2]

دوم: جو گروہ خوارج سے جنگ کرے گا، اس کے لیے خوشخبری ہے کہ وہ اقرب إلی الحق ہوگا[3] اور اجرِ عظیم کا مستحق ہوگا۔[4]

اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ان دو بشارتوں کے علاوہ کوئی بشارت دی ہو تو مجھے ایسی روایت نہیں ملی۔[5]

---

[1] [رقم: ۴۹۴] ملاحظہ کیجیے۔

[2] [رقم: ۷۵] ملاحظہ کیجیے۔

[3] [رقم: ۷۶] اور اس کے بعد والی روایت ملاحظہ کیجیے۔

[4] [رقم: ۴۹۴] ملاحظہ کیجیے۔

[5] اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا: ''یہ شخص اور اس کا متبع اس دن ہدایت یافتہ ہوگا۔'' [رقم: ۱۰] دیکھیے اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''یہ اور اس کے ساتھی اس دن حق پر اور ہدایت یافتہ ہوں گے۔'' [رقم: ۷] دیکھیں۔ یہ فتنہ کی بشارت نہیں ہے بلکہ یہ اس فتنے کے دور میں لوگوں کے اسلام پر کاربند رہنے کی مدح سرائی ہے اور اس میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے کی ترغیب ہے اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اصحاب اور ان کے متبعین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے آپ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کا ساتھ دیا۔ جب لوگ شور وغوغا کرتے ہوئے ان پر حملہ آور ہوئے اور انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے منصبِ خلافت سے معزولی کا مطالبہ کیا حتی کہ انھوں نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

ہم یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ فہمِ حدیث میں مجتہد تھے اور انھوں نے متبعینِ عثمان رضی اللہ عنہ کی تفسیر کی کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خون کے قصاص کا مطالبہ کریں گے۔ [رقم: ۷ تا ۱۱] اور اس کے بعد کی تعلیق ملاحظہ کیجیے۔

اس دورانیے کے متعلق اور بھی احادیث وارد ہوئی ہیں لیکن ان کا تعلق اخبار،[1] فتنوں سے بچاؤ[2] اور دورِ فتن میں کرنے کے کاموں سے ہے۔ ان میں بشارتوں کا کوئی تذکرہ نہیں، یہ محض رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں صلح کی بشارت تو دی ہے، صفین میں جنگ کی بشارت نہیں دی بلکہ اس میں شرکت سے منع کیا ہے۔[3]

3 حدیث: ''خاصف النعل'' نے اس قتال کو دو قیود میں مقید کر دیا:

1 بشارت **2** تاویل

جہاں تک بشارت کا تعلق ہے تو وہ ہم گذشتہ دو نکات میں بیان کر آئے ہیں اور تاویل کی بنا پر جو جنگ ہوئی، اس کے استحقاق کی معرفت کے لیے غور و تأمل اور گہری بصیرت درکار ہے۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو عہد دیتے ہوئے فرمایا تھا: ہم تم سے تب تک جنگ نہیں کریں گے جب تک تم ہم سے جنگ میں پہل نہیں کرتے۔[4] یعنی آپ نے غور وفکر اور تدبر کے بعد ان سے جنگ کی۔

یہ دونوں قیود اہلِ نہروان خوارج کے سوا کسی اور میں اکٹھی نہیں ہوتیں، لہٰذا خوارج ہی حدیث: ''خاصف النعل'' کے مقصود ہوئے اور جنگِ صفین میں جہاں تک اہلِ شام کی بات ہے تو ان پر یہ دونوں قیود اکٹھی منطبق نہیں ہوتیں، ان پر محض تاویل کی قید صادق آتی ہے۔

---

[1] احوالِ آخرت کی خبریں دینا: جیسے آپ ﷺ کا فرمانِ ذیشان ہے کہ قیامت تب تک قائم نہیں ہوگی جب تک دو گروہ آپس میں جنگ نہ کریں گے حالانکہ ان دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا۔ [رقم: ۴۷] ملاحظہ ہو۔

[2] اس سے مقصود ڈرانا اور خبردار کرنا ہے۔ جیسے آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''عنقریب فتنے نمودار ہوں گے، لوگوں کے مابین تفرقہ اور اختلاف برپا ہوگا۔ ایسی صورت میں تم اپنی تلوار لے کر اُحد پہاڑ پر چلے جانا۔ اسے پہلو کے بل مار کر توڑ دینا، اپنے تیر توڑ دینا اور اپنی کمان کا وتر (تانت) کاٹ دینا اور اپنے گھر میں مقیم رہنا۔'' [رقم: ۲۳۰] ملاحظہ ہو۔

اور آپ کا فرمان: ''عنقریب فتنے نمودار ہوں گے ان میں کھڑے ہوئے سے بیٹھنے والا، چلنے والے سے کھڑا ہونے والا اور دوڑنے والے سے چلنے والا بہتر ہوگا۔ جس نے اس فتنے کو نظر اٹھا کے دیکھا وہ اسے اپنی لپیٹ میں لے لے گا، لہٰذا تم میں سے جو جہاں پناہ گاہ پائے وہ وہاں پناہ لے لے۔'' [رقم: ۶۶] ملاحظہ ہو۔

[3] ملاحظہ ہو: [۶۵، ۶۶، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۵]

[4] اس کی تفصیل (ص: ۶۵۶) میں بعنوان: ''امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خوارج پر شروط اور ان کی خونریزی'' کے تحت عنقریب آ رہی ہے۔

اس لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے غور وفکر کے بعد پر ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔[1]

4 متقدمین ائمہ کرام متاخرین ائمہ سے زیادہ بصیرت والے، احادیث کو زیادہ جاننے والے اور ان کے معنی اور اسبابِ ورود کو زیادہ جاننے والے تھے۔

5 امام طحاوی، بیہقی، ابن بلبان اور ابن کثیر کی توجیہ پر مستند دلیل موجود ہے، البتہ امام سندی کی توجیہ دلیل پر ہے ہی نہیں۔

راوی نے جو بیان کیا ہے کہ گویا آپ نے اسے سن لیا، اس سے مراد یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ وہ عنقریب خوارج سے جنگ کریں گے۔ اس کی تائید مندرجہ ذیل تین دلائل کرتے ہیں:

اوّل: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے اللہ! تو بخوبی جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے رازدارانہ بات کر رہے تھے۔

تو یہ جملہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اس قول: ''ہم انھیں خوشخبری دینے کے لیے آئے تو یوں لگا کہ جیسے انھوں نے یہ سن لیا ہے۔'' کی تفسیر کرتا ہے کہ انھوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سن رکھی تھی۔

دوم: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خوارج کے اوصاف کا علم تھا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نہروان جا رہے تھے تو آپ نے رستے میں فرمایا: لوگو! میں نے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میری امت کی ایک قوم خروج کرے گی، وہ قاریِ قرآن ہوں گے۔ تمھاری قراءت ان کی قراءت کے سامنے ہیچ ہو گی، تمھاری نمازیں ان کی نمازوں جیسی نہیں ہوں گی، تمھارے روزے ان کے روزوں کی مانند نہیں ہوں گے۔ وہ تلاوت اس گمان سے کریں گے کہ قرآن ان کے حق میں ہے، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہو گا۔ ان کی نماز ان کے حلق سے تجاوز نہ کرے گی اور وہ اسلام سے یوں نکل جائیں گے، جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ اگر ان کا مقابلہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا علم ہو جائے تو وہ اعمال پر تکیہ چھوڑ دیں۔ ان کی نشانی یہ ہو گی کہ ان میں ایک شخص ایسا ہو گا جس کا بازو ہو گا، مگر اس کا سرا نہیں ہو گا اور اس کے بازو کی نوک پر عورت کے پستان کی نوک کا سا نشان ہو گا جس پر سفید بال ہوں گے۔[2]

---

[1] [رقم: ۳۲۸ تا ۳۳۳] تک دیکھیے اور ان روایات میں وجہِ دلالت یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین میں اپنی تلوار سے انتہائی شدید جنگ کی، کیونکہ وہ اہلِ شام کو جنگ کا مستحق خیال کرتے تھے۔

[2] [رقم: ۴۹۴] ملاحظہ ہو۔

سوم: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: خوارج سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہو کر ایک گھر میں داخل ہوئے، ان کی تعداد اس وقت چھے ہزار تھی۔ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خروج کے لیے اتفاق کر لیا۔ فرماتے ہیں: ان دنوں مسلسل لوگ آ کر بتاتے کہ امیر المومنین! ایک قوم نے آپ کے خلاف خروج کیا ہے۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے: انھیں چھوڑ دو، جب تک وہ مجھ سے لڑائی نہیں کرتے میں ان پر تلوار نہیں اٹھاؤں گا۔ عنقریب وہ ضرور ایسا کریں گے۔[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جو کہا تھا کہ ''اللہ تو گواہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ بات راز دارانہ بتائی تھی۔''، اس راز سے دو چیزیں مراد ہو سکتی ہیں:

1 ظاہر الفاظ سے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو باقیوں سے پہلے اس کی بشارت سنا دی تھی، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کو بتایا تو وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خوشخبری دینے کی غرض سے آئے۔ تو وہ اس بشارت کو پہلے سے جانتے تھے۔ باقی حضرات سے پہلے ہی آپ کو خبر دے دینا، آپ کی عزت افزائی تھی، کیوں کہ اس معاملے میں وہ ایک جلیل القدر کام سے وابستہ ہو رہے تھے اور وہ کام نہروان کے بدعتی خوارج کے خلاف جنگ کی تیاری کا اہتمام تھا۔

2 اس کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد کچھ زائد اوصاف ہوں جو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بتائے ہوں۔ عام لوگوں کو خبردار نہ کیا ہو، تاکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان اوصاف سے مستفید ہو کر خوارج کی کم فہم باتوں، شجاعت اور بد اخلاقیوں کا مقابلہ تن دہی سے کر سکیں۔ کیوں کہ آگے جلد ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کی حرکات و سکنات اور ان سے جنگ کی خاطر ان کا سامنا کرنا تھا۔

تو حاصل کلام یہ ہوا کہ یہ وہ اوصاف تھے جو جنگی معاملات میں مفید مطلب ہو سکتے تھے، نہ کہ احکامِ شریعت میں، ان معاملات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے راز دارانہ بیان کیا تھا، کیونکہ جنگی معاملات کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جنگ چال بازی کا نام ہے۔[2] لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس راز کے بعد خوارج کا سامنا کرنے کے لیے بھرپور تیاری کی۔

---

[1] [رقم:۴۸۳] ملاحظہ ہو۔

[2] صحيح البخاري (٢٨٦٦) سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔

خوارج کے زائد اوصاف کی چند مثالیں:

1 سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ انھیں چھوڑ دو جب تک یہ جنگ نہ کریں گے، میں بھی ان پر ہتھیار نہیں اٹھاؤں گا اور وہ ایسا ضرور کریں گے۔[1]

2 آپ کو یہ بھی علم تھا کہ ابن ملجم خارجی، انھیں قتل کرنے کے درپے ہوگا۔[2] گذشتہ دونوں مثالوں کو اگر ہم بجائے فراست پر محمول کرنے کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پر محمول کریں۔

3 سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ آپ کو عراق میں شہید کیا جائے گا، کیونکہ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے آپ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: آپ عراق نہ جائیں، مجھے خدشہ ہے کہ کہیں آپ کو شہید نہ کر دیا جائے۔ تو علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق پہلے سے ہی خبردار کر دیا تھا۔[3]

اس کا بھی امکان موجود ہے کہ آپ نے اس راز میں دونوں چیزوں کو جمع کر دیا ہو۔ واللہ أعلم! کیوں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے امورِ دین سے متعلق آپ کی تخصیص کا پوچھنے والے شخص کو کہا تھا:

[**487**] صحیح مسلم کی روایت ہے، ابو الطفیل عامر بن واثلہ بیان کرتے ہیں: میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا، کہنے لگا: اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے کیا راز دارانہ بات کی تھی؟ تو علی رضی اللہ عنہ غصے میں آ گئے اور کہا: مجھے چار کلمات راز داری سے بتائے تھے، اس کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے کچھ نہیں چھپایا۔ وہ کہنے لگا: امیر المومنین! وہ چار کلمات کون سے ہیں؟ تو فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جس نے اپنے والد پر لعنت کی۔ جس نے غیر اللہ تعالیٰ کے لیے ذبح کیا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ جس نے فسادی کو پناہ دی اس پر خدا کی لعنت ہو۔ جو زمین کے مناروں[4] کو تبدیل کرے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔''[5]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۸۳]

[2] دیکھیے: [رقم: ۵۱۲]

[3] دیکھیے: [رقم: ۲۵۶]، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایک معاملے کا علم تھا جو واقعۂ صفین کے متعلق تھا اور وہ یہ کہ آپ کو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے شہید ہو جانے کا علم تھا۔ دیکھیے: [رقم: ۳۵۳، ۳۵۴]

[4] اس سے مراد زمینی حدود کی علامات ہیں۔

[5] صحیح مسلم (٨٤/٦)

تخریج: ابن ابی شیبہ (۲۲۴۴۹) نے نقل کیا کہ ہمیں مروان بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ روایت بیان کی۔

[488] امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے، ابو جحیفہ کہتے ہیں، میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا[1] کہ کیا آپ کے پاس ایسی چیز ہے جو قرآن میں نہ ہو؟ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ[2] کہنے لگے: لوگوں کے پاس کیا نہیں ہے؟ پھر فرمایا: اس ذات کی قسم، جس نے دانے کو پھاڑا اور انسانیت کی تخلیق فرمائی! ہمارے پاس قرآن کے سوا، فقط اس کا فہم ہے[3] جو کتاب اللہ[4] کے متعلق کسی شخص کو عطا کر دیا گیا اور جو اس صحیفے میں ہے، اس کا فہم ہے۔ میں نے پوچھا: اس صحیفے میں کیا ہے؟[5] فرمایا: دیت کا بیان، قیدی چھڑوانا اور یہ کہ کوئی مسلمان کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جا سکتا۔[6]

② امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خوارج پر شرط، پھر ان کا خون بہانا

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج پر شرط لگائی کہ جب تک وہ خون ریزی نہیں کریں گے، تب تک آپ ان سے جنگ نہیں کریں گے۔ لیکن اگر انھوں نے ایسا کیا تو پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا حکم نافذ کریں گے۔

مسند احمد اور مستدرک حاکم میں ہے: انھوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کتاب اللہ کی بابت تین روز تک مناظرہ کیا، حتیٰ کہ ان میں سے چار ہزار لوگ تائب ہو گئے، جن میں ابن الکواء بھی شامل تھا اور وہ

---

① امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابو جحیفہ نے اس کے بارے میں ان سے سوال کیا، کیونکہ شیعہ کی ایک جماعت کا یہ خیال تھا کہ اہلِ بیت خصوصاً سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے پاس وحی کی بابت کچھ چیزوں کا علم ہے جن کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بتلایا تھا اور کسی کو اس کے بارے میں مطلع نہیں کیا تھا۔ (فتح الباري: ٢٠٤/١)
ایک اور جگہ آیا ہے: اس حدیث میں شیعہ کے دعووں کا ردّ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ بیت کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی امور کا علم ہے جو اللہ کے رسول نے خاص طور پر رازدارانہ اہلِ بیت کو بتلایا تھا جو امورِ امارت اور دین کے بہت سے قواعد پر مشتمل تھا۔ (فتح الباري: ٨٥/٤)

② یعنی: (ابن عیینہ نے ایک مرتبہ کہا...)، اس کی تشریح صحیح البخاري (٦٥١٧) میں ہے۔

③ یہاں فہم سے مراد کتاب اللہ کا مستنبط فہم ہے۔ (فتح الباري: ٢٠٤/١)

④ یعنی کتاب اللہ میں۔ اس سے مراد وہ فقاہت ہے جسے اللہ تعالیٰ کسی بندے پر کھول دیتا ہے اور وہ کتاب اللہ سے وہ مسئلہ اخذ کر لیتا ہے۔

⑤ الصحیفة: لکھا ہوا ورق جو سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی تلوار کے ساتھ معلق تھا۔

⑥ صحیح البخاري (٦٥٠٧)، مطرف سے مراد: ابن طریف حارثی کوفی ہے۔ ابو جحیفہ سے مراد: وہب بن عبداللہ سوائی کوفی ہے، اسے وہب الخیر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ صغار صحابہ میں سے ہے اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے شرطہ کا شخص تھا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ہمراہ کوفہ آ گئے۔[1] باقی ماندہ لوگوں کے پاس سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود تشریف لے گئے اور فرمانے لگے: ہمارا اور لوگوں کا معاملہ تو تم یقیناً دیکھ چکے، تم امتِ محمدیہ کے اجتماع تک جہاں چاہو رہ سکتے ہو۔ البتہ شرط یہ ہے کہ ناجائز خون ریزی نہ کرو گے، کسی کا راستہ نہ کاٹو گے اور کسی پر ظلم نہ کرو گے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو پھر کوئی معاہدہ نہیں رہے گا اور ہم تم سے جنگ کریں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ابن شداد! تو پھر کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کر دیا؟ کہا: اللہ کی قسم! آپ نے تب تک ان سے جنگ نہ کی جب تک انھوں نے راستہ نہیں کاٹا اور ناجائز خون ریزی نہیں کی۔ انھوں نے ابن خباب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا اور ذمیوں پر ظلم کرنا جائز سمجھا۔[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے بارے میں کہا: جب تک وہ ناجائز خونریزی نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کا پاس رکھتے ہیں، ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔[3]

آپ رضی اللہ عنہ نے خوارج سے کہا: جب تک تم ہم سے جنگ نہیں کرتے، ہم بھی تم سے جنگ نہیں کریں گے۔[4]

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ناجائز خونریزی نہ کرنے کے بدلے میں ان سے تین وعدے کیے:

① سیدنا علی رضی اللہ عنہ انھیں مساجد میں آنے اور نماز ادا کرنے سے منع نہیں کریں گے۔

② آپ ان سے مالِ فئے اور عطایا نہیں روکیں گے۔

③ آپ ان سے جنگ میں پہل نہیں کریں گے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ جمعہ میں ان سے کہا: جب تک تم ہمارے ساتھ ہو، ہم تمھارے ساتھ تین طرح کا سلوک روا رکھیں گے: ہم تمھیں اللہ کی مساجد میں ذکر سے نہیں روکیں گے، ہم تمھیں مالِ فی سے نہیں روکیں گے اور جب تک تم ہمارے خلاف ہتھیار نہیں اٹھاتے، ہم بھی تم سے جنگ نہیں کریں گے۔[5]

---

1. یعنی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما خوارج کے تائب لوگوں کو دار الخلافہ کوفہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے اور وہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو گئے۔
2. دیکھیے: [رقم: ۴۷۹]، اس روایت کی سند حسن ہے۔
3. دیکھیے: [رقم: ۴۶۸]، یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔
4. دیکھیے: [رقم: ۴۶۹] یہ روایت صحیح ہے۔
5. دیکھیے: [رقم: ۴۶۹]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم انھیں مالِ فے سے منع نہیں کریں گے، انھیں اللہ تعالیٰ کی مساجد سے نہیں روکیں گے اور جب تک وہ خون ریزی نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کا لحاظ رکھتے ہیں، ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔[1]

۳۷ھ رمضان المبارک میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو تحکیم کے لیے بھیجا، اس کے بعد شوال میں خوارج کوفہ سے نہروان چلے گئے اور وہیں ٹھہر گئے۔[2] پھر ۳۸ھ محرم میں ان میں سے ایک فرقہ الگ ہو گیا اور اس نے لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ تو بعض خوارج نے ان پر انکار کیا اور کہا: تمھاری بربادی ہو، ہم اس وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے سیدنا عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہما اور ان کی امِ ولد کو بھی قتل کر دیا تھا تب وہ حاملہ تھیں۔

[**489**] طبرانی کی روایت ہے، حمید بن ہلال بیان کرتے ہیں: ہمیں عبدالقیس میں سے ایک شخص نے بیان کیا جو ہمارے ساتھ جامع مسجد میں بیٹھتا تھا، کہنے لگا: میں نہروان والوں کے ساتھ رہا ہوں، پھر مجھے ان کے معاملات برے لگے اور خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ ایک دن میں ان کے ایک گروہ میں تھا کہ ہم ایک بستی کے پاس آئے۔ ہمارے اور اس بستی کے درمیان ایک نہر تھی، اس دوران اچانک ایک شخص اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے ادھر آ نکلا، انھوں نے اس سے کہا: شاید ہم نے آپ کو خوفزدہ کر دیا ہے؟ وہ شخص بولا: جی بالکل، ایسا ہی ہے۔ تو وہ کہنے لگے: ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ انھوں نے نہر پار کر لی۔ میں نے کہا: اللہ کی قسم! وہ لوگ اسے پہچانتے تھے مگر میں اسے نہیں پہچان پایا۔[3] وہ لوگ کہنے لگے: کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ابن خباب رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس نے کہا: ہاں۔ تو وہ کہنے لگے: کیا آپ نے اپنے باپ سے حدیث سن رکھی ہے جو آپ ہمیں بیان کریں؟ اس نے کہا: جی ضرور! میں نے اپنے والد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے سنا، آپ نے فتنے کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا: اس فتنے میں کھڑا ہونے والے سے بیٹھنے والا، چلنے والے سے کھڑا ہونے والا، دوڑنے والے سے چلنے والا بہتر ہے۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۶۸]

[2] ''نہروان'' بغداد اور واسط کے درمیان مشرقی جانب ایک وسیع علاقہ ہے جس کی اوپر والی حدود بغداد سے جا ملتی ہیں۔ اس میں ایک نہر ہے جو اسی نام سے موسوم ہے جو دریائے دجلہ میں جا گرتی ہے۔ امیر المومنین سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور خوارج کے مابین ۳۸ھ کو واقعۂ نہروان یہاں ہوا۔ معجم البلدان (٣٢٤/٥)

[3] یعنی اس کے ساتھیوں نے ابن خباب رضی اللہ عنہما کو پہچان لیا، مگر یہ سیدنا ابن خباب رضی اللہ عنہما کو پہچاننے سے قاصر رہے۔

اے میرے لختِ جگر عبداللہ! اگر وہ گروہ تجھے پالے تو تو قاتل بننے کے بجائے مقتول بننے کو ترجیح دینا۔ راوی بیان کرتے ہیں: پھر انھوں نے ابن خباب رضی اللہ عنہما کو نہر کنارے کے قریب ذبح کر دیا۔[1] میں نے ان کا خون نہر میں جوتے کے تسمے کی مانند تیرتا دیکھا، جو پانی کے ساتھ نہ بکھرتا تھا اور نہ ہی اس میں ملتا تھا۔ پھر انھوں نے ان کی امِ ولد کو پکڑ کر قتل کر دیا، حالانکہ وہ حاملہ تھیں۔ انھوں نے اس کا پیٹ چاک کیا۔ میں آج تک ان سے زیادہ ناپسندیدہ لوگوں کے ساتھ نہیں رہا۔ آخر کار تنہائی پا کر میں نے ان سے خلاصی حاصل کر لی اور میں واپس آ گیا۔[2]

---

[1] مسند احمد کے الفاظ ہیں کہ انھوں نے سیدنا ابن خباب رضی اللہ عنہما کی گردن توڑ ڈالی۔

[2] المعجم الكبير (٣٦٢٩)

روایت کا حکم: یہ روایت مقبول ہے۔ اس کی سند کے تمام رجال ثقہ ہیں، البتہ وہ راوی جو عینی شاہد ہے، وہ ثقہ نہیں ہے اور حمید بن ہلال اسے جانتے تھے اور حمید نے جان بوجھ کر اس کا نام ذکر نہیں کیا۔ اس کا سبب میں نے چند صفحات قبل ذکر کر دیا ہے۔

شواہد و قرائن: اس روایت میں بنیادی واقعہ خوارج کا سیدنا ابن خباب رضی اللہ عنہما کو قتل کرنے کا ہے اور امام حاکم کے نزدیک یہ واقعہ ثابت ہے۔ امام حاکم نے خوارج کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ قصہ نقل کیا ہے اور اس میں اس بات کا تذکرہ ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن شداد سے کہا: اے ابن شداد! تو پھر کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کر دیا؟ ابن شداد کہنے لگے: اللہ کی قسم! علی رضی اللہ عنہ نے تب تک ان پر حملہ نہ کیا جب تک انھوں نے راہ زنی، ناحق خون ریزی اور سیدنا ابن خباب رضی اللہ عنہما کو قتل نہیں کیا اور ذمیوں کو حلال نہیں جانا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگی: کیا اللہ کی قسم! ایسا ہی ہے، میں نے کہا: ہاں، اس اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں! ایسا ہی ہے، اس کی سند حسن ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۴۷۹]

اسی طرح اس روایت کے قرائن بھی ہیں اور یہ روایت مستفیض ہے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ نہیں کی حتی کہ انھوں نے خونریزی کی۔ اس کی تفصیل میں نے اسی بحث کے شروع میں بیان کر دی ہے۔ مزید (ص: ۶۵۶) ملاحظہ کیجیے۔

تخریج: ابن ابی عاصم نے الآحاد والمثاني (٢٨٣) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں یہ روایت شیبان بن فروخ نے بیان کی اور امام احمد (۲۱۰۶۴) نے نقل کیا ہے کہ ہمیں اسماعیل بن علیہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ایوب بن ابوتمیمہ سختیانی نے حمید بن ہلال کے واسطے سے بیان کیا۔

اور اس روایت کو ابو یعلیٰ (۲۱۵۷) نے، امام آجری نے الشريعة (٧٥) میں ابوخیثمہ زہیر بن حرب کے طریق سے ابن علّیہ سے روایت کیا ہے اور امام آجری نے اس کے متابعات کا بھی بیان کیا ہے۔

ابن حجر عسقلانی نے فتح الباري (١٢/٢٩٧) میں روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ یعقوب بن سفیان نے صحیح سند کے ساتھ حمید بن ہلال کے واسطے سے نقل کیا ہے کہ ہمیں عبدالقیس کے ایک آدمی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں اہلِ نہروان سے ملا۔

اس روایت سے پتا چلتا ہے کہ حمید بن ہلال نے جان بوجھ کر اس بندے کا نام مخفی رکھا، کیونکہ آپ کو خوارج سے خطرہ لاحق تھا۔ کیوں کہ انھوں نے خوارج کے ان گھناؤنے فعل کو سامنے لایا تھا، جو نہروان میں ان کی ہلاکت کا باعث بنا تھا۔ حمید بن ہلال اس شخص کو جانتے تھے، کیونکہ انھوں نے کہا کہ وہ جامع مسجد میں ہمارا ہم مجلس تھا۔

امام طبری رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے اور ان کے قتل کا سبب بھی بیان کیا ہے۔ اور وہ سبب ان کے سوالات کے جوابات میں موجود ہے:

[**490**] طبری بیان کرتے ہیں، حمید بن ہلال سے روایت ہے: ایک خاتون بصرہ سے نہروان اپنے بھائیوں کے پاس آئی، ابھی وہ نہر کے قریب ہی پہنچی تھی کہ ایک جماعت ادھر آنکلی۔ ایک شخص گدھے پر سوار ہو کر ایک عورت کو لے جا رہا تھا۔ وہ لوگ اس کے پاس گئے، اسے بلایا، ڈرایا، دھمکایا اور خوفزدہ کیا۔ اسے کہنے لگے: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہما ہوں، میرے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ پھر وہ اپنے کپڑے کی جانب جھکے جسے وہ زمین سے اٹھا رہے تھے، کیونکہ جب انھوں نے اسے دھمکایا تو وہ کپڑا اپنے نیچے گر گیا۔ وہ لوگ اسے کہنے لگے: کیا ہم نے آپ کو خوفزدہ کیا ہے؟ اس نے کہا: جی بالکل۔ وہ کہنے لگے: ڈرو مت! ہمیں اپنے والد کی کوئی روایت سناؤ، جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، شاید اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس سے نفع دے، وہ کہنے لگے: مجھے میرے باپ نے بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقیناً فتنہ آئے گا۔ اس میں انسان کے بدن کی طرح دل بھی مردہ ہو جائے گا۔ شام کو بندہ مومن ہوگا، صبح تک کافر ہو چکا ہوگا اور صبح کافر ہوگا تو شام تک صاحبِ ایمان ہوگا۔'' کہنے لگے: اسی حدیث کے متعلق ہمارا سوال تھا۔ آپ کا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے کیا خیال ہے؟ اس نے ان کے بارے کلماتِ خیر کہے۔ پھر وہ لوگ کہنے لگے: سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتدا و انتہا کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کہنے لگے: وہ اوّل و آخر حق پر تھے۔ کہنے لگے: تحکیم سے پہلے اور بعد میں علی رضی اللہ عنہ کی بابت کیا خیال ہے؟ کہا: وہ تمھاری نسبت اللہ تعالیٰ کو زیادہ جانتے ہیں وہ اپنے دین کے بارے میں شدید تقویٰ کے مالک اور صاحبِ بصیرت ہیں۔ انھوں نے کہا: آپ خواہشات کے پیروکار ہیں، آپ لوگوں کے ناموں سے محبت کرتے ہیں، نہ کہ افعال سے۔ اللہ کی قسم! ہم آپ کو یوں قتل کریں گے کہ آج تک ہم نے کسی کو قتل نہیں کیا۔ لہٰذا انھوں نے اسے پکڑ کر مشکیں باندھیں، پھر ان کی عورت سمیت قتل کر ڈالا، تب وہ عورت زچگی کے بالکل قریب تھی۔[1]

---

[1] تاريخ الطبري (۳/۱۱۹) جس مقدار کو ہم نے نقل کر دیا ہے۔ یہ روایت بھی سابقہ روایت کی طرح مقبول ہے۔

بعض ضعیف روایات میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے قاتل حوالے کرنے کا مطالبہ کیا، تو وہ کہنے لگے: ہم سب نے مل کر اسے قتل کیا ہے۔[1]

ان کا قاتلوں کو حوالے نہ کرنا، ایک بدیہی امر تھا۔ اگر وہ انھیں ان کے حوالے کر دیتے تو پھر نہروان کے مقام پر جنگ نہ چھڑتی۔

صحیح روایات سے پتا چلتا ہے کہ عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہما کے علاوہ بھی انھوں نے کئی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ ابو وائل بیان کرتے ہیں: خوارج چلتے چلتے نہروان پر جا پہنچے، یہاں ان میں سے ایک فرقہ الگ ہو گیا اور انھوں نے لوگوں کو قتل کی دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ تو ان کے ساتھی کہنے لگے: تمھارا ناس ہو! کیا ہم نے اسی خون خرابے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے علاحدگی اختیار کی تھی؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کے معاملے کی خبر ہوئی تو آپ نے انھیں حکم دیا...... یہ مکمل روایت آگے آرہی ہے۔[2]

ابو وائل کے اس قول کی تفسیر طبری کی روایت سے ہو رہی ہے:

[**491**] طبری کی سابقہ روایت میں کچھ مزید اضافہ ہے،[3] جسے ہم نے اسے وہاں ذکر نہیں کیا تھا اور وہ یہ ہے: انھوں نے قبیلہ طے کی تین عورتوں کو موت کی نیند سلایا، اسی طرح ام سنان صیداویہ کو مار ڈالا۔

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں کو عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہما اور دیگر لوگوں کے قتل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حارث بن مرہ عبدی کو بھیجا کہ وہ انھیں لے کر آئیں۔ تاکہ آپ خبر کی تحقیق کر سکیں، ان کے منہ پر بات ہو جائے، وہ اسے چھپا نہ سکیں۔ حارث نہروان میں ان کے پاس پوچھ تاچھ کے لیے گئے تو انھوں نے ان کو قتل کر دیا۔ اس کی خبر بھی امیر المومنین اور لوگوں تک پہنچی![4]

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٣٩٠٤٨) یہ روایت ابومجلز کے واسطے سے بیان ہوئی ہے اور ابومجلز اس واقعے کے وقت موجود نہیں تھا اور اس روایت میں کئی خرافات ہیں جو میری کتاب کی شرط کے مطابق نہیں۔ واللہ اعلم۔ اس کی تخریج المسند (٢١٠٦٤) میں ملاحظہ کیجیے۔

[2] دیکھیے: [رقم: ٤٩٦] [3] دیکھیے: [رقم: ٤٩٠]

[4] تاريخ الطبري (٣/١١٩) اس قدر کو ہم نے نقل کر دیا ہے۔ یہ روایت قبول کرنے کے لیے محتمل ہے، کیونکہ اس نے ابووائل کے قول کی تفسیر بیان کر دی ہے اور اس روایت میں خوارج کے مقتولین کی تعداد کا قرینہ بھی موجود ہے، لیکن یہ قرینہ مزید تفصیل کا محتاج ہے تاکہ یہ روایت مقبول کی حد کو پہنچ جائے۔ البتہ اس روایت میں سیدنا ابن خباب رضی اللہ عنہما کے قتل کا تذکرہ اور خوارج کا لوگوں پر اعتراض کرنا اس کا تذکرہ موجود ہے۔ اس بنا پر یہ روایت مقبول ہے۔ سابقہ دو روایات ملاحظہ کیجیے۔

←

یہ تین روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ انھوں نے کل پانچ خواتین کو قتل کیا، وہ یہ تھیں: امِ ولد عبداللہ بن خباب رضی اللہ عنہما، تین قبیلہ طے کی خواتین اور ایک امِ سنان صیداویہ۔

آخری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قاصد حارث بن مرۃ عبدی کو بھی قتل کر دیا تھا۔ سو خوارج امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شرط سے دو طرح سے نکل گئے:

۱۔ جیسا کہ گذشتہ روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ انھوں نے خونریزی کی اور بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

۲۔ انھوں نے لوگوں کا مال ہتھیانا جائز سمجھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطبے میں فرمایا تھا کہ انھوں نے ناجائز خونریزی کی اور لوگوں کے مال مویشیوں پر حملہ کیا۔[1]

③ جنگِ نہروان میں فریقین کے لشکر کی تعداد

نہروان میں خوارج کی تعداد چار ہزار تھی۔ اس پر تین درست روایات کا اتفاق ہے جن پر میں نے انحصار کیا ہے:

1 یعقوب بن سفیان سے منقول ہے، ابومجلز بیان کرتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف چار ہزار خوارج نے نہروان کے مقام پر جنگ کی۔ مگر مسلمان ان پر حاوی ہو گئے اور انھیں قتل کر ڈالا۔[2]

2 امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے، عبداللہ بن شداد بیان کرتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے خط کتابت کی اور دو بندوں کو حاکم مقرر کیا تو آپ کے خلاف آٹھ ہزار لوگوں نے خروج کیا۔ وہ حروراء نامی جگہ پر جمع ہوئے۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کے پاس بھیجا، میں بھی ان کے ساتھ چلا گیا۔ انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تین دن تک مناظرہ کیا تو ان میں سے چار ہزار لوگ تائب ہو کر لوٹ آئے، جن میں ابن الکواء بھی شامل تھا۔[3]

3 امام حاکم رحمہ اللہ سے منقول ہے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب خوارج نے خروج کیا تو وہ ایک گھر میں اکٹھے ہوئے، تب ان کی تعداد چھ ہزار تھی۔

← اُم سنان صیداویہ، خوارج کی طرف علی رضی اللہ عنہ کے نمائندے حارث بن مرہ عبدی اور قبیلہ طیء کی تین عورتوں کے احوال مجھے نہیں مل سکے۔

① دیکھیے: [رقم: ۴۹۴]

② دیکھیے: [رقم: ۲۲۱]، اس روایت کا تکرار [رقم: ۵۰۷] پر ہو چکا ہے۔

③ دیکھیے: [رقم: ۴۷۹]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ان میں سے دو ہزار لوگوں نے توبہ کر لی اور باقی سب حالتِ گمراہی میں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔[1]

یہ صحیح ترین قول ہے، کیونکہ یہ خود سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اور ان کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دیکھا بھی تھا اور ان کے پاس حروراء میں کئی دفعہ مناظرہ کرنے گئے تھے۔ ایک دفعہ وہاں تین دن تک قیام بھی کیا تھا۔ اس سے پہلا قول ابن شداد سے مروی ہے اور ابن شداد سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ مناظرے میں موجود تھے۔[2]

یہ چار ہزار کی تعداد ان ۵۰۰ کے علاوہ ہے جنھیں فروہ بن نوفل اشجعی الگ کر کے لے گیا تھا،[3] کیونکہ گذشتہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اجتماعِ حکمین کے لیے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو فروہ بن نوفل نے خوارج سے الگ اپنی ایک جماعت بنا لی۔ فروہ بن نوفل بھی اپنا لشکر لے کر روانہ ہوا مگر وہ نہروان کے مقام پر عبداللہ راسبی سے نہیں مل پایا۔ واللہ اعلم!

مراسیلِ زہری کی روایت کے مطابق ان کی تعداد پانچ ہزار تھی۔[4]

ایک ضعیف روایت میں خوارج کی تعداد ۱۲ ہزار بھی منقول ہے، جن میں سے ۸ ہزار لوگ نہروان کے روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نصیحت کی بنا پر تائب ہو گئے تھے اور باقی چار ہزار لوگوں سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی اور وہ لوگ مارے گئے۔[5]

---

1. دیکھیے: [رقم: ۴۸۲]
2. سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن شداد اس بات پر متفق ہیں کہ اہلِ نہروان کی تعداد چار ہزار تھی لیکن ابن شداد کا قول ہے کہ خوارجِ صفین (قراء) نے صفین سے نہروان کی جانب خروج کیا اور ان کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ ان میں سے چار ہزار لوگوں نے رجوع کر لیا، البتہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صفین کے خوارج نے حروراء میں پڑاؤ ڈالا اور ان کی تعداد چھے ہزار تھی۔ ان میں سے دو ہزار لوگوں نے رجوع کر لیا۔ اور میں نے تعلیق میں قراء کے موقف اور ان کی تعداد کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ (ص: ۴۸۶) میں ایک مستقل بحث میں اس کا تذکرہ آئے گا۔
3. اس کی تفصیل عنقریب آ رہی ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۶۰۰، ۶۰۱] اور ان دونوں روایات سے پہلے اور بعد کی تعلیق ملاحظہ کیجیے۔
4. دیکھیے: [رقم: ۴۶۵]
5. كتاب الفتوح لابن أعثم (٢٥٦/٤، ٢٧٠)

غیر ثابت اقوال:

ابو مخنف نے ذکر کیا ہے کہ ان خوارج کی تعداد چار ہزار تھی۔ نہروان کے دن سبھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف محاذ آرائی کے لیے نہیں گئے تھے۔ بلکہ سیدنا علی اور سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہما کے پند ونصائح کے باعث خوارج کے بہت سے گروہ جنگ شروع ہونے سے قبل وہاں سے واپس چلے گئے تھے۔ اور عبداللہ راسبی کے ساتھ ۲۸۰۰ لوگ ہی رہ گئے تھے۔[1]

اسی طرح بلاذری نے بغیر سند کے ذکر کیا ہے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نہروان کے دن خوارج ۴۰۰۰ تھے، تو انھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے وعظ ونصیحت کی تو کچھ لوگوں نے اس نصیحت کو قبول کر کے عبداللہ راسبی کو چھوڑ دیا۔ راسبی کے ساتھ بس ۱۸۰۰ یا ۱۵۰۰ لوگ رہ گئے تھے۔ جو اس کے ساتھ لڑائی میں جمع ہوئے اور ہلاک ہو گئے۔[2]

یہ اقوال صحیح احادیث کی وجہ سے مردود ہیں:

⊙ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حروریہ نے جب خروج کیا تو ایک گھر میں جمع ہو گئے، وہ اس وقت چھے ہزار کی تعداد میں تھے، ان میں سے دو ہزار واپس چلے گئے اور بقیہ سب گمراہی پر ہی قتل کر دیے گئے۔[3]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں "سائرهم" سے مراد "باقی ماندہ لوگ" ہیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اسی پر اکتفا کیا جائے گا، کیونکہ آپ معرکۂ نہروان میں شامل تھے۔

⊙ یعقوب بن سفیان سے منقول ہے، ابو مجلز بیان کرتے ہیں: جن لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف نہروان کے مقام پر خروج کیا، ان کی تعداد چار ہزار تھی۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کر کے انھیں موت کی نیند سلا دیا۔[4] ابو مجلز چار ہزار ہی کے قتل کا ذکر کرتے ہیں۔

⊙ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے، زید بن وہب بیان کرتے ہیں: نہروان کے روز آپ نے خوارج

---

1. تاریخ الطبري (۱۲۱/۳)
2. أنساب الأشراف (۳۷۱/۲)
3. دیکھیے: [رقم: ۴۸۲]
4. دیکھیے: [رقم: ۲۲۱]، یہ روایت [رقم: ۵۰۷] پر مکرر ہے۔

کا سامنا کیا۔[1] حتیٰ کہ انھیں نیزوں سے موت کے گھاٹ اتار دیا اور وہ سب کے سب مارے گئے۔[2]

زید بن وہب نے بیان کیا: جب خوارج نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نہروان کے مقام پر محاذ آرائی کی تو وہ اپنے ٹھکانوں میں رکے رہے، اور اپنے معسکر سے دور اپنے نیزوں کو چھوڑ دیا، پھر انھوں نے تلواروں سے جنگ کی اور سب قتل ہو گئے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خوارج میں سے کوئی بھی نہروان سے نہیں بھاگا، بلکہ سب لڑائی میں شریک ہوئے اور مارے گئے۔ ان کی تعداد چار ہزار تھی۔

⊙ صحیح مسلم میں ہے، عبداللہ بن وہب راسبی نے اپنے متبعین میں سے کسی کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نصیحت نہیں سننے دی بلکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نصیحت کا وقت ہی نہیں دیا۔ اس نے اپنے لشکر کو تلواروں اور نیزوں سے حملے کا حکم دے دیا۔ کہنے لگا: نیزے پھینکو اور تلواریں میانوں سے باہر نکال لو، مجھے خدشہ ہے کہ وہ کہیں یومِ حروراء کی طرح پھر تم سے مناظرہ نہ کر لیں، جب سب نے راسبی کی بات مان لی تو نتیجتاً سب مار دیے گئے۔[3]

راسبی کا قول اس بات کی دلیل ہے کہ اصلاً نصیحت ہو ہی نہیں سکی، کیوں کہ راسبی نے کہا تھا: مجھے خدشہ ہے کہ وہ تم سے مناظرہ نہ کر لیں۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو راسبی نصیحت سے ڈر گیا اور نصیحت شروع ہونے سے قبل ہی حملے کا حکم دے دیا۔

یہ ساری صحیح روایات بتاتی ہیں کہ اصلاً کوئی بھی نصیحت نہیں ہوئی، بلکہ چار ہزار افراد کے ساتھ جنگ شروع ہو گئی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خوارج کی تعداد چار ہزار تھی، جنگ سے قبل ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں ہٹا۔ بلکہ جنگ شروع ہونے کے بعد وہ سب ضلالت پر ہی ہلاک ہو گئے۔ جہاں تک نصیحت کی بات ہے تو وہ دونوں گروہوں کے باہمی ٹکراؤ کے بعد وقوع پذیر نہیں ہو پائی، کیونکہ عبداللہ راسبی نے جان بوجھ کر آغاز کر دیا تھا اور اپنے پیروکاروں کو نصیحت سے دور رکھا تھا۔

جنابِ علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد:

اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد کی بات کی جائے تو اس بابت کوئی صحیح اور مقبول روایت نہیں ملی۔

---

[1] یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خوارج سے سامنے ہوا۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۵۰۶]

[3] دیکھیے: [رقم: ۴۹۴] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

بلاذری نے بلا سند ایک روایت بیان کی ہے کہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد ۱۴ ہزار تھی۔[1]

ابو مخنف کہتا ہے: وہ (۶۸۲۰۰)[2] لوگ تھے جو سراسر خطا ہے۔

مسعودی نے ذکر کیا ہے کہ وہ ۴۵ ہزار جنگجو تھے۔[3] جبکہ اس میں مبالغہ ہے۔

بلاذری نے بلا سند ذکر کیا ہے کہ حکمین کی خبر ملنے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو نخیلہ کے مقام پر لے جانے کا ارادہ کیا، تاکہ غزوۂ شام کے لیے جا سکیں۔ آپ نے اس جنگ میں اپنے ساتھ شرکت کے لیے اہلِ بصرہ کو مکتوب ارسال کیا تو احنف بن قیس (۱۵۰۰) لوگ لے کر آپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ادھر جاریہ بن قدامہ تین ہزار جنگجو لے آئے۔ ایک قول کے مطابق جاریہ بن قدامہ پانچ ہزار فوجی لے کر آئے تھے۔ ایک اور قول کے مطابق اس سے بھی زیادہ کا لشکر اپنے ہمراہ لائے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نخیلہ کے مقام پر ملے تھے۔[4]

میں کہتا ہوں: بلاذری نے جو ۱۴ ہزار تعداد بیان کی ہے، وہ سمجھ آنے والی ہے۔ جنگِ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا لشکر ۵۰ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا، ان میں سے تین ہزار قتل کر دیے گئے۔ صفین کے روز صحیح قول کے مطابق چار ہزار لوگ آپ سے الگ ہو گئے۔ ایک قول کے مطابق آٹھ ہزار لوگوں نے خروج کیا۔ اس کے بعد نہروان پر جانے سے دو تہائی لوگ کوتاہی کر گئے، لہٰذا نتیجہ وہی نکلا جو بلاذری نے بیان کیا ہے کہ چودہ ہزار لوگ تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی صفین سے واپسی پر جتنے لوگ آپ کے ہمراہ تھے یہ ان کے ایک تہائی لوگ تھے۔

---

1. أنساب الأشراف (۲/۳۷۱) راوی کہتے ہیں کہ جنگِ نہروان میں چودہ ہزار سپاہیوں نے حصہ لیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لشکر ترتیب دیا۔ حجر بن عدی کندی کو میمنہ کا، شبث بن ربعی کو میسرہ کا، ابو ایوب خالد بن زید انصاری کو گھڑ سواروں کا، ابوقتادہ انصاری جن کا نام نعمان بن ربعی بن بلدمہ خزرجی ہے، انھیں پیادہ فوج کا امیر بنایا اور اہلِ مدینہ جن کی تعداد ۷۰۰ یا ۸۰۰ تھی، ان کے قائد سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہما تھے۔
2. تاريخ الطبري (۳/۱۱۸) اس کی سند ضعیف اور متن منکر ہے۔
3. مروج الذهب (۲/۳۱٤)
4. أنساب الأشراف (۲/۳٦۷) یہ روایت ضعیف ہے۔ میں نے اس روایت کو مقارنہ اور گنتی کے طور پر نہ کہ حجت کے طور پر ذکر کیا ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت امام طبری نے "تاريخ الطبري" (۳/۱۱۷- ۱۱۸) میں ابو مخنف کے واسطے سے بیان کی ہے۔

اگر الگ ہونے والے خوارج کی تعداد چھے ہزار تھی تو پھر جنگِ نہروان سے پیچھے رہنے والے تقریباً دو تہائی لوگوں سے بھی کم ہوں گے۔

۵۰،۰۰۰[1] – ۳۰۰۰[2] – ۶۰۰۰[3] = ۴۱،۰۰۰[4]

۴۱،۰۰۰ – ۲۷،۰۰۰[5] = ۱۴،۰۰۰

۴۱،۰۰۰ × ۲/۳ = ۲۷،۳۳۳

اور جب جدا ہونے والے خارجیوں کی تعداد آٹھ ہزار ہے تو پھر نہروان سے پیچھے رہنے والوں کی تعداد دو ثلث سے کچھ کم ہو گی۔

۵۰،۰۰۰ – ۳۰۰۰ – ۸۰۰۰ = ۳۹،۰۰۰

۳۹،۰۰۰ – ۲۵،۰۰۰ = ۱۴،۰۰۰

۳۹،۰۰۰ × ۲/۳ = ۲۶،۳۳۳

لہٰذا راجح یہ ہوا کہ یوم النہر کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد وہی ہے جو بلاذری نے بیان کی ہے اور وہ ۱۴ ہزار ہے۔

④ جنگِ نہروان، ذوالثدیہ کی تلاش اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا سجدۂ شکر کرنا

نہروان کا واقعہ ماہِ صفر ۳۸ھ میں ہوا۔[6]

ایک قول کے مطابق اسی برس شعبان ۳۸ھ میں ہوا۔[7]

راجح قول کے مطابق یہ معرکہ صفر میں ہوا، کیونکہ بہ اعتبارِ زمانہ یہ حکمین کے اجتماع سے قریب ہے۔ جو ۳۷ھ ماہِ رمضان میں ہوا تھا۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو رمضان کے شروع میں

---

① اس سے مراد جنگِ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد ہے۔

② اس سے مراد جنگِ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقتولین کی تعداد ہے۔

③ اس سے مراد خوارج کے وہ قراء ہیں جو صفین کے دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے تحکیم قبول کرنے کے بعد آپ سے الگ ہو گئے تھے۔

④ یعنی جنگِ صفین کے بعد عراقی لشکر میں سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جو لوگ باقی رہ گئے تھے۔ ان کی تعداد ہے اور وہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کوفہ آ گئے۔

⑤ لشکر کی تعداد سے اس دو تہائی کو نکال کر ہمیں باقی لشکر کی تعداد معلوم ہو جائے گی۔

⑥ أنساب الأشراف (۳۶۲/۲)

⑦ تاریخ الإسلام (۵۸۸/۳)

اجتماعِ حکمین کے مقام پر بھیجا تھا، لہٰذا جنگ کو شعبان تک مؤخر کرنا ممکن نہ تھا، کیونکہ خوارج نے بھرپور جنگ کی تیاری کر لی تھی اور وہ مکمل تیار ہو چکے تھے۔ خوارج سب نہروان کے مقام پر اکٹھے ہونے کو تیار تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو محرم میں اپنا لشکر نخیلہ سے لے کر خوارج کی طرف گئے، حتی کہ صفر میں آپ کا ٹکراؤ خوارج سے ہو گیا۔[1]

خوارج کی جانب قاصد بھیج کر انھیں تین دن تک ڈرانے کا بیان:

یہ بات پیچھے گزر چکی ہے[2] کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے پاس اپنے قاصد حارث بن مرہ عبدی کو بھیجا تو انھوں نے اسے قتل کر دیا۔

[**492**] خطیب بغدادی سے منقول ہے کہ ابوجہم بیان کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو اہلِ نہروان کی جانب بھیجا مگر جب انھوں نے بات نہ مانی تو آپ نے ان پر لشکر کشی کر دی۔[3]

[**493**] بیہقی کی روایت ہے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: مجھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ نہروان کے پاس بھیجا، میں نے انھیں جنگ سے پہلے تین دن تک دعوت دی۔[4]

حکمین کے جدا ہونے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نخیلہ کے مقام پر ایک لشکر تیار کیا،[5] جس کا مقصد معرکۂ شام میں حصہ لینا تھا۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خوارج کے جرائم اور خون ریزی کی خبریں ملیں، تو آپ نے مشورہ کیا کہ کیا ہم اہلِ شام سے جنگ کریں یا خوارج سے دو ہاتھ کر لیں جو پیچھے تمھارے اہل وعیال کو قتل کرنے کے درپے ہیں، نیز جرائم میں ملوث ہیں؟ سب نے کہا: ہم خوارج سے جنگ کریں گے۔ لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نخیلہ کے مقام پر ہی ٹھہرے اور ان کے پاس سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو بھیجا، جنھوں نے

---

[1] أنساب الأشراف (٢/٣٦٢)

[2] دیکھیے: [رقم: ۴۹۱]

[3] تاریخ بغداد (١/١٨٩) یہ روایت صحیح لغیرہ ہے اور اس کی سند جید ہے۔ یہ روایت [رقم: ۲۴۵] پر اپنے رجال کے احوال کے ساتھ گزر چکی ہے، وہاں دیکھیے۔

[4] السنن الكبریٰ للبيهقي (١٦٧٣٩)، صحیح لغیرہ، یہ روایت اپنی متابعت کے ساتھ حسن ہے۔ اور [رقم: ۲۴۶] میں راویوں کے تعارف اور تخریج کے ساتھ گزر چکی ہے۔

[5] أنساب الأشراف (٢/٣٦٧)

تین دن تک ان کو ڈرایا، مگر انھوں نے آپ کی بات نہ مانی۔ تب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ۳۸ھ ماہِ محرم میں ان کی طرف رخ کیا۔[1] اور صفر کے مہینے میں نہروان[2] میں ان سے قتال کیا۔[3]

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے خلاف اسی لشکر کے ساتھ جنگ کی جو آپ نے افتراقِ حکمین کے بعد جنگِ شام کے لیے تیار کیا تھا۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا اپنے لشکر کو ابھارنا، اور سبھی کا خوارج سے لڑنے پر اتفاق:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہروان کی جانب روانگی سے پیشتر نخیلہ میں اپنے لشکر سے خطاب کیا، جس میں آپ نے انھیں خوارج سے جنگ پر ابھارا، ان سے جنگ کی فضیلت والی حدیث بیان کی اور خوارج کی علامت ذکر کی کہ ان میں ایک شخص ذوالثدیہ ہوگا۔ پھر آپ نے ان سے مشورہ کیا، اس مشورے کے ساتھ ایک تحذیری خط تھا، جس میں تھا کہ کیا ہم اہلِ شام سے محاذ آرائی کریں اور تمھاری عدمِ موجودگی میں خوارج تمھارے اہل وعیال کو قتل کر ڈالیں۔ یا پھر خوارج کی جانب پیش قدمی کریں؟ تو لشکر کو خوارج کے خطرے کا ادراک ہوگیا اور وہ کہنے لگے کہ ہم خوارج کی جانب جائیں گے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی اتفاقی رائے کا ذکر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے نہایت عمدہ کلام کے ساتھ کیا ہے، فرماتے ہیں: جس رائے پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا لشکر مجتمع ہوا،[4] اس میں ان کے لیے اور اہلِ شام کے لیے خیرِ عظیم کارفرما تھی، کیونکہ اگر خوارج اپنے قدم جما لیتے[5] تو پھر وہ عراق وشام دونوں میں فساد برپا کر دیتے۔ وہ کسی مرد وزن اور بچے یا بچی پر رحم نہ کرتے، کیونکہ ان کے نزدیک بقیہ تمام لوگ فسادی تھے اور ان سب کے قتل میں ہی اصلاح ممکن تھی۔[6]

---

① دیکھیے: [رقم: ۴۹۶]

② دیکھیے: [رقم: ۴۹۲]

③ أنساب الأشراف (۳۶۲/۲)

④ یعنی عراقی لشکر شام جانے کے بجائے خوارج کی جانب جانے اور ان سے جنگ کرنے پر متفق ہوگیا۔

⑤ اس سے مراد خوارج ہیں۔

⑥ البداية والنهاية [(۴۸۵/۷)، طبعة دار ابن كثير بدمشق، الثانية][(۵۸۴/۱۰- ۵۸۵) طبعة دار هجر] اور یہ عبارت اس طبع میں ناقص ہے جس پر میں نے اعتماد کیا ہے۔ (إحياء التراث) (۳۱۸/۷) اس سے یہ عبارت: "اگر خوارج اپنے قدم جما لیتے ....." ساقط ہے۔

شام کے بجائے خوارج سے جنگ پر اتفاق کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نخیلہ میں ہی قیام کیا۔ حتیٰ کہ تین روز تک آپ نے خوارج کو حق کی جانب رجوع اور اپنے ساتھ نکلنے کی دعوت دی، مگر انھوں نے بات نہ مانی۔ تو آپ نے محرم ۳۸ھ میں ان کی جانب پیش قدمی کی اور صفر میں نہروان کے مقام پر ان سے جنگ کی۔[1]

[494] صحیح مسلم کی روایت ہے، زید بن وہب جہنی بیان کرتے ہیں: میں خوارج کی طرف پیش قدمی کرنے والے لشکر کے ہمراہ تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میری امت میں سے ایک قوم خروج کرے گی۔ وہ قاریِ قرآن ہوں گے۔ ان کی قراءت کے سامنے تمھاری قراءت ہیچ ہو گی۔ تمھاری نمازیں ان کی نمازوں کے سامنے اور تمھارے روزے ان کے روزوں کے سامنے ہیچ ہوں گے، وہ قرآن کی تلاوت کریں گے، اس زعم سے کہ وہ ان کے حق میں ہے، حالانکہ وہ ان کے خلاف دلیل ہو گا۔ ان کی نمازیں ان کے حلق سے تجاوز نہ کریں گی۔ وہ اسلام سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ اگر ان سے مقابلہ کرنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری کا علم ہو جائے تو وہ عمل سے تکیہ کر لیں، ان کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک شخص ایسا ہو گا جس کا بازو ہو گا مگر ہاتھ نہیں ہو گا، اس کے بازو کا سرا پستانوں کی نوک جیسا ہو گا جس پر سفید بال اُگے ہوئے ہوں گے۔ تو کیا تم معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام سے لڑائی کرو گے اور ان کو اپنے اہل وعیال اور مال پر حملہ کرنے کے لیے چھوڑ دو گے؟![2] اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ یہی وہ قوم ہے، کیونکہ انھوں نے ناجائز قتل وغارت کا بازار گرم کیا اور لوگوں کا مال لوٹا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر میدان میں کود پڑو۔ سلمہ بن کہیل کہتے ہیں: مجھے زید بن وہب ایک مقام پر لے گئے،[3] یہاں تک کہ ہم ایک پل پر سے گزرے۔

---

[1] أنساب الأشراف (٣٦٢/٢)

[2] ابن ابی شیبہ کے الفاظ ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا: تمھارا کیا خیال ہے؟ کیا تم اہلِ شام سے جنگ کرو گے یا ان لوگوں سے لڑائی کرو گے جو پیچھے تمھارے اہل وعیال کے پاس رہ گئے ہیں؟ تو سب بیک زبان کہنے لگے: بلکہ ہم ان خوارج سے جنگ کریں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے معاملے کو یاد کیا، پھر اپنے ساتھیوں سے وہ کچھ بیان کیا جو خوارج کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ لوگوں کے اختلاف کے وقت ایک گروہ خروج کرے گا اور انھیں دو گروہوں میں سے حق کے سب سے زیادہ قریب گروہ قتل کرے گا۔ ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک ایسا شخص ہو گا جس کا ہاتھ عورت کے پستان کی مانند ہو گا۔

[3] بعض نسخوں میں "منزلا منزلا" کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ کلام کا ایک پہلو ہے، یعنی انھوں نے ان کے مراحل کو منزل بمنزل یاد کیا حتی کہ آپ اس پل پر جا پہنچے جہاں جنگ کرنا تھی اور یہ دبرجان کا پل تھا۔

←

وہ کہتے ہیں: ہمارا ان سے سامنا ہوا تو ان کی کمان عبداللہ بن وہب راسبی کے ہاتھ میں تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: نیزے پھینک دو اور تلواریں میانوں سے نکال لو،① مجھے ڈر ہے کہ وہ تم سے اسی طرح مناظرہ کریں گے، جیسے حروراء کے دن② انھوں نے تم سے مناظرہ کیا تھا، پھر لوگ واپس لوٹ گئے اور پیچھے سے نیزے چلانے لگے،③ انھوں نے تلواریں کھینچ لیں،④ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا لشکر بھی ان سے تلواروں سے لڑنے لگا۔ راوی کہتے ہیں: وہ اس طرح قتل ہوئے کہ ایک دوسرے کے اوپر گرے پڑے تھے۔

اس روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے فقط دو بندے شہید ہوئے۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان لوگوں میں ہاتھ کٹے شخص کو تلاش کرو، انھوں نے تلاش کیا مگر وہ نہیں ملا، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ خود کھڑے

← سنن النسائي الکبری (۸۵۱۷) میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ آیا ہے اور وہاں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو خطبہ ارشاد فرمایا اور انھیں یہ احادیث سنائیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اسی طرح کہا ہے۔ شرح صحیح مسلم (۱۷۲/۷)
یاقوت کہتے ہیں: ''درزیجان'' بغداد کے نیچے مغربی جانب دریائے دجلہ پر ایک بڑی بستی کا نام ہے۔ (معجم البلدان: ۴۵۰/۲) اور کلمہ ''درزیجان'' کے رسم الخط میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

① یعنی انھوں نے اپنی تلواریں میانوں سے باہر نکال لیں، کیونکہ انھیں حکم ہوا تھا کہ وہ اپنے ساتھ تلواروں کے سوا کچھ نہیں لا سکتے۔

② اس میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خوارج سے حروراء میں مناظرے کی جانب اشارہ ہے جس کے سبب دو ہزار لوگوں نے رجوع کر لیا تھا، مگر خوارج کا سردار عبداللہ بن وہب راسبی نصیحت کے تکرار اور اپنے لشکر کے رجوع سے خوف زدہ ہو گیا تھا اس لیے اس نے آتشِ جنگ بھڑکانے میں جلدی کی۔ خوارج سے مناظرہ [رقم: ۴۸۲] پر گزر چکا ہے۔
عبداللہ بن احمد کے السنة (۱۴۹۳) میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ابوسلیمان ہمیں مرحلہ وار سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی منازل کی سیر کرواتے رہے حتیٰ کہ وہ کہتے ہیں کہ بالآخر ہم دیزجان کے پل پر پہنچ گئے۔ میدانِ کارزار میں جب ہمارا ان سے سامنا ہوا تو خوارج کے امیر عبداللہ بن وہب راسبی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ اپنے نیزے پھینک دو اور تلواروں سے یکبارگی حملہ کر دو اور ان سے مناظرہ نہ کرو جس طرح حروراء کے روز تم نے ان سے مناظرہ کیا تھا، ورنہ تم اپنے منہج سے رجوع کر جاؤ گے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر انھوں نے اچانک ہم پر حملہ کر دیا تو ہمارے لوگوں نے انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا اور وہ ایک دوسرے کے قریب مرے ہوئے پڑے تھے البتہ ہمارے دو ساتھی شہید ہوئے۔ ابوسلیمان سے مراد زید بن وہب جہنی ہے۔

③ یعنی انھوں نے دور سے نیزے چلائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ پچھلے قدموں ہٹنے لگے اور یوں انھوں نے نیزوں سے خلاصی حاصل کر لی۔

④ یعنی جب خوارج نیزوں سے الگ ہو گئے تو انھوں نے اپنی تلواریں باہر نکال لیں اور تلواروں کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کا مقابلہ کیا۔

ہوئے، لوگوں کی لاشوں کو دیکھا جو ایک دوسرے کے اوپر پڑے تھے۔ آپ نے کہا: ان کو ذرا الگ الگ کرو، تو اس شخص کو سب سے نیچے زمین کے ساتھ لگا ہوا پایا۔ آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے سچ کہا اور اس کے رسول ﷺ نے پہنچا دیا۔

راوی کہتے ہیں: اس وقت عبیدہ سلیمانی کھڑا ہوا اور کہنے لگا: امیر المومنین! اللہ کی قسم! جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، کیا آپ نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے؟ کہا: جی ہاں، اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں! یہاں تک کہ اس نے تین دفعہ آپ سے قسم لی[1] اور آپ نے اس کے لیے قسم کھائی۔[2]

خوارج قتال کی ابتدا کرتے ہیں:

عبداللہ بن وہب راسبی نے اپنے متبعین سے کہا: نیزے پھینک دو اور تلواریں میانوں سے نکالو، مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ حروراء کے دن کی طرح پھر تم سے مناظرہ نہ کرنے لگیں، انھوں نے اپنے امیر کی بات مان لی اور پیچھے ہٹتے ہوئے نیزے پھینکنے شروع کر دیے اور تلواریں نکال لیں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نہروان میں جنگ کی ابتدا خوارج نے کی تھی۔ اس کی تائید بلاذری کی روایت سے ہوتی ہے: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: جب تک وہ جنگ کی ابتدا نہ کریں، تم ان سے ہاتھ روک کے رکھنا۔'' خوارج ایک دوسرے کو پکارنے لگے: جنت کی طرف روانگی ہے، اے عاجزی اختیار کرنے والو اور کھلے کپڑے پہننے والے نمازیو! ۔ پھر انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں پر یکبارگی حملہ کر دیا۔''[3] یعنی یکبارگی وہ سب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر پر جھپٹ پڑے۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو خوارج سے جنگ کی ابتداء کرنے سے منع کر رکھا تھا، جب تک وہ جنگ شروع نہیں کرتے۔ نیز اس کی بھی دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کی خیر خواہی کے معاملے میں کس قدر حریص تھے، اور ان کے حال پر رحم کرنے کے لیے کس قدر مشفق

---

[1] امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے قسم کا مطالبہ حاضرین کو سنانے اور تاکید کی غرض سے کیا تھا اور وہ انھیں معجزہ دکھانا چاہتے تھے جس کی بابت اللہ کے رسول ﷺ نے خبر دی تھی اور یہ دکھانا چاہتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی دونوں گروہوں میں سے حق کے زیادہ قریب ہیں اور وہ ان خوارج سے جنگ کرنے کے زیادہ حقدار ہیں اور دیگر وہ فوائد جو ان احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ (شرح صحیح مسلم: ۱۷۳/۷)

[2] صحیح مسلم (۱۱۵/۳)

[3] عنقریب یہ کامل حدیث اپنے الفاظ کی شرح کے ساتھ [رقم: ۴۹۷] پر آ رہی ہے۔

ومہربان تھے اور انھیں ہدایت کی دعوت دینے میں کیسی کوشش کرتے رہے۔ نیز ان سے جنگ کرنے سے کتنا اجتناب کرتے رہے اور آپ کی یہ حرص آخری لمحے تک رہی۔

عبداللہ بن وہب راسبی امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شفقت اور جنگ سے اجتناب کو جانتا تھا، اس لیے اس نے اپنے متبعین سے کہا: مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ یومِ حروراء کی طرح تم سے مناظرہ نہ کرنے لگ جائیں۔

خوارج کی تدبیر، جس نے انھیں ہلاک کر دیا:

عبداللہ بن وہب راسبی نے اپنے ساتھیوں کے لیے ایک تدبیر کی جو ان کی ہلاکت کا باعث بن گئی، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: نیزے پھینک دو اور تلواریں میانوں سے نکال لو، مجھے ڈر ہے کہ وہ تم سے اسی طرح مناظرہ کریں گے جیسے حروراء کے دن انھوں نے تم سے مناظرہ کیا تھا، پھر لوگ واپس لوٹ گئے۔ انھوں نے نیزے پھینک دیے اور تلوار سونت کر لڑنے لگے۔

بلاذری ایک دوسری تدبیر کا تذکرہ کرتے ہیں: تیر انداز اپنے چہرے تیروں کے سامنے لے آئے، گویا وہ بکریاں تھیں جو اپنے سینگوں سے بارش سے بچاؤ کر رہی ہوں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خوارج کے پاس ڈھالیں نہیں تھیں اور تیروں سے بچنے کو سوائے سروں کے ان کے پاس کچھ نہیں تھا، کیونکہ راسبی نے انھیں صرف تلواریں سنبھالنے کا حکم دیا تھا۔ اس نے کہا تھا: اپنی تلواریں تھام لو۔

میں کہتا ہوں کہ سیدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کم عمر اور ناسمجھ قرار دے کر حقیقتِ حال بیان کی تھی، یعنی انھوں نے نیزے اور ڈھالیں چھوڑ دیں اور تلواروں پر اکتفا کر لیا۔ ان کے پاس تیروں سے بچنے کو کچھ نہ تھا، سوائے سروں کے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے لشکر نے سب سے پہلے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کی اور انھیں لولہان کر دیا۔ پھر نیزوں سے انھیں بفضل اللہ فنا کر دیا۔

ابو عباس قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: خوارج کے سردار کے کہنے ''نیزے پھینک دو اور تلواریں تھام لو۔'' میں ہی مسلمانوں کی فتح تھی۔ اسی سے ان کا خون بہنے سے بچ گیا اور وہ خوارج پر قابو پانے کے لائق ہو گئے۔ اس طرح سے کہ انھیں تیروں نے بچا لیا، مگر ان کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے وہ کسی کو نقصان پہنچاتے۔ یوں وہ سب ہلاک ہو گئے اور مسلمانوں میں سے صرف دو لوگ شہید ہوئے۔ ان کی اس تدبیر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کے جو انھیں تباہی کے دہانے پر لے گئی۔[1]

---

[1] المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم (۱۱۹/۳)

علامہ عظیم آبادی رحمہ اللہ کہتے ہیں: راسبی کے قول ''مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تم سے مناظرہ نہ کرنے لگ جائیں'' کا مطلب یہ تھا کہ کہیں وہ تم سے قسمیں دے کر صلح کا مطالبہ نہ کر ڈالیں، سو نیزے پھینک دو، تلواریں اٹھا لو، تاکہ ان کو فرصت ہی نہ ملے،[1] لٰہذا انھوں نے جو تدبیر کی تھی وہ انھیں ہلاکت کی جانب لے گئی۔[2]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ راسبی نے انھیں نیزے پھینکنے کا حکم دیا تھا، تاکہ ان کی لڑائی دور سے نہ ہو جس کی بنا پر خوارج کے پاس نصیحت سننے کی فرصت پیدا ہو جائے، اور وہ نصیحت سن کر لوٹ جائیں اور جس طرح انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بات مان کر رجوع کر لیا تھا، دوبارہ سے توبہ کر لیں۔ یا اسے خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں لڑائی کے بغیر ان میں صلح نہ ہو جائے، جیسے ان کے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین حروراء میں ہو گئی تھی۔[3] اس نے انھیں ڈھالیں اتارنے کا حکم دیا، تاکہ بوجھ کم ہو۔ اور کہا کہ وہ تلواروں سے ان پر جھپٹ پڑیں اور کسی پر رحم مت کھائیں۔ یوں عبداللہ راسبی نے اپنے لشکر سے بات چیت اور نصیحت کا راستہ ہی کاٹ دیا جو انھیں ہلاکت کے دہانے تک لے گیا۔

ان نالائقوں کی بے وقوفی پر تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح انھوں نے اس احمق کی اطاعت کرتے ہوئے دور سے ہی نیزے پھینک دیے، جو شخص معرکے میں جانے سے قبل ہی اسلحہ سے خالی ہو جائے، وہ مدد کیسے پا سکتا ہے؟ کیا ان میں کوئی عقل مند بھی نہیں تھا؟ یہ حرکت خوارج کے دلیر ہونے کے باوجود جنگی حکمتِ عملی سے ناواقفیت پر دلیل ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی گھات لگانے میں عبقریت:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ گھات لگانے میں بے مثال ماہر تھے، آپ نے دقت نظری سے خوارج کے دو کمزور پہلوؤں کو جانچ لیا تھا اور وہ یہ تھے کہ خوارج کو نیزہ بازی اور ڈھالیں استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

---

[1] یعنی انھیں وعظ و نصیحت کرنے کی فرصت میسر نہ آئے۔

[2] عون المعبود (۸۲/۱۳)

[3] ہم یہ بات ذکر کر آئے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما خوارج کے پاس حروراء گئے اور تین دن تک ان سے مناظرہ کیا تو ان کے دو ہزار لوگوں نے رجوع کر لیا۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس سیدنا صعصعہ بن صوحان کے ہمراہ حروراء گئے۔ ان دونوں نے خوارج سے بات چیت کی حتی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مابین صلح واقع ہو گئی اور وہ فہم سقیم کی بنا پر کوفہ چلے آئے۔ دیکھیے: (ص: ۶۲۷، ۶۳۰-۶۳۱)

لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پہلے اپنے لشکر کو ان پر تیر اندازی کرنے کا حکم دیا، پھر نیزوں کے ساتھ ان سے لڑنے کا حکم دیا۔ زید بن وہب بیان کرتے ہیں: لوگوں نے تیروں سے ان کو مارا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند ہی لمحوں میں تیروں نے ان کو ختم کر دیا۔ زید بن وہب کہتے ہیں: ان کی لاشوں کا ڈھیر لگ گیا۔

[495] خطیب بغدادی سے منقول ہے، حکیم بن سعد بیان کرتے ہیں: جونہی ہم اہلِ نہروان کے بالمقابل آئے تو وہ ہمارے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ ہمیں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان پر ہتھیار اٹھانے اور انھیں قتل کرنے سے قبل ہی انھیں کہا گیا کہ مر جاؤ تو وہ سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے مر گئے۔[1]

[496] ابن ابی شیبہ کی روایت ہے، حبیب بن ابی ثابت سے ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان سے اس قوم کے متعلق سوال کیا جنھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ میں نے کہا: کس لیے وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہوئے، انھوں نے کس چیز کو جائز سمجھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں کس کی دعوت دی؟ کس چیز کی بنا پر انھوں نے آپ سے مخالفت کی اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خون کو حلال سمجھا؟ اس سے آگے کی تفصیل یہ ہے کہ پھر وہ چلے گئے[2] اور نہروان پہنچ گئے۔[3]

---

[1] تاریخ بغداد (٨/٢٦٨) [(٩/١٩٥) ط: بشار] یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ اصل واقعہ میں خوارج کے اچانک اور جلدی ہلاک ہونے کا تذکرہ ہے جو صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ سابقہ حدیث دیکھیے۔
عمر بن سعد کے بارے میں امام ذہبی نے کہا ہے کہ یہ شیعہ تھا اور صحابہ کے بارے میں بغض رکھتا تھا۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ متروک الحدیث ہے۔ (المیزان: ٣/١٩٩) اور حکیم بن سعد سے مراد ابو یحییٰ حنفی کوفی ہے۔ یہ صدوق راوی ہے۔ (التقریب: ١٤٨٣) طبعہ علمیہ کے نسخے میں اس روایت کی سند میں تصحیف واقع ہو چکی ہے جسے میں نے طبعہ بشار سے درست کیا ہے۔ ہمیں عبداللہ بن زیدان بن یزید بن ہارون بن ابو بردہ بجلی نے بیان کیا اور ظنِ غالب کے طور پر اس روایت کا مصدر نصر بن مزاحم کی کتاب ہے جو ہم تک نہیں پہنچی اور مجھے "بغية الطلب" میں ابن العدیم کے بارے میں کچھ نہیں ملا کہ اس نے اس کتاب سے کچھ نقل کیا ہو اور یہ بات اس کی عادت کے خلاف ہے۔ یوں احساس ہوتا ہے جیسے یہ کتاب بہت پہلے ضائع ہو چکی تھی۔

تخریج: یہ روایت تاریخ الطبري (٣/١٢٢) میں ہے۔ امام طبری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابو مخنف کہتا ہے کہ مجھے یہ روایت عبدالملک بن مسلم بن سلام بن ثمامہ حنفی نے بیان کی۔ آئندہ تین روایات میں یہ روایت تفصیل کے ساتھ آ رہی ہے۔

[2] اس سے مراد خوارج ہیں۔

[3] یعنی وہ صفین سے نہروان کی جانب چلے گئے۔ اس کلام میں اجمال اور اختصار ہے خوارج صفین سے حروراء گئے اور اس کے بعد کوفہ آئے۔ پھر انھوں نے نہروان کی جانب خروج کیا اور وہ وہیں ہلاک ہو گئے۔ اس کی تفصیل (ص: ٦٢٦-٦٢٧) میں گزر چکی ہے۔

ان میں سے ایک فرقہ جدا ہو گیا اور اس نے لوگوں کو قتل کی دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ ان کے ساتھیوں نے ان سے کہا: تمھاری بربادی ہو، کیا اسی بنا پر ہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے علاحدگی اختیار کی تھی؟![1] سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جب ان کا علم ہوا تو آپ نے خطبے میں کہا: تمھارا کیا خیال ہے، تم شام کی جانب پیش قدمی کرو گے یا پھر ان کی جانب جاؤ گے، جو پیچھے تمھارے بچوں کے پاس رہ گئے ہیں؟ تو وہ کہنے لگے: نہیں، ہم ان کی جانب پیش قدمی کریں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کا معاملہ ذکر کیا، تو انھیں اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بیان کی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''لوگوں کے باہمی اختلاف کے وقت ایک فرقہ خروج کرے گا۔ انھیں وہ جماعت قتل کرے گی جو اقرب إلی الحق ہو گی۔ ان کی علامت یہ ہو گی کہ ان میں ایک شخص ہو گا جس کا ہاتھ عورت کے پستان جیسا ہو گا۔''

اس پر سب نے نہروان کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ابتداء میں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا لشکر ان کے سامنے ٹھہر نہ سکا،[2] اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا: لوگو! اگر تم میری خاطر لڑائی کر رہے ہو تو میرے پاس تمھیں دینے کو کچھ نہیں، لیکن اگر تم اللہ تعالیٰ کی خاطر لڑ رہے ہو تو پھر یہ تمھاری لڑائی نہیں ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے یکبارگی حملہ کر دیا، تو آپ رضی اللہ عنہ کا لشکر فتح یاب ہو گیا، خوارج منہ کے بل گر پڑے۔[3] اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان میں اس شخص یعنی ذو الثدیہ کو تلاش کرو۔[4]

راوی کہتے ہیں: لوگوں نے اسے ڈھونڈا مگر اسے نہ پا سکے، حتی کہ بعض لوگ کہنے لگے: ابن ابی طالب نے ہم سے دھوکا کیا، ہم نے اپنے ہی بھائیوں کے خون سے ہاتھ رنگ لیے جس سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، آپ رونے لگے۔ آپ نے سواری منگوائی اور اس پر سوار ہو کر مقتولین کے ڈھیر

---

[1] یعنی جب خوارج نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے علاحدگی اختیار کی اور وہ نہروان پہنچے تو ان میں سے ایک جماعت نے اپنے ہی لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ بقیہ خوارج نے اس بات کو ناپسند کیا اور ان کا خیال تھا کہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان جرائم کے ارتکاب کی وجہ سے جدائی نہیں کی بلکہ وہ نصرتِ حق کے لیے ان سے الگ ہوئے ہیں۔

[2] یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھڑ سوار دستے کی کارکردگی جنگ کے شروع میں قابلِ قدر نہ تھی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو وعظ ونصیحت کی اور انھیں اللہ تعالیٰ کا ثواب یاد دلایا تو آپ کے ساتھیوں نے آپ کی نصیحت کو قبول کیا اور وہ چست وتوانا ہو گئے، پھر انھوں نے بڑی قوت کے ساتھ اپنے دشمن کا مقابلہ کیا حتی کہ انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

[3] یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھڑ سوار دستے نے خوارج کا احاطہ کر لیا اور ان کی تدبیر کو ان کا طوق بنا دیا۔ البتہ جب علی رضی اللہ عنہ کا گھڑ سوار دستہ تفرقہ میں پڑ گیا تب لوگوں پر یہ منظر واضح ہوا کہ تمام خوارج منہ کے بل زمین پر گرے پڑے تھے۔

[4] یعنی مقتولین کے مابین ذو الثدیہ کو تلاش کرو۔

کے پاس آ گئے جو اوپر تلے پڑے ہوئے تھے۔ آپ نے لاشوں کو دور ہٹایا تو نیچے اس آدمی کو پڑا ہوا پایا، لوگوں نے اسے کھینچ لیا، جس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور لوگ بخوشی واپس لوٹ آئے۔ پھر فرمایا: اس برس میں معرکۂ شام نہ لڑوں گا اور کوفہ تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کو شہید کر دیا گیا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ آپ کے جانشین بن گئے۔ وہ بھی اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے رہے، پھر آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔[1]

اس کا قول: ''بعض لوگ کہنے لگے: ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ہم سے دھوکا کیا ...تو آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔'' اس کا مطلب ہے کہ انھوں نے آپ کی فتح کی خوشی مکدر کر دی۔

[**497**] بلاذری کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے: جب تک وہ لڑائی شروع نہ کریں، تم ان سے باز رہو۔ ادھر خوارج ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے کہ اے عابدوں اور زاہدوں کی جماعت! جنت تمھاری منتظر ہے۔ اے ٹوپیوں والے نمازیو! ان اصحابِ علی پر پوری قوت کے ساتھ یکبارگی حملہ کر دو۔ جس سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فوج مختلف ٹکڑوں میں بٹ گئی، ایک فرقہ میمنہ اور ایک میسرہ کی جانب چلا گیا۔ ادھر خوارج نے پیادہ لشکر کی جانب پیش قدمی کی۔ ان کے تیر اندازوں نے اپنے چہرے تیروں کے سامنے کیے ہوئے تھے، گویا وہ بکریاں ہیں جو اپنے سینگوں کے ساتھ بارش سے اپنا بچاؤ کرتی ہیں۔[2] اس کے بعد میمنہ اور میسرہ ان پر حملہ آور ہوئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ لشکر کے عین درمیان سے نیزوں اور تلواروں کے ساتھ آئے، خوارج چند ہی لمحوں میں شکست خوردہ ہو گئے اور منہ کی کھا کر ابدی نیند سو گئے۔[3]

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (۳۹۰۶۹) اس کی سند امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ اس کے تمام راوی شیخین کی شروط کے مطابق ثقہ ہیں اور یہ روایت [رقم: ۳۷۷] پر گزر چکی ہے۔ میں نے اس روایت کی طوالت اور کثرتِ موضوعات کی بنا پر اسے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے جس کا پہلا حصہ میں نے وہاں اور دوسرا حصہ یہاں ذکر کیا ہے۔

[2] خوارج اپنے چہروں اور سروں کے ساتھ تیروں کے سامنے آئے، تو تیروں سے بچاؤ سروں کے ذریعے کرنے لگے، جیسے بکری اپنے سینگوں سے بارش سے بچاؤ کرتی ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ ان کے پاس ڈھالیں نہیں تھیں اور یہ راسبی کی تدبیر تھی لیکن تدبیر الٹی پڑ گئی اور وہ ہلاک ہو گئے۔

[3] أنساب الأشراف (۳۷۲/۱) بغیر سند کے، اس قدر جو ہم نے بیان کیا ہے، شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

شواہد: اس روایت میں تین اساسی حوادث ہیں جن کے اصول صحیح ہیں اور وہ درج ذیل ہیں:

① خوارج نے ہی نہروان میں لڑائی کی ابتدا کی تھی۔ راسبی نے اپنے متبعین سے کہا: نیزے پھینک دو اور تلواریں اپنی میانوں سے نکال لو، مجھے ڈر ہے کہ وہ تم کو قسمیں دیں گے، جیسے حروراء میں دیں جس پر لوگ لوٹ گئے، اور نیزوں کو پھینک کر تلواریں نکال لیں۔ دیکھیں: [۴۹۴]

بلاذری کا یہ قصہ طبری نے بھی ذکر کیا ہے:

[**498**] طبری کہتے ہیں: ابو مخنف بیان کرتے ہیں، مجھے ابو سلمہ زہری نے بیان کیا: ان کی والدہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر تھیں،...... سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیادوں کی جگہ گھڑ سوار دستہ روانہ کیا۔[1] گھڑ سواروں کے پیچھے دو صفیں اُور بنائیں[2] اور پہلی صف کے آگے تیر اندازوں کی صف بندی کی،[3] اور اپنے اصحاب سے کہا: جب تک وہ جنگ شروع نہ کریں، تم لوگ رکے رہنا۔ لیکن اگر وہ تم پر حملہ آور ہوں تو ان کے اکثر لوگ پیادہ ہوں گے،[4] وہ تھکے ماندے تم پر حملہ کریں گے اور تم اپنا دفاع کرو گے اور تم اپنے دفاع کو یقینی بناؤ گے۔[5] خوارج سامنے آ کر ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگے: جنت تمھاری منتظر ہے۔ جنت کی جانب چلو۔ انھوں نے لوگوں پر حملہ کیا، مسلمانوں کے گھڑ سوار پیادہ فوج کے آگے تھے، لہٰذا گھڑ سوار دستہ ان کے حملے کے سامنے نہ ٹھہر سکا اور گھڑ سوار دو فرقوں میں بٹ گئے۔ ایک میمنہ کی جانب اور دوسرا میسرہ کی جانب چلا گیا۔ پھر انھوں نے پیادہ فوج کی جانب پیش قدمی کی، تیر اندازوں نے اپنے چہرے تیروں کی جانب کر دیے اور میمنہ اور میسرہ گھڑ سوار ان پر چڑھ گئے اور پیادہ فوج نیزوں اور تلواروں سے ان کا خاتمہ کرنے میں مصروفِ عمل رہی۔ اللہ کی قسم! وہ ان کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور سب مارے گئے۔ اس کے بعد حمزہ بن سنان جو گھڑ سوار دستے کا شاہسوار تھا، اس نے جب انھیں ہلاک ہوتے ہوئے دیکھا تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: لوگو! نیچے اتر آؤ،[6] ابھی وہ نیچے نہیں اترے تھے کہ اسود بن قیس نے ان پر حملہ کر دیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے گھڑ سوار ان پر چڑھ دوڑے اور چند ہی لمحوں میں وہ صفحۂ ہستی سے نابود ہو گئے۔[7]

← ② سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھڑ سوار ان کے سامنے رُک نہیں سکے۔ دیکھیں: [رقم: ۴۹۶]

③ خوارج بہت تیزی سے ہلاک ہو گئے۔ دیکھیں: [رقم: ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶]

[1] ابتدا میں گھڑ سواروں کو رکھا، باقی لشکر یعنی پیادوں کو ان کے پیچھے رکھا۔

[2] یعنی انھوں نے میمنہ اور میسرہ دونوں میں سے دو صفیں بنائیں۔

[3] یعنی پہلی صف کے سامنے پیادوں کے لیے، جو میمنہ اور میسرہ کی تشکیل کرتے ہیں۔

[4] خوارج کے اکثر لوگ پیادے تھے۔

[5] یعنی اگر خوارج ہماری گھڑ سوار فوج کو توڑنا چاہیں گے تو تم اپنی اور ہماری حفاظت کرو گے اور ان کے حملے کا دفاع کرو گے، کیونکہ وہ تھکے ہوئے ہوں گے۔

[6] یعنی گھڑ سواروں سے۔

[7] تاريخ الطبري (۱۲۰/۳- ۱۲۲) اس قدر کو ہم نے نقل کر دیا ہے، یہ روایت سابقہ روایت کی طرح اپنے شواہد کی بنا پر ←

معرکہ کے احوال:

طبری کی روایت[1] وضاحت کرتی ہے کہ معرکہ سے قبل سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کی صف بندی کس طرح کی، آپ نے سب سے آگے گھڑ سوار رکھے، ان کے ساتھ تیر اندازوں کا دستہ تھا۔ پھر میمنہ اور میسرہ[2] جو پیادوں سے بنائی گئی تھی۔ ہر ایک کی دو دو صفیں بنائی گئی تھیں، ان کے بعد قلب تھا۔

قلب میں گھڑ سوار تھے جن کی قیادت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ جیسا کہ طبری کی روایت میں ہے: ''پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے گھڑ سوار دستہ حملہ آور ہوا۔'' بلاذری کی روایت میں ہے: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قلب سے آ کر حملہ کیا۔''

ابو مخنف کی روایت میں ہی بیان ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ خوارج نے اپنا لشکر میمنہ اور میسرہ میں تقسیم کیا تھا اور ان سے آگے گھڑ سوار فوج تھی۔[3]

خوارج کے لشکر کی بڑی تعداد پیادہ تھی۔[4]

← صحیح ہے اور غریب الحدیث کو میں نے یہاں بیان نہیں کیا۔ سابقہ روایت میں، میں نے اس کو بیان کر دیا ہے، ابو سلمہ زہری کے حالات کا مجھے علم نہیں ہو سکے۔

اور یہ ''تقریب التهذيب'' (۸۱۴۲) میں ابن عبدالرحمٰن بن عوف نہیں ہے۔ حمزہ بن سنان اسدی جو خوارج کے گھڑ سوار دستے کا امیر تھا، مجھے اس کے حالات کا علم نہیں ہو سکا۔ اسی طرح اسود بن قیس مرادی کے حالات جاننے سے میں قاصر رہا۔ یہ روایت اس کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ نہروان میں موجود ہونے کی دلیل ہے۔ طبری نے ابو مخنف سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں اس کے صفین میں حاضر ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: (تاريخ الطبري: ۳/۱۰۰)

① دیکھیے: [رقم: ۴۹۸]

② ابو مخنف کی سابقہ روایت میں ہی آیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جنگ کے لیے نکلے، آپ نے اپنا لشکر ترتیب دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حجر بن عدی کو میمنہ کا، شبث بن ربعی کو یا معقل بن قیس ریاحی کو میسرہ کا قائد بنایا۔ اسی طرح سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو گھڑ سوار دستے کا اور سیدنا ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو پیادہ فوج کا قائد بنایا۔ البتہ اہلِ مدینہ جن کی تعداد سات یا آٹھ سو تھی، ان کے قائد سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما تھے۔ (تاريخ الطبري: ۳/۱۲۱) جس قدر ہم نے نقل کیا اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہے۔

③ ابو مخنف کی روایت میں آیا ہے کہ خوارج نے جنگ کے لیے اپنا لشکر ترتیب دیا، انھوں نے زید بن حصین کو میمنہ کا، شریح بن اوفیٰ عبسی کو میسرہ کا، حمزہ بن سنان اسدی کو گھڑ سوار دستے کا اور حرقوص بن زہیر سعدی کو پیادہ فوج کا قائد بنایا۔ (تاريخ الطبري: ۳/۱۲۱) اس کے بارے میں بھی سکوت اختیار کیا گیا ہے۔

④ طبری کی روایت میں آیا ہے کہ ان کا اکثر لشکر پیادہ تھا۔ دیکھیں: [رقم: ۴۹۸]

گھڑ سوار (دستہ)

تیر انداز (دستہ)

پہلی صف (میمنہ)........................ پہلی صف (میسرہ)

قلب

دوسری صف (میمنہ)........................ دوسری صف (میسرہ)

ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں[1] کہ جنگ کی ابتدا خوارج نے کی تھی، انھوں نے ہی اچانک حملہ کیا تھا۔

راوی کا قول: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھڑ سوار ان کے سامنے نہیں ٹھہر پائے۔'' اس کا مطلب ہے کہ وہ مقابلے میں ٹک نہیں سکے، اور خوارج کو نقصان نہیں پہنچا سکے۔ اس جملے میں جنگ کے ابتدائی لمحات کی صورت حال بیان ہوئی ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھڑ سواروں کا حملہ اچھا حملہ نہیں تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اپنے بھائیوں، بیٹوں، عبادت گزاروں، زاہدوں اور قاریوں کو قتل کرنے میں تردّد کر رہے تھے۔ لہٰذا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! اللہ کی قسم! اگر تم میری لڑائی لڑ رہے ہو تو میرے پاس تمھیں دینے کو کچھ نہیں۔ البتہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی خاطر جنگ کر رہے ہو تو پھر یہ محض تمھارا قتال نہیں۔ اس وعظ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے حوصلے بلند ہو گئے اور وہ پر عزم اور باہمت ہو کر لڑے، اب انھوں نے یکبارگی اتنا شدید حملہ کیا کہ پلک جھپکتے ہی خوارج منہ کے بل گر گئے اور اوپر تلے لاشوں کا ڈھیر لگ گیا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خوارج مضبوط و مستحکم ہو کر اور موت کی تیاری کے ساتھ بہادری اور دلیری سے لڑے تھے۔ اور اپنے ٹھکانوں میں ہی مارے گئے۔ یہ لوگ قتلِ عام ہونے کے باوجود ادھر ادھر نہیں بھاگے اور نہ ہی منتشر ہوئے۔ اسی لیے ہر مقتول اپنے ہی ساتھی پر گرتا رہا جو ان کے اردگرد کھڑے تھے، تو ان کی لاشوں کا ڈھیر لگ گیا۔

راوی کا کہنا کہ: ''فانجلت الخیل عنھم'' ''گھڑ سوار ان سے دور ہوئے۔'' کا مطلب ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے گھڑ سوار منتشر ہو گئے۔ جنھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج پر تین اطراف سے حملے کی غرض سے ترتیب دیا تھا۔

---

[1] [رقم: ۴۹۴] کے بعد کی تعلیق ملاحظہ ہو۔

یہ تب کی بات ہے جب اچانک حملے سے آپ کے لشکر کے چند سپاہی شہید ہو گئے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھڑ سواروں پر حملہ، آپ کے ساتھیوں کا خوارج کی فوج سے راہِ فرار اختیار کرنا اور اس مہم کے خاتمے کا دورانیہ بہت قلیل تھا۔

روایت: ''خوارج پلک جھپکتے ہی مار گرائے گئے۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ وہ معرکے میں بڑی تیزی سے ہلاک ہوئے تھے۔

روایت: ''پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گھڑ سوار ان پر دائیں اور بائیں جانب سے حملہ آور ہوئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ قلب سے اپنے سپاہیوں کے ہمراہ نیزے اور تلواریں لے کر ان پر جھپٹے۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو وعظ و نصیحت کے بعد خوارج پر جوابی حملے کے لیے بنائے گئے جنگی پلان سے آگاہ کر دیا تھا۔ یہی حکمتِ عملی خوارج کی ہلاکت کا باعث بنی۔

بلاذری کی روایت[1] اس بات کی دلیل ہے کہ معرکے کی ابتدا میں عسکری غلبہ خوارج کے پاس تھا، خوارج نے ابتدا سے ہی سے انجام کی پروا کیے بغیر، موت کی تیاری اور شجاعت و بہادری کے ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی اور سب سے پہلا ہدف گھڑ سواروں کو بنایا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا لشکر اس ناگہانی حملے کا سامنا نہ کر پایا، کیونکہ آپ کے گھڑ سواروں اور باقی لشکر کے نفوس میں تردّد اور ہمدردی جاگزیں ہو چکی تھی۔ اسی بنا پر وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو کر دو گروہوں میں بٹ گیا، ایک گروہ دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب چلا گیا اور پیادہ تیر اندازوں کا دستہ دشمن کے سامنے ہو گیا۔ تو خوارج نے پیادہ فوج کی جانب اپنے ناعاقبت اندیشانہ اور تیز دھار حملے کا رخ کیا۔

اس خطرناک لمحے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی غیر معمولی مہارت کام آئی، جس کا لوہا آپ نے خوب منوایا۔ آپ نے انتہائی دقیق نظری سے خوارج کا اندازہ لگایا کہ وہ صرف تلواروں کے ساتھ لڑ رہے ہیں، ان کے پاس ڈھالیں اور نیزے نہیں ہیں، اس پر انھوں نے پیادہ فوج کی جانب پیش قدمی کی، حتی کہ وہ تیر اندازوں کی حدود میں چلے گئے۔

ان دو کمزور پہلوؤں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جلدی سے ایک جنگی پلان ترتیب دیا، جو دو مراحل پر مشتمل تھا:

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۹۷]

⦿ پہلے مرحلے میں آپ نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کا منصوبہ بنایا اس لیے کہ وہ زخموں سے چور ہو کر لہولہان ہو چکے تھے، لہٰذا ان کی عسکری قوت ماند پڑ گئی اور انھوں نے پیش قدمی کو موخر کر دیا۔

⦿ دوسرے مرحلے میں خوارج کا گھیرا تنگ کر دینا جب کہ وہ تیروں سے زخمی تھے، اور پھر ما سوائے پچھلی جانب کے ہر طرف سے نیزوں کے ساتھ حملہ کرنا، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ خوارج کبھی بھاگ کر واپس نہیں جائیں گے۔ اس لیے آپ نے پچھلی جانب سے ان پر حملہ نہیں کیا۔

پہلے مرحلے کا پلان:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی گھڑ سوار فوج معرکے کی ابتدا میں کمزور پڑ گئی اور دائیں، بائیں دو گروہوں میں منقسم ہو گئی۔ تو خوارج نے پیادہ فوج کی جانب قدم بڑھانا شروع کر دیا۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو جب اپنے گھڑ سوار دستے کے کمزور پڑنے کی بابت علم ہوا تو آپ نے سب سے پہلے معاملے کی سنگینی کو جانچتے ہوئے تیر اندازوں کو ان پر تیر برسانے کا حکم صادر فرمایا۔ ابھی وہ تیر اندازوں کے گھیرے میں داخل ہونے نہ پائے تھے کہ اچانک ان پر تیروں کی برسات ہو گئی۔ جب خوارج کے پاس بچاؤ کا کوئی راستہ باقی نہ رہا، تو انھوں نے سروں کو تیروں کے سامنے کر کے اپنے بچاؤ کو یقینی بنانے کی کوشش کی، مگر تیر اندازوں نے خوارج کو تیر مار مار کر مجروح کر دیا، اور ان کی پیش قدمی کو روک دیا۔

اصل میں خوارج کو ان کے پہلے حملے نے دھوکا دیا، جب انھوں نے یکبارگی حملہ کیا تو وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ اب تو وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ سو اسی غرور میں وہ مزید حملہ کرتے گئے، یہاں تک کہ سب تیر اندازوں کے گھیرے میں آ گئے۔

بلاذری کا بیان ہے: انھوں نے لشکرِ علی پر ایک ہی دفعہ زوردار حملہ کر دیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا گھڑ سوار لشکر منتشر ہو گیا، پھر ان لوگوں نے پیادہ فوج کی جانب اپنا قدم بڑھایا اور تیر اندازوں نے اپنے چہرے تیروں کے سامنے کر دیے۔ خوارج نے محض گھڑ سواروں پر حملے پہ اکتفا نہ کیا، بلکہ انھوں نے رعونت اور دلیری کے بل بوتے پر پیدل دستے پر بھی حملہ کر دیا۔ مگر امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے تیر ان کے لیے گھات ثابت ہوئے۔ اس طرح امیر المومنین نے اس کی عسکری برتری کو ان پر اُلٹ کر رکھ دیا۔

دوسرے مرحلے کے پلان کی تفصیل:

امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے گھڑ سوار دستے کو وعظ کیا، جس سے انھوں نے وعظ قبول کر کے اپنی صفیں یکجا

کیں، اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں دوسرے مرحلے کے پلان کی بابت بتایا کہ خوارج پر دائیں جانب سے میمنہ اور بائیں جانب سے میسرہ اکٹھا حملہ کریں گے۔ اور اپنے لشکر کے قلب سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا لشکر حملہ کرے گا۔ پھر خوارج کا احاطہ تین طرف سے کرلیا جائے گا، تیر انداز انھیں اپنے تیروں سے زخمی کر دیں گے، البتہ پچھلی جانب سے حملے کی کوشش نہیں کی گئی، کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ خوارج کسی صورت بھی واپس نہیں پلٹیں گے اور نہ ہی راہِ فرار اختیار کریں گے۔

یوں ان پر میمنہ، میسرہ اور قلب سے تیروں سے بنیادی ہتھیار کا کام لیتے ہوئے حملہ کیا جائے گا، ضرورت پڑنے پر تلواروں کا استعمال کریں گے۔

یہ پلان کامیاب ہوگیا، اور سپاہیوں نے خوارج کو اچانک تیز حملے سے دبوچ لیا، اور ان پر تین اطراف سے گھیرا ڈال دیا۔ اب ان کی حالت یہ تھی کہ وہ برستے تیروں سے چور ہوئے اور ہر جانب سے انھیں نیزوں نے گھیر لیا۔ ان کے پاس تو تیر انداز بھی نہ تھے جن کے ذریعے وہ اپنا دفاع کر پاتے، کیونکہ تیر اندازوں سے تیر انداز ہی بچاؤ کر سکتے ہیں۔ سو چند ہی لمحوں میں خوارج ریت کی دیوار کی طرح ثابت ہوئے اور اوپر تلے ان کی لاشوں کا ڈھیر لگ گیا۔

معرکے میں خوارج کی جلد ہلاکت کے دلائل:

(1) نیزہ بازوں نے انھیں اپنے نیزوں سے کاٹ پھینکا اور ان کی لاشوں کا ڈھیر لگ گیا۔[1]

(2) اہلِ نہروان زیادہ دیر ٹھہر نہ پائے، یوں احساس ہوتا تھا کہ جیسے ان کو مرنے کا کہا گیا تو وہ مرتے چلے گئے۔[2]

(3) لوگوں نے ان پر بھرپور حملہ کیا اور اس ایک ہی حملے میں گھڑ سوار ان پر حاوی ہو گئے اور وہ اوندھے منہ گر پڑے۔[3]

(4) ایک ہی لمحے میں زیر ہو گئے۔[4]

---

(1) دیکھیے: [رقم: ۴۹۴]

(2) دیکھیے: [رقم: ۴۹۵]

(3) دیکھیے: [رقم: ۴۹۶]

(4) بلاذری کی [رقم: ۴۹۷] اور امام طبری کی [رقم: ۴۹۸] روایت دیکھیے۔

ذوالثدیہ کو تلاش کرنے کا سبب:

معرکہ ختم ہونے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کا لشکر دوسرے اہم کام کی طرف متوجہ ہوا، اور وہ ذوالثدیہ کو تلاش کرنے کا معاملہ تھا، کیونکہ انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے خوارج کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سن رکھی تھی کہ اگر خوارج سے جنگ کرنے والے لشکر کو اپنے نبی کی دی گئی خوشخبری کا علم ہو جائے تو وہ عمل سے تکیہ کر لیں۔ اور اس کی نشانی یہ ہوگی کہ ان میں ایک شخص کا بازو تو ہوگا، مگر ہاتھ نہ ہوگا اور اس کے بازو کا سرا عورت کے پستان کی نوک جیسا ہوگا جس پر سفید بال اُگے ہوں گے۔

اس حدیث سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ذوالثدیہ کو تلاش کرنے کی حرص کا سبب واضح ہوتا ہے، کیونکہ ذوالثدیہ کے مل جانے میں چار فوائد کارفرما تھے:

1. اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج سے جنگ کرنے والوں کو اجرِ عظیم کی خوشخبری سنائی تھی۔
2. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج کی علامت میں ذوالثدیہ کے وجود کا ذکر فرمایا تھا۔
3. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی خبر دی تھی کہ خوارج سے وہ گروہ جنگ کرے گا، جو دو گروہوں میں سے اقرب الی الحق ہوگا۔

''مصنف ابن ابی شیبہ'' میں ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطبے میں فرمایا: کیا تم اہلِ شام سے جنگ کے خواہاں ہو یا پھر ان لوگوں کی جانب پیش قدمی کرو گے جو پیچھے تمھارے بچوں کے پاس رہ گئے ہیں؟ سب نے کہا: ہم خوارج کا مقابلہ کریں گے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کا معاملہ ذکر کیا تو ان کے بارے میں حدیثِ رسول کا تذکرہ فرمایا: ''لوگوں کے اختلاف کے وقت ایک جماعت خروج کرے گی، انھیں اقرب اِلی الحق جماعت قتل کر ڈالے گی۔ ان کی علامت یہ ہوگی کہ ان میں ایک شخص ایسا ہوگا جس کا ہاتھ عورت کے پستان کی مانند ہوگا۔''[1]

4. سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپاہیوں کے دل مطمئن ہو جائیں اور انھیں غم سے خلاصی مل جائے، کیونکہ انھوں نے اپنے ہی بیٹوں بھائیوں اور قبیلے والوں کو موت کے گھاٹ اتار ڈالا تھا۔ جب لوگ ذوالثدیہ کو تلاش کرنے میں ناکام رہے، تو ان میں سے بعض لوگ آپے سے باہر ہو کر کہنے لگے کہ ابن ابی طالب

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۹۶]

نے ہمارے بھائیوں کے متعلق ہمیں دھوکے میں ڈالا، حتی کہ ہم نے انھیں قتل کر دیا۔ مگر جب ذوالثدیہ کی لاش مل گئی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔[2]

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ان مقتولین میں فلاں بندے کو ڈھونڈو۔[2] راوی بیان کرتے ہیں: لوگوں نے اسے کافی تلاش کیا مگر ان کی تگ و دو بے سود رہی، حتی کہ بعض لوگوں نے کہنا شروع کر دیا کہ ابن ابی طالب نے ہمیں ہمارے بھائیوں کی بابت دھوکے میں ڈال دیا،[3] اور ہم نے انھیں قتل کر دیا۔ اس سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، ...... پس آپ لوگوں کی ٹانگوں سے پکڑ کر لاشوں کو دور ہٹا رہے تھے کہ اسی اثناء میں آپ نے ان کے نیچے اس شخص کو پا لیا، تو آپ کے ساتھیوں نے اسے کھینچ کر باہر نکالا۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے "اللّٰہ أکبر" کہا اور لوگ خوش ہو گئے۔[4]

الغرض ذوالثدیہ کے مل جانے سے ان کے دلوں کا درد کچھ ہلکا ہو گیا، مگر اس کے باوجود ان کے دل مغموم اور رنجیدہ تھے اور ہمیشہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ملامت کرتے رہے، کیونکہ نہروان کے روز انھوں نے اپنے ہی بیٹوں کو قتل کر ڈالا تھا، حتی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی ان سے کافی پریشان ہوئے اور دل ہی دل میں کافی گھٹن محسوس کرنے لگے اس کی دلیل یہ ہے:

[**499**] ابو طاہر محمد بن احمد بن عبداللہ ذہلی[5] نے اپنی حدیث کی تئیسویں جزء میں نقل کیا ہے، حجیہ بن عدی کندی[6] بیان کرتے ہیں: میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر دیکھا۔ آپ فرما رہے تھے:

---

[1] دیکھیے: (ص: ۶۰۱-۶۰۲) وہاں میں نے اس بات کی تفصیل بیان کر دی ہے۔

[2] یعنی ان مقتولین کے درمیان سے ذوالثدیہ کو تلاش کرو۔

[3] یعنی ہم سے دھوکا دہی کی اور ہمیں باطل امیدیں دلائیں، کیونکہ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ وعدہ یاد دلایا جس میں آپ نے خوارج کو قتل کرنے والے گروہ کا تذکرہ کیا تھا اور ان سے جنگ کرنے کے بدلے اجرِ عظیم کی خوشخبری سنائی تھی اور آپ نے ان کی علامت یہ بتائی کہ ان میں ایک شخص ذوالثدیہ ہو گا۔

[4] دیکھیے: [رقم: ۴۹۶]

[5] یہ امام عالم مسند محدث قاضی القضاۃ ابو طاہر محمد بن احمد بن عبداللہ بن نصر بن بجیر ذہلی بغدادی مالکی مصر کے قاضی ہیں اور حدیث میں ثقہ ہیں اور خطیب ابوبکر نے ان کی توثیق کی ہے ان کی وفات ۳۶۷ھ کے آخری دن ہوئی۔ (سیر أعلام النبلاء: ۱۶/۲۰۴)

[6] امام مسلم اور برقانی اور ابن خلفون نے اس کی کنیت "ابوزعراء" بیان کی ہے۔ تین ثقہ راویوں نے اس سے روایت بیان کی ہے، ان سے مراد حکم بن عتیبہ، سلمہ بن کہیل اور ابو اسحاق سبیعی ہیں اور چاروں اصحاب السنن نے اس سے ←

اس کالے کپے کے بارے میں میرے عذر کو کون قبول کرے گا کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ بکتا ہے۔ آپ کی مراد ابن السوداء تھا۔[1]

← روایت لی ہے۔ امام عجلی کہتے ہیں: یہ کوفی تابعی اور ثقہ راوی ہے۔ ابن حبان اور ابن خلفون نے اپنی صفات میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم بوشنجی کہتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی ہے اور خطیب بغدادی نے اپنی کتاب "الكفاية" میں اس کی توثیق کا اقرار کیا ہے اور اس کی روایت پر باب قائم کیا ہے، اور اسے بطور مثال ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی روایت دو ثقہ راویوں سے بہ طور شک نقل ہو تو وہ ثابت ہوتی ہے، پھر انھوں نے اس روایت کو بہ طور حجت ذکر کیا ہے اور اس سے مراد ہے کہ یہ خطیب کے نزدیک ثقہ ہے۔ ابو الحسن ابن القطان کہتے ہیں: ابو اسحاق راوی نے اس سے کئی احادیث روایت کی ہیں، ان میں وہ مستقیم ہے، اس سے کوئی خطا یا نکارت نہیں جانی گئی۔ امام ذہبی کہتے ہیں: ان شاء اللہ یہ صدوق راوی ہے۔ امام ابن حجر کہتے ہیں: یہ صدوق راوی ہے، کبھی کبھار غلطی کر جاتا ہے۔ امام ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن مدینی کہتے ہیں: مجھے سلمہ بن کہیل کے علاوہ کسی اَور شخص کا علم نہیں جس نے اس سے روایت کی ہو۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ معروف راوی ہے۔ امام ابو حاتم کہتے ہیں: یہ عمر رسیدہ ہے، اس کی حدیث کو مجہول کے ساتھ تشبیہ اور شریح بن نعمان صائدی اور ہبیرہ بن یریم کی مشابہت کی بنا پر حجت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ امام حاکم کہتے ہیں: ان دونوں نے اسے حجت قرار نہیں دیا، اور وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے معتبر ساتھیوں میں تھا، یعنی امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی حدیث سے صحیحین میں حجت نہیں پکڑی۔

میں (شمری) کہتا ہوں: یہ محدثین کے قواعد کے موافق ہے جس راوی کے حالات اس طرح ہوں وہ صدوق ہوتا ہے اور اس کی روایت حسن درجے سے کم نہیں ہوتی۔ جہاں تک ابن مدینی کے کلام کی بات ہے تو انھوں نے اپنے علم کی بنا پر ایسا کہا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حکم اور ابو اسحاق نے اس سے روایت کی ہے۔ اور امام ابو حاتم کی اگر بات کی جائے تو جن تین ثقہ راویوں نے اس سے روایت کی ہے ان میں جہالت نہیں اور امام عجلی وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ ائمہ کرام نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ائمہ اربعہ نے اس کی روایت کو نقل کیا ہے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ معروف راوی تھا۔ البتہ جہاں تک ابن سعد کے قول کا تعلق ہے تو شاید یہ جحیہ کی روایت کے حجت ہونے کی عدمِ شہرت کا سبب ہے۔

جحیہ کے تعارف کے لیے ملاحظہ کیجیے: سنن الترمذي (١٥٠٣)، صحيح ابن خزيمة (٢٩١٤، ٢٩١٥)، صحيح ابن حبان (٥٩٢٠)، المستدرك (١٧٢١، ٥٤٣١، ٧٥٣٣، ٧٥٣٥)، الطبقات الكبرى (٢٢٥/٦) التاريخ الكبير (١٣٩/٣) الكنىٰ والأسماء للإمام مسلم (١٢٤٩) الثقات للعجلي (٢٧٥) الجرح والتعديل (٣١٤/٣) الثقات لابن حبان (١٩٢/٤) فتح الباب في الكنىٰ والألقاب (٢٩٦١) الكفاية في علم الرواية (ص: ٣٧٦) تهذيب الكمال (٤٨٥/٢) إكمال تهذيب الكمال (١٠/٤) ميزان الاعتدال (٤٦٦/١) تهذيب التهذيب (٢١٧/٢) تقريب التهذيب (١١٥٠) نثل النبال (٤١٦/١، رقم: ٧٨١)

[1] ابن سوداء سے مراد عبداللہ بن سبا ہے۔

اگر یہ ڈر نہ ہوتا کہ لوگ مجھ پر اس کے قتل کا الزام لگائیں گے، جیسے اہلِ نہروان کے قتل کا الزام مجھے دیا،[2] تو میں ان سب کی لاشوں کے ڈھیر لگا دیتا۔[3]

---

[2] اس سے مراد ہے کہ اگر لوگ مجھے ابن سبا کے قتل پر موردِ الزام نہ ٹھہراتے جیسے انھوں نے نہروان کے مقتولین کا الزام مجھ پر لگایا تو میں ابن سبا اور اس کے متبعین کو قتل کر دیتا۔ پہلے پہل علی رضی اللہ عنہ نے ابن سبا اور اس کے متبعین کو فتنہ انگیزی سے بچنے کے لیے چھوڑ دیا، البتہ بعد میں جن لوگوں نے جہری طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو الہٰ کہنا شروع کر دیا، آپ نے ان سبائیوں کو قتل کر دیا اور ابن سبا کو مدائن کی جانب جلا وطن کر دیا۔ اہلِ نہروان کے خون کا الزام مجھ پر دھرا گیا، اس معاملے میں مجھ سے ناحق مخاصمہ کیا گیا، یعنی انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس معاملے میں جھگڑا کیا اور ان کے خون بہانے کی بنا پر آپ کو ملامت کی۔

[3] حدیثِ ابوطاہر ذہلی انتقاء الدارقطني (۱۵۷) یہ روایت صحیح لغیرہ ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

سفیان سے مراد: ابن عیینہ ہیں۔

شواہد: اسے ابن ابی خیثمہ نے التاریخ الکبیر (٤٣٦٠) میں نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عباد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں سفیان نے عمار دہنی کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے ابوطفیل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے مسیّب بن نجبہ کو ان کے پاس آتے ہوئے دیکھا درآنحالیکہ وہ ابن السوداء کا گریبان پکڑے ہوئے کھینچ کر لا رہے تھے۔ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ منبر پر تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اس کا کیا معاملہ ہے؟ کہا: یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بکتا ہے۔

اس روایت کی سند حسن ہے۔ ابوطفیل سے مراد: عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسے ابن عساکر (۲۹/۷) نے ابن ابی خیثمہ کے طریق سے نقل کیا ہے۔ جہاں تک علی رضی اللہ عنہ کے اس قول: ''جیسے اہلِ نہروان کے خون کا ذمہ دار مجھے ٹھہرایا گیا۔'' کا تعلق ہے اس پر ابن ابی شیبہ کی روایت شاہد ہے جس کی سند امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ اس روایت میں نہروان کے روز ذوالثدیہ کو تلاش کرنے کا قصہ بھی مرقوم ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ان میں فلاں شخص کو تلاش کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ لوگوں نے اسے کافی ڈھونڈا مگر اسے نہ پا سکے حتی کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ابن ابی طالب نے ہمارے بھائیوں کی بابت ہمیں دھوکے میں مبتلا کیا حتی کہ ہم نے ان کو قتل کر دیا۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ [رقم: ۴۹۶] ملاحظہ ہو۔ اس عبارت کی شرح ہم نے وہاں بیان کر دی ہے۔

تخریج: ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۸/۲۹) میں ابوالطاہر ذہلی کے طریق سے اس روایت کو نقل کیا ہے۔ اسی طرح موارد ابن عساکر: (۱۰۷۷/۲- ۱۰۷۸) دیکھیے اور اس روایت کو ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ نے التاریخ الکبیر (۱۷۷/۳، رقم: ٤٣٥٩، تحقیق: صالح هلل) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں محمد بن عباد المکی نے یہ روایت ان کے قول ''ابن السوداء ...'' تک مختصر روایت کی ہے۔

امام شعبہ کی ابن سوداء کے بارے میں روایت کا بیان: امام شعبہ بن حجاج کو اس روایت کی سند یاد نہیں ہے۔ وہ اسے چار طرح روایت کرتے ہیں، اس لیے انھوں نے اس روایت اور دوسری روایت کو باہم ملا دیا ہے۔ ←

....

⊙ پہلی سند: ابو القاسم مول بن احمد بن محمد شیبانی نے اپنی کتاب "فوائد" میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح "تاریخ دمشق" (۷/۲۹) میں ہے کہ ہمیں یحییٰ بن محمد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں بندار نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں محمد بن جعفر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں شعبہ نے سلمہ کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے ابوزعراء سے سنا وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیان کر رہے تھے، انھوں نے کہا کہ میرا اس سیاہ کُپے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس روایت کی سند حسن ہے۔

ملاحظہ ہو: موارد ابن عساکر (۱۱۹۸/۲)

یحییٰ بن محمد سے مراد: ابن صاعد ابومحمد ہاشمی بغدادی ہیں۔ امام دارقطنی اور ایک جماعت نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

دیکھیے: سؤالات السلمي (٤١٤)، إرشاد القاصي والداني إلى تراجم شيوخ الطبراني (١١٣٤)

محمد بن جعفر سے مراد: غندر ہیں اور سلمہ سے مراد: ابن کہیل ہیں۔ یہ روایت جو شعبہ کے واسطے سے بیان ہوئی ہے، صحیح ہے۔ اس روایت میں شعبہ کی عبدالجبار بن عباس ہمدانی نے متابعت کی گئی ہے۔ تیسری قسم میں اس کا بیان عنقریب آرہا ہے۔

⊙ دوسری قسم اسے ابوالقاسم مول بن احمد بن محمد شیبانی نے اپنے "فوائد" میں نقل کیا ہے۔ جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں آیا ہے کہ ہمیں یحییٰ بن محمد بن صاعد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں بندار نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں محمد بن جعفر نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں شعبہ نے سلمہ کے واسطے سے، انھوں نے زید بن وہب کے واسطے سے، انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا اس سیاہ کُپے سے کوئی تعلق نہیں۔

دیکھیے: موارد ابن عساکر (۱۱۹۸/۲) یہ شعبہ تک سابقہ سند ہی ہے۔ محمد بن جعفر سے مراد: غندر ہے۔ انھوں نے یہ روایت شعبہ سے دو سندوں سے سنی ہے، یہ سند خطا ہے جب کہ سابقہ سند درست ہے۔ ابن عساکر نے یہ روایت پہلے نقل کی اس کے بعد ابوزعراء کے واسطے سے پہلی سند لائے، تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ ابوزعراء کے واسطے سے منقول روایت درست ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مؤمل شیبانی کی کارستانی ہے، تا کہ واضح ہو جائے کہ ابوزعراء ہی درست ہے اور ابن عساکر نے بھی اسی سے روایت نقل کی ہے۔

⊙ تیسری قسم اسے ابن ابی خیثمہ نے (التاريخ الكبير: ٤٣٥٨، تحقيق: صالح) میں نقل کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں عمرو بن مرزوق نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں امام شعبہ نے سلمہ بن کہیل کے واسطے سے، انھوں نے زید بن وہب کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا اس سیاہ کُپے سے کوئی لین دین نہیں۔ اس سے مراد عبداللہ بن سبا تھا۔ یہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتا تھا۔ ابن ابی خیثمہ نے کہا: اس نے اسے ایسے ہی "عن سلمة عن زيد بن وهب" کے واسطے سے بیان کیا ہے۔

اس روایت کو خیثمہ بن سلیمان طرابلسی نے "فضائل الصحابة" میں نقل کیا ہے۔ جیسا کہ تاریخ دمشق (۲۹/۷- ۸) میں ابوخیثمہ کے واسطے سے منقول ہے۔ ملاحظہ ہو: موارد ابن عساکر (۱۸۴۷/۳)

←

← ابن ابی خیثمہ کے قول: ''اسی طرح کہا ہے'' سے مراد امام شعبہ ہیں، یعنی امام شعبہ کو اس روایت میں وہم لاحق ہوا ہے۔ امام شعبہ کے واسطے سے جو سند آئی ہے اس کا ابن ابی خیثمہ نے انکار کیا ہے اور اس کی علت کو بھی واضح کیا ہے۔ جزاه الله خيرا.

درست رائے کا بیان: یہ روایت اس سند کے ساتھ خطا پر مبنی ہے۔ آئندہ آنے والی دونوں سندیں صحیح ہیں۔

پہلی سند امام شعبہ سلمہ بن کہیل کے واسطے سے، وہ زید بن وہب سے بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سوید بن غفلہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اس کا بیان چوتھی وجہ میں عنقریب آ رہا ہے اور ''لسان المیزان'' میں یہ ابن حجر کے الفاظ ہیں۔

دوسری سند امام شعبہ سلمہ بن کہیل ابو زعراء کے واسطے سے، وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، البتہ اس میں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہنے کا تذکرہ نہیں کیا، کیونکہ ابو زعراء نے بھی اپنی روایت میں وقوع کا تذکرہ نہیں کیا۔ دیکھو: پہلی وجہ۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن ابی خیثمہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے جو تیسری قسم میں گزر چکی ہے۔ اس کے بعد ابن ابی خیثمہ نے ابوزعراء کے واسطے سے روایت نقل کی، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہی روایت درست ہے۔ ابن ابی خیثمہ (۴۳۵۹) فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد بن عباد مکی نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سفیان نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں عبدالجبار بن عباس ہمدانی نے سلمہ کے واسطے سے بیان کیا، سلمہ، حجیہ کندی کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ اس سیاہ کُپے کے بارے میں میرے عذر کو کون قبول کرے گا کہ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ اس سے مراد ابن سوداء تھا۔ پہلی وجہ دیکھیے۔

ابن ابی خیثمہ نے جس سند کا ذکر کیا ہے وہ صحیح ہے۔ پہلی سند جو زید بن وہب کے واسطے سے ہے وہ بھی صحیح ہے جیسا کہ اگلی چوتھی وجہ میں بیان ہو رہا ہے۔

⦿ البتہ جہاں تک چوتھی وجہ کا تعلق ہے تو یہ دوسری روایت ہے جسے زید بن وہب نے بیان کیا ہے کہ سوید بن غفلہ اپنی قوم کی شکایت لے کر علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس قوم سے مراد ابن سبا اور اس کے متبعین تھے۔ سوید بن غفلہ کہنے لگا کہ انھوں نے ابن سبا اور اس کے متبعین کو سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف نازیبا کلمات کہتے سنا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت و منقبت کا تذکرہ کیا اور اس بات کی دھمکی بھی دی کہ جو شخص ان دونوں ہستیوں کی شان میں گستاخی کرے گا، وہ سزا کا حقدار ہوگا۔ اس کو ابو اسحاق فزاری نے ''السیر'' میں ابو صالح محبوب بن موسیٰ الفراء کی سند سے روایت کیا ہے جیسا کہ ''الكفاية في علم الرواية'' (ص: ۳۷٦) میں آیا ہے کہ ہمیں شعبہ نے سلمہ بن کہیل کے واسطے سے، انھوں نے ابو زعراء یا زید بن وہب کے واسطے سے بیان کیا کہ سوید بن غفلہ جعفی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے امیر المومنین! میرا ایک قوم کے پاس سے گزر ہوا وہ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی شان میں گستاخی کر رہے تھے، کیونکہ وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اندر

سے آپ کا بھی وہی نظریہ ہے اور اسی لیے وہ یہ بات کرنے کی جرأت کر رہے۔ پھر زید بن وہب نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خطبہ اور سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آپ کی گفتگو کا تذکرہ کیا۔ اس روایت کے آخر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کلام کا تذکرہ ہے کہ آپ نے فرمایا: خبردار! مجھے کسی ایسی بات کا اگر علم ہوا کہ جو مجھے ان دونوں ہستیوں سے زیادہ فضیلت والا قرار دے گا۔ میں اسے مفتری کی حد لگاؤں گا۔ ملاحظہ ہو: موارد ابن عساکر (٢٤٦/١)

یہ روایت صحیح ہے اور ابوزعراء کا تذکرہ خطا پر مبنی ہے۔ یہ خطا پہلی سند والی روایت اور مذکورہ چوتھی روایت میں خلط کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے جبکہ درست بات یہ ہے کہ امام شعبہ سلمہ بن کہیل سے، وہ زید بن وہب سے بیان کرتے ہیں کہ سوید بن غفلہ ...... الخ۔ یہ سند صحیح ہے۔

البتہ وہ روایت جسے ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بوشنجی نے صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح خطیب بغدادی نے بھی اسے صحیح کہا ہے، کیونکہ آپ نے "الكفاية" (ص: ٣٧٥- ٣٧٦) میں اس روایت کے صحیح ہونے کا اقرار کیا ہے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ روایت کو کمزور کرنے والے شک کو ابوعبداللہ بوشنجی نے یوں بیان کر دیا ہے جو ہمیں اس بارے میں کلام کرنے سے کافی ہوگیا ہے۔ اس لیے کہ خطیب بغدادی نے اس پہلے یہ کہا ہے: "اس راوی کے بارے میں باب جو یہ کہتا ہے: ہمیں فلاں یا فلاں نے بیان کیا، تو کیا اس کی اس روایت سے حجت لینا درست ہے؟ اگر تو وہ دونوں راوی، جن کا اس نے شک کے ساتھ نام لیا ہے، عادل ہوں تو وہ حدیث ثابت شدہ تصور ہوگی اور اس سے احتجاج جائز ہوگا۔ اس لیے کہ محدث نے ان دونوں کا تعین کر دیا ہے اور اس حدیث کا ان دونوں راویوں میں سے کسی ایک سے سماع محقق ہے اور وہ دونوں راوی عادل ثابت ہیں اور اس کی مثال یہ ہے: ...۔" چنانچہ انھوں نے اس کی مثال میں اپنی صحیح سند کے ساتھ ابواسحاق فزاری کی مذکورہ روایت ذکر کی ہے۔

اور دو ثقہ راویوں کے درمیان یہ شک روایت کی صحت میں غیر قادح علت تصور ہوگا جیسا کہ بوشنجی اور خطیب بغدادی نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ یہ روایت سير أبي إسحاق الفزاري (ص: ٣٢٧، رقم: ٦٤٧) میں اسی طرح موجود ہے۔

ابن حجر نے لسان الميزان (٢٩٠/٣) میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: ابواسحاق فزاری نے شعبہ سے بیان کیا، انھوں نے سلمہ بن کہیل سے، انھوں نے ابوالزعراء سے یا زید بن وہب سے کہ سوید بن غفلہ اپنی امارت کے زمانے میں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: میں ایک ایسی جماعت کے پاس سے گزرا۔ جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازیبا کلمات کہہ رہے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ آپ بھی وہی نظریہ ہے۔ ان میں عبداللہ بن سبا تھا، اور عبداللہ بن سبا ہی نے سب سے پہلے ایسے خیالات کا اظہار کیا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا اس کالے خبیث سے کیا لینا دینا۔ پھر فرمایا: میں اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں کہ میں ان (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کے بارے اچھے خیالات کے سوا کوئی خیال رکھوں۔ پھر انھوں نے عبداللہ بن سبا کی طرف پیغام بھیج کر اسے مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا اور فرمایا: وہ میرے ساتھ اس شہر میں کبھی نہیں رہ سکتا۔ پھر وہ اٹھ کر منبر کی طرف گئے، حتی کہ لوگ جمع ہو گئے، پھر راوی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی تعریف کرنے کا لمبا قصہ ذکر کیا۔

ان کا یہ قول: ''جس طرح مجھ پر اہلِ نہروان کے قتل کا الزام لگایا گیا۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے کافی حد تک اکتا گئے تھے۔ کیونکہ وہ نہروان میں قتل ہونے والے اپنے بیٹوں اور اپنے قبیلے والوں کو لے کر مسلسل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ملامت کرتے تھے۔ ہم حاشیے میں ذکر کر آئے ہیں کہ اس روایت میں شعبہ بن حجاج کو وہم لاحق ہوا ہے جس کی بنا پر وہ اسے چار وجوہ سے ذکر کرتے تھے۔

ذوالثدیہ کا تعارف:

یہ شخص اہلِ نہروان کے ہمراہ جا ملا تھا، یہ خوارج کا ایک گمنام سا آدمی تھا، کوئی سردار وغیرہ نہ تھا، جسے نہروان کے دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے قتل کر ڈالا تھا۔ صحیح قول کے مطابق اس کا اصل نام مالک تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی اس کے درست نام سے واقف نہیں تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلقی اوصاف بیان کر دیے تھے اور اس کی موجودگی کو خوارج کی علامت بتایا تھا۔ آپ نے اس کی علامت بتائی کہ صفین میں جنگ کرنے والے دو گروہوں میں سے اقرب إلی الحق گروہ اسے قتل کرے گا۔

← جس کے آخر میں یہ ہے: خبردار! جس کسی کے بارے میں مجھے یہ خبر ملی کہ وہ مجھے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے رہا ہے تو میں اس پر افتراء کرنے والے کی سزا کوڑوں کی شکل میں نافذ کروں گا۔

یہ روایت گذشتہ روایت کی طرح صحیح ہے۔ اس روایت میں کچھ مفید اضافے بھی بیان ہوئے ہیں کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر طعن کرنے والے عبداللہ بن سبا اور اس کے پیروکار تھے اور یہی پہلا شخص ہے جس نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر طعن کیا۔ اور علی رضی اللہ عنہ نے اسے مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا۔ ابونعیم نے حلیة الأولیاء (۲۰۱/۷) میں اور ابن الاثیر نے أسد الغابة (۶۶۳/۳) میں ابو صالح فراء کے واسطے سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

ان دونوں روایتوں کے درمیان فرق:

⊙ پہلی روایت: اسے ابو الزعراء حجیہ روایت کرتے ہیں، جنھوں نے یہ روایت علی رضی اللہ عنہ سے بر سرِ منبر سماعت فرمائی، جس میں علی رضی اللہ عنہ ابن سبا اور اس کے مریدین کو ڈانٹ رہے تھے اور انھیں قتل کی دھمکیاں دے رہے تھے، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بول رہا تھا۔ یہ خطبہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے والے کے رد پر ارشاد فرمایا گیا۔

⊙ دوسری روایت: اسے زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ سوید بن غفلہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس ابن سبا اور اس کے پیروکاروں کی یہ شکایت لے کر گئے کہ میں نے ان لوگوں کو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر طعن کرتے سنا ہے۔ اس پر علی رضی اللہ عنہ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ ارشاد فرمایا جس میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کا تذکرہ کیا اور ان دونوں پر طعن کرنے والے کو اور علی رضی اللہ عنہ کو ان دونوں پر فضیلت دینے والوں کو سزا کی دھمکی دی۔ یہ خطبہ اس شخص کے ردّ میں تھا جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر طعن کرے، مگر شعبہ نے ان دونوں روایتوں کو آپس میں خلط ملط کر دیا۔

صفین سے قبل کے ذوالثدیہ کے احوال سے مجھے واقفیت نہیں مل سکی، اس کا ذکر صفین سے واپسی پر ابومریم قیس ثقفی مدائنی کی روایت میں ملا ہے۔[1] پھر نہروان میں ذوالثدیہ کے مقتل اور اسے مقتولین کے درمیان تلاش کرنے کی حرص کی بابت بہت سی روایات تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور درست بات یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب اسے مقتولین میں پالیا تو آپ نے سجدۂ شکر کیا۔

ذوالثدیہ کی صفات:

اس کی صفات جن کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، وہ یہ ہیں: وہ سیاہ رنگ کا،[2] ناقص الید[3] ہوگا، اس کا بازو تو ہوگا مگر ہاتھ نہ ہوگا اور بازو کے سرے پر عورت کے پستان جیسا نشان ہوگا،[4] یا گوشت کے لوتھڑے کی مانند نشان ہوگا جو اوپر تلے ہلتا رہتا ہے اور اس پر سفید بال اُگے ہوں گے۔[5]

عبیداللہ بن ابی رافع نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کیا ہے: ''اس کا ایک ہاتھ بکری کے تھن، یا عورت کے پستان کی مانند ہوگا۔''[6]

اسی طرح بالوں کو دو عینی شاہدوں، ابو الوضیء عباد بن نسیب اور زید بن وہب نے بیان کیا ہے۔

جمیل بن مرہ نے ابو الوضیء سے بیان کیا ہے کہ یوں لگتا ہے جیسے میں اس حبشی کو دیکھ رہا ہوں، جس پر ایک نشان ہے[7] اور اس کے ہاتھ کا سرا عورت کے پستان کی نوک جیسا ہے، جس پر بلی کی دم کے بالوں جیسے بال اُگے ہوئے تھے۔[8]

---

[1] اسے امام طبری نے تاریخ الطبري (۱۲٤/۳) میں نقل کیا ہے اور یہ روایت درست نہیں ہے۔ اس روایت میں جو ذوالثدیہ کے متعلق بہت سی تفاسیر اور بے جا باتوں کا تذکرہ ہے، درست نہیں ہے، اس روایت کے بارے میں عنقریب حدیث آرہی ہے۔ ملاحظہ کیجیے: [رقم: ۵۰۵]

[2] صحيح البخاري (۳٤١٤)، صحيح مسلم (۱۱۲/۳) اسے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے اور گذشتہ روایت [رقم: ۲۱٦] میں تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

[3] صحيح مسلم (۱۱٤/۳) [(۱۰٦٦) - (۱۱۵) طبعة عبدالباقي] علی رضی اللہ عنہ کی حدیث۔

[4] صحيح مسلم (۱۱۵/۳) حدیث علی رضی اللہ عنہ، اس روایت کی تفصیل گذشتہ روایت [۴۹۴] میں ذکر کی گئی ہے۔

[5] صحيح مسلم (۱۱۵/۳) حدیث علی رضی اللہ عنہ۔ اس کی تفصیل گذشتہ روایت [رقم: ۴۹۴] میں گزر چکی۔

[6] صحيح مسلم (۱۱٦۳) عنقریب [رقم: ۵۰۰] روایت آرہی ہے۔

[7] المسند میں یہ الفاظ آئے ہیں، البتہ سنن ابی داود میں آیا ہے، اس پر کپڑے کا سا نشان ہوگا۔ اس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کے سرے کی مانند ہوگا۔

[8] زيادات عبدالله على المسند (۱۱۷۹)، سنن أبي داود (٤٧٦٩) امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

زید بن وہب کہتے ہیں: اس کے ہاتھ پر بلی کی مونچھوں جیسے بال اُگے ہوئے تھے۔[1]

اس کو حبشی بھی کہا گیا ہے، ابو الوضیء کہتے ہیں: گویا میں اس حبشی سیاہ فام کو دیکھ رہا ہوں۔[2]

کلیب جرمی کی روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں: ''گویا اس کا ہاتھ حبشی عورت کے پستان جیسا ہے۔''[3] اس میں اس کے ہاتھ کے وصف کا بیان ہے۔

ذو الثدیہ کا نام کیا تھا:

صحیح روایات میں اس کا نام مالک بیان ہوا ہے۔ ابو الوضیء کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ أکبر! کیا تمھیں کسی نے اس کے باپ کا نام نہیں بتایا؟ لوگ کہنے لگے: یہ تو مالک ہے، یہ تو مالک ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یہ کس کا بیٹا ہے؟[4]

---

[1] اسے ابن ابی شیبہ (۳۹۰۷۰) نے نقل کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ اس کا بیان [رقم: ۵۰۶] عنقریب آ رہا ہے۔

[2] اس کا بیان چند صفحات قبل اس کے بالوں کے اوصاف میں گزر چکا ہے۔

[3] زیادات عبداللہ علی المسند (۱۳۷۹) اور شعیب ارناؤط کہتے ہیں کہ اس کی سند جید ہے، اسی طرح امام البانی رحمہ اللہ نے ''الظلال'' میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کا بیان [۴۸۰] عنقریب آ رہا ہے۔

[4] مسند أحمد (۱۱۸۹) شعیب ارناؤط نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

میں (شمری) کہتا ہوں: اس قصے کا اتنا حصہ منکر نہیں ہے اور اس کے متن میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ اگر اس کی سند حسن نہیں بھی ہے تو یہ روایت مقبول ہے، البتہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ مجھے میرے خلیل نے خبر دی کہ ان خوارج کا قائد ایک ایسا شخص ہوگا، جو ناقص ہاتھ والا ہوگا، جس پر بلی کی دم کی مانند بال ہوں گے۔ تو یہ روایت شاذ ہے۔ یزید بن ابی صالح نے اسے مرفوع بیان کیا ہے اور اس کے متن کے الفاظ میں تغیر کیا ہے اور اس نے ''خوارج کا قائد'' کے الفاظ بیان کیے ہیں جبکہ درست الفاظ آئندہ آ رہے ہیں۔

یہ روایت ابو الوضیء کے قول کی بنا پر مقطوع ہے، جیسا کہ زیادات عبداللہ علی المسند (۱۱۷۹)، اور سنن أبي داود (٤٧٦٩) میں آیا ہے۔ یوم النہروان کو خوارج کا قائد ذو الثدیہ نہیں تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں یہ بات ثابت ہے کہ خوارج کا سردار عبداللہ بن وہب راسبی تھا۔ [رقم: ۴۹۴] دیکھیے۔ اس کی تفصیل یہاں حاشیے میں آ رہی ہے۔

اس روایت کی علل کے بارے میں کلام:

اس حدیث کو امام حاکم نے المستدرك للحاكم (٨٦١٧) [(٣٣٥/٨، رقم: ٨٨٤٢) ط: دار التأصيل] نے نقل کیا ہے۔
اس روایت کی سند اور متن میں کئی علل واقع ہوئی ہیں۔

سند: جہاں تک سند کی بات ہے تو امام حاکم نے ابو قلابہ الرقاشی کے واسطے سے اس سے نقل کیا ہے کہ ہمیں عبدالصمد بن عبدالوارث بن سعید نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہ ہمیں یزید بن ابی صالح نے ←

....

➜ اس سند کے ساتھ بیان کیا جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس سند میں اضافہ کیا گیا ہے اور جو الفاظ قوسین کے مابین ہیں وہ دونوں مطبوعوں (العلمیہ، التأصیل) میں نقل نہیں ہیں اور نہ ہی إتحاف المهرة (١٤٤٤٥) میں آئے ہیں۔ اس بات کا احتمال ہے کہ ناسخ نے لفظ "أبي" کو "یزید" سے مقدم کر دیا ہو۔

متن: اگر اس کے متن کی بات کی جائے تو امام حاکم نے یہ قصہ انتہائی طویل سیاق کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس کا بعض حصہ منکر ہے جس میں کئی بے جا باتوں کا تذکرہ ہے۔ مثلاً اس میں بیان ہے کہ ذوالثد یہ اور اس کے دو بھائی جنوں میں سے تھے، اس میں صحیح روایات کی مخالفت ہے۔ مثلاً: خوارج نے جنگ میں نیزے استعمال کیے، جبکہ درست بات یہ ہے کہ خوارج نے انھیں استعمال نہیں کیا۔ اس کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ معرکۂ نہروان کے وصف میں امام حاکم نے نقل کیا ہے کہ ہمیں دن میں صرف تھوڑا سا وقت ملا حتی کہ ہم میں سے کچھ لوگ لیٹ گئے اور کچھ بھاگ گئے۔ یہ روایت امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت کے صریح مخالف ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں تذکرہ ہے کہ کوئی خارجی زندہ نہیں بچا۔ ملاحظہ ہو: [رقم: ۴۹۴]

اور یزید بن ابی صالح نے ابی الوضیء کے کلام کو مرفوع بیان کیا ہے اور جمیل بن مرہ اور ہشام بن حسان قردوسی نے اسے مرفوع بیان نہیں کیا۔

یزید بن ابی صالح نے یہ روایت ابو الوضیء سے بیان کی، انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل نے خبر دی کہ ان خوارج کا قائد ناقص ہاتھ والا شخص ہوگا، اس کے ہاتھ کے کنارے پر بال ہوں گے جیسے بلی کی دم پر بال ہوتے ہیں۔ زيادات عبدالله على المسند (١١٨٩)، المستدرك (٨٦١٧)

روایت میں اسی طرح "قائد" کے الفاظ آئے ہیں، جبکہ درست بات یہ ہے کہ نہروان کے روز خوارج کا قائد عبداللہ بن وہب راسبی تھا۔ یہ بات صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۴۹۴]، بلکہ کئی کتبِ تاریخ میں اس کا تذکرہ ہے، شاید راوی نے لفظ "آية" یا "آيتهم" کو "قائد" کے ساتھ بدل ڈالا ہے۔

جمیل بن مرہ اور ہشام بن حسان قردوسی نے ابو الوضیء سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: گویا میں اس حبشی کو دیکھ رہا ہوں جس کے ہاتھ پر کبوتری کے انڈے کا سا نشان ہے، پھر راوی نے اپنے ایک ہاتھ کو عورت کے پستان کی مانند آپس میں ملایا۔ اس کے ہاتھ کے سرے پر بلی کی دم کے مثل بال ہوں گے۔ دیکھیے: زيادات عبدالله على المسند (١١٧٩)، سنن أبي داود (٤٧٦٩) جمیل بن مرہ کے واسطے سے۔ السنة لعبدالله (١٥٤١) میں یہ روایت ہشام بن حسان قردوسی کے واسطے سے بیان ہے اور جمیل اور ہشام نے صحیح سیاق کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے جس میں کوئی اشکال نہیں اور شعیب ارناؤط نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ یزید بن ابی صالح نے جن زیادات کا تذکرہ کیا ہے، امام ابن کثیر نے اسے غریب قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سیاق میں شدید نکارت پائی جاتی ہے۔ البداية والنهاية (٣٢٧/٧) [(٦٠٧/١٠) دار هجر] اور دیکھیے: المسند (١١٩٧)

خلاصۂ کلام: امام حاکم کی روایت شذوذ کی بنا پر ضعیف ہے۔ امام احمد نے (۱۱۹۷) میں ان شاذ روایات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ حرقوص بن زہیر سعدی ہی اصل میں ذوالثدیہ تھا۔ لیکن یہ قول درست نہیں ہے، کیونکہ حرقوص کی کوئی صفت بھی گذشتہ صفات جیسی نہیں تھی۔ اسی طرح ان دونوں کے نام ونسب بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ حرقوص اپنے زمانے کا معروف شخص تھا۔ لوگ اس کا اور اس کے باپ کا نام جانتے تھے، مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب ذوالثدیہ کے باپ کا نام پوچھا تو لوگوں کو اس کا نام نہیں پتا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ حرقوص بن زہیر ہی ذوالثدیہ تھا، ایسی بات بالکل نہیں ہے۔[1]

ایک ضعیف روایت میں اس کا نام نافع بیان ہوا ہے۔ امام ابو داود رحمہ اللہ نے اپنی ''سنن'' میں نقل کیا ہے: ابو مریم نے کہا: ناقص الید شخص جسے نافع کہا جاتا ہے، وہ ذو الثدیہ تھا۔ پھر امام ابو داود رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگوں کے نزدیک اس کا نام حرقوص تھا۔[2]

امام ابن حجر رحمہ اللہ نے ابو مریم قیس ثقفی مدائنی کو مجہول قرار دیا ہے۔[3]

اور لوگوں کا جو قول امام ابو داود رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، مجھے اس کی کوئی مستند سند نہیں مل سکی۔ لہٰذا اسی بنا پر اس کا حرقوص یا نافع نام ثابت نہیں ہو سکا۔

ذوالثدیہ کی دیگر صفات بھی دیگر روایات میں منقول ہیں مگر وہ درست نہیں۔

⊙ طارق بن زیاد کوفی مجہول[4] سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتا ہے: ''ذو الثدیہ کے ہاتھ پر سیاہ بال ہوں گے۔''[5] طارق بن زیاد نے سفید کی جگہ سیاہ بالوں کے الفاظ بیان کیے ہیں۔

⊙ ایک مرفوع روایت میں ہے: ''ذو الثدیہ جنوں میں سے تھا۔'' امام حاکم نے ایک طویل روایت میں اس کا تذکرہ کیا ہے مگر وہ شاذ ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔[6]

---

[1] فتح الباري (٢٩٢/١٢) تھوڑے سے تصرف کے ساتھ۔

[2] سنن أبي داود (٤٧٧٠) امام البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ روایت ابن ابی شیبہ نے (٣٩٠٨٢) اور امام طبری نے تاریخ الطبري (١٢٤/٣) میں ابو مریم کے واسطے سے تفصیلاً بیان کی ہے اور اس میں ذوالثدیہ کا نام ''نافع'' بیان کیا ہے۔ اس روایت کے بارے میں عنقریب [رقم: ٥٠٥] کلام آ رہا ہے۔

[3] التقریب (٨٣٥٩) اس کے حالات کے بارے میں [رقم: ٥٠٥] اور اس کے بعد کی تعلیق میں تفصیل سے ذکر آئے گا۔

[4] التقریب (٢٩٩٨)

[5] مسند أحمد (٨٤٨) اور شعیب ارناؤط نے اسے حسن قرار دیا ہے اور عنقریب یہ [رقم: ٥٠٢] پر آ رہی ہے۔

[6] المستدرك (٨٦١٧) میں نے اس روایت کے شذوذ کا تذکرہ [رقم: ٥٠٤] پر کر دیا ہے۔

جیسا کہ ابومجلز[1] سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ذوالثدیہ کے بارے میں فرمایا: ''وہ جنوں میں سے ہے۔''[2] اس روایت کے مرسل ہونے کی وجہ سے اس کی سند بھی ضعیف ہے، کیونکہ ابومجلز نے وہ زمانہ نہیں پایا۔

⊙ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ نہروان کے روز خوارج کا قائد تھا۔ یزید بن ابی صالح نے ابو الوضیء سے اور انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: مجھے میرے خلیل نے خبر دی کہ ان لوگوں کا قائد ناقص الید ہوگا، جس کے ہاتھ کے کنارے پر عورت کے پستان کی مانند نشان ہوگا اور اس پر بال ہوں گے جیسے بلی کی دم کے بال ہوں۔''[3] روایت کا یہ حصہ شاذ ہے، کیونکہ یزید بن ابی صالح کو اسے مرفوع بیان کرنے میں خطا لگی ہے اور اس نے اس کے الفاظ میں تغیر کر کے اسے خوارج کا قائد بنا دیا ہے۔ یہ ابو الوضیء کا قول ہے، جب کہ خوارج کا قائد اس دن عبداللہ بن وہب راسبی تھا۔ شاید راوی نے لفظ ''آیة'' یا ''آیتهم'' کو ''قائد'' لفظ سے بدل دیا۔

⊙ ایک مرفوع روایت میں ذوالثدیہ کا وصف بیان ہوا ہے کہ وہ بڑا شیطان ہے۔ امام ذہبی اور امام البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔[4]

⊙ ایک اَور روایت میں آیا ہے: وہ بجیلہ قبیلے سے تھا، اس سے گندی بو آتی تھی، اور جنگ میں معروف تھا۔ ہیثم بن عدی نے اپنی کتاب ''الخوارج'' میں نقل کیا ہے: مجھے محمد بن ربیعہ احمسی نے بیان کیا، وہ نافع بن مسلمہ احمسی سے بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں: ذوالثدیہ قبیلہ عرینہ کا ایک شخص تھا، اس کا رنگ بہت سیاہ تھا، اس سے گندی بو آتی تھی اور یہ جنگ میں کافی معروف تھا۔ ہم پر اعتماد و بھروسا کرتا تھا، وہ جنگ میں ہمارے اور ہم اس کے مدِمقابل آتے تھے۔[5]

---

[1] ابومجلز لاحق بن حمید سدوسی ثقہ راوی ہے۔ یہ تیسرے درجے کے کبار راویوں میں سے ہے۔ (التقریب: ۷۴۹۰)

[2] مصنف ابن أبي شيبة (۳۹۰٤۸)

[3] زيادات عبدالله على المسند (۱۱۸۹)، المستدرك (۸٦۱۷) یہ روایت شاذ ہے اور میں نے اس روایت کے شذوذ کو [رقم: ۵۰۴] میں بیان کر دیا ہے۔

[4] اسے امام احمد (۱۵۵۱) نے اور ابن ابی عاصم (۹۲۰) نے نقل کیا ہے۔ امام ذہبی اور البانی نے اسے منکر قرار دیا ہے اور شعیب ارناؤط نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو: میزان الاعتدال (۳٤۷/۱)، السلسلة الضعيفة (۳۷۵۰)

[5] البداية والنهاية (۳۲۰/۷) ط: إحياء التراث [(۵۹۰/۱۰) دار هجر] ابن دیزیل نے اپنی کتاب ''صفین'' (رقم: ۱۷۲) میں نقل کیا ہے۔

←

لیکن ہیثم کو ابن معین و دیگر نے کذاب قرار دیا ہے،[1] نیز مجھے اس سے اوپر کی سند نہیں مل سکی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب اس کے باپ کا نام نہیں جانتے تھے، تو پھر ہیثم کیسے دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ لشکر میں بڑا معروف تھا؟!

ذوالثدیہ کو تلاش کرنے کا قصہ اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کا سجدہ:

ذوالثدیہ کو تلاش کرنے کے بعد امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کا سجدہ کرنا، جب اس کو مقتولین میں پایا اور باقی تفاصیل جو آگے آرہی ہیں، ان کی تفصیل دیکھیں: [رقم: ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۹۴، ۴۹۶]

[**500**] صحیح مسلم کی روایت ہے، عبیداللہ بن ابی رافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے ہیں: حروریہ نے جب خروج کیا تب وہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، حروریہ کہنے لگے: ''لا حکم إلا للّٰہ'' اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کلمہ حق ہے، مگر اس کی مراد باطل لی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کے اوصاف بیان کیے تھے۔ میں ان کی صفات سے بخوبی واقف ہوں، وہ کلمۂ حق اپنی زبانوں سے بولیں گے، لیکن وہ ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا، اللہ کی مخلوق میں اللہ کے نزدیک سب سے مبغوض لوگ ہوں گے، ان میں ایک سیاہ رنگ کا آدمی ہوگا جس کا ایک ہاتھ بکری کے تھن یا عورت کے پستان کے سرے جیسا ہوگا۔

جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کر دیا تو فرمایا: اس شخص کو تلاش کرو، ساتھیوں نے تلاش کیا مگر اسے نہ ڈھونڈ سکے۔ تو آپ نے فرمایا: دوبارہ تلاش کرو، اللہ کی قسم! نہ میں نے جھوٹ کہا اور نہ ہی مجھ سے جھوٹ کہا گیا۔ آپ نے یہ کلمات دو یا تین بار دہرائے۔ آخر لوگوں نے اسے ویرانے میں پڑا پایا، تو اسے لا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا۔ عبیداللہ کہتے ہیں: میں بھی اس معاملے میں حاضر تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی سنا تھا۔ بکیر کہتے ہیں: مجھے ایک شخص نے ابن حنین کے واسطے سے بیان کیا کہ انھوں نے کہا: میں نے اس سیاہ فام آدمی کو دیکھا تھا۔[2]

← اسی طرح ''شرح نهج البلاغة'' (۲/۲۷۶) میں مسلم ضبی عن حبہ عرنی کے واسطے سے آیا ہے کہ ایک سیاہ رنگ کا آدمی تھا جس کے بدن سے بو آتی تھی، اس کے ہاتھ کا کنارہ عورت کے پستان کی نوک کی مانند تھا۔
مسلم سے مراد: ابن کیسان ہے، یہ ضعیف راوی ہے اور حبہ عرنی سے مراد: ابن جوین ہے۔ یہ صدوق راوی ہے، اکثر غلطیاں کرتا ہے اور یہ غالی متشیعین میں سے ہے۔

[1] میزان الاعتدال (٣٢٤/٤) [2] صحيح مسلم (١١٦/٣)

علامہ سندی کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا "مَا كَذَبْتُ"، "اللہ کی قسم میں نے جھوٹ نہیں بولا" صیغۂ معلوم ہے، اور "وَلَا كُذِبْتُ"، "نہ مجھ سے جھوٹ بولا گیا" صیغۂ مجہول ہے۔ اور دونوں مخفف ہیں، یعنی اس واقعہ کی بابت جس نے مجھ سے بیان کیا اس نے جھوٹ نہیں کہا۔[1]

بالفاظِ دیگر: اللہ کی قسم! میں نے تم سے جھوٹ نہیں بولا اور مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالثدیہ کے متعلق جھوٹ نہیں بتایا۔

[**501**] مسند بزار کی روایت ہے، حبیب بن ابی ثابت بیان کرتے ہیں، میں نے شقیق بن سلمہ سے کہا: مجھے ذوالثدیہ کے متعلق بتاؤ، وہ کہنے لگے: جب ہم نے ان سے جنگ کی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: فلاں بندے کو تلاش کرو جس کی علامت یہ اور یہ ہے۔ ہم نے اسے ڈھونڈا، مگر ناکام رہے، ہم نے آپ کو بتایا تو آپ رونے لگے، پھر فرمانے لگے: اسے تلاش کر کے لاؤ، اللہ کی قسم! نہ میں نے جھوٹ کہا اور نہ ہی مجھ سے جھوٹ کہا گیا۔ راوی کہتے ہیں: ہم نے ڈھونڈا مگر پھر ہماری کوشش بے سود رہی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پھر رونے لگے اور فرمانے لگے: اسے تلاش کرو، اللہ کی قسم! نہ میں نے جھوٹ بولا اور نہ ہی مجھ سے جھوٹ بولا گیا، ہم نے اسے ڈھونڈا مگر پھر بھی نہ ڈھونڈ سکے۔

راوی کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے سفید خچر پر سوار ہوئے، پھر ہم نے مل کر اسے ڈھونڈا تو ہم نے اسے مقتولین میں سب سے نیچے پایا۔ آپ نے جب اس کی لاش دیکھی تو سجدۂ شکر بجا لائے۔[2]

[**502**] مسند احمد کی روایت ہے، طارق بن زیاد بیان کرتے ہیں: ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ خوارج کی جانب روانہ ہوئے۔ آپ نے انھیں قتل کر دیا، پھر فرمایا: دیکھو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عنقریب ایک قوم خروج کرے گی جو کلام تو حق کا کریں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکلتا ہے۔ ان میں ایک شخص ناقص الید ہوگا اور اس کے ہاتھ پر سیاہ بال ہوں گے۔ اگر وہ ہوا تو تم نے لوگوں میں بدترین مخلوق کو قتل کیا ہے۔ لیکن اگر وہ نہ ہوا تو

---

[1] حاشية المسند للسندي (٢/٢٦، ح: ٧٠٨)

[2] مسند البزار (٥٦٤) اس روایت کی سند حسن ہے۔ یوسف بن موسیٰ سے مراد: ابو یعقوب القطان ہے اور ابو سنان سے مراد: سعید بن سنان برجمی شیبانی ہے۔ امام بزار کہتے ہیں: ہمارے علم کے مطابق اس حدیث کے علاوہ حبیب بن ابی ثابت نے شقیق کے واسطے سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کوئی روایت نہیں کی۔

تخریج: اسے امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے "البداية والنهاية" (٣٢٦/٧) میں بزار کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

پھر تم نے بہترین لوگوں کو قتل کیا ہے۔ ہم رونے لگے، پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے تلاش کرو، ہم نے اسے تلاش کرنا شروع کیا تو بالآخر وہ مل گیا۔ اس کے ملنے پر ہم سب سجدے میں گر گئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شکر کے لیے سجدے میں چلے گئے۔ اور آپ یہی الفاظ دہراتے رہے کہ وہ لوگ کلمۂ حق کہیں گے۔[1]

[503] امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے، ابو کثیر مولیٰ انصار کہتے ہیں: جب اہلِ نہروان قتل ہوئے تو میں بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا، یوں احساس ہوتا تھا جیسے وہ خود ہی قتل ہو گئے ہوں۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگو! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک قوم کے متعلق خبر دی تھی کہ وہ تیر کے شکار سے نکلنے کی طرح دین سے نکل جائیں گے اور کبھی دوبارہ نہیں آئیں گے، یہاں تک کہ تیر کمان کی تانت پر دوبارہ آ پلٹے۔ ان میں ایک سیاہ فام آدمی ناقص الید ہوگا، اس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کی مانند ہوگا اور اس کا سرا عورت کے پستان کے سرے کی طرح ہوگا، جس کے اردگرد سات قسم کے بال ہوں گے۔ اسے جا کر تلاش کرو، میری رائے میں وہ ان میں ہے۔ لوگوں نے اسے ڈھونڈا تو مقتولین کے نیچے نہر کے کنارے پڑا ملا۔ آپ کے ساتھیوں نے اسے باہر نکالا، اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا۔ اس کے گلے میں عربی کمان لٹک رہی تھی۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ہاتھ سے پکڑ کر اس کے نشان والی جگہ پر مارنا شروع کر دیا اور فرمانے لگے: اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا تھا۔ جب لوگوں نے آپ کو یوں دیکھا تو انھوں نے بھی "الله أكبر" کا نعرہ بلند کیا اور خوشی سے سرشار ہو گئے اور ان کے دلوں کا حزن و ملال ختم ہو گیا۔[2]

[504] عبداللہ نے مسند پر اپنے اضافوں میں نقل کیا ہے، ابو الوضیء عباد بیان کرتے ہیں: ہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کوفہ جانے کا قصد کیا۔ ابھی ہم حروراء سے دو یا تین دن کی مسافت پر تھے کہ بہت سے لوگ ہم سے الگ ہو گئے۔ ہم نے اس کی بابت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بتایا تو آپ فرمانے لگے: ان کا یہ معاملہ تمھیں خوفزدہ نہ کرے۔ وہ عنقریب واپس پلٹ آئیں گے۔ پھر ابو الوضیء نے یہ لمبی حدیث بیان کی اور کہا: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ان لوگوں کا قائد ناقص الید ہوگا اور اس کے ہاتھ کا کنارہ عورت کے پستان کی نوک کی مانند ہو

---

[1] مسند أحمد (٨٤٨) شعیب ارناؤط نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

[2] مسند أحمد (٦٧٢) اسے شعیب ارناؤط نے حسن قرار دیا ہے۔

گا۔ جس پر بلی کی دم کے بالوں کی طرح بال اُگے ہوں گے۔ لوگوں نے اسے کافی تلاش کیا، مگر اسے نہ پا سکے۔ پھر ہم نے آپ کو بتایا تو آپ فرمانے لگے: دوبارہ جا کر اسے ڈھونڈو، اللہ کی قسم! نہ میں نے جھوٹ کہا اور نہ ہی مجھ سے جھوٹ کہا گیا۔ آپ نے یہ کلمات تین مرتبہ دہرائے۔

ہم نے پھر بتایا کہ وہ نہیں ملا، تو آپ رضی اللہ عنہ خود تشریف لائے اور فرمانے لگے: ان لوگوں کو دور دور ہٹاؤ، حتی کہ ایک کوفی کہنے لگا: یہ رہا وہ شخص جس کی تمھیں تلاش تھی۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا: کیا تم میں سے کسی کو اس کے باپ کا علم ہے؟ لوگ کہنے لگے: یہ تو مالک ہے، ارے یہ تو مالک ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: یہ کس کا بیٹا ہے؟[1]

---

[1] مسند أحمد (۱۱۸۹) شعیب ارناؤط نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

میں (شمری) کہتا ہوں: اس قصے کے متن میں کوئی چیز منکر نہیں اور کوئی اشکال نہیں ہے۔ اگر یہ قصہ حسن سند کے ساتھ نہیں ہے تو پھر یہ مقبول ہوگا، البتہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول کہ مجھے میرے خلیل نے خبر دی کہ خوارج کا قائد ناقص الید شخص ہوگا جس کے ہاتھ کے کنارے پر بلی کی دم جیسے بال ہوں گے۔ یہ حصہ شاذ ہے، یزید بن ابی صالح نے اسے مرفوع بیان کیا ہے اور اس روایت کے متن کو تبدیل کیا ہے۔ راوی نے اسے خوارج کا قائد بتایا ہے جبکہ درست قول آئندہ آرہا ہے۔

یہ روایت ابو الوضیء کے قول کی بنا پر مقطوع ہے جیسا کہ یہ زیادات عبدالله علی المسند (۱۱۷۹) میں صحیح سند سے مروی ہے اور اسی طرح سنن أبي داود (٤٧٦٩) میں بھی آیا ہے۔

اور نہروان کے روز ذو الثدیہ خوارج کا قائد نہیں تھا بلکہ ان کا سردار عبداللہ بن وہب راسبی تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں صحیح سند سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو: [۴۹۴]، اس کی تفصیل آئندہ حاشیے میں آرہی ہے۔

اس حدیث کی علل کے بارے میں بحث:

اس حدیث کو امام حاکم نے المستدرك (٨٦١٧) [٣٣٥/٨، رقم: ٨٨٤٢) دار التأصیل] میں نقل کیا ہے۔ اس روایت کی سند اور متن میں کئی علل واقع ہوئی ہیں۔

سند: اگر اس کی سند کی بات کی جائے تو امام حاکم نے اسے ابو قلابہ رقاشی کے طریق سے نقل کیا ہے کہ ہمیں عبدالصمد بن عبدالوارث بن سعید نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے میرے باپ نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں یزید بن ابی صالح نے اس سند کے ساتھ بیان کیا جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس نے سند میں زیادت کی ہے اور جو الفاظ قوسین کے درمیان ہیں، وہ مطبوع نسخے میں وارد نہیں ہیں اور إتحاف المهرة (١٤٤٤٥) میں بھی نہیں ہے، جبکہ درست بات یہ ہے کہ یہ واقعہ ثابت ہے جیسا کہ مسند (۱۱۸۹) میں آیا ہے۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ناسخ نے لفظ "أبي" کو "یزید" سے مقدم کر دیا ہو۔

متن: اور اگر اس کے متن کی بات کی جائے تو امام حاکم نے ایک طویل قصہ نقل کیا ہے جس کا بعض حصہ منکر ہے۔ اس میں بعض منکر باتوں کا بیان ہے۔ مثلاً ذو الثدیہ اور اس کے دو بھائی جنوں کی اولاد میں سے تھے، جبکہ یہ بات صحیح ←

ضعیف روایت کا بیان:

[505] ابن ابی شیبہ اور طبری نے عبیداللہ بن موسیٰ بن ابی المختار باذام عبسی کے واسطے سے طویل روایت نقل کی ہے۔

← روایات کے صریحاً مخالف ہے۔ مثلاً خوارج نے جنگ میں نیزوں کا استعمال کیا جبکہ درست بات یہ ہے کہ خوارج نے جنگ میں نیزے استعمال نہیں کیے، اس کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں اور مسند حاکم میں معرکۂ نہروان کے وصف میں ذکر ہوا ہے کہ ابھی دن کا کچھ ہی حصہ باقی تھا کہ ہم میں سے بعض لوگ لیٹ گئے اور بعض نے بھاگنے کو ترجیح دی۔ یہ روایت صحیح مسلم کی روایت کے صریحاً مخالف ہے جس میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ خوارج میں سے کوئی شخص بھی زندہ باقی نہیں بچا۔ ملاحظہ ہو: [۴۹۴]

یزید بن ابی صالح نے ابو الوضیء کا کلام مرفوعاً بیان کیا ہے، لیکن جمیل بن مرۃ اور ہشام بن حسان قردوسی نے اسے مرفوعاً بیان نہیں کیا۔

جبکہ یزید بن ابی صالح نے اسے ابو الوضیء سے بیان کیا ہے، وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، کہتے ہیں: میرے خلیل نے خبر دی کہ خوارج کا قائد ایک ایسا شخص ہوگا، جو ناقص ہاتھ والا ہوگا، جس پر بلی کی دم کی مانند بال ہوں گے۔ زیادات عبداللہ علی المسند: (۱۱۸۹) المستدرك (۸٦۱۷)، اسی طرح انھوں نے اسے قائد کہا ہے۔

درست بات یہ ہے کہ نہروان میں ان کے قائد عبداللہ بن وہب راسبی ہوں گے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ دیکھیں: [۴۹۴]، بلکہ کتبِ تاریخ میں اسی طرح مشہور ہے، شاید راوی نے لفظ "آیة" یا لفظ "آیتهم" کو "قائد" کے ساتھ بدل دیا ہے۔

البتہ جمیل بن مرۃ اور ہشام بن حسان قردوسی نے اسے ابو الوضیء سے اس طرح بیان کیا ہے: یوں لگتا ہے جیسے میں اس حبشی کو دیکھ رہا ہوں جس پر ایک نشان ہے اور اس کے ہاتھ کا سرا عورت کے پستان کی نوک جیسا ہے، جس پر بلی کی دم کے بالوں جیسے بال اُگے ہوئے تھے۔" دیکھیں: زیادات عبداللہ علی المسند (۱۱۷۹)، واللفظ منه، سنن أبي داود (٤٧٦٩)، جمیل بن مرہ کے واسطے سے، السنة لعبدالله (۱۵٤۱)، ہشام بن حسان قردوسی کی سند سے، ان دونوں کا ذکر جمیل اور ہشام نے صحیح سیاق کے ساتھ کیا ہے اور اس سیاق میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ شعیب ارناؤط کہتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔

یہ زیادات جس کا ذکر یزید بن ابی صالح نے کیا ہے، ابن کثیر نے انھیں غریب قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں؛ اس سیاق میں انتہائی نکارت ہے۔ البداية والنهاية (۳۲۷/۷)، [(٦۰۷/۱۰) دار هجر] دیکھیں: المسند (۱۱۹۷)

خلاصۂ کلام: حاکم کی روایت شاذ ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔ مسند أحمد (۱۱۹۷) وغیرہ میں یہ زیادات اختصار کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔

ابو مریم بیان کرتے ہیں: شبث بن ربعی اور ابن الکواء دونوں کوفہ سے حروراء کی جانب نکلے ......الخبر۔[1]

یہ روایت متخصص مورخین کے ہاں کافی مشہور ہے۔ اسی لیے میں نے اس پر متنبہ کیا ہے۔ آگے چل کر ہم اس کی سند اور متن پر گفتگو کریں گے۔

جہاں تک اس کی سند کا تعلق ہے، تو یہ روایت ضعیف ہے۔ اس کا راوی عبیداللہ ثقہ متشیع ہے۔ نعیم: صدوق ہے مگر اسے وہم لاحق ہوتا تھا۔

ابو مریم قیس ثقفی مدائنی[2] کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس نے عمار اور علی سے یہ روایت سنی۔ اس سے آگے حکیم کے دو بیٹوں نعیم اور عبدالملک نے بیان کیا۔ امام دارقطنی اسے مجہول ومتروک کہتے ہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے مجہول قرار دیا ہے۔ اور کہتے ہیں: امام نسائی کو اس کے بارے میں وہم لاحق ہوا ہے۔ آپ نے اسے ثقہ کے ساتھ ملا دیا ہے۔ اس کا جواب انھوں نے "التھذیب" میں دیا ہے۔

ابن جریر طبری کا خیال ہے کہ یہ سلسلۂ سند صحیح ہے۔[3]

اگر اس کے متن کی بات کی جائے تو اس میں نکارت ہے اور صحیح روایات کے مخالف ہے، نیز اس میں جھوٹ بھی ہے۔

اس روایت میں یہ بھی بیان ہوا ہے: شبث بن ربعی اور ابن الکواء دونوں کوفہ سے حروراء کی جانب گئے۔ جبکہ درست بات یہ ہے کہ یہ دونوں اور ان کے متبعین صفین سے حروراء گئے تھے اگر ابو مریم خوارج کی پہلی علاحدگی بتانا چاہتے ہیں، جیسا کہ ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔ اگر اس کا مقصود دوسری علاحدگی ہے، تو پھر خوارج تو ۳۷ھ ماہِ شوال میں کوفہ سے نہروان کی جانب چلے گئے تھے اور یہ علاحدگی سیدنا علی رضی اللہ عنہ

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (۳۹۰۸۲)، تاريخ الطبري (۱۲٤/۳)

تخریج: زيادات عبدالله على مسند أحمد (۱۳۰۳) مجھے ابوخیثمہ نے، ہمیں شبابہ بن سوار نے، مجھے نعیم بن حکیم نے بیان کیا۔ شعیب ارناؤط کہتے ہیں: یہ حسن لغیرہ ہے اور مذکورہ سند ضعیف ہے۔

سنن أبي داود (٤٧٧٠)، نعیم بن حکیم سے مختصراً موجود ہیں، اس میں ذوالثدیہ کا ذکر ہوا ہے اور اس کا نام نافع بتایا گیا ہے۔ پھر امام ابوداود نے کہا: لوگوں کے ہاں اس کا نام حرقوص ہے۔ اس روایت کو امام البانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔

[2] التاريخ الكبير (۱۵۱/۷)، سؤالات البرقاني (۵۸۷)، تهذيب الكمال (۲۸۲/۳٤)، تهذيب التهذيب (۲۳۲/۱۲) التقريب (۸۳۵۹)

[3] تهذيب الآثار (ص: ۲۳۸، رقم: ۳۳/۳۱) مسند علي رضی اللہ عنہ۔

کے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اجتماعِ حکمین میں بھیجنے کے بعد ہوئی تھی۔ اس وقت تک شبث بن ربعی اور ابن الکواء تائب ہو چکے تھے، اور نہروان کی جانب گئے ہی نہیں تھے۔

پہلی دفعہ خوارج کوفہ سے حروراء گئے تھے، وہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں داخل ہونے کی دعوت دی، مگر انھوں نے ٹھکرا دی۔ پھر ایک مدت کے بعد ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حروراء میں ان سے مناظرہ کیا، تو ان میں سے دو ہزار لوگ تائب ہو کر کوفہ آ گئے۔ اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے رفیق صعصعہ بن صوحان کے ہمراہ ان کے پاس گئے۔ آپ نے انھیں وعظ ونصیحت کی، حتی کہ ان سے صلح ہوگئی اور اکثر خوارج کوفہ چلے آئے۔ پھر ۳۷ھ رمضان میں اجتماعِ حکمین تک کوفہ ہی مقیم رہے مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اجتماعِ حکمین کے لیے روانہ کرنے پر انھوں نے اعتراض کیا اور آپ کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن وہب راسبی کی بیعت کر لی۔ پھر ۳۷ھ ماہِ شوال میں کوفہ سے نہروان چلے گئے۔[1]

بلاذری کی روایت گزر چکی ہے جس میں راسبی کی بیعت کا قصہ گزر چکا ہے، اس میں ہے: انھوں نے عبداللہ بن وہب راسبی کی بیعت کر لی، ان کی بیعت ۱۰؍شوال کو ہوئی۔ اس کے بعد وہ خروج کر کے نہروان چلے گئے۔[2]

ابو مریم کی روایت میں ہے کہ خوارج نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پیغام رساں سے کہا: ہم تو صرف جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ انھیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتے رہے۔ پھر ہم کچھ دیر رکے، تو وہ کوفہ چلے گئے، گویا وہ عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کا دن تھا۔ اگر کوفہ جانے والوں سے مراد خوارج ہیں تو یہ محلِ نظر ہے۔ کیوں کہ وہ تو کوفہ سے نہروان جانے کے بعد لوٹ کر نہیں آئے تھے، بلکہ حملے میں ہلاک ہو گئے تھے۔

اگر مراد یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قاصد لوٹ آئے تھے اور خوارج حروراء ہی میں رہ گئے تھے۔ تو یہ خطا ہے، کیوں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نصیحت کے بعد وہ کوفہ سے لوٹ آئے تھے، وہ پھر اجتماعِ حکمین تک وہیں رہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

ابو مریم کا کہنا ہے: تقریباً ایک برس کے بعد اہلِ نہروان نے خروج کیا۔ اس میں ابو مریم کا مقصود ہے کہ خوارج نے آئندہ برس تک حروراء میں قیام کیا اور یہ سراسر غلط بات ہے، کیونکہ وہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۷۳]

[2] دیکھیے: [رقم: ۴۷۴]

سے صلح کے بعد کوفہ آ گئے تھے، وہ وہیں مقیم تھے، یہاں تک کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اجتماعِ حکمین میں بھجوایا، یہ رمضان المبارک ۳۷ھ کا واقعہ ہے اور انھوں نے ۳۷ھ ۱۰/ شوال کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ کر عبداللہ راسبی کی بیعت کر لی۔ پھر وہ اسی ماہِ شوال میں کوفہ سے نہروان چلے گئے۔[1]

ابو مریم کا کہنا ہے کہ ذوالثد یہ کا نام نافع تھا، جبکہ عبداللہ نے مسند کی زیادات میں صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ اس کا اصل نام مالک تھا۔[2]

ابو مریم نے اس کی بابت ایک قصہ بھی نقل کیا ہے۔ جس میں اوٹ پٹانگ اور بے تکی باتیں ہیں عقل ان کی تصدیق کرنے سے قاصر ہے۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ ابو مریم نے ذوالثد یہ سے سوال کیا: کیا وہ بھی خروج کر کے دیگر لوگوں کے ہمراہ کوفہ گیا تھا؟ تو ذوالثد یہ کہنے لگا: میں نے بھی ان کے ہمراہ جانے کا ارادہ کیا تھا مگر جب میں بنو سعد پہنچا تو مجھے کچھ بچے ملے، انھوں نے مجھ سے ہتھیار چھین لیے اور مجھے پریشان کرنے لگے، تو میں واپس چلا آیا۔ کیا بھلا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ ایک مرد کے ساتھ بچے ایسا رویہ اختیار کریں جس کے ہاتھ میں تلوار بھی ہو؟

اس میں ایک اور ملاحظہ ہے کہ مذکورہ روایت کو ابو مریم نے اپنے بھائی ابو عبداللہ سے بیان کیا، اور وہ بھی مجہول ہے۔ اگر محققین اسے ضعیف الطبری میں رکھتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔[3]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۷۳]

[2] دیکھیے: [رقم: ۵۰۴]

[3] صحيح تاريخ الطبري (۴۰۳/۳) اور محققین کے نزدیک اس کی سند حسن ہے۔

میں (شمری) کہتا ہوں: امام نسائی نے ابو مریم کی جو توثیق کی ہے شاید یہ محققین پر ملتبس ہو گئی ہو اور جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ ابن حجر نے اس کا جواب بھی دیا ہے۔

البتہ شیخ شعیب ارناؤط نے سنن أبي داود (۴۷۷۰) کی تحقیق میں اس روایت کے پہلے حصے کو حسن قرار دیا ہے مگر جس میں مالک کا تذکرہ ہے اسے حسن نہیں کہا اور چند صفحات قبل ہم یہ ذکر کر چکے ہیں کہ ابو داود نے اسے مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ شعیب ارناؤط نے ''سنن ابی داؤد'' کی تحقیق میں کہا ہے کہ ابو مریم سے مراد ثقفی ہے اور اس کا نام قیس ہے۔ اس روایت کی سند حسن ہے اور نعیم بن حکیم صدوق اور حسن الحدیث راوی ہے اور اس روایت کے باقی تمام رجال ثقہ ہیں، البتہ امام البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے لیکن شعیب ارناؤط نے المسند (۱۳۰۳) میں اس کی سند کو ضعیف کہا ہے اور اس کے مرفوع حصے کو حسن لغیرہ کہا ہے۔

نہروان میں خوارج کے قتل کے بعد مسجدِ کوفہ کا حال:

یزید بن عبدالرحمٰن اودی کہتے ہیں: اہلِ نہروان کے قتل کے بعد مسجدِ کوفہ ویران ہوگئی۔[1]

اس قول کا مطلب ہے کہ اہلِ نہروان کثیر تعداد میں تھے، وہ جب مسجد میں آتے تو مسجدِ کوفہ بھر جاتی مگر اہلِ نہروان کے قتل کے بعد مسجدِ کوفہ ویران پڑ گئی۔

⑤ نہروان کے مقتولین کی تعداد

نہروان میں فریقین کے مقتولین کی تعداد کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں:

جہاں تک خوارج کے مقتولین کی بات ہے، تو صحیح روایت کے مطابق وہ سب مارے گئے تھے۔ یہی بات قابلِ اعتبار ہے۔

یہاں ایک سوال ہے کہ اگر وہ سب ختم ہو گئے تھے تو پھر نہروان کے بعد خوارج کی رائے کیسے باقی رہ گئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے سرغنے اور ان کے اکثر متبعین کو قتل کر دیا تھا، مگر خوارج کے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو نہروان میں شریک ہی نہیں ہوئے تھے، نہ انھوں نے اپنی رائے سے رجوع کیا تھا۔ مثلاً فروہ بن نوفل اشجعی کے متبعین وغیرہ، کیونکہ فروہ بن نوفل اپنے ہمراہ ۵۰۰ لوگ[2] لے کر الگ ہو گیا تھا۔ لہٰذا ان بعض لوگوں کا نہروان کے معرکے سے پیچھے رہنا اور کوفہ میں کسی سبب کے باعث رہنا بالکل ممکن ہے۔

[506] ابن ابی شیبہ سے منقول ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یومِ نہروان کو جب ان کا سامنا خوارج سے ہوا تو سب کو نیزوں کی نوک سے ہلاک کر دیا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ذوالثدیہ کو تلاش کرو، لوگوں نے اسے کافی تلاش کیا مگر ناکام رہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: نہ میں نے جھوٹ کہا اور نہ ہی مجھ سے جھوٹ کہا گیا۔ جاؤ اسے تلاش کرو، لوگوں نے اسے تلاش کیا اور اسے ایک ویرانے میں پڑا ہوا پایا۔ اس کے اوپر کئی اور مقتولین کی لاشیں پڑی تھیں۔ وہ ایک ایسا شخص تھا جس کے ہاتھ کے کنارے پر بلے کی

---

① غریب الحدیث لإبراهيم الحربي (۳/۱۰۱۸- ۱۰۱۹) اس روایت کی سند صحیح ہے، عنقریب یہ روایت اپنی شرح اور تخریج کے ساتھ [رقم: ۶۱۶] پر آرہی ہے۔

② دیکھیے: [رقم: ۶۰۰، ۶۰۱] اور اس سے پہلے اور بعد کی تعلیق ملاحظہ کیجیے۔

مونچھوں جیسے بال تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور لوگوں نے بھی "اللہ أکبر" کا نعرہ لگایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔[1]

بعض ضعیف تاریخی روایات میں ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ بچ گئے تھے۔ ان کا تذکرہ میں فقط جاننے کے لیے کر رہا ہوں، نہ کہ دلیل بنانے کے لیے۔ ایک قول یہ ہے کہ ان میں سے ۱۰ سے کم لوگ بچ گئے تھے۔[2] ایک قول کے مطابق ۴۰۰ لوگ بچ گئے تھے۔[3]

جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے صحیح روایت کے مطابق صرف دو لوگ شہید ہوئے۔[4] جیسا کہ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں: اس دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے محض دو سپاہی شہید ہوئے۔[5]

ایک قول کے مطابق ان کی تعداد نو (۹) تھی۔

[**507**] یعقوب بن سفیان سے منقول ہے، ابومجلز بیان کرتے ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑائی کے لیے نہروان کے مقام پر چار ہزار لوگ نکلے۔ مسلمان ان پر غالب آئے اور انھیں موت کی نیند سلا دیا۔ مسلمانوں میں صرف نو لوگ شہید ہوئے۔ اگر آپ چاہیں تو ابو برزہ سے بھی پوچھ سکتے ہیں، کیونکہ آپ اس جنگ میں شامل تھے۔[6]

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (۳۹۰۷۰) اس روایت کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رجال شیخین کی شروط کے مطابق ثقہ ہیں ابو معاویہ رضی اللہ عنہ سے مراد محمد بن خازم ضریر ہے۔

تخریج: اسے امام نسائی نے سنن الکبری (۸۵۱۶) میں محمد بن عبدالاعلی اور ابو معاویہ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

[2] الملل والنحل للشهرستاني (۱۳۵/۱) امام شہرستانی نے یہ واقعہ بلا سند ذکر کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے نہروان کے مقام پر شدید جنگ کی، خوارج میں سے ۱۰ سے کم لوگ بچ نکلے اور مسلمانوں کے ۱۰ سے کم لوگ مارے گئے۔ خوارج میں سے دو لوگ عمان کی جانب، دو کرمان کی جانب، دو سجستان کی جانب، دو جزیرۃ العرب کی جانب اور ایک تل موروں جو یمن کا شہر ہے، وہاں چلے گئے اور ان جگہوں سے خوارج نے بدعت کا آغاز کیا جو آج تک جاری ہے۔

[3] تاریخ الطبري (۱۷۳/۳) ۴۲ھ کے واقعات، ہشام بن محمد نے ابومخنف سے روایت کیا ہے، وہ کہتا ہے: مجھے نضر بن صالح بن حبیب نے جریر بن مالک بن زہیر بن جزیمہ عبسی سے بیان کیا، انھیں ابی ابن عمارہ عبسی نے بیان کیا کہ حیان بن ظبیان سلمی خوارج جیسی رائے رکھتا تھا اور یہ نہروان کے روز ان زخمیوں میں شامل تھا، جن ۴۰۰ لوگوں کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے معاف کر دیا تھا۔

[4] صحيح تاريخ الطبري (۴۱۶/۳)

[5] سابقہ روایت [رقم: ۴۹۴] پر یہ گزر چکا ہے۔ مزید دیکھیں: المناهج شرح صحيح مسلم للنووي (۱۷۲/۷)

[6] المعرفة والتاريخ (۳۱۵/۳) اس روایت کی سند صحیح ہے اور یہ روایت [رقم: ۲۲۱] پر اپنی تخریج کے ساتھ گزر چکی ہے۔

ضعیف روایت کا بیان:

[**508**] سنن النسائی میں ہے، زید بن وہب کہتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ۱۲ یا ۱۳ سپاہی شہید ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہوئے۔[1]

یہ شاذ روایت ہے اور اس کے شذوذ کی وجوہات گذشتہ صفحات میں بیان کر دی گئی ہیں۔[2]

⑥ اہلِ نہروان کی تکفیر کے متعلق سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رائے

[رقم: ۸۳] اور اس کے بعد کی تعلیق ملاحظہ ہو۔

⑦ نہروان کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نخیلہ آمد اور جنگِ شام کو ملتوی کر کے کوفہ لوٹنا

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہروان سے فارغ ہونے کے بعد کہا: میں اس سال جنگ نہیں کروں گا۔ یعنی میں اس برس اہلِ شام سے جنگ کا ارادہ نہیں رکھتا۔[3] مراد یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہروان کے بعد معرکۂ شام کا ارادہ رکھتے تھے، مگر پھر آپ نے اسے اگلے برس تک موخر کر دیا۔

روایت کے الفاظ: ''میں اس سال جنگ نہیں لڑوں گا۔'' مجمل ہیں۔ اس کی تفسیر ابو مخنف کی روایت کرتی ہے۔

[**509**] ابو مخنف کی روایت میں ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہروان کے بعد اپنے لشکر کو بلایا اور انھیں جنگِ شام کے لیے نکلنے کا کہا، مگر وہ ٹال گئے اور انھوں نے غزوہ موخر کرنے کا مطالبہ کر دیا۔

اس کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نخیلہ کے مقام پر آئے، اور انھیں جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ مگر چند ایک کے سوا باقی سب لوگ وہاں سے کھسک گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ منظر دیکھا تو آپ نے روانگی موخر کر دی اور کوفہ آ گئے۔[4]

---

① سنن الكبرى للنسائي (٥٨١٧)

② ملاحظہ ہو: [رقم: ۳۵۴] کا حاشیہ۔

③ عنقریب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول [رقم: ۴۹۶] پر آ رہا ہے۔

④ تاريخ الطبري (١٢٣/٣) یہ روایت مقبول ہے۔

شواہد: یہ روایت صحیح ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہروان سے فارغ ہونے کے بعد معرکۂ شام کو ملتوی کر دیا۔ ←

ابومخنف کے بیان میں نہروان سے واپسی پر جنگِ شام موخر کرنے کی وجہ بیان ہوئی ہے۔

[**510**] امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ جب اہلِ عراق نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنگِ شام میں جانے سے پہلو تہی اختیار کی تو آپ نے انھیں خطبہ دیا۔ آپ نے انھیں ڈانٹا، ڈرایا، دھمکایا اور مختلف سورتوں سے آیاتِ جہاد پڑھ کر سنائیں۔ آپ نے انھیں دشمن کی جانب پیش قدمی کرنے کی ترغیب دلائی، مگر انھوں نے آپ کی موافقت کے بجائے انکار کر دیا اور آپ کی مخالفت پر اتر آئے، بلکہ اپنے شہروں ہی میں ٹھہرے رہے۔ اور آپ سے ادھر ادھر بکھر گئے۔ کہا جاتا ہے: اس کی وجہ خوارج کو قتل کرنا تھی، کیونکہ وہ ان کے بھائی، بیٹے اور اقرباء تھے۔ اور وہ انھیں خود سے ان کی عبادات اور قراءت کی وجہ سے افضل اور بہتر سمجھتے تھے، لہٰذا وہ بوجھل قدم ہو گئے اور انھوں نے آپ کا ساتھ ترک کر دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں جس عالم میں گئے، اللہ ہی جانتا ہے۔[1]

اس کے بعد حالات نے کروٹ لی اور معاملات خراب ہو گئے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اہلِ شام سے دوبارہ جنگ اور ان کو زیر کرنے میں آڑے آ گئے، حتی کہ آپ داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ آئندہ عنوان میں اس کی تفصیل آ رہی ہے۔

بعض روایات سے اشارہ ملتا ہے[2] کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ وقتاً فوقتاً اپنے متبعین کو جنگِ شام کی دعوت دیتے رہے، مگر وہ کاہلی اور سستی کا شکار ہو گئے اور آپ کی نافرمانی کرتے رہے۔ بلکہ نہروان میں اپنے

← سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں اس برس جنگ نہ لڑوں گا۔ دیکھیے: [رقم: ۴۹۶]

اور یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ جب اہلِ عراق نے نہروان کے روز اپنے بیٹوں کو منہ کے بل گرا ہوا دیکھا تو ان کے دل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنگ کرنے سے تنگ پڑ گئے۔ آئندہ حاشیہ ملاحظہ کیجیے۔

تخریج: اس روایت کو ہیثم بن عدی نے اپنی کتاب "الخوارج" میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح "البداية والنهاية" (۷/۳۴۰) میں عیسیٰ بن داب کے واسطے سے منقول ہے اور ابن داب اخباری علامہ اور علم الانساب کا ماہر تھا۔ امام بخاری اور ابوحاتم نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ میزان الاعتدال (۳/۳۲۷-۳۲۸)

[1] البداية والنهاية (۷/۳۴۲) [(۱۰/۶۴۳) ط: دار هجر]، [(۷/۵۱۹) ط: دار ابن كثير بدمشق، الثانية] یہ روایت سابقہ روایت کی طرح مقبول ہے اور راوی کا قول: "قيل: .... الخ"، طبع ہجر اور ابن کثیر دونوں کی مطبوعات میں آیا ہے اور جو بریکٹوں کے درمیان الفاظ ہیں وہ آخری طبع سے ہیں۔

[2] [رقم: ۹۰، ۹۱] اور ان کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

بھائیوں اور بیٹوں کو قتل ہوتا دیکھنے کے بعد ان کے دل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے سے اچاٹ ہو گئے تھے۔ اس کی ایک وجہ پے در پے آنے والے فتنوں سے آنے والا ڈر اور خوف تھا۔[1]

⑧ نہروان کے نتائج، نیز صفین کے بعد آپ کی وفات تک

جنگِ شام نہ ہونے کے اسباب

نہروان کے بعد عراقی لشکر کی قوت کمزور پڑ گئی تھی، کیوں کہ لشکرِ خلافت کو زور کی چوٹیں پڑی تھیں۔ اسی طرح نہروان کے وقوع سے جیشِ خلافت بہت کمزور ہونے لگا، یہ کمزوری گو کہ صفین کے بعد ہی شروع ہو چکی تھی جب خوارج الگ ہوئے تھے، لیکن نہروان کے بعد تو شدید کمزوری آ گئی جس کی بہتری کی گنجائش ختم ہونے لگی تھی۔

نہروان کے نتائج دو طرح کے ہوئے، کچھ ایجابی اور کچھ سلبی تھے:

ایجابی نتائج:

1. جیشِ خلافت کی کامیابی اور خوارج کی ہلاکت۔
2. نبوت کی علامت ثابت ہو گئی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ أقرب إلی الحق تھے۔ خوارج سے جنگ اور ان میں ذو الثدیہ کی موجودگی کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی علامت بتایا تھا۔

اس سے پہلے ایک علامت صفین کے روز سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی جو واقع ہو چکی تھی۔

سلبی نتائج:

1. سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے لشکر کے مابین دوسرے تصادم کا ظہور ہوا، کیوں کہ عراقی لشکر کے کچھ لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نہروان میں اپنے بیٹوں کے قتل کی بنا پر ملامت شروع کر دی تھی۔ اس کی ابتدا انھوں نے نہروان کے دن سے کی جب ذو الثدیہ کو تلاش کرتے وقت بعض لوگوں نے کہا: ہمیں ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ہمارے بھائیوں کے بارے میں دھوکے میں مبتلا کیا، حتی کہ ہم نے انھیں قتل کر دیا۔

اس بات نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دل پر گہرا اثر چھوڑا اور آپ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔[2] وہ لوگ مسلسل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ملامت کرتے رہے، حتی کہ آپ ان سے تنگ پڑ گئے، بلکہ ایک عرصے بعد آپ نے

---

[1] ملاحظہ کیجیے: (صفحہ: ۵۹۹، ۶۰۱، ۶۰۳)

[2] دیکھیے: [رقم: ۴۹۶]

منبر پر اس کا برملا اظہار کیا۔ آپ نے کہا: کون مجھے اس کالے کُپے سے نجات دلائے گا جس نے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ پر جھوٹ باندھا ہے۔ آپ کی مراد ابن سوداء تھا۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ ایک گروہ مسلسل اس پر مجھے طعن کرتا رہے گا، جیسے اہلِ نہروان کے مقتولین پر مجھے طعن کیا گیا تو میں ان کے ڈھیر لگا دیتا۔[1]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان سے تنگ آگئے تھے، کیونکہ وہ نہروان کے دن اپنے بیٹوں اور قبیلے کو قتل کرنے کی بنا پر مسلسل آپ پر طعن کرتے تھے۔

خوارج کے ساتھ پہلا تصادم صفین کے روز ہوا، جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ تحکیم کی بنا پر جنگ بندی پر راضی ہوئے اور یہ تصادم مسلسل جاری رہا، حتی کہ آپ نے انھیں نہروان میں قتل کر دیا۔

2 جب اہلِ عراق نے نہروان کے مقتولین کی لاشیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں، تو بہت سے لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنگ لڑنے سے گھٹن محسوس کی۔

3 اہلِ نہروان کو قتل کرنے کی پاداش میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ عراق کے مابین نفرت و کینہ پیدا ہونے لگا۔ اہلِ عراق کے انکار کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں شام لے جانے کا اصرار کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان میں کینے کو محسوس کر لیا تھا اور اپنے خطبوں میں ایسی باتیں کرنے لگے تھے جن میں ان کو زجر و توبیخ ہوتی تھی۔ آپ کہتے: اے اللہ! میں نے ان سے بغض رکھا اور انھوں نے مجھ سے بغض رکھا۔ میں نے انھیں اور انھوں نے مجھے ناپسند کیا، میں ان سے اور یہ مجھ سے اُکتا گئے ہیں۔ میں نے ان کو ملامت کی اور انھوں نے مجھے ملامت کی۔ لہٰذا تو مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے راحت پہنچا۔[2]

4 نہروان کے بعد جیشِ علی رضی اللہ عنہ میں نافرمانی کا ظہور ہو گیا حتی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے تنگی و گھٹن محسوس کی اور کئی مناسبات میں آپ نے اس کا برملا اظہار بھی کیا۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے: ان کی اپنے امیر کی اطاعت اور تمھاری اپنے امیر کی نافرمانی کے باعث۔[3] اسی طرح فرمایا: اے اللہ! ان لوگوں نے مجھے اس کتاب کو امت میں نافذ کرنے سے روکا،[4] لہٰذا تو مجھے اس کی بدولت ثواب عطا فرما۔[5]

---

1. دیکھیے: [رقم: ۴۹۹]
2. دیکھیے: [رقم: ۵۱۴ تا ۵۲۱] اور میں نے ان کے الفاظ کو جمع کر دیا ہے۔
3. دیکھیے: [رقم: ۵۱۴]
4. اس سے مراد مصحف ہے۔
5. دیکھیے: [رقم: ۵۱۸]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں دشمن کی جانب پیش قدمی کی ترغیب دلائی، مگر انھوں نے انکار کر دیا اور آپ کی موافقت کے بجائے مخالفت پر اُتر آئے اور اپنے شہروں میں ہی رُکے رہے۔ مگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے، اور انھوں نے آپ کو چھوڑ دیا۔[1]

5 اہلِ عراق کو خوف و ہراس پہنچنا۔[2]

6 لشکرِ خلافت کی کمزوری میں شدید اضافہ ہو گیا۔ اس کمزوری کے نتیجے میں نہروان کے بعد فارس اور اہواز پر سے خلافت کا رُعب جاتا رہا اور انھوں نے بغاوت کی آگ بھڑکا دی۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس بغاوت کو کچل دیا اور ان کے فتنے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، تاکہ یہ دوبارہ سر نہ اٹھا سکیں۔

اس کے لیے انھوں نے دو تدبیریں اختیار کیں:

أ: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے صاحبِ بصیرت اور ماہر و باکمال شخصیت سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو آذربائیجان کا امیر بنا دیا۔

ب: سنہ ۳۷ھ میں آپ رضی اللہ عنہ نے شرطۃ الخمیس کا اجراء کیا، اور انھیں آذربائیجان کے علاقے میں ٹھہرایا، اس کی کمانڈ سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے سپرد کی جس کی بنا پر وہاں فتنوں کا دور اختتام کو پہنچا، اور ان کے دلوں میں خلافت کی ہیبت دوبارہ سے بیٹھ گئی۔

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ نہروان کو قتل کیا تو بہت سے لوگوں نے آپ کی مخالفت کی اور آپ کے اطراف سے لوگ بکھر گئے۔ بنو ناجیہ نے آپ کی مخالفت شروع کر دی اور ابن حضرمی بصرہ آ گیا، اہلِ اہواز نے بیعت توڑ دی اور اہلِ خراج، خراج ختم کرنے کی طمع کرنے لگے۔[3]

اس کمزوری کی ابتدا تب ہوئی جب خوارج نے صفین کے روز تحکیم کی جنگ بندی پہ اعتراض کیا اور خلیفہ کے لشکر سے الگ ہو گئے۔ اور پھر پے در پے فتنوں کے باعث دن بدن کمزوری بڑھتی چلی گئی۔

7 سابقہ تمام سلبی نتائج مجموعی طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اہلِ شام پر حملہ کر کے انھیں مطیع بنانے کے عزم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں رکاوٹ بن گئے۔ مزید لشکرِ عراق کی گھڑ سوار فوج کے دل سے

---

1. دیکھیے: [رقم: ۴۶۱ تا ۵۱۰]
2. اس کے بارے میں مفصل حدیث ایک مستقل بحث میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو: (ص: ۵۹۹)
3. دیکھیے: [رقم: ۴۴۷]

صفین کی ہولناکی اور وحشت ختم نہیں ہوئی تھی، اس لیے بھی انھوں نے دوبارہ اس جنگ میں دلچسپی نہیں لی۔

8 سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت، آپ کا قتل خوارج کی طرف سے نہروان کی ہزیمت کا عملی انتقام تھا۔

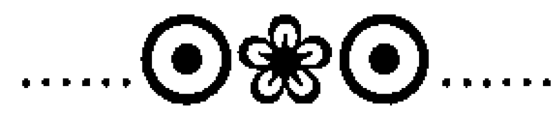
البتہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اقتدار پر حملے نہروان کا نتیجہ نہیں بنے، بلکہ وہ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے شام جانے کے عزم کے باعث واقع ہوا۔

اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک خلافت کے زیادہ حق دار ہونے کا معاملہ بھی صفین کے بعد ہوا، نہ کہ نہروان کے بعد۔

اگر صفین کے بعد سے لے کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات تک کی بات کی جائے کہ آپ رضی اللہ عنہ جنگِ شام پر کیوں نہیں گئے تھے؟ تو ان کا ذکر ہم سابق صفحات میں کر آئے ہیں۔ اس کے دو بنیادی اسباب یہاں ذکر کیے دیتے ہیں:

اوّل: جیشِ عراق کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کرنا۔

دوم: یکے بعد دیگرے آنے والے فتنوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو معرکۂ شام سے مشغولیت میں ڈالے رکھا۔ مثلاً اہلِ فارس اور اہواز کا بکھر جانا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملے وغیرہ۔



تیسری بحث:

خوارج کے منہج کی اپنے متبعین اور قائدین پر پیچیدگی

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ خوارج نہروان پہنچے تو ایک فرقہ ان سے الگ ہو گیا اور انھوں نے لوگوں کو ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ جس پر ان کے ساتھی کہنے لگے: تمھارے لیے بربادی ہو! کیا ہم نے اسی بنا پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑا تھا۔[1]

یہ روایت دلیل ہے کہ خوارج اپنے گمان کے مطابق نہروان میں انکارِ منکر کے لیے گئے تھے۔ مگر ایک گروہ نے وہاں جا کر لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا، بلکہ ان عام شہریوں کو بھی قتل کر دیا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں نہیں تھے اور ان سے بری تھے۔

اس بات کو بعض خوارج نے ناپسند کیا اور ان سے کہنے لگے: تم برباد ہو جاؤ! کیا ہم نے اس بنا پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے علاحدگی کی تھی؟! اس کے بدلے میں سب عدل وانصاف کے بجائے قتل پر ڈٹ گئے۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان سے اس قتل کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا تو انھوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی بنا پر اہلِ نہروان کے ساتھ جنگ ہوئی۔

خوارج کی وہ جماعت جنھوں نے اپنے ساتھیوں کے لوگوں کو قتل کرنے کا انکار کیا، تو جب ان کو خلیفہ نے طلب کیا۔ وہ بھی قاتلین کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔

اگر منکرین قاتلین کو گناہ گار سمجھتے تو کبھی ان کے ساتھ کھڑے نہ ہوتے، کیوں کہ وہ تو اپنے گمان کے مطابق انکارِ منکر کے لیے ہی گئے تھے۔ تو انکارِ منکر انھیں اپنے ساتھیوں کے منکر کے دفاع کی جانب کیسے لے جا سکتا تھا۔

بلکہ خوارج کے منہج کا پیچیدہ ہونا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر خروج کرنے والوں کے معاملے میں بھی واضح ہو گیا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنے کا ایک امیر اشتر نخعی صفین جانے سے قبل اپنی قوم نخع سے کہتا ہے:

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۹۶]

اس امت نے اپنے سب سے افضل کو شہید کر دیا، مراد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔[1] یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل کو ناپسند کرتا تھا۔ اس نے فتنے کے دور میں اپنی قوم کو ان خطاؤں میں پڑنے سے ڈرانے کے لیے یوں کہا، پھر اس نے انھیں ڈراتے ہوئے مزید کہا: ہر کوئی یہ دیکھے کہ اس نے اپنی تلوار کہاں رکھی ہے۔

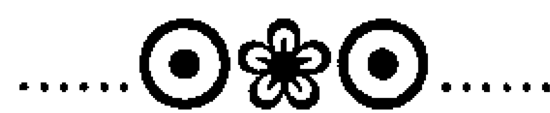
اس سے قبل اشتر نخعی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فتنہ گروں کا سردار تھا، اور لوگوں کو اس پر بھڑکاتا تھا۔ کیا اسے اپنی قوم کے اہداف کا علم نہ تھا؟ کیا اسے یہ علم نہ تھا کہ اس کی قوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کو مباح قرار دیتی تھی؟ پھر اشتر تو ان لوگوں کے ساتھ بھی رہا جنھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو کھانے پینے سے روک دیا۔ بلکہ قریب تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھوک و پیاس کی حالت میں ہی قتل کر دیتا۔[2]

یقیناً خوارج کے سردار عبداللہ بن وہب راسبی کو اپنے منہج کی پیچیدگی اور غلطی کا علم تھا، اس نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مناظرے میں اپنی فوج کا دو تہائی حصہ واپس جاتے دیکھا تھا۔

اسی لیے راسبی نے اپنے متبعین کو پند و نصائح سے دور رکھنے کا طریقہ اپنایا۔ اس نے نہروان کے دن فریقین کی صف بندی کے وقت کہا تھا: مجھے خدشہ ہے کہ کہیں وہ حروراء کے دن کی طرح پھر تم سے مناظرہ نہ کرنے لگیں۔[3] تب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے مناظرہ کیا تھا، اسی لیے راسبی نے اپنے ماننے والوں کو فوراً حملہ کرنے کا حکم دیا تا کہ اس کے حواری نصیحت اور مناظرہ سے محفوظ رہ سکیں۔

لہٰذا خوارج کا منہج عبداللہ کے متبعین پر بھی عیاں نہ ہو سکا۔ انھیں اس کی حقیقت کا کچھ علم نہ تھا، کیونکہ وہ کم عمر اور موٹی عقل کے تھے۔ اگر ان میں سے کچھ چھوٹی عمر کے نہیں بھی تھے تو بہر حال عقل سے محروم تھے۔

حاصل کلام: خوارج کے متبعین پر ان کا منہج پوشیدہ رہا اور اہلِ سنت والجماعت کو ان کے منہج کی بابت علم ہو چکا تھا۔



---

1. دیکھیے: [رقم: ۲۷۳]
2. دیکھیے: [رقم: ۲۸۹] اور اس کے بعد کی تعلیق۔
3. دیکھیے: [رقم: ۴۹۴]

چوتھی بحث:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلِ کوفہ کے بارے میں فراست کہ وہ عنقریب خارجی بن جائیں گے

اس رائے کا اظہار سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت[1] یعنی ۲۳ھ سے قبل اپنی فراست سے کیا تھا۔ آپ نے مسجدِ کوفہ میں ایک قوم کو بدعی طریقے سے اللہ کا ذکر کرتے دیکھا تو اس طرزِ عمل کو برا خیال کیا اور انھیں خبردار کیا کہ عنقریب ان کے اکثر لوگ خوارج ہوں گے۔

[511] امام دارمی رحمہ اللہ نے اپنی "السنن" میں نقل کیا ہے، عمرو بن یحییٰ بیان کرتے ہیں: میں نے اپنے باپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہم لوگ فجر سے قبل سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دروازے کے باہر بیٹھ جایا کرتے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ باہر تشریف لاتے تو ہم آپ کے ہمراہ مسجد چلے جاتے۔ ایک دن ہمارے پاس ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آئے اور فرمانے لگے: کیا ابوعبدالرحمٰن آپ کے پاس آئے تھے؟ ہم نے عرض کی: نہیں۔ تو وہ بھی ہمارے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ہم سب ان کے استقبال میں کھڑے ہو گئے، اس پر سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ابوعبدالرحمٰن! میں نے ابھی ابھی مسجد میں ایک عجیب کام دیکھا ہے جس سے مجھے ناگواری محسوس ہوئی، مگر میں نے بحمداللہ خیر کا کام ہی دیکھا ہے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: آپ نے کیا دیکھا؟ تو انھوں نے کہا: اگر آپ زندہ رہے تو آپ بھی دیکھ لیں گے۔ پھر آپ کہنے لگے: میں نے مسجد کے ایک کونے میں لوگوں کو حلقے بنائے دیکھا ہے، وہ لوگ نماز کے انتظار میں بیٹھے تھے اور ہر حلقے میں ایک شخص تھا، ان کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں۔

---

[1] سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ آگئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت تک وہیں رہے، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں آپ مدینہ واپس آگئے اور ۳۲ھ میں مدینہ میں ہی آپ کا انتقال ہوا۔ الطبقات الکبری (۶/۱۳)

وہ شخص دوسروں سے کہتا: سو مرتبہ ''اللّٰہ أکبر'' کہو تو وہ (۱۰۰) مرتبہ ''اللّٰہ أکبر'' کہتے، پھر وہ ان سے (۱۰۰) مرتبہ ''لا إله إلا اللّٰہ'' پڑھنے کا کہتا تو وہ (۱۰۰) بار ''لا إله إلا اللّٰہ'' پڑھتے، پھر وہ شخص ان سے کہتا (۱۰۰) بار ''سبحان اللّٰہ'' کہو تو وہ ''سبحان اللّٰہ'' کا ورد کرتے۔ تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: پھر آپ نے ان سے کیا کہا؟ بتایا کہ کچھ بھی نہیں کہا۔ میں تو آپ کی رائے کا منتظر تھا۔ انھوں نے فرمایا: کیا آپ نے انھیں اپنے گناہ شمار کرنے کا حکم نہیں دیا اور انھیں یہ نہیں کہا کہ اپنی نیکیاں ضائع نہ کریں؟ پھر ایک حلقے کے پاس آئے، ہم بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ فرمانے لگے: میں تمھیں کیا کرتے دیکھ رہا ہوں؟ انھوں نے کہا: ابوعبدالرحمٰن! یہ کچھ کنکر ہیں، ہم تو بس تکبیر و تہلیل اور تسبیح ان کے ذریعے شمار کرتے ہیں۔ تو فرمایا: تم اپنی غلطیاں شمار کرو، میں اس بات کا ضامن ہوں کہ اس طرح تمھاری نیکیاں بھی ضائع نہیں ہوں گی۔ اے امتِ محمد! تم برباد ہو گئے، تم نے اپنی ہلاکت میں کس قدر جلد بازی کی۔ ابھی اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کثیر تعداد میں تمھارے درمیان موجود ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے ابھی بوسیدہ نہیں ہوئے اور آپ کے برتن ابھی نہیں ٹوٹے۔ اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کیا تم امتِ محمدیہ سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو یا پھر گمراہی کا ایک نیا دروازہ کھول رہے ہو؟ وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! اے ابوعبدالرحمٰن! ہمارا تو خیر کا ارادہ تھا۔ تو فرمایا: کتنے ہی خیر چاہنے والے خیر حاصل نہیں کر پاتے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا تھا کہ ایک قوم قرآن کی تلاوت کرے گی، مگر وہ ان کے حلق سے تجاوز نہ کر پائے گا اور اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں لیکن شاید تمھارے اکثر لوگ انہی میں سے ہوں گے۔ پھر آپ ان کے پاس سے چلے آئے۔ عمرو بن سلمہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان حلقوں کے اکثر لوگوں کو نہروان کے روز خوارج کے ہمراہ ہمارے مدِ مقابل نیزہ بازی کرتے دیکھا۔[1]

---

[1] سنن الدارمي (۲۱۰) اسے امام البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ السلسلة الصحیحة (۲۰۰۵) عمرو بن یحییٰ، اس کے باپ اور دادا کے حالات (ص: ۸۵۱) کے حاشیے میں گزر چکے ہیں۔

تخریج: اسے ابن ابی شیبہ نے (۳۹۰۴۵) میں اور اسی واسطے سے ابن وضاح نے (البدع: ۲۵۵) میں نقل کیا ہے اور خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۱۲/۱۶۱) میں عمرو بن یحییٰ بن عمرو بن سلمہ حمدانی کے واسطے سے یہ روایت مختصر بیان کی ہے۔

شواہد: اسے عبدالرزاق نے (۵۴۰۸) میں ابن عیینہ، بیان بن بشر، قیس بن ابی حازم، سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے واسطے سے مختصر طور پر بیان کیا ہے اور اس روایت کی سند صحیح ہے اور ابن وضاح سے (البدع: ۲۷) میں منقول ہے کہ ہمیں موسیٰ بن معاویہ نے عبدالرحمٰن بن مہدی، امام سفیان، سلمہ بن کہیل، ابو الزعراء کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مسیب بن نجبہ عبداللہ کے پاس آیا۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

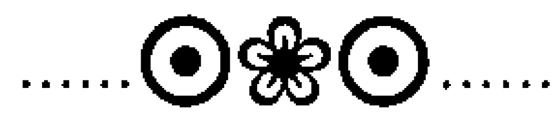
←

میں کہتا ہوں: یہ قصہ منحرف وبدعتی گروہوں کے بارے میں بیان ہوا ہے۔ جسے جاہلین اور غلو کرنے والوں نے ایجاد کیا اور وہ بدعتی طرز پر ذکر کرنے والا گروہ تھا، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ چند ہی سال میں یہ انحراف کس قدر بڑھ گیا تھا، حتی کہ ان کے کئی لوگ صوفی ہو گئے اور اکثر خوارج بن گئے۔

امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث اور قصہ سے یہ فوائد حاصل ہوتے ہیں کہ اچھا انجام کثرتِ عبادت سے نہیں، بلکہ اتباعِ سنت سے ہوتا ہے جو بدعت سے دور ہو۔

مزید یہ کہ چھوٹی بدعت بڑی بدعت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ جیسے آپ جانتے ہیں کہ ان حلقات کے لوگ ہی بعد میں خوارج بنے۔ جنھیں خلیفۂ راشد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ فهل من معتبر؟![1] (کیا کوئی ہے جو عبرت حاصل کرے!)

مزید یہ کہ حسنِ نیت اور پختہ ارادہ ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ اس کا اتباعِ سنتِ نبوی اور آپ کی دی ہوئی ہدایت کے ساتھ اتفاق بھی ضروری ہے، کیونکہ خوارج بھی اسی بنا پر راہِ راست سے بھٹک گئے تھے حالانکہ ان کا ارادہ خیر کا تھا۔



← ابو الزعراء سے مراد: عبداللہ بن ہانی الکندی ہے۔ وہ یہ روایت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کرتا ہے، نہ کہ میبّب بن نجبہ سے۔ میبّب کے حالات (ص: ۹۰) میں گزر چکے ہیں۔

موسیٰ بن معاویہ: ابو جعفر صمادحی افریقی، ابو العرب، ابن وضاح اور ابن لبابہ نے اس کی توثیق کی ہے اور امام ذہبی نے اپنی تاریخ میں کہا ہے: یہ محدث اور صدوق راوی ہے۔ طبقات علماء إفريقية لأبي العرب (ص: ١٠٦) تاريخ الإسلام (٤٢١/١٦) (٣٧٠/١٧) سير أعلام النبلاء (١٠٨/١٢)

[1] السلسلة الصحيحة (٢٠٠٥)

چھٹی فصل:

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی شہادت، اہلِ عراق کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام ومصر کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا بیان

اس فصل میں دو مباحث شامل ہیں:

پہلی بحث: امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت۔

[اس میں آٹھ مطالب ہیں]

دوسری بحث: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ عراق کا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا اور اہلِ شام ومصر کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا۔

[اس میں دو مطالب شامل ہیں]

پہلی بحث:

امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت

① سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم تھا کہ وہ شہید ہوں گے

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنے قاتل کا علم تھا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نعوذ باللہ عالم الغیب تھے، اگر آپ کو اس کا علم تھا یا تو انھیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا تھا۔ یا ان کی فراست تھی اور یہ مہارت بہت سے انسانوں کو ملتی ہے۔

[**512**] ابو طفیل بیان کرتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنی بیعت کے لیے بلایا تو عبدالرحمن بن ملجم مرادی[1] بھی آ گیا۔ اس نے پہلے تو دو مرتبہ بیعت کرنے سے انکار کیا، مگر پھر آپ کی بیعت کر لی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اس بد بخت کو کس چیز نے میری بیعت سے روکا؟ خبردار، یہ داڑھی اس مقام سے اس مقام تک رنگی جائے گی۔ پھر آپ نے یہ دو شعر پڑھے:

اُشْدُدْ حَيَازِيمَكَ لِلْمَوْتِ   إِنَّ الْمَوْتَ آتِيكَا

---

[1] تدؤلی حمیری خارجی تابعی انتہائی سخت جنگجو ہے۔ اس نے دورِ جاہلیت بھی پایا اور امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہجرت کی اور فتحِ مصر میں بھی شامل تھا۔ اس کے بعد یہ مصر میں ہی رہا اور مصر میں بنی تدؤل کا جنگجو تھا۔ قاریِ قرآن اور فقیہ تھا۔ اس نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قرآن بھی سنایا تھا، پھر یہ کوفہ میں شیعانِ علی رضی اللہ عنہ سے جا ملا اور کوفہ آ گیا اور معرکۂ صفین میں بھی شامل ہوا۔ یہ بد بخت انتہائی عابد اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار تھا مگر اس کے دل پر برائی کی مہر لگا دی گئی اور اس نے اپنے گمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کا تقرب پانے کے لیے امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے اپنے ہاتھ خون سے رنگ لیے۔ امام ابن حجر نے ''الإصابة'' میں کہا ہے کہ یہ شخص اس امت کا سب سے بد بخت انسان ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قتل کی بابت صحیح نص ثابت ہے۔ ۴۰ھ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اولاد نے اسے قتل کر دیا۔ دیکھیے: تاریخ الإسلام (٣/٦٥٣)، لسان الميزان (٣/٤٣٩) الإصابة (٥/١٠٩)، الأعلام للزركلي (٣/٣٣٩)

وَلَا تَجْزَعْ مِنَ الْقَتْلِ إِذَا حَلَّ بِوَادِيكَا[2]

''موت کے لیے کمر کس لو، یقیناً وہ تمھیں آ کر رہے گی۔ اور قتل سے خوف نہ کھاؤ، یہ تمھاری وادی میں اتر ہی آئے گا۔''

---

[1] ایک جزء ہے جس میں حافظ ابن دیزیل کی حدیث (۱۳) ہے۔ اس کی سند جید ہے۔ ابونعیم سے مراد: فضل بن دکین ہے اور ابوطفیل سے مراد: عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ صحابی رسول ہے۔

تخریج: الطبقات لابن سعد (۳۳/۳)، مقتل علي لابن أبي الدنيا (۳٦) اور شرح مشكل الاثار للطحاوي (۲۸۵) میں ابونعیم کے واسطے سے نقل کیا گیا ہے۔

ابو العرب نے ''المحن'' (ص: ۹۵) میں یحییٰ بن سلام بن ابی ثعلبہ کے واسطے سے روایت نقل کی ہے اور اسے امام طبرانی نے المعجم الكبير (١٦٩) میں محمد بن یوسف فریابی کے واسطے سے نقل کیا ہے اور ابو القاسم موسیٰ بن عیسیٰ بن عبداللہ بن طالجور سراج نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح تاريخ دمشق (٥٤٥/٤٢) میں بھی ابو یحییٰ اسحاق بن سلیمان عبدی رازی کے واسطے سے منقول ہے اور ابونعیم اصبہانی نے معرفة الصحابة (٧٤/١، رقم: ٢٣١) میں رحمہ بن مصعب کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ گذشتہ چار راوی (یحییٰ، فریابی، اسحاق اور رحمہ) یہ سب فطر بن خلیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابو العرب نے ابیات کا تذکرہ نہیں کیا۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر (١١٧١/١)

یحییٰ بن سلام بن ابی ثعلبہ کے حالات سير أعلام النبلاء (٣٩٦/٩) میں مذکور ہیں۔ دیکھیے: التذييل على كتب الجرح والتعديل (٧٩٣) اور موسیٰ سراج کو امام ازہری نے ثقہ قرار دیا ہے۔ تاريخ بغداد (٦٦/١٣) [(٧١/١٥) ط: بشار] تاريخ الإسلام (١٥٩/٢٧)

ابوبکر ابن ابی شیبہ نے مصنف ابن ابی شیبہ (۲۶۵۵۶) میں اور کتاب الأدب (۳۷۰) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں ابو اسامہ نے زکریا سے، انھوں نے ابو اسحاق سے، انھوں نے ہانی بن ہانی کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:... راوی نے دو اشعار کا تذکرہ کیا، ابو اسامہ سے مراد: حماد بن اسامہ ہے اور زکریا سے مراد: ابن ابی زائدہ ہے اور ابو اسحاق سے مراد: سبیعی ہے اور ہانی سے مراد: مستور ہے۔ التقريب (٧٢٦٤)

ابراہیم حربی نے غريب الحديث (٤٧٦/٢) میں ابوبکر ابن ابی شیبہ کے واسطے سے روایت نقل کی ہے اور ابن ابی دنیا نے المحتضرين (٥١) میں اور اسی واسطے سے ابن عساکر (۵۵۵/۴۲) نے نقل کیا ہے کہ ہمیں عبداللہ بن یونس بن بکیر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے علی بن ابی فاطمہ غنوی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے اصبغ حنظلی نے بیان کیا، اس کے بعد انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقتل کا قصہ ذکر کیا اور کہا کہ یہ اشعار آپ نے تب کہے جب ابن ملجم نے آپ پر حملہ کیا اور اس قصہ کے آخر میں ام کلثوم بنت علی کا تذکرہ ہے۔ اس روایت کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ علی بن ابی فاطمہ سے مراد: ابن الحزور ہے اور اصبغ سے مراد ابن نباتہ ہے، یہ دونوں راوی متروک ہیں۔

اسی طرح آپ کے بیٹے سیدنا حسن وحسین اور محمد رضی اللہ عنہم بھی آپ کے قاتل کے متعلق یا تو علم رکھتے تھے، یا انھیں اندازہ تھا کہ ایسا ہوگا۔ اگر انھیں علم تھا تو پھر انھیں ان کے ابا جان نے بتلا دیا ہوگا۔

اگلی روایت بیان کرتی ہے کہ محمد بن حنفیہ بھی آپ کے قاتل کو جانتے تھے، یہ ان کا اندازہ نہیں تھا، بلکہ انھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بتا رکھا تھا۔

[**513**] ابن سعد کی روایت ہے، محمد بن حنفیہ کہتے ہیں: ابن ملجم ہمارے پاس حمام میں آیا،[1]

← اور اسی باب کی ایک روایت ابن سعد نے الطبقات لابن سعد (٣٤/٣) میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف ابن أبي شيبة (٢٦٥٥٦) میں اور كتاب الأدب (٣٧١) میں نقل کی ہے کہ ہمیں ابو اسامہ حماد بن اسامہ نے یزید بن ابراہیم کے واسطے سے، انھیں محمد بن سیرین نے بیان کیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب نے ابن ملجم خارجی مرادی سے کہا:

أريد حباءه ويريد قتلي عذيرك من خليلك من مراد

''میں اسے بچانا چاہتا ہوں اور وہ مجھے قتل کرنا چاہتا ہے۔ تو کون ہے جو میرا عذر اس بارے قبول کرے گا؟!''

اس کی سند مرسل ہونے کے بنا پر ضعیف ہے اور اس کے تمام راوی شیخین کے شروط کے مطابق ثقہ ہیں۔ یہ اشعار عمرو بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کے ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی جیسے کہے ہیں۔

محاورہ کہا جاتا ہے: ''عذيرك من فلان'' یعنی ایسا بندہ لائیں جو فلاں کے سلسلے میں میرا عذر قبول کرے، جب میں اسے سزا دوں، یا وہ میری بجائے اسے ملامت کرے جب میں اس کو سزا دوں۔ دیکھیے: الأمالي المرزوقي (ص: ٩٥- ٩٦)، النهاية في غريب الحديث (١٩٧/٣)

پھر عبدالرزاق رحمہ اللہ نے یہ روایت مرسل اور متصل دونوں طرح بیان کی ہے:

عبدالرزاق نے اپنی کتاب مصنف عبدالرزاق (١٨٥٩٥) اور اسی واسطے سے ابن ابی دنیا نے ''مقتل علي رضي الله عنه'' (٣٧) میں بیان کیا، وہ کہتے ہیں: معمر نے ایوب سے بیان کیا، انھوں نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے۔

عبدالرزاق نے مصنف عبدالرزاق (١٨٦٧١) میں ابن عبدالبر کی سند سے نقل کیا ہے اور الاستيعاب (١١٦٢/٣) میں ابن سیرین عبیدہ سلمانی کے واسطے سے اس سند کے ساتھ مروی ہے جبکہ مرسل روایت بھی اس کے مشابہ ہے۔

اور محقق نے ابن ابی دنیا کی کتاب ''مقتل علي رضي الله عنه'' میں تصرف کیا ہے۔ اس میں لفظ ''عن عبيدة'' کو عبدالرزاق کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے سند کے اندر داخل کر دیا ہے اور اس بات کا لحاظ نہیں رکھا کہ عبدالرزاق نے یہ روایت دو طرح بیان کی ہے۔

[1] ''الحمام'': اس سے مراد ایسی عمارت ہے جہاں گرم پانی کے ساتھ غسل کیا جاتا ہے، اس کی ضرورت ٹھنڈے علاقوں میں پیش آتی ہے۔ عہدِ نبوی میں حجاز میں حمامات معروف نہ تھے، کیونکہ وہاں گرم موسم تھا جب صحابہ نے فتوحات کر لیں تو بعض صحابہ ان علاقوں میں آگئے۔ پھر یہ سوچ بتدریج ترقی کرتے ہمارے دور تک آن پہنچی اور اسے بطور علاج اور بطور خوبصورتی بنا لیا گیا۔

میں، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم، ہم تینوں حمام میں بیٹھے تھے کہ ابن ملجم بھی وہیں آ گیا، ان دونوں نے اس سے نفرت کا اظہار کیا اور اسے کہنے لگے: تیری ہمارے پاس آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ محمد بن حنفیہ کہتے ہیں: میں نے کہا کہ اسے چھوڑ دو، میری عمر کی قسم! یہ اس سے زیادہ تم سے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا۔ جس دن ابن ملجم قیدی بن کر آیا تو محمد بن حنفیہ کہنے لگے: اسے تو میں تب سے جانتا ہوں جب یہ ہمارے پاس حمام میں آیا تھا۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ قیدی ہے۔ اس کی اچھی مہمان نوازی کرو اور اسے بہترین جگہ پر ٹھہراؤ، اگر میں زندہ رہا تو اسے قتل کر دوں گا یا درگزر کر دوں گا۔ لیکن اگر میں مر گیا تو اس کو میرے قتل کے بدلے قتل کر دینا اور حد سے تجاوز نہ کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔[1]

راجح قول کے مطابق ابن ملجم حمام میں ان کے پاس جنگِ صفین سے پہلے آیا تھا، کیونکہ بعد میں تو وہ خوارج کا ساتھی بن کر الگ ہو گیا تھا۔

ان دونوں کے قول: ''تیری اتنی جرأت؟'' کا مطلب ہے کہ انھیں اس کا بلا اجازت وہاں آنا اچھا نہیں لگا۔ خصوصاً اس لیے کہ وہ خلیفہ کے بیٹے تھے۔

محمد بن حنفیہ کے قول: ''اسے چھوڑ دو میری عمر کی قسم!'' سے مراد یہ ہے کہ اس کی پروا نہ کرو۔

---

[1] الطبقات الکبری (۳/۳۵) اس روایت کی سند صحیح ہے۔

ربیع بن منذر ثوری کوفی ہے، امام عجلی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ کوفی اور ثقہ تھا اور ابن معین نے بھی اس کی توثیق کی ہے جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے اور امام بخاری نے اور ابن ابی حاتم نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے اور ابن حبان نے ''الثقات'' میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس کے بعد ابن ابی حاتم نے اس کا تذکرہ کیا اور اسے ربیع بن ثور ثوری کے نام سے موسوم کیا۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ مجھے یہ قصہ میرے باپ نے اسحاق بن منصور سے، انھوں نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا، وہ کہتے ہیں کہ ربیع بن ثور ثوری ثقہ راوی ہے۔ مزید دیکھیے: ثقات العجلي (٤٦١)، التاريخ الكبير (٣/٢٧٤)، الجرح والتعديل (٣/٤٧٠، ٤٥٥- ٤٥٦)، الثقات لابن حبان (٦/٢٩٧)، الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٤/٢٤٢) اور ابو الہیثم خالد بن مخلد قطوانی بجلی یہ صدوق راوی ہے اور متشیع تھا، اس کی روایت کی متابعت کی گئی ہے۔

محمد بن صلت سے مراد: ابن حجاج ابو جعفر کوفی اصم ہے اور ابن حنفیہ سے مراد: محمد بن علی بن ابی طالب ہے۔ یہ تابعی تھے ان کی نسبت ان کی ماں حنفیہ کی جانب کی جاتی ہے۔

تخریج: بلاذری نے أنساب الأشراف (٢/٥٠١- ٥٠٢) میں اور ابن عساکر (۴۲/۵۵۸) نے اسے ابن سعد کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

اللہ کی قسم! عنقریب یہ دوسری گستاخی بھی کرے گا، جو اس سے بھی بڑی ہوگی اور تمھیں اس کے بغیر اجازت داخلے سے بھی بری لگے گی۔ عنقریب یہ آپ کے والد کو قتل کر دے گا۔

رہا یہ قول: ''جب ابن ملجم کو قیدی بنا کر لایا گیا تو محمد بن حنفیہ کہنے لگے: میں تو اسے اس دن سے جانتا ہوں، جب یہ ہمارے پاس حمام میں داخل ہوا تھا۔'' یعنی مجھے یقین تھا کہ یہ میرے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرے گا۔ لہٰذا اس بارے میرے علم میں اضافہ نہیں ہوا، میں تو اسے تب سے جانتا ہوں جب یہ ہمارے پاس حمام میں بغیر اجازت آیا تھا۔ لہٰذا میری اس وقت اور اب کی معرفت برابر ہے۔

② سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اپنے متبعین سے اکتاہٹ اور اسی سبب کئی بار موت کی تمنا کا بیان

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اپنے متبعین اور خصوصاً اہلِ کوفہ سے اکتاہٹ کے بارے میں صحیح روایات موجود ہیں۔ حتی کہ وہ آپ سے اور آپ ان سے بغض رکھنے لگے۔ آپ رضی اللہ عنہ ان سے اور وہ آپ سے نفرت کرنے لگے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کی وجہ سے چار مرتبہ موت کی تمنا کی:

پہلا واقعہ:

[514] محمد بن بشار نے اپنے شیوخ سے ایک حدیث بیان کی، زہیر بن اقمر کہتے ہیں: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا کہ بسر بن ابی ارطاۃ[1] نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے حملہ کیا ہے اور میرا خیال ہے کہ ان کے باطل پر اجتماع کرنے اور تمھارے حق سے تفرقے کی بنا پر، نیز ان کی اطاعتِ امیر اور تمھاری امیر کی نافرمانی، نیز ان کی امانت اور تمھاری خیانتوں کی بدولت یہ قوم تم پر جلد غالب آجائے گی۔ میں نے فلاں کو عامل بنایا مگر اس نے مالِ غنیمت سے مال چرایا، غداری کی اور سارا مال معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔[2] حتی کہ اگر میں نے کسی کو ایک پیالہ بھی امانت کے طور پر دیا تو مجھے اس کے لٹکانے والی کھونٹی کا خدشہ لاحق رہا۔

---

[1] ایک مطبوع میں ''شر'' کی جانب تصحیف ہو چکی اور ''تاریخ دمشق'' میں اس کے درست الفاظ آئے ہیں۔ اس سے مراد بسر بن ابی ارطاۃ عامری قرشی ہے، یہ تابعی ہے۔ دیکھیے: جمهرة اللغة (۹۱۵/۲)

[2] سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول: ''میں نے فلاں شخص کو عامل بنایا تو اس نے دھوکا دہی اور غداری کر کے سارا مال معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔'' اس کا تکرار دو مرتبہ ہو چکا۔ ملاحظہ ہو: ''تاریخ دمشق'' اور ''مختصر تاریخ دمشق''

اے اللہ! میں نے ان سے اور انھوں نے مجھ سے بغض رکھا، لہٰذا تو انھیں مجھ سے اور مجھے ان سے راحت نصیب فرما۔[1]

یہ روایت اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہروان کے بعد اہلِ کوفہ کو وقتاً فوقتاً غزوۂ شام کی دعوت دی، مگر وہ اس سے بوجھل ہو گئے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔[2]

[**515**] ابو عثمان سعید بن محمد بن احمد البحیری[3] نے ''فوائد'' میں نقل کیا ہے جیسا کہ ''تاریخ دمشق'' میں ہے۔ زہیر بن اقمر زبیدی بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا اور کہا: مجھے خبر دی گئی ہے کہ بسر نے یمن پر حملہ کیا ہے[4] اور اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ یہ قوم تم پر بھی حملہ کرے گی۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ حق کے تم سے زیادہ قریب ہیں، مگر تم نے حق پر میری کبھی اطاعت نہیں کی، جیسے وہ باطل پر اپنے امام کی اطاعت کرتے ہیں۔ لیکن ان کے زمین میں امن کی بدولت اور تمھارے زمین میں فساد کی بدولت، ان کے امام کی اطاعت اور تمھارے امام کی نافرمانی کی بدولت، ان کی ادائیگیِ امانت اور تمھاری خیانتوں کی بدولت وہ تم پر غالب آ جائیں گے۔ میں نے فلاں بندے کو عامل بنایا مگر اس نے خیانت اور غداری کی اور سارا مال اٹھا کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔

---

[1] محمد بن بشار کا اپنے شیوخ سے حدیث روایت کرنا، ابو یعلیٰ موصلی کی روایت (۱۱۶، ح: ۳۴) اس سے مجلّہ ''احمدیہ'' (شمارہ نمبر: ۱۸) پر نقل کیا گیا۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ ابو داود سے مراد: سلیمان بن داود ہے اور عبداللہ بن حارث سے مراد زبیدی نجرانی کوفی ہے۔ یہ ثقہ راوی ہے۔ التقریب (۳۲٦۸)

تخریج: اسے ابن عساکر (۱/۳۱۹-۳۲۰) نے بندار کے واسطے سے بیان کیا ہے اور یہ واقعہ مختصر تاریخ دمشق (۱/۱۲۲) میں بھی ہے۔ دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاريخ دمشق (۲/۸۰۲) اور نهج البلاغة (۱/ ٦۳- ٦٦) خطبة (رقم: ۲۵)

[2] دیکھیے: [رقم: ۹۱] کے بعد کی تعلیق۔

[3] شیخ، جلیل، ثقہ، ابو عثمان سعید بن محمد بن ابی الحسین احمد بن محمد بن جعفر بن محمد بن بحیر بحیری نیشاپوری ہیں۔ عبدالغافر نے ''السياق لتاريخ نيسابور'' میں کہا ہے کہ یہ شیخ کبیر اور حدیث میں ثقہ تھے۔ ان کی وفات ۴۵۱ھ میں ہوئی۔

دیکھیے: سير أعلام النبلاء (۱۸/۱۰۳) التقييد لابن نقطة (۳۴۸) السياق لتاريخ نيسابور (۷۲۹) سے منتخب، تاريخ الإسلام (۳۰/۳۰٦)

[4] شیخ محمد عبدہ کہتے ہیں: یعنی یہ یمن میں پہنچے اور وہاں تمکنت حاصل کی اور اپنے لشکر کے بل بوتے پر اسے اپنی تحویل میں لے لیا۔ نهج البلاغة (۱/٦۴) اپنی شرح کے ساتھ۔

اللہ کی قسم! اگر میں نے کسی کو تم میں سے ایک پیالے کا بھی امین بنایا، تو مجھے خدشہ رہا کہ کہیں وہ اس کی کھونٹی لے کر نہ بھاگ جائے۔ اے اللہ! میں نے انھیں اور انھوں نے مجھے ناپسند کیا، میں ان سے اور یہ مجھ سے اُکتا گئے ہیں۔ اللہ! مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے راحت نصیب فرما۔ اس سے اگلے جمعہ سے قبل آپ کو شہید کر دیا گیا۔[1]

[**516**] امام ابن جوزی رحمہ اللہ سے منقول ہے، ہمیں عبدالوہاب بن مبارک[2] نے بیان کیا، زہیر بن ارقم یا ابن الاقمر کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا: مجھے خبر دی گئی ہے کہ بسر نے یمن پر حملہ کیا ہے اور اللہ کی قسم! مجھے یقین ہے کہ یہ قوم تم سے جیت جائے گی۔ اور غلبے کی وجہ فقط تمھاری نافرمانی اور ان کی اطاعت، نیز تمھاری خیانت اور ان کی امانت، اسی طرح تمھارا زمین میں فساد کرنا اور ان کا اصلاح کرنا ہے۔ میں نے فلاں بندے کو عامل بنایا مگر اس نے خیانت اور غداری کی اور سارا مال اٹھا کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ اللہ کی قسم! اگر میں نے کسی کو تم میں سے ایک پیالے کا بھی امین بنایا، تو مجھے خدشہ رہا کہ کہیں وہ اس کی کھونٹی لے کر نہ بھاگ جائے۔ اے اللہ! میں نے انھیں اور انھوں نے مجھے ناپسند کیا، میں ان سے اور یہ مجھ سے اُکتا گئے ہیں۔

---

[1] تاریخ دمشق (٥٣٥/٤٢) یہ روایت صحیح ہے اور اس روایت کی سند حسن ہے۔ اس کے متابعت نصر بن زیاد کی روایت سے کی گئی ہے۔ مجھے نصر بن زیاد کا ثقہ ہونا کسی کتاب میں نہیں ملا۔ اور ابن حبان نے "الثقات" میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ جریر سے مراد: ابن عبدالحمید ضبی ہے اور مختصر تاریخ دمشق (٨٤/١٨) میں دیکھیے۔ اسی طرح دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (١٣٨٦/٢)

[2] یہ شیخ، امام، الحافظ، المفید، ثقہ، مسند، بقیۃ السلف، ابوالبرکات عبدالوہاب بن مبارک بن احمد بن حسن بن بندار بغدادی انماطی ہیں۔ امام سمعانی کہتے ہیں: یہ حافظ ثقہ راوی اور متقی تھے، ان کی بہت سی مرویات ہیں۔ امام سلفی کہتے ہیں: یہ حافظِ حدیث اور ثقہ تھے اور انتہائی معروف تھے۔ ابن ناصر کہتے ہیں: آپ شیوخ میں سے باقی ماندہ تھے، بہت سے شیوخ سے سماع کیا، بہت روایات بیان کیں، گمنامی کی زندگی بسر کی، یہ ثقہ تھے، ساری زندگی کبھی شادی نہیں کی۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ میں ان پر قراءت کیا کرتا تو یہ مسلسل روتے رہتے تھے۔ میں نے ان سے روایت کرنے کی نسبت ان کے رونے سے کافی استفادہ کیا اور میں نے ان سے وہ نفع سمیٹا جو ان کے علاوہ میں نے کسی سے حاصل نہیں کیا۔ ان کی وفات ٥٣٨ھ ماہِ محرم میں ہوئی اور یہ سلف کے طریقہ کار پر چلنے والے تھے۔ دیکھیے: سیر أعلام النبلاء (١٣٤/٢٠) اور ان کے حالات و واقعات "الثقات ممن لم یقع في الکتب الستة" (٢/٧) میں ہیں اور اس میں ان کی سیرت کا بھی بیان کیا گیا ہے۔

اے اللہ! مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے راحت نصیب فرما۔ آپ دوسرے جمعہ سے قبل ہی شہید کر دیے گئے۔[1]

دوسرا واقعہ:

[**517**] معمر نے اپنی ''الجامع'' میں نقل کیا ہے، عبیدہ بیان کرتے ہیں: میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: اے اللہ! میں ان سے اور یہ مجھ سے اُکتا چکے ہیں۔ میں نے انھیں اور انھوں نے مجھے ملامت کی، لہٰذا تو مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے راحت نصیب فرما۔ تمھارے بدبخت کو کس نے اسے خون سے رنگنے سے منع کر رکھا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنا ہاتھ اپنی داڑھی پر رکھا۔[2]

تیسرا واقعہ:

[**518**] یعقوب بن سفیان سے منقول ہے، ابو صالح حنفی کہتے ہیں: میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو

---

[1] المنتظم لابن الجوزي (٥/١٦٣) اس روایت کی سند صحیح ہے۔ اس روایت کی نسبت امام ابن جوزی نے ابن انباری کی کتاب کی طرف کی ہے اور اس کتاب کے (ص: ۱۱) سے امام ابن جوزی نے اقتباس کیا ہے جس پر میں نے توقف کیا ہے۔ ابن جوزی ان دو اسناد کے ساتھ روایت کو بیان کرتے ہیں:
پہلی سند جیسا کہ اس روایت میں بیان ہے۔ دوسری سند بیان کرتے ہیں کہ ہمیں عبدالوہاب بن مبارک اور محمد بن ناصر نے بیان کیا، وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمیں ابوحسین بن عبدالجبار نے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابومحمد یحییٰ بن حسن بن مقتدر قاضی نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن سعید بن سوید نے یہ روایت بیان کی، البتہ اگر ان نصوص کی بات کی جائے تو یہ سب تاریخی روایات ہیں۔ ''مقتل علي رضی اللہ عنہ'' (٥/١٦٣- ١٧٤) اسی باب سے ہے: (۶/۱۷۴، ۲۴۸، ۳۴۲) (۷/۵)، ان سب میں حجاج بن یوسف کے بارے میں روایات آئی ہیں اور (۶/۲۱۹) میں عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کی وفات کا تذکرہ ہے اور (۶/۲۷۴) میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کی وفات کا تذکرہ ہے اور (۹/۱۳۳، ۱۴۳) میں برامکہ اور ہارون الرشید کے ساتھ ان کے حالات کا تذکرہ ہے اور (۱۰/۲۴۱) میں ہارون الرشید کا ابوعتاہیہ کے ساتھ کا قصہ ہے۔ لہٰذا یہ تاریخی کتاب ہوئی، یا روایات کے املاء کی مجلس۔ ابن ندیم نے ابن انباری کے حالات میں لکھا ہے کہ اس کی اکثر مجالس لغوی نحوی اور اخباری ہوتی تھیں اور اس کے پاس آنے والے اہلِ علم کی ایک جماعت نے اس سے یہ روایات سنیں ان میں ابوسعید دبیلی وغیرہ شامل ہیں۔ الفہرست (ص: ۱۰۲)
تخریج: امام ابن کثیر نے البداية والنهاية (٧/٣٦٠) پر یہ روایت امام اعمش کے واسطے سے نقل کی ہے۔

[2] جامع معمر (٢٠٦٣٧) اس روایت کی سند شیخین کی شروط پر صحیح ہے۔
تخریج: یہ روایت مصنف عبدالرزاق (١٨٦٧٠) میں معمر کے واسطے سے بیان ہوئی ہے اور ابن سعد (٣/٣٤) نے اور ابن أبي شيبة (٣٨٢٥٥) نے یہ روایت یزید بن ہارون، ہشام بن حسان، محمد بن سیرین کے واسطے سے بیان کی ہے۔

مصحف پکڑے دیکھا، آپ نے اسے سر پر رکھا، حتی کہ میں نے اس کے ورقات کو ہلتے دیکھا، پھر آپ فرمانے لگے: اے اللہ! انھوں نے مجھے اس میں موجود احکام کو امت میں رائج کرنے سے روکے رکھا۔ لہٰذا تو اس پر مجھے ثواب عطا فرما۔ پھر آپ فرمانے لگے: اے اللہ! میں نے انھیں اور انھوں نے مجھے ملامت کی۔ میں نے ان سے اور انھوں نے مجھ سے بغض رکھا اور انھوں نے مجھے اس پر مجبور کیا جو طبعی اور اخلاقی اعتبار سے میری طبیعت کے موافق نہ تھا، نہ ہی میری پہچان ایسی تھی۔ لہٰذا تو مجھے اس سے بہتر بدل دے اور انھیں مجھ سے زیادہ برائی میں بدل دے۔ اللہ! ان کے دل مردہ کر دے جس طرح نمک پانی میں جا کر مردہ ہو جاتا ہے۔ ابراہیم راوی کہتے ہیں: آپ کی مراد اہلِ کوفہ تھے۔[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول: ''اللہ! انھوں نے مجھے اس کے احکامات امت میں نافذ کرنے سے روکے رکھا، لہٰذا تو مجھے اس کے بدلے ثواب عطا فرما'' سے مراد مصحف ہے۔ اور ''جو اس میں ہے۔'' سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾

[الحجرات: ۹]

''اگر ان میں سے ایک دوسرے پر بغاوت کرے تو اس سے تب تک لڑو، جب تک وہ اللہ کے حکم کی طرف واپس نہ آجائے۔''

اور وہ کام جس سے انھوں نے منع کیا تھا، وہ باغی گروہ سے قتال تھا اور جس ثواب کی امید کی وہ باغی گروہ سے قتال کا ثواب ہے۔ کیونکہ انھوں نے اپنی نافرمانی کی بدولت اس سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منع کر رکھا تھا اور ممکن ہے کہ باغی گروہ کے ساتھ قتال کے علاوہ دیگر امور بھی ہوں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول سے اشارہ ملتا ہے کہ آپ کے نزدیک آیت میں جو امر نازل ہوا ہے وجوب کا فائدہ دے رہا ہے۔

---

[1] المعرفة والتاريخ (۷۵۱/۲) اس روایت کی سند صحیح ہے۔

تخریج: اسے ابن عساکر (۵۳۴/۴۲) نے یعقوب بن سفیان کے واسطے سے نقل کیا ہے اور ابن کثیر نے البداية والنهاية (۱۳/۸) میں یعقوب کے واسطے سے یہ روایت بیان کی ہے۔ ابو العرب نے المحن (۱۰۱) میں نقل کیا ہے کہ مجھے عیسیٰ بن مسکین نے سحنون کے واسطے سے، انھوں نے وہب بن منبہ کے واسطے سے، انھوں نے ہشام بن سعد کے واسطے سے، انھوں نے زید بن اسلم کے واسطے سے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مرسل بیان کی۔

اور جہاں تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اہلِ کوفہ کے لیے بد دعا کا تعلق ہے کہ ''انھیں میرے لیے مجھ سے بھی بدترین بدل دے۔'' تو یہ ایک عرصہ کے بعد قبول ہوگئی، جب زیاد بن ابیہ،[1] اور اس کے فرزند عبیداللہ بن زیاد،[2] اور حجاج بن یوسف[3] کوفہ کے والی بنے۔ پھر ان لوگوں نے اہلِ کوفہ پر ظلم کیا۔

آپ کی بد دعا: ''اے اللہ! ان کے دل مردہ کر دے جس طرح نمک پانی میں مردہ ہو جاتا ہے'' سے مراد دل کی موت ہے۔

اگلی روایت میں ہے: ''ان کے دل پگھلا دے'' مراد یہ تھا کہ ان کے دل اندھے کر دے، کیوں کہ دل کا پگھل جانا اس کی ہلاکت ہے تو وہ بغیر دل کے وہ سمجھیں گے۔ ان کے دل کی موت پر سب سے بڑی دلیل ان کی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف بیعت کرنے کے بعد خیانت کرنا ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہروان کے بعد اہلِ کوفہ کو وقتاً فوقتاً غزوۂ شام کی دعوت دیتے رہے مگر انھوں نے سست روی اختیار کی۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔[4]

---

[1] یہ عقلمند فاتح دستہ کے امیر تھے۔ الأعلام للزركلي (۵۳/۳) امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیاد قوی معرفت رکھنے والا، بہترین سیاست کرنے والا، صاحبِ بصیرت شخص تھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گروہ سے تعلق رکھتا تھا اور گھڑ سوار دستے کا امیر تھا، جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے الحاق کر لیا تو یہ آلِ علی اور آپ کے گروہ پر سختیاں کرنے لگا اور یہ وہی شخص ہے جس نے حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور اہلِ علم میں سے میں نے جس کے بھی کلام پر رسائی اور واقفیت حاصل کی ہے، اس کے کلام سے یہ بات عیاں ہوئی کہ زیاد ظلم و بربریت کے پہاڑ توڑتا تھا۔ اس کی وفات ۵۳ھ میں ہوئی، تب یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں عراق کا امیر تھا۔ تاریخی روایات میں اس کا تذکرہ انتہائی مشہور ہے۔ لسان الميزان (۲/ ۴۹۳- ۴۹۴)

[2] امیر فاتح، انتہائی بہادر، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۵۳ھ میں اسے خراسان کا والی مقرر کیا اور یہ ۲۰ برس تک اس عہدے پر فائز رہا۔ یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے اہلِ عرب میں سے نہرِ جیحون عبور کی اور بیکند وغیرہ کو فتح کیا۔ اس کے بعد ۵۵ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے بصرہ کا والی مقرر کر دیا اور یہ ۲۲ برس تک وہاں رہا۔ اس نے خوارج کے ساتھ جنگ کی اور ان سے سختی سے پیش آیا۔ اس کے بعد ۶۰ھ میں یزید نے اسے اس کے عہدے پر برقرار رکھا۔ عبیداللہ نے حسین رضی اللہ عنہ کو ۶۱ھ میں قتل کر ڈالا۔ عبیداللہ کی وفات ۶۷ھ میں ہوئی۔ دیکھیے: سير أعلام النبلاء(۵۴۵/۳) الأعلام للزركلي (۱۹۳/٤)

[3] ۷۴ھ کے بعد عبدالملک بن مروان کے عہدِ خلافت میں حجاج بن یوسف والیِ عراق بنا۔ حجاج بن یوسف کے والی بننے کے بارے میں [رقم: ۳۶۰] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

[4] دیکھیے: [رقم: ۹۱] کے بعد کی تعلیق۔

[519] بلاذری سے منقول ہے، ابو صالح بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مصحف اپنے سر پر رکھے دیکھا۔ اس کے ورقات ہل رہے تھے، آپ فرماتے تھے: اللہ! جو اس میں ہے، میں نے ان سے اس کا مطالبہ کیا مگر انھوں نے مجھے روک دیا۔ اے اللہ! میں ان سے اور یہ مجھ سے تنگ آ چکے ہیں، میں نے ان سے اور انھوں نے مجھ سے بغض رکھا اور انھوں نے مجھے میرے خلقی اور اخلاقی اوصاف کے خلاف محمول کیا جو میری اصل پہچان نہ تھا۔ لہٰذا تو مجھے ان کے بدلے ان سے بہتر لوگ عطا فرما اور انھیں میری جگہ پر مجھ سے بھی برا حاکم دے دے اور ان کے دلوں کو پانی میں نمک کے پگھلنے کی مانند پگھلا دے۔[1]

چوتھا واقعہ:

[520] سعد بن ابراہیم بیان کرتے ہیں، میں نے عبیداللہ بن ابی رافع کو بیان کرتے سنا: میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو لوگ آپ کے اردگرد جمع تھے، حتی کہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ٹانگ خون آلود کر دی۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے اللہ! انھوں نے مجھے اور میں نے انھیں ناپسند کیا۔ لہٰذا تو مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے راحت عطا فرما۔ عبیداللہ بن ابی رافع کہتے ہیں: اس شب کے بعد آپ زندہ نہ رہے۔[2]

راوی کا قول: ''لوگ آپ کے اردگرد اکٹھے تھے اور انھوں نے آپ کی ٹانگ خون آلود کر دی'' اس بات کی دلیل ہے کہ اہلِ کوفہ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی توقیر نہیں کرتے تھے۔

راوی کا قول: ''آپ فقط وہی رات زندہ رہے'' اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے آخری ایام میں اکثر موت کی تمنا کرتے تھے، اور آخری دن تک مسلسل یہی دعا دہراتے رہے۔

[521] سیدنا جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اہلِ کوفہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اردگرد اس قدر اژدہام کر رکھا تھا کہ انھوں نے آپ کی ٹانگ روند ڈالی، تو آپ فرمانے لگے: اللہ! یہ مجھ سے اور میں ان سے تنگ آ گیا ہوں۔ یہ مجھ سے اور میں ان سے نفرت کرتا ہوں۔[3]

---

[1] أنساب الأشراف (۳۸۳/۲) اس روایت کی سند صحیح ہے۔

[2] أنساب الأشراف (٤٨٨/۲) اس روایت کی سند صحیح ہے۔

تخریج: اسے ابن ابی شیبہ (۳۸۲۵۱) نے نقل کیا ہے کہ ہمیں غندر نے شعبہ کے واسطے سے یہ روایت بیان کی۔ ابن عساکر (۵۳۴/۴۲) نے نعیم بن حماد کے واسطے سے، انھوں نے ابراہیم بن سعد بن ابراہیم کے واسطے سے، انھوں نے اپنے باپ کے واسطے سے یہ روایت بیان کی کہ اس دن کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سر پر حملہ کر دیا گیا۔

[3] الآحاد والمثاني (١٥٦) (١٨٤) یہ روایت صحیح ہے اور اس کی سند جید ہے۔ جندب سے مراد: ابن عبداللہ بجلی ہیں۔

③ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قاتل اس امت کا بدبخت شخص ہوگا

[522] ابن سعد کی روایت ہے، عبیداللہ بن ابی رافع بیان کرتے ہیں: نبی ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! پہلوں اور آخر والوں میں سب سے بدبخت کون ہے؟ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے لوگوں میں بدبخت وہ تھا جس نے صالح کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں اور پچھلے لوگوں میں اس امت کا بدترین شخص وہ ہوگا جو تجھے قتل کرے گا۔ آپ نے مقامِ قتل کی طرف اشارہ بھی فرمایا۔[1]

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن ملجم شیعانِ علی رضی اللہ عنہ میں سے تھا اور کوفی تھا۔ وہ جنگِ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھا اور کوفہ تک آپ کے ساتھ رہا۔ پھر اسے ایک مکتوب ملا اور اس نے جو کرنا تھا وہ کیا۔ خوارج کے ہاں وہ اس امت کا افضل شخص تھا۔ اسی طرح فرقہ نصیریہ[2] اس کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ابن ملجم اہلِ زمین کا افضل ترین بندہ تھا۔ جس نے لاہوت[3] کی روح کو جسم کے اندھیروں سے اور اس کی گندگی سے نجات دلائی اور پاک کیا۔

مسلمانو اس جنون پر از حد تعجب کرو!!

---

① الطبقات الکبری (۳/۳۵) اس کے تمام طرق کو امام البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ السلسلة الصحيحة (۱۰۸۸)

② ''نصیریہ'' یہ باطنی فرقہ ہے جس کا ظہور تیسری صدی ہجری میں ہوا۔ اس فرقے کے معتقدین کو غالی شیعہ کہا جاتا ہے، جنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو معبود بنا کر آپ کی عبادت شروع کر دی تھی۔ اس سے ان کا مقصود اسلام کو منہدم کرنا اور اس کی کڑیوں کو بکھیرنا تھا اور وہ مسلمانوں کے خلاف ہر محاذ پر اسی تگ و دو میں رہے۔

نصیریہ کے عقائد:

- نصیریہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو اپنا معبود بنا لیا اور کہنے لگے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا روحانی ظہور ان کے فانی جسمانی جسد کے ساتھ یوں ہی ہے جیسے جبرائیل کا بعض اشخاص کی صورتوں میں ظہور ہوتا ہے۔
- سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ الٰہ کا ناسوت کی صورت میں اظہار اپنی مخلوق اور غلاموں کو مانوس کرنے کے لیے ہوا۔
- نصیریہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم سے محبت کرتے ہیں اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ اس نے لاہوت کو ناسوت سے نجات دلائی اور جو کوئی اس پر لعنت کرے اسے قصور وار ٹھہراتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة (۱/۳۹۰- ۳۹۲) اور آئندہ حاشیہ ملاحظہ کیجیے۔

③ ''لاہوت'' اِلٰہ اور الوہیہ۔ اس کے مدِ مقابل ناسوت آتا ہے۔ اس سے مراد انسانی مزاج ہے۔ معجم اللغة العربية المعاصرة (۳/۱۹۸۶، ۲۱۵۲) اور اس سے سابقہ حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

روافض کے ہاں ابن ملجم آخرت میں بدترین مخلوق ہوگا اور ہم اہلِ سنت کے ہاں وہ جہنم کا ایندھن ہے، البتہ ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کر سکتا ہے۔ ہم اس کے بارے میں خوارج اور روافض کی طرح نہیں کہتے اور اس کا حکم قاتلِ عثمان، قاتلِ زبیر، قاتلِ طلحہ، قاتلِ سعید بن جبیر، قاتلِ عمار،[1] قاتلِ خارجہ اور قاتلِ حسین رضی اللہ عنہم کی طرح ہے۔ ہم ان سب سے بری ہیں اور اللہ کی خاطر ان سے بغض رکھتے ہیں اور ان کے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔[2]

گذشتہ صفحات میں تفصیل گزر چکی ہے کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے خوارج کو کافر نہیں کہا، اگرچہ انھوں نے نہروان کے دن آپ سے جنگ کی، البتہ آپ انھیں گمراہ سمجھتے تھے۔[3]

④ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہروان میں فاتح ہوئے تو خوارج کے دلوں میں آپ سے حسد پیدا ہوگیا اور انھوں نے اپنی ہزیمت کا انتقام لینے کی ٹھان لی۔ اس قصے کا ما حاصل یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی خارجی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملے کا باعث نہروان میں خوارج کی شکست ہی تھی۔

۴۰ھ ۱۷/ رمضان، بروز جمعہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر نمازِ فجر کے لیے جاتے ہوئے حملہ ہوا اور آپ اس حملے کے دو دن بعد تک بقیدِ حیات رہے اور ۱۹/ رمضان المبارک کی رات کو داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے۔

یعنی ۱۷/ رمضان المبارک ۴۰ھ کو آپ رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا اور ۱۹/ رمضان المبارک ۴۰ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔ تب آپ کی عمر ۶۳ برس تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت چار سال اور نو ماہ پر محیط رہا۔ عنقریب آپ کے مقامِ تدفین کا بیان آئے گا۔[4]

ابن سعد کی ایک مقبول روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملے کے بیان میں ہے کہ ان سب نے ۱۷/ رمضان المبارک کی رات باہم مشورہ کیا۔ پھر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مکان کی جانب چلے گئے ....آپ جمعہ اور ہفتہ کی شب اس دنیا میں رہے اور ۱۹/ رمضان المبارک ۴۰ھ کو اپنے رب تعالیٰ سے جا ملے۔[5]

---

① راوی کا قول کہ ''عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل'' یہاں امام ذہبی رحمہ اللہ کو سہو ہوا ہے، اس کا جواب میں نے (ص: ۴۴۰-۴۴۳) دے دیا ہے۔

② الخلفاء الراشدون للذهبي (ص: ۲۸۷) تاريخ الإسلام (۳/۶۵۳)

③ دیکھیے: [رقم: ۸۳] اور اس سے پہلے اور بعد کی تعلیق۔

④ [رقم: ۵۳۲ تا ۵۳۶] ملاحظہ کیجیے۔ ⑤ دیکھیے: [رقم: ۵۲۶]

[523] ابو حجاج مزی سے منقول ہے، ابو طفیل، زید بن وہب اور امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ۱۸/ رمضان المبارک کو حملہ ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۱/ رمضان المبارک کو ہوئی۔ ①

جب کہ مورخین کے نزدیک یہ بات مشہور ہے کہ ۱۷/ رمضان کو آپ پر حملہ ہوا۔ بلاذری کہتے ہیں کہ یہی درست قول ہے۔ ②

[524] ابن سعد کی روایت ہے، ابو اسحاق فرماتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ ۶۳ برس کی عمر میں شہید ہوئے۔ ③

محمد بن عمر واقدی کا کہنا ہے کہ یہی ہمارے نزدیک ثابت ہے۔ ④

سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ، آپ کی وفات، آپ کے سنۂ وفات، مکانِ دفن ⑤ اور مدتِ خلافت ⑥ میں اختلاف ہے اور راجح وہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔

[525] امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ۱۷/ رمضان المبارک ۴۰ھ کو سحری کے وقت حملہ ہوا۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ ایک قول کے مطابق آپ پر ربیع الاوّل میں حملہ ہوا، جبکہ پہلا قول زیادہ صحیح اور مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔ آپ کو ۶۳ برس کی عمر میں کوفہ میں دفن کیا گیا۔ امام واقدی ابن جریر طبری اور کئی ایک نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ ایک قول کے مطابق وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۵ برس تھی۔ ایک اور قول کے مطابق آپ کی عمر ۶۸ برس تھی اور مدتِ خلافت چار سال اور نو ماہ رہی۔ ⑦

---

① تهذيب الكمال (٤٨٨/٢٠)

② أنساب الأشراف (٤٩١/٢)

③ الطبقات الكبرى (٣٨/٣) اس روایت کی سند متصل ہے اور تاریخی منہج کے موافق ہے اور آپ کی عمر کی تحدید میں ان سب روایات سے زیادہ صحیح ہے جن سے میں واقف ہوں۔ امام واقدی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ آئندہ حاشیہ ملاحظہ کیجیے۔
تخریج: اسے ابن عساکر (۵۷۲/۴۲) نے ابن سعد کے واسطے سے نقل کیا ہے اور بلاذری نے أنساب الأشراف (٤٩٨/٢) میں فضل بن دکین کے واسطے سے روایت نقل کی ہے۔

④ الطبقات الكبرى (٣٨/٣)

⑤ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جائے دفن کے بارے میں [رقم: ۵۳۲ تا ۵۳۶] دیکھیے۔

⑥ ابن عساکر نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حالات کے بارے میں بہت سے اقوال کا تذکرہ کیا ہے۔ تاریخ دمشق (٣/٤٢) اور اس کا بعض حصہ تهذيب الكمال (٤٨٨/٢٠) میں دیکھیے۔

⑦ البداية والنهاية (٣٦٦/٧)

[**526**] ابن سعد کی روایت ہے، خوارج نے تین لوگوں کو منتخب کیا: عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی، یہ حمیر سے تھا اور اس کا شمار مراد میں ہوتا تھا جو بنو جبلہ بن کندہ کے حلیف تھے، برک بن عبداللہ تمیمی اور عمرو بن بکیر تمیمی۔ یہ سب لوگ مکہ میں جمع ہوئے اور باہمی عہد کیا، نیز قسم کھائی کہ علی بن ابی طالب، معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو قتل کر دیں گے، تاکہ لوگ ان سے راحت پا سکیں۔ ابن ملجم کہنے لگا: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے میں نمٹ لوں گا۔ برک کہنے لگا: میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دوں گا اور عمرو بن بکیر نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو راستے سے ہٹانے کی ذمہ داری لی۔ انھوں نے باہمی معاہدہ کیا کہ کوئی بھی اپنے حریف سے تب تک پیچھے نہ ہٹے، جب تک وہ اپنے حریف کو موت کے منہ میں دھکیل نہ دے۔ انھوں نے ۱۷/ رمضان المبارک کی رات یہ منصوبہ بنایا۔ پھر ہر کوئی اپنے حریف کے شہر کی جانب روانہ ہو گیا۔ عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی کوفہ آ کر دیگر خوارج سے ملا، لیکن اس نے اپنا ارادہ ان سے چھپائے رکھا۔ وہ ابن ملجم کو دیکھتے رہے اور ابن ملجم انھیں دیکھتا رہا۔ وہ شبیب بن بجرہ اشجعی سے ملا اور اسے اپنے ارادے کی بابت آگاہ کیا اور اسے اپنا ساتھ دینے کی دعوت دی، تو شبیب نے اسے قبول کر لیا۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے تو آپ نے لوگوں میں منادی کی کہ لوگو! نماز کا وقت ہو گیا ہے، نماز ادا کرو۔ وہ ہر روز اسی طرح کرتے تھے، باہر نکلتے ان کے پاس ان کا کوڑا ہوتا اور وہ لوگوں کو جگاتے۔ دو آدمی ان کے سامنے آئے، حاضرین میں سے ایک کا بیان ہے کہ میں نے اس کی تلوار کی چمک بھی دیکھی اور میں نے ایک کہنے والے سے سنا کہ علی! یہاں اللہ کا حکم نافذ ہوگا، آپ کا نہیں۔ پھر میں نے دوسری تلوار دیکھی اور دونوں نے حملہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن ملجم کی تلوار ان کے سر پر لگی اور دماغ تک جا پہنچی اور شبیب بن بجرہ کی تلوار طاق میں پیوست ہو کر رہ گئی۔

راوی کہتے ہیں: میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تمھیں یہ شخص مارنے نہ پائے۔ اس پر لوگوں نے اس پر ہر طرف سے چڑھائی کر دی۔ شبیب تو بھاگ نکلا مگر عبدالرحمٰن بن ملجم پکڑا گیا۔ اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ واقدی کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن اور ہفتہ کی رات زندہ رہے اور ۱۹/ رمضان المبارک ۴۰ھ کو آپ اس دار فانی کو چھوڑ کر اپنے رب سے جا ملے۔[1]

---

[1] الطبقات الکبری (۳/۳۶- ۳۷) میں یہ بلا سند مذکور ہے اور یہ روایت جسے ہم نے بیان کیا مقبول ہے۔ عنقریب ابن ملجم اور شبیب کے حالات (ص: ۵۲۸) پر آ رہے ہیں۔

شواہد: یہ قصہ صحیح ہے اور یہ (ص: ۵۲۸) پر امام شعبی کی روایت میں آیا ہے۔

←

روایت کے الفاظ: ''انھوں نے باہمی عہد و پیمان کیا کہ ان تینوں کو قتل کر کے لوگوں کو سکون کا سانس لینے دیا جائے'' اس بات کی دلیل ہیں کہ خوارج انتہائی کند ذہن اور نالائق تھے، کیونکہ انھوں نے ایک مشکل کا حل دوسرے فتنے کی آگ کو بھڑکا کر سوچا۔ لہٰذا وہ اپنی بے وقوفی کی بنا پر ان تین ذوی العقل اور اصحاب الرائے شخصیات کے قتل کے سوا کوئی اور حل سوچ بھی نہ پائے۔

یہاں رُک کر میں ایک بات عرض کرنا چاہوں گا کہ جب مصائب وآلام گھیر لیں تو کم عقلوں، حکمت سے خالی لوگوں اور ناتجربہ کاروں کے حوالے ان پریشانیوں کی زمامِ کار نہیں تھمانی چاہیے۔ ورنہ مشکلات اور زیادہ بڑھ کر مزید پیچیدہ ہو جائیں گی۔[1]

خوارج کی بے وقوفی کا اندازہ لگایئے کہ انھوں نے اس گھناؤنے جرم سے اپنے ہاتھ رنگنے کے لیے دینی علامت کے مکان و زمان کو اختیار کیا۔ انھوں نے مکہ مکرمہ میں اس جرم کا منصوبہ بنایا اور اس کی عملاً تنفیذ ۱۷ر رمضان المبارک کو جمعہ کی رات میں ترتیب دی۔ اور غزوۂ بدر بھی اسی روز اور اسی تاریخ کو ہوا تھا۔[2]

[527] طبرانی کی روایت ہے، اسماعیل بن راشد بیان کرتے ہیں: برک بن عبداللہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں بیٹھ گیا۔ آپ جب نماز کے لیے نکلے تو اس نے حملہ کر دیا مگر آپ دوڑ کر پیچھے ہٹ گئے اور تلوار آپ کی سرین پر جا لگی۔ اسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر مار دیا گیا۔

← تخریج: اسے ابن عساکر (۴۲/ ۵۵۸) نے ابن سعد کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ بلاذری نے أنساب الأشراف (۴۸۹/۲) میں یہ قصہ نقل کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن سعد نے واقدی کے واسطے سے یہ روایت بیان کی۔ دوسری سند میں بیان کرتے ہیں کہ مجھے محمد بن سعد نے واقدی کے واسطے سے یہ روایت بیان کی کہ مجھے عباس بن ہشام کلبی نے اپنے باپ کے واسطے سے، انھوں نے لوط بن یحییٰ اور عوانہ بن حکم وغیرہ کے واسطے سے یہ روایت بیان کی۔

[1] میں نے یہ کلام شیخ سلیمان بن حمد العودہ کے پروگرام ''قناة المجد'' میں بعنوان: ''صحائف الضیاء'' سے اقتباس کیا ہے۔ اس حلقہ میں بطور مہمان میرے استاد شیخ دکتور خالد الغیث مدعو تھے اور حلقہ کا عنوان ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' تھا۔

[2] واقعۂ بدر بروز جمعہ ۱۷ر رمضان المبارک ۲ھ میں پیش آیا۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سب محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ واقعۂ بدر ماہِ رمضان المبارک میں ہوا۔ ابن عساکر کہتے ہیں: یہ بات محفوظ ہے کہ بروز جمعہ جنگِ بدر ہوئی اور ایک روایت میں آتا ہے کہ یہ سوموار کا دن تھا جبکہ یہ روایت شاذ ہے۔ جمہور کا کہنا ہے: یہ واقعہ ۱۷ر رمضان المبارک کو پیش آیا اور ایک دوسرا قول ہے کہ یہ واقعہ ۱۲ر رمضان المبارک کو پیش آیا۔ ان دونوں کے مابین تطبیق یوں ہے کہ صحابہ بغرضِ جنگ ۱۲ر رمضان المبارک کو نکلے اور ۱۷ر رمضان المبارک کو جنگِ بدر ہوئی۔ دیکھیے: تلخیص الحبیر (۲۸۶۳/۶- ۲۸٦٤)، تاریخ دمشق (۶۹/۳)

آپ نے اپنے طبیب ساعدی کو بلوایا۔ جب اس نے آپ کا معائنہ کیا تو کہنے لگا: آپ کی ضرب زہر آلود تھی، لہٰذا آپ دوطرح کے علاج میں سے ایک کا انتخاب کرلیں۔ یا تو میں لوہا گرم کر کے زخم کو داغ دوں یا پھر آپ کو ایک مشروب پینا ہوگا جس سے آپ شفا یاب تو ہو جائیں گے، صاحبِ اولاد مگر نہ ہوسکیں گے۔ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: مجھ سے زخم کو داغنا برداشت نہ ہوگا۔ جہاں تک بچوں کی بات ہے تو یزید، عبداللہ اور ان کی اولاد میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ طبیب نے آپ کو اس رات وہ مشروب پلایا، جس سے آپ شفا یاب ہو گئے مگر اس کے بعد آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوسکی۔ اس کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں حجرہ بنانے کا حکم صادر کیا اور اپنی حفاظت کے لیے بعض محافظ تعینات کر لیے۔

عمرو بن ابی بکر [1] تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی راہ میں اس رات گھات لگا کر بیٹھ گیا، جس رات سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا۔ مگر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پیٹ کی خرابی کے باعث باہر ہی نہیں آئے، آپ نے خارجہ بن حبیب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا جو آپ کا سپاہی تھا اور بنو عامر بن لؤی قبیلہ سے تھا، اسے لوگوں کی امامت کروانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ عمرو بن ابی بکر نے اس پر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سمجھ کر حملہ کیا اور اسے قتل کر دیا۔ لوگ اسے پکڑ کر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس لے آئے۔ جب اس نے دیکھا کہ لوگ انھیں اپنا امیر تسلیم کرتے ہیں تو کہنے لگا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ کہنے لگا: پھر میں نے کسے قتل کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ تو نے خارجہ بن حبیب کو قتل کیا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ اللہ کی قسم! اے فاسق! مجھے تو تجھ سے عداوت تھی۔ تو آپ نے فرمایا: تو مجھے قتل کرنے کے در پے تھا مگر اللہ نے موت خارجہ کے مقدر میں کر دی تھی اور اس نے خارجہ کو تیرے سامنے کر دیا اور تو نے اسے قتل کر ڈالا۔ [2]

---

[1] اسی طرح ہے، جبکہ امام طبری اور ہیثمی نے عمرو بن بکر کے الفاظ بیان کیے ہیں۔ سابقہ روایت میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اس کا نام عمرو بن بکیر تھا۔

[2] المعجم الکبیر (١٦٨) یہ روایت جسے ہم نے بیان کیا ہے اپنے قرائن کی بدولت مقبول ہے۔ عنقریب قسم ثانی میں یہ روایت [رقم: ٥٥٦] پر آ رہی ہے۔ اس روایت کی سند میں اسماعیل بن راشد کے علاوہ بقیہ تمام رجال ثقہ ہیں۔ اسماعیل بن راشد کے حالات [رقم: ٥٥٨] پر آ رہے ہیں۔ امام ہیثمی کہتے ہیں: امام طبرانی نے یہ روایت بیان کی ہے، یہ روایت مرسل ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ مجمع الزوائد (١٤٧٩١)

شواہد: برک بن عبداللہ کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملے کا قصہ انتہائی مشہور ہے۔ ممکن ہے مورخین اور اصحابِ تراجم اس پر مجتمع ہو جائیں اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ روایت صحیح ہے کہ آپ نے مساجد میں خیمے نصب کروا لیے تھے۔ مقصود آپ کا حملوں سے محفوظ رہنا تھا۔ ←

[528] ابو بکر بن ابی شیبہ سے منقول ہے، امام شعبی فرماتے ہیں: عبدالرحمٰن بن ملجم[1] اور شبیب اشجعی[2] نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو نمازِ فجر کے لیے جاتے ہوئے گھیر لیا۔ شبیب کی ضرب تو چوک کر دیوار پر جا لگی اسے ابوابِ کندہ پر گھیر لیا گیا۔ لوگ کہنے لگے کہ اس تلوار والے کو پکڑ لو۔ جب اسے پکڑا جانے کا خوف لاحق ہوا تو اس نے تلوار پھینک دی اور لوگوں کے ہجوم میں داخل ہو گیا۔

← صحیح مسلم (۳/۱۷) میں سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حجرہ میں نمازِ جمعہ ادا کی۔ البتہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر مصر میں حملہ ہونا، اس کے بارے میں کتبِ تراجم اور مورخین کا اتفاق ہے اور ان کا اتفاق وہی قرینہ ہے۔

تخریج: امام طبری نے تاریخ الطبري (۳/۱۵۵- ۱۵۹) میں بیان کیا کہ مجھے موسیٰ بن عبدالرحمٰن مسروقی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عثمان بن عبدالرحمٰن حرانی ابوعبدالرحمٰن نے اس سند کے ساتھ بیان کیا، ایک مطبوع نسخے کی سند میں تصحیف ہو چکی جسے میں نے درست کر دیا ہے۔

[1] اس کے حالات [رقم: ۵۱۲] پر گزر چکے ہیں۔

[2] اس سے مراد شبیب بن بجرہ اشجعی ہے۔ مجالد نے اس کے باپ کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ آئندہ حاشیہ ملاحظہ کیجیے۔

امام زرکلی کہتے ہیں: اکثر مورخین کا خیال ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مجروح کرنے کے بعد شبیب بھاگ کر لوگوں کے ہجوم میں داخل ہو گیا تھا اور اس نے اپنے نشانات مٹا ڈالے تھے۔ الأعلام (۳/۱۵۶) امام شعبی کی روایت بتلا رہی ہے کہ یہ سراسر خطا پر مبنی ہے۔ اسی طرح ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ اس نے اپنے آپ کو لوگوں کے ہجوم میں چھپا لیا تھا۔

البتہ خلیفہ نے تاریخ الخلیفة (۲۰۹) میں کہا ہے: [۴۹ھ میں شبیب بن بجرہ کا خروج۔ والیِ کوفہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں شبیب بن بجرہ اشجعی نے خروج کیا، تو سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کثیر بن شہاب حارثی کو اس کے پیچھے بھیجا جس نے آذربائیجان میں شبیب کو قتل کر ڈالا۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں: شبیب بن بجرہ خارجی تھا اور یہ ان لوگوں میں شامل تھا جو نہروان میں حاضر ہوئے۔ اس نے کوفہ میں سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے خلاف دار الرزق میں خروج کیا، پھر قتل کر دیا گیا۔] امام ذہبی رحمہ اللہ نے یہ قصہ اپنی التاریخ (۴/۱۹) میں مختصر بیان کیا ہے اور یہی قصہ أنساب الأشراف (۵/۱۶۶) میں قدرے تفصیل سے مذکور ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ تمام لوگوں کے سامنے شبیب کیسے ظاہر ہو سکتا ہے! حالانکہ اس نے امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قتل پر تعاون کیا تھا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما نے صلح سے قبل ہونے والی خون ریزی اور اتلافِ مال وغیرہ سب کچھ بھلا کر عام معافی پر رضا مندی ظاہر کر لی تھی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے قول: ''یہ امت اپنے ہی خون میں بہہ چکی۔'' پر تعلیق (ص: ۸۰۶) میں ملاحظہ ہو۔

اور عبدالرحمٰن بن ملجم نے تلوار سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سر کے ایک جانب حملہ کیا۔ اس کے بعد اسے باب الفیل کے پاس گرفتار کر لیا گیا۔ عریض یا عویض حضرمی نے اسے پکڑ لیا اور اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اگر میں مر جاؤں تو اسے قتل کر دینا یا پھر چھوڑ دینا۔ لیکن اگر میں بچ گیا تو پھر خود اس سے قصاص لوں گا۔[1]

[529] ابن ابی الدنیا سے منقول ہے، زحر بن قیس جعفی[2] کہتے ہیں: جس دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (٣٨٢٥٢) اس روایت کی سند حسن متصل تاریخی منہج کے موافق ہے۔

تخریج: مقتل علي رضي الله عنه لابن أبي الدنيا (ص: ١٧) اس روایت کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ مجالد بن سعید کے واسطے سے یہ روایت مرسل ہے۔

[2] امام عجلی نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور خطیب بغدادی نے ابن عدیم سے منقول روایت کی توثیق کی ہے۔ ابن ابی خیثمہ نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین کو کہتے ہوئے سنا، جب شعبی عن رجل کے واسطے سے روایت بیان کرے، پھر اس کا نام لے لے تو وہ ثقہ ہے اور اس کی حدیث حجت ہے۔ دیکھیے: النكت على مقدمة ابن الصلاح للزركشي (٣٧٢/٣)

یعقوب بن شیبہ بیان کرتے ہیں: میں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا: کوئی شخص کس طرح معروف ہوتا ہے، جب اس سے کتنے لوگ روایت کرنے لگ جائیں تو وہ معروف ہوتا ہے؟ تو امام یحییٰ بن معین فرمانے لگے: جب اس شخص سے ابن سیرین اور امام شعبی اور ان جیسے اہلِ علم روایت کرنے لگ جائیں تو وہ شخص مجہول نہیں رہتا، بلکہ معروف ہو جاتا ہے۔ دیکھیے: شرح علل الترمذي لابن رجب (٣٧٧/١) امام عجلی فرماتے ہیں: زحر بن قیس کندی کوفی تابعی اور ثقہ راوی ہے اور یہ کبار تابعین میں سے ہے۔ ملاحظہ ہو: الثقات للعجلي (٤٩٦)

ابن عدیم کہتے ہیں: ہمیں ابو الیمن زید بن حسن نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو منصور قزاز نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ زحر بن قیس جعفی کوفی تابعی اور ثقہ راوی ہے اور یہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اسے مدائن میں ایک جماعت کے پاس بھیجا تھا جو ان کے درمیان رابطہ اور وسیلہ بنا تھا۔ بغية الطلب في تاريخ حلب (٣٧٨٦/٨) ابن عدیم کی یہ نسبت "تاريخ بغداد" کی طرف ہے۔

میں (شمری) کہتا ہوں: یہ مکمل روایت تاريخ بغداد [(٤٨٩/٨) العلمية، (٥١٦/٩) بشار] پر مذکور ہے، البتہ اس میں یہ قول نہیں ہے کہ زحر بن قیس تابعی اور ثقہ راوی ہے۔ "تاريخ بغداد" کے کسی نسخے میں یہ بات آئی ہے کہ یہ روایت مثبت ہے مگر "تاريخ بغداد" کے محققین کو وہ نسخہ نہیں ملا اور ابن عدیم نے اس نص کا اقتباس کر کے اس کی سند "تاريخ بغداد" سے متصل کر کے ابو منصور ابن زریق قزاز کے واسطے سے نقل کی ہے۔

ابن عساکر نے اس روایت کو نقل کیا ہے، البتہ اس میں تابعی اور ثقہ راوی کے الفاظ نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمیں ←

ہوا میں اپنے خچر پر سوار ہو کر مدائن کی طرف چلا گیا۔ ابھی میں مدائن کے قریب ہی پہنچا تھا کہ اس کے باشندے میرے پاس آ کر کہنے لگے کہ اے شخص! تو کہاں سے آیا ہے؟ میں نے کہا: کوفہ سے، وہ کہنے لگے: کیا خبر ہے؟ میں نے کہا: امیر المومنین کو زخمی کر دیا گیا ہے، آپ نمازِ فجر کے لیے نکلے تو دو لوگوں نے آپ پر حملہ کیا۔ ایک کا تو نشانہ خطا ہو گیا مگر دوسرے نے آپ کے سر کو زخمی کر دیا ہے۔ کبھی کبھار انسان اس سے ہلکی چوٹ پر بھی موت کے منہ میں چلا جاتا ہے اور بعض اوقات اس سے بھی بڑے زخم کے باوجود زندہ رہتا ہے۔ وہ لوگ آپس میں جھگڑتے ہوئے کہنے لگے: اللہ کی قسم! اگر تو ۶۰ تھیلیوں میں بھی ان کی کھوپڑی لے آئے تو ہمیں یقین ہے کہ اہلِ عرب کو اپنے ماتحت کیے بغیر آپ مر نہیں سکتے۔ زحر بن قیس کہتے ہیں: میں مدائن میں داخل ہوا اور بعض گھروں میں قیام بھی کیا، حتی کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا مکتوب آن پہنچا، جس میں درج تھا کہ اللہ سے ڈرو اور تمھارے اوپر اپنے امیر کی سمع و اطاعت واجب ہے۔

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جن دو لوگوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا، وہ عبدالرحمٰن بن ملجم اور شبیب بن بجرہ تھے۔ شبیب نے آپ پر حملہ کیا، مگر اس کا نشانہ خطا ہو گیا۔ البتہ ابن ملجم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سر پر حملہ کر کے آپ کو شہید کیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے والا بنو صریم کا ایک شخص تھا۔ اس کا نام برک تھا۔[1] سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنو صریم کو حینِ حیات مال و متاع دینا اپنے اوپر حرام کر لیا۔[2]

← ابو الحسن ابن سعید اور ابو نجم بدر بن عبداللہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابوبکر خطیب نے یہ روایت بیان کی۔ تاریخ دمشق (١٨/٤٤٦) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابن زریق قزاز کے واسطے سے جو روایت بیان ہوئی ہے اس میں یہ زیادت ہے، البتہ ابن سعید اور ابو نجم سے مذکورہ روایت میں زیادت نہیں ہے۔

دکتور بشار عواد معروف ایک ایسے نسخے سے واقف ہوئے ہیں جس میں زحر بن قیس کا تعارف ابو منصور ابن زریق القزاز کی روایت میں آیا ہے لیکن اس میں مذکورہ زیادت نہیں ہے، یہ زیادت کسی دوسرے نسخے میں آئی ہے جس پر آپ واقف نہیں ہو سکے۔ واللہ اعلم۔ دیکھیے: تاریخ بغداد (١/١٩٧) ت: بشار.

[1] برک بن عبداللہ خارجی وہی شخص ہے جس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر حملے کی رات اس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سرین پر تلوار سے کاری ضرب لگائی۔ دیکھیے: المؤتلف والمختلف للدارقطني (١/٢٤٨) تبصير المنتبه (١/٧٨) الإكمال لابن ماكولا (١/٢٤٨) تاريخ دمشق (٥٩/١٤٣) توضيح المشتبه (١/٤٦٨)

[2] مقتل علي رضي الله عنه لابن أبي الدنيا (٩٦) [(ق ٢٤٤/أ) الظاهرية، مجموع: ٣٨٣١، العمرية: ٩٥] اس روایت کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

تخریج: امام بخاری نے التاريخ الكبير (٣/٤٤٥) میں یہ روایت معلق بیان کی ہے اور اسی واسطے سے ابن عساکر (١٨/٤٤٦) نے اور ابن عدیم نے بغية الطلب (٨/٣٧٨٥) میں یہ روایت نقل کی ہے۔ ←

[**530**] بلاذری سے منقول ہے، زحر بن قیس بیان کرتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر جب حملہ ہوا تو میں مدائن چلا آیا۔ راستے میں مجھے ایک شخص ملا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا خبر ہے؟ میں نے اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملے کی بابت بتایا تو وہ کہنے لگا: اگر تو ان کی کھوپڑی ایک تھیلی میں لے آئے تو بھی ہمیں یقین ہے کہ وہ لوگوں کو ڈنڈے کے زور پر ہٹائے بغیر مر نہیں سکتے۔[1]

[**531**] ابن ابی دنیا سے منقول ہے، زحر بن قیس بیان کرتے ہیں: سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے مجھے مدائن کی جانب بھیجا، ایک شخص (ابن سوداء ہمدانی جس کا نام عبداللہ بن سبا تھا) کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر میں

← فرماتے ہیں: محمد بن ابی بکر نے یہ روایت ابومحصن سے، انھوں نے حصین سے، انھوں نے شعبی سے روایت کی۔ شعبہ بیان کرتے ہیں: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تو میں مدائن چلا گیا، کیونکہ آپ کا خاندان وہاں تھا۔

[1] أنساب الأشراف (۲/۵۰۲- ۵۰۳) یہ روایت صحیح ہے۔

اور ہیثم بن عدی کے احوال کی بدولت اس روایت کی سند انتہائی ضعیف ہے، عمر بن بکیر اخباری اور ماہرِ نسب ہے۔ شیخ بکر ابوزید نے اپنی کتاب طبقات النسابین (٥٦٤) میں اس کے حالات کا تذکرہ کیا ہے اور متقدم کتب میں مجھے اس کے حالات نہیں ملے۔

تخریج: ابن ابی دنیا نے "مقتل علي رضی اللہ عنہ" (۹۷) اور خطیب بغدادی (۸/۴۹۰) نے اور اسی واسطے سے ابن عساکر (۱۸/۴۴۴) نے اور ابن عدیم نے بغیة الطلب (۸/۳۷۸۳) میں دو واسطوں سعید بن یحییٰ اموی قرشی سے، انھوں نے اپنے چچا عبداللہ بن سعید بن ابان اموی کوفی سے، انھوں نے زیاد بن عبداللہ بکائی سے بیان کیا کہ ہمیں مجالد بن سعید نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے امام شعبی نے یہ روایت بیان کی، البتہ اس کا متن مقلوب ہے۔ راوی نے زحر بن قیس کو علی رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر دینے والے کا استقبال کرنے والا ٹھہرایا جب کہ موت کی خبر دینے والا کوئی اور شخص تھا جس کا انھوں نے نام ذکر نہیں کیا۔ اسی طرح عبداللہ بن سبا کے نام کو عبداللہ بن وہب سبئی کی جانب تبدیل کر دیا گیا۔

اس کا متن بدلنے کا ذمے دار ''زیاد بکائی'' ہے۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مغازی میں صدوق اور مثبت راوی ہے اور ابن اسحاق کے علاوہ اس کی حدیث میں ضعف پایا جاتا ہے۔ ''مغازی'' سے ابن حجر رحمہ اللہ کا مقصود مغازی محمد بن اسحاق ہے۔ ابن معین نے مغازی ابن اسحاق میں اس کی روایت کی توثیق کی ہے اور اس کے علاوہ اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ روایت ہیثم بن عدی نے مجالد کے واسطے سے بیان کی ہے اور اس کے متن کے الفاظ کو نہیں بدلا، اسی بنا پر مجالد متن بدلنے سے بری ہے۔

ابن ابی دنیا نے "مقتل علي رضی اللہ عنہ" (۱۰۳) میں نقل کیا ہے کہ مجھے میرے باپ نے ہشام بن محمد کے واسطے سے، انھوں نے ابوعبداللہ جعفی کے واسطے سے روایت بیان کی، فرماتے ہیں: ہمیں عروہ بن عبداللہ نے زحر بن قیس کے واسطے سے یہ روایت بیان کی، اس سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قصہ کو زائد بیان کیا ہے جو صحیح نہیں اور اس میں ابن سبا کا نام تبدیل نہیں کیا گیا۔ عنقریب یہ نص اور اس کے راویوں کے حالات آئندہ روایت میں آرہے ہیں۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو ان کی قبر میں پڑا بھی دیکھ لوں تو بھی مجھے یقین ہے کہ آپ غالب ہونے تک وہاں نہیں جائیں گے۔"[1]

راوی کا قول: "سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حینِ حیات اپنے اوپر بنو صریم کو عطیات دینے حرام کر لیے" سے مراد یہ ہے کہ شاید سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مدت تک انھیں عطیات نہ دیے ہوں۔ جب تک آپ پر ان کی سازش سے براءت ثابت نہ ہوئی ہو۔ بعد میں آپ انھیں عطیات دینے لگ گئے ہوں۔

یہ صحیح روایت اس بات کی دلیل ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں مدائن رہتا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے وہاں جلا وطن کر دیا تھا اور یہ روایت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عبداللہ بن سبا نے جلا وطنی کے بعد اپنی پھرتی کا استعمال یہاں بھی کیا۔ اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خبر پورے مدائن میں نشر کر دی اور لوگوں کی ایک بڑی جماعت نے اس کی پکار پر لبیک کہا۔

روایت: "وہ باہم جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! اگر تو ان کی کھوپڑی بھی لے آئے۔" یہ سبائی لوگ تھے جن کا سردار عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔

یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ سبائیہ جب باہم جھگڑنے لگے تو ابن سبا نے ان میں ایک مقالہ نشر کر دیا، جو ان کے دلوں میں بیٹھ گیا کہ "اللہ کی قسم! اگر تو ان کی کھوپڑی بھی لے آئے۔" ابن سبا نے جب یہ پکارا تو لوگوں نے اس کی پکار پر لبیک کہا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سبائیہ قوم میں ابن سبا کا بڑا مقام تھا۔

⑤ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ اور تدفین

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ آپ کے لختِ جگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے چار تکبیرات کے ساتھ پڑھی اور نمازِ فجر کے بعد آپ کو کوفہ میں دفن کر دیا گیا۔

آگے [رقم: ۵۳۶] تک کے تمام اقوال کے مابین تطبیق یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی جامع مسجد کے قریب قصرِ امارت کے صحن میں دفن کیا گیا۔ واللہ أعلم.

[**532**] امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ کو کوفہ کے دارالامارہ میں اس لیے دفن کیا گیا، کیونکہ خدشہ لاحق تھا کہ کہیں خوارج آپ کا جسدِ خاکی باہر نہ نکال لیں۔[2]

---

[1] مقتل علي رضي الله عنه لابن أبي الدنيا (۱۰۳) [(ق ۲۴۵/ب) الظاهرية] یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے، کیونکہ اس کا اصل متن سابقہ دو روایات میں بیان ہو چکا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

[2] البداية والنهاية (۳۶۵/۷)

[533] ابن کثیر رحمہ اللہ کا ہی بیان ہے کہ لوگوں کے اقوال میں سب سے صحیح قول یہی ہے کہ آپ کو دار الامارہ کوفہ میں سپردِ خاک کیا گیا۔[1]

[534] امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جعفر بن محمد صادق کا قول ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ رات میں ادا کی گئی اور آپ کوفہ میں مدفون ہوئے۔ آپ کی قبر کی جگہ کو خفیہ رکھا گیا مگر وہ قصرِ امارت کے قریب تھی۔

ابن کلبی کا کہنا ہے کہ آپ کو دفن کرتے وقت سیدنا حسن وحسین، ابن حنفیہ، عبداللہ بن جعفر اور دیگر اہلِ بیت تھے۔ انھوں نے آپ کو کوفہ میں دفنایا اور آپ کی قبر کو خوارج اور دیگر لوگوں کے خدشے کے باعث خفیہ رکھا۔[2]

[535] ابوحسان زیادی[3] نے اپنی ''تاریخ'' میں نقل کیا ہے اور ''تاریخ بغداد'' میں بھی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جامع مسجد کوفہ کے قریب قصرِ امارت کے پاس رات کے وقت دفن کیا گیا اور آپ کی قبر کو پوشیدہ رکھا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ کو قصرِ امارت میں ہی دفن کیا گیا۔ ایک اَور قول ہے کہ جو جگہ آپ کی طرف منسوب تھی، آپ وہاں مدفون ہوئے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ آپ کناسہ[4] میں مدفون ہوئے۔[5]

---

[1] البداية والنهاية (١٦/٨) اس میں تھوڑا سا تصرف ہوا ہے۔

[2] البداية والنهاية (٣٦٦/٧)

[3] یہ امام علامہ حافظ قاضی بغداد حسن بن عثمان بن حماد بغدادی ہیں جو زیادی کے نام سے معروف ہیں، کیونکہ ان کے دادا نے امیر زیاد بن ابیہ کی ام ولد سے شادی کی تھی۔ خلیفہ متوکل کے عہدِ حکومت میں قاضی کے منصب پر فائز رہے۔ یہ رئیس محتشم انتہائی سخی ممدوح عالی مرتبت تھے۔ خطیب بغدادی کہتے ہیں کہ یہ ثقہ فاضلین علماء میں سے ایک تھے اور انتہائی معزز وکریم تھے۔ ان کی وفات ۲۴۲ھ میں ہوئی۔ دیکھیے: سير أعلام النبلاء (٤٩٦/١١)
ان کی ایک کتاب ''التاریخ'' کی خطیب بغدادی نے کافی مدح سرائی کی۔ دیکھیے: تاريخ بغداد (٣٦٨/٧) تاريخ دمشق (١٣٢/١٣) موارد الخطيب (ص: ١٣٠) موارد ابن عساكر (١٢١/١)

[4] یہ کوفہ میں ایک محلے کا نام ہے۔ معجم البلدان (٤٨١/٤)

[5] تاريخ بغداد (١٤٨/١) اور تاریخ ابوحسان زیدی۔ ان سے ابن عساکر نے دو واسطوں سے روایت نقل کی ہے۔ ایک واسطہ ان کا مباشر ہے اور دوسرا واسطہ خطیب بغدادی ہے جس کے ذریعے اس کی سند زیادی تک پہنچتی ہیں۔ البتہ جہاں تک اس کی بالمباشر نقل کا تعلق ہے تو اس کے لیے ''موارد ابن عساكر'' میں تفصیل ملاحظہ کیجیے۔
ابن عساکر کی خطیب بغدادی کے واسطے سے نقل کردہ روایت جو مجھے ملی ہے، وہ ۲۵ نصوص پر مشتمل ہے۔ دیکھیے: تاريخ دمشق (١٩٣/٧)، (٢٢١/١٠)، (٣٩٧/١٦)، (٣٣٨/٢٢)، (١٣٧/٢٤)، (٦٣/٢٨)، (١٨٢/٢٩، ٢٤٠)، (٦٨/٣١، ٣٧٢)، ←

[536] محمد بن سعد سے منقول ہے، امام شعبی بیان کرتے ہیں: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ چار تکبیرات کے ساتھ ادا کی اور نمازِ فجر سے لوگوں کی واپسی سے پہلے ہی آپ کو جامع مسجد کوفہ کے ساتھ ابوابِ کندہ کی طرف کھلے صحن میں دفن کر دیا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی تو لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت چار سال نو ماہ پر محیط رہا۔[1]

⑥ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا خطبہ

[537] ابن سعد سے منقول ہے، ہبیرہ بن یریم کہتے ہیں: میں نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا: اے لوگو! گزشتہ کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑ گیا ہے کہ پہلے لوگ اس سے سبقت لے گئے اور نہ ہی پچھلے لوگ اس کے مقام کو پاسکیں گے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم انھیں کسی بھی مہم پر روانہ کرتے تو آپ انھیں جھنڈا تھماتے اور وہ فتح یاب ہو کر واپس پلٹتے۔ جبرائیل ان کے دائیں اور میکائیل ان کے بائیں جانب ہوتے تھے۔ آپ نے ۷۰۰ دراہم کے سوا کوئی سونا چاندی اپنے بعد نہیں چھوڑا۔ یہ ۷۰۰ دراہم جو آپ کی عطا سے بچ گئے، آپ ان سے بھی خادم خریدنے کا ارادہ رکھتے تھے۔"[2]

← (۲۹۸/۳۲)، (۴۴۳/۳۳)، (۴۲۷/۳۵)، (۶۰/۳۶)، (۳۰۳/۳۷)، (۵۶۶/۴۲)، نصيبن (۶۸/۴۵) (۱۴۹/۴۹)، (۳۸۰/۵۰)، (۲۳۲/۵۱)، (۱۳۹/۵۳، ۴۱۷)، (۴۲۳/۶۳)، (۳۰۷/۷۱)

دکتور اکرم بن ضیاء عمری نے اس کتاب کے بارے میں اپنی قیمتی آراء کا تذکرہ کیا ہے۔ دیکھیے: موارد الخطیب في تاریخ بغداد (ص: ۱۳۰)، موارد ابن عساکر في تاریخ بغداد (۱۲۱/۱)

تخریج: اسے ابن عساکر (۵۶۶/۴۲) نے خطیب بغدادی کے واسطے سے اپنی سند زیادی تک پہنچائی ہیں۔

[1] الطبقات الکبری (۳۷/۳- ۳۸) اس روایت کی سند حسن لغیرہ ہے۔

تخریج: ابن ابی دنیا نے "مقتل علي رضی اللہ عنہ" (۹۷) میں روایت بیان کی ہے کہ مجھے ابو عبدالرحمٰن قرشی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عبیدہ بن اسود ہمدانی نے عبدالسلام بن ابی المسلی کے واسطے سے، انھیں بیان نے امام شعبی کے واسطے سے یہ روایت بیان کی کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ چار تکبیرات کے ساتھ پڑھائی۔

[2] الطبقات الکبری (۳۸/۳) اس روایت کی سند حسن ہے۔ ہبیرہ بن یریم میں کوئی حرج نہیں، اس پر تشیع کا الزام ہے۔ (التقریب: ۷۲۶۸) اس کے بعض شواہد جو صحیح ہیں، ان کا بیان عنقریب [رقم: ۵۳۹] پر آ رہا ہے۔

تخریج: امام ابن حبان نے (۶۹۳۶) پر ابن نمیر کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے۔ امام احمد (۱۷۱۹) نے اس روایت کو نقل کیا ہے کہ ہمیں وکیع نے شریک کے واسطے سے، انھوں نے ابو اسحاق کے واسطے سے یہ روایت بیان کی۔ ←

[538] امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے، عمرو بن حبشی بیان کرتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: کل تمھیں ایک ایسا شخص داغِ مفارقت دے گیا ہے۔ جس کے علم کا مقابلہ نہ پہلے لوگ کر سکے اور نہ اس کا ادراک بعد والوں کو ہو گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی مہم پر بھیجتے وقت فتح کا جھنڈا انہی کو تھماتے تھے اور آپ فتح یاب ہونے تک واپس نہ آتے تھے۔ آپ نے ۷۰۰ درہم کے علاوہ کوئی سونا یا چاندی نہیں چھوڑی۔ آپ ان دراہم سے اپنے گھر کے لیے خادم خریدنا چاہتے تھے۔[1]

الفاظِ حدیث کی توجیہ:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے علم کی فضیلت کا تذکرہ کیا، جیسا کہ ابن حبشی کی روایت میں واضح طور پر آیا ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ سچے عالم اور فقیہ تھے اور یہ روایت اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ عالم الغیب تھے یا آپ غیب کے علم کا دعویٰ کرتے تھے جیسا کہ اہلِ بدعت اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اور اس امکان کا بھی ردّ نہیں کرتی کہ بعض صحابہ کے پاس وہ علم بھی تھا کہ جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس نہ تھا۔ مثلاً سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تفسیر کا، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس روایات کا اور سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے پاس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رازوں کا علم تھا۔

جہاں تک دینی فضیلت کا تعلق ہے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں اس کا ذکر نہیں کیا، بلکہ آپ نے علم کی فضیلت ذکر کی اور دین کی فضیلت اسی ترتیب سے ہے۔ پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ہے۔ علم، گھڑ سواری، معرفتِ مال وتجارت وغیرہ میں فضیلت سے، دین میں بھی افضل ہونا لازم نہیں آتا۔

← امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔ اس کی تخریج اسی کتاب میں اور السلسلة الصحيحة (۲٤۹٦) میں ملاحظہ ہو۔ اسے ایک جماعت نے ابو اسحاق کے واسطے سے اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اس نے یہ روایت ابو اسحاق کے واسطے سے، انھوں نے عمرو بن حبشی کے واسطے سے بیان کی، فرماتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا۔ اگر یہ روایت محفوظ ہے تو یہ روایت اس کی متابعت کر رہی ہے۔ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا یہ خطبہ جسے مجاہیل نے روایت کیا ہے اور اس میں کئی منکر الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ اسی طرح یہ روایت کذاب متروک اور ضعیف راویوں نے بیان کی ہے جس میں انھوں نے کئی چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔ میں نے ان کے طرق اور الفاظ کو ذکر کرنے سے اعراض کیا ہے۔

[1] مسند أحمد (۱۷۲۰) یہ حدیث حسن ہے، سابقہ روایت دیکھیے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے بعض شواہد بھی ہیں:

[539] ابو یعلیٰ سے منقول ہے، ابو صالح حنفی بیان کرتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کے رسول نے مجھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بدر والے دن فرمایا: تم میں سے ایک کے ساتھ جبرائیل علیہ السلام اور دوسرے کے ہمراہ میکائیل علیہ السلام ہیں اور اسرافیل علیہ السلام عظیم فرشتے ہیں۔ وہ جنگ میں حاضر ہوتے ہیں، یا جنگ میں شریک ہوتے ہیں۔[1]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خطبے کے جو طرق اور الفاظ درست نہیں:

یہاں میں سیدنا حسن رحمہ اللہ کے خطبے کے ان طرق کا ذکر کروں گا جو ثابت نہیں۔ ان میں کچھ نئے الفاظ بڑھائے گئے ہیں۔ میں نے ان کا تذکرہ اس لیے کیا ہے تاکہ انھیں بھی جانا جا سکے۔

[540] امام حاکم رحمہ اللہ سے منقول ہے، معتمر بیان کرتے ہیں: مجھے میرے باپ نے بتایا، ہمیں حریث بن مخشی[2] نے بیان کیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ۲۱ر رمضان المبارک کو حملہ ہوا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا۔ تب آپ خطبہ میں مناقبِ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کر رہے تھے۔ فرمایا: سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ اس دن ہوا جس دن قرآن نازل ہوا۔ جس رات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو سیر کروائی گئی اور جس رات سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کی گئی۔

---

[1] مسند أبي يعلىٰ (٣٤٠) اس روایت کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام رجال شیخین کے شروط کے مطابق ثقہ ہیں۔ ابو صالح حنفی سے مراد عبدالرحمٰن بن قیس کوفی ہیں۔

تخریج: یہ روایت امام احمد (۱۲۵۷) نے اور امام حاکم (۴۴۳۰)، (۴۶۵۳) نے مسعر کی سند سے نقل کی ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے مگر شیخین (امام احمد اور امام حاکم رحمہما اللہ) نے اسے نقل نہیں کیا۔ امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔ امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: السلسلة الصحيحة (٣٢٤١)

[2] القيسي، ابن حبان نے اسے ”الثقات“ میں ذکر کیا ہے اور فرماتے ہیں: یہ جنگِ جمل میں شامل ہوا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔ اس کا شمار اہلِ بصرہ میں ہوتا ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک نے اس سے روایت نقل کی ہے۔ الثقات (١٧٤/٤).

امام ابن حبان نے ذکر کیا ہے کہ حرب بن مخشی بصری ہے، یہ جنگِ جمل میں شامل ہوا، سلیمان تیمی نے اس سے روایت کی ہے اور یہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا ساتھی تھا۔ الثقات (١٧٣/٤) ان دونوں کو ابن قطلوبغا نے الثقات (٣٢٥/٣، ٣٣٢) میں نقل کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ ابن حبان کے علاوہ کسی نے بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا البتہ صرف حریث میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

راوی کہتے ہیں: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی نمازِ جنازہ ادا کی۔[1]

[541] ابو یعلیٰ سے منقول ہے، جعفر اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ نے اللہ کی تحمید و توصیف کی۔ پھر آپ فرمانے لگے: جس رات قرآن نازل ہوا، تم نے اس رات ایک بندے کو قتل کیا۔ اسی رات سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا رفعِ آسمانی ہوا، اور اسی شب سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی یوشع بن نون علیہ السلام کو قتل کیا گیا۔[2] دیگر بے بنیاد اور کمزور طرق کو اس کی حیثیت واضح ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا۔

---

① المستدرك (٤٦٨٨)، [طبعة دارالتأصيل (٤٧٤٧)] اس روایت کی سند ضعیف ہے اور اس کے متن میں نکارت پائی جاتی ہے۔ حریث بن مخشی کے علاوہ اس کے بقیہ تمام رجال ثقہ ہیں۔ حریث بن مخشی کا تذکرہ ابن حبان نے "الثقات" میں کیا ہے۔ یہ مجہول الحال راوی ہے، اس کی کوئی ایسی متابعت نہیں جو اس کے الفاظ کے لیے معتبر ہو۔
امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ روایت صحیح الاسناد ہے البتہ شیخین نے اسے نقل نہیں کیا اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔

② مسند أبي يعلىٰ (٦٧٥٧) اس روایت کی سند منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہے اور اس کے متن میں نکارت پائی جاتی ہے۔ زین العابدین نے یہ واقعہ نہیں پایا۔ اگر اس کے دادا سے مراد حسین ہوں تو یہ روایت مرسل ہے۔ امام ذہبی نے باقر کے حالات میں کہا ہے کہ اس نے یہ روایت اپنے دونوں دادوں سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے مرسل بیان کی ہے۔ سير أعلام النبلاء (٤٠١/٤)
جعفر سے مراد جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں۔ امام ابو یعلیٰ (٦٧٥٨) نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہمیں ابراہیم بن حجاج نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں سکین نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے خالد بن جابر کے واسطے سے، انھوں نے اپنے باپ سے، انھوں نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بیان کی۔ اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ بنی اسرائیل کی توبہ قبول کر لی گئی اور راوی بیان کرتے ہیں: اللہ کی قسم! اس سے پہلے اس کام میں کبھی کسی نے سبقت نہیں کی، پھر راوی نے ہبیرہ بن یریم کے مثل روایت ذکر کی، اس روایت کی سند ضعیف ہے اور اس کے متن میں نکارت پائی جاتی ہے۔
خالد کا تذکرہ امام بخاری رحمہ اللہ نے "التاريخ الكبير" (١٤٣/٣) میں اور ابن ابی حاتم (٣/٣٢٣-٣٢٤) نے کیا ہے، البتہ دونوں نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔ امام ابن حبان نے اسے الثقات (٢٥٢/٦) میں نقل کیا ہے۔ اس کے باپ کا نام جابر تھا، مجھے اس کے حالات نہیں مل سکے۔ خالد بن جابر کی وہ روایت جسے ابن کثیر نے تاریخ ابن کثیر (٣٦٧/٧) میں نقل کیا ہے، نہایت غریب ہے اور اس میں نکارت پائی جاتی ہے۔
اور سکین کی روایت کی سند میں اختلاف منقول ہے۔ دیکھیے: التاريخ الكبير (٣٦٢/٢)، مقتل علي رضي الله عنه لابن أبي الدنيا (١٠٠) مسند البزار (١٣٤٠) تاريخ الطبري (١٦٤/٣) الذرية الطاهرة للدولابي (١٣٢)، المعجم الأوسط (٨٤٦٩) ←

⑦ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف

اس معاملے میں ایک روایت آئی ہے جو میری اس کتاب کی شرط کے مطابق نہیں، مگر میں نے محض معرفت کی غرض سے اسے ذکر کر دیا ہے:

[**542**] مغیرہ بیان کرتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو موصول ہوئی تب آپ اپنی شریکۂ حیات فاختہ بنت قرظہ[1] کے ہمراہ کھڑے تھے۔[2] آپ "إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون" پڑھتے ہوئے بیٹھ کر رونے لگے۔ آپ کی زوجہ فاختہ کہنے لگی کہ کل تک تو آپ انھیں ناپسند کرتے تھے اور آج انہی پر آنسو بہا رہے ہیں؟ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: تجھ پر افسوس! میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ لوگ علم وحلم سے محروم ہو گئے۔[3]

← المطالب العالية (٤٤٤٨، ٤٤٤٩) مناقب علي رضي الله عنه لابن المغازلي (١٥) السلسلة الصحيحة (٢٤٩٦) اور ضعیف تاريخ الطبري (٨/٨٨٧) پر دونوں محققین نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

بزار کہتے ہیں کہ ہمارے علم کے مطابق اس روایت کو اس سند میں ان الفاظ کے ساتھ سوائے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کسی نے بیان نہیں کیا۔ اس کی سند درست ہے اور سکین بن عبدالعزیز سے حفص بن خالد کے علاوہ کسی نے روایت بیان کی ہو، ہمارے علم میں نہیں۔

[1] فاختہ بنت قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف بن قصی بن کلاب قرشیہ، سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی زوجہ تھیں۔ انھوں نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر غزوہ قبرص لڑا۔ اس سے قبل سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کی بہن کنود سے شادی کی تھی۔ بعد میں آپ نے فاختہ سے نکاح کر لیا۔ دیکھیے: تاريخ دمشق (٧٠/٦) الإصابة (٨/٤٧) ان کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو: الاستيعاب (٤/١٩٣١) الإصابة (٨/١٨٩) ام حرام بنت ملحان کا تعارف۔

[2] ابن عساکر نے اسی طرح کہا ہے یعنی "قائم"، جبکہ یہ "قائل" ہے جس سے قیلولہ مراد ہے۔
میں (شمری) کہتا ہوں: اس کا بیان آئندہ روایت میں آیا ہے۔

[3] الجزء التاسع من الفوائد المخرجة من مسموعات الشيخ الزكي، أبي عثمان سعيد بن محمد بن أحمد بن محمد جعفر البحيري (ق٦٣/أ) [الظاهرية، مجموع رقم ٣٨١٠ عام - مجاميع العمرية ٧٤] دیکھیے۔
اس روایت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے رونے کا تذکرہ ہے مگر مجھے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے رونے کی کوئی صحیح روایت نہیں مل سکی۔ اس روایت کے بارے میں سکوت اختیار کیا گیا ہے اور اس کی سند مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔ اس کے رجال یوسف بن موسیٰ ابو یعقوب کوفی قطان کے علاوہ شیخین کے شروط کے مطابق ثقہ ہیں۔ ←

[543] مغیرہ بیان کرتے ہیں: جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر ملی تو آپ اپنی شریکۂ حیات بنتِ قرظہ کے ہمراہ قیلولہ فرما رہے تھے۔ آپ نے "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھا کہ لوگوں نے علم وفضل اور خیر وفقہ کو کھو دیا۔ آپ کی بیوی کہنے لگی: کل تک تو آپ ان کی آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے اور آج آپ انہی پر "إنا لله" پڑھ رہے ہیں؟ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: تیرے لیے بربادی ہو! کیا تجھے پتا نہیں کہ ہم نے آپ کا علم اور آپ کی فضیلت کھو دی ہے۔[1]

⑧ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اپنے بعد کسی کو خلافت دینے کی وصیت کی نفی کا بیان

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد بطور خلیفہ کسی کو نامزد نہیں کیا اور نہ ہی آپ نے کسی کے بارے میں اس کی وصیت فرمائی۔ بلکہ آپ نے یہ معاملہ مسلمانوں کے سپرد کر دیا، کہ وہ بخوشی جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔

← یہ امام بخاری کے رجال میں سے ہے۔ ابن حجر نے اسے صدوق قرار دیا ہے اور "تحرير التقريب" میں آیا ہے کہ بلکہ یہ ثقہ راوی ہے۔ دیکھیے: التقريب (٧٨٨٧)

تخریج: یہ روایت ابن عساکر نے (۴۲/۵۸۲-۵۸۳) پر ابو عثمان بحیری کے واسطے سے نقل کی ہے۔ موارد ابن عساکر (١٣٨٦/٢) دیکھیے اور امام حنبل بن اسحاق نے اپنی تاریخ میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔ اسی طرح تاريخ دمشق (٥٨٣/٤٢) میں بھی یہ روایت آئی ہے کہ ہمیں اسحاق بن اسماعیل نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں جریر نے یہ روایت بیان کی۔ ملاحظہ ہو: موارد ابن عساكر (١٧١٢/٣)

اسحاق بن اسماعیل سے مراد ابو یعقوب طالقانی یتیم ہے۔ یہ ثقہ راوی ہے البتہ جریر سے اس کے اکیلے سماع کرنے کے بارے میں کلام کیا گیا ہے۔ (التقريب: ٣٤١) ابو قاسم عبید اللہ بن محمد بن احمد بن جعفر بغدادی سقطی نے "فضائل أمير المؤمنين معاوية بن أبي سفيان رضی اللہ عنہ" (ق٨/أ) [الظاهرية، عام ٤٤٣٩] میں یہ روایت نقل کی ہے اور مطبوعہ مؤسسة حمادة بتحقيق عصام هزايمة (رقم: ٢٩) اور اسی واسطے سے ابن عساکر (۱۴۲/۵۹) نے اسحاق بن محمد بن اسحاق سوسی کی سند کے ساتھ جریر بن عبد الحمید کے واسطے سے یہ روایت بیان کی اور اس میں یہ بیان ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ رونے لگے اور "إنا لله وإنا إليه راجعون" پڑھنے لگے تو آپ کی شریکۂ حیات کہنے لگی، آپ اس شخص کی خاطر آنسو بہا رہے ہیں جس سے آپ جنگ کرتے رہے۔ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے سوسی کے بارے میں کہا ہے کہ اس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں کئی موضوع روایات نقل کی ہیں جنھیں عبید اللہ بن محمد بن احمد سقطی نے اس سے روایت کیا ہے یا تو یہ متہم بالکذب ہے یا اس کے شیوخ مجہول ہیں۔ لسان الميزان (٣٧٤/١)، البداية والنهاية (١٥/٨)، (١٣٩/٨) میں ایک روایت آئی ہے۔ اور دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (١٨٥٩/٣)

[1] دیکھیے: مقتل علي رضی اللہ عنہ لابن أبي الدنيا (١٠٦) جیسا کہ گذشتہ صفحات میں یہ روایت گزر چکی ہے۔ اور ابن عساکر (۵۸۳/۴۲) نے ابن ابی دنیا کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے۔

[544] امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے، عبداللہ بن سبع کہتے ہیں: میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: اس داڑھی کو اس خون سے ضرور رنگا جائے گا، [1] ایک بدبخت اور شقی انسان میرا منتظر ہے۔ لوگ کہنے لگے: امیر المومنین! آپ ہمیں اس کی بابت بتا دیجیے، ہم اسے قتل کیے دیتے ہیں۔ تو فرمایا: تم میرے قاتل کے علاوہ کسی اَور کو قتل کر بیٹھو گے۔

لوگ کہنے لگے: پھر آپ ہمارا خلیفہ مقرر کر دیں؟ فرمایا: نہیں، میں تمھیں اس راہ پر چھوڑ کر جا رہا ہوں جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا تھا۔ [2]

لوگ کہنے لگے: آپ رب کے پاس جا کر کیا کہیں گے؟ امام وکیع کی روایت میں ہے: جب آپ اپنے رب سے ملاقات کریں گے تو اس سے کیا کہیں گے؟

فرمانے لگے: میں کہوں گا کہ اے اللہ! تو نے جتنی دیر بہتر سمجھا، مجھے ان کے درمیان رکھا پھر تو نے میری روح قبض کر کے اپنے پاس بلا لیا، اس کے بعد تو ان کا نگہبان تھا۔ اگر تو چاہے تو ان کی اصلاح فرما دے اور اگر تو چاہے تو ان میں فساد برپا کر دے۔ [3]

---

[1] یعنی آپ کے سر کے خون سے داڑھی رنگی جائے گی۔

[2] اس سے مراد شوریٰ ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، مگر آپ نے کسی کو بھی خلافت کی وصیت نہیں کی اور اس کا معاملہ مسلمانوں کی شوریٰ پر چھوڑ دیا، جس پر مسلمانوں نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

[3] مسند أحمد (۱۰۷۸) شعیب ارناؤط نے اس روایت کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے اور امام البانی رحمہ اللہ نے ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا، آپ ہمارا خلیفہ مقرر کر دیجیے تو آپ فرمانے لگے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا۔'' کے الفاظ کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے: ظلال الجنة (۵۵۲/۲، رقم: ۱۱۵۸)

اسی باب کی ایک روایت جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: جب میرے باپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تو میں آپ کے پاس آیا، لوگوں نے آپ کی مدح سرائی کی اور کہنے لگے: اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اس پر راغب بھی ہوں اور راہب بھی۔ لوگ کہنے لگے: آپ ہمارا خلیفہ مقرر کر دیجیے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ کیا میں زندہ رہ کر اور مر کر بھی تمھارے معاملے کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا لوں، میری تو خواہش ہے کہ میرا معاملہ میرے لیے کافی ہو جائے۔ اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کروں تو مجھ سے پہلے نے خلیفہ مقرر کیا اور وہ مجھ سے بہتر تھا۔ آپ کی مراد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور اگر میں تمھیں اسی حال میں چھوڑ جاؤں تو تمھیں اس ہستی نے بھی اسی حال پر چھوڑا جو مجھ سے بہتر تھی آپ کی مراد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا تو مجھے یہ بات معلوم ہوگئی کہ آپ اپنے بعد خلیفہ منتخب نہیں کریں گے۔

[545] فضیل بن مرزوق کہتے ہیں: میں نے عمر بن علی اور حسین بن علی، جعفر کے دونوں چچاؤں[1]، سے سوال کیا: کیا تم اہلِ بیت میں سے کوئی ایسا شخص ہے جس کی اطاعت کرنا فرض ہو؟ تم اسے اس طرح پہچانتے ہو اور جو کوئی اس سے پہچانے بغیر مر جائے تو وہ جاہلیت کی موت مرے؟ انھوں نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! ہم میں ایسا کوئی شخص نہیں جس کسی نے ایسا کہا اس نے جھوٹ کہا اور وہ کذاب ہے۔ میں نے عمر بن علی سے کہا: اللہ آپ پر اپنی رحمت کا نزول کرے! یہ ایک منزل ہے، لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وصیت کی تھی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو وصیت کی، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو، حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے علی بن حسین کو اور علی بن حسین نے اپنے بیٹے محمد بن علی کو وصیت کی تھی۔ عمر بن علی کہنے لگے: اللہ کی قسم! میرے والد اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے مگر انھوں نے مجھے دو حرفوں کی بھی وصیت نہیں کی۔ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، اللہ انھیں غارت کرے! یہ ہمارے نام سے کھانا کھاتے ہیں، یہ خنیس، وہی خنیس حر، خنیس حر کون ہے؟[2] میں نے کہا: یہ معلیٰ بن خنیس ہے۔ کہا: جی ہاں، معلیٰ بن خنیس، بخدا میں نے اپنے بستر میں بڑی دیر تک تفکر کیا، میں ایسے لوگوں پر تعجب کرتا رہا جن کی عقلوں کو اللہ نے بند کر دیا ہے، یہاں تک کہ ان کو معلیٰ بن خنیس نے گمراہ کر دیا۔[3]

---

[1] یہ دونوں یعنی عمر بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب صدوق فاضل ہے اور یہ چھوٹا عمر ہے۔ اس کا بھائی حسین بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب صدوق مقل ہے۔ اور جعفر سے مراد: ابن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہیں جو امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے نام سے معروف ہیں۔ یہ صدوق اور فقیہ امام تھے۔

[2] عمر بن علی کو اس کے نام کے ضبط میں تردّد ہے۔ فضیل نے اسے یہ نام یاد کروایا اور امام ابن حجر عسقلانی نے لسان المیزان (٦/٦٣) پر معلیٰ بن خنیس کوفی کا تذکرہ کیا ہے اور فرماتے ہیں: یہ کبار روافض میں سے تھا۔
ابن سعد کے الفاظ ہیں: یہ ناپاک خنیس ہے۔ ناپاک خنیس کیا ہے؟ میں نے کہا معلیٰ بن خنیس فرمایا: ہاں، معلیٰ بن خنیس۔
حسین ساعدی نے "معلى بن خنيس شهادته ووثاقته ومسنده" کے عنوان سے ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں کئی تناقضات کا بیان ہے۔ اس کے مولف نے اس قصہ کو (ص: ٣٩-٤٠) پر نقل کیا ہے، پھر تقیہ کر کے اس کی تفسیر کی ہے۔ نسأل الله العافية.
معلیٰ بن خنیس کذاب ہے اور یہ ان لوگوں میں شامل ہے جو اہلِ بیت پر جھوٹ و افتراء گھڑتے ہیں۔ معلیٰ کے زعم کے مطابق اس نے کاظم سے روایت کی، حالانکہ جب اس کا قتل ہوا تو کاظم کی عمر چھے برس تھی۔ دیکھیے: أصول مذهب الشيعة (٣٩٧/١)

[3] جزء محمد بن عاصم الثقفي الأصبهاني (ص: ٤١) اس روایت کی سند حسن ہے۔ فضیل بن مرزوق صدوق راوی ہے۔ وہم کا شکار ہو جاتا ہے اور اسے شیعہ کہا گیا ہے۔



← **تخریج**: یہ روایت ابن عساکر (۳۹۲/۴۱) نے اور امام مزی نے تهذيب الكمال (۳۹۵/۲۰) میں اپنی دونوں سندوں کے ساتھ **محمد بن عاصم** کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے اور یہ روایت مختصر تاريخ دمشق (۲٤۲/۱۷) میں بھی آئی ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے جو روایت لسان الميزان (٦٣/٦) میں **محمد بن عاصم** کے واسطے سے **معلیٰ بن خنیس** کے حالات کے بارے میں اختصار کے ساتھ بیان کی ہے۔ یہ روایت ابن سعد نے الطبقات (۳۲٤/٥) میں **شباب بن سوار** کے واسطے سے نقل کی ہے۔

دوسری بحث:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ عراق کا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اور اہلِ شام و مصر کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا

① سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ عراق کا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اہلِ عراق نے بطور خلیفہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت کر لی۔ یہ تب کی بات ہے جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ۴۰ھ ۲۱/ رمضان المبارک میں دفن کر کے فارغ ہو گئے تھے۔

امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سپردِ خاک کرنے کے بعد واپس پلٹے اور لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دی، تو انھوں نے آپ کی بیعت کر لی۔[1]

پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے ایک دن بعد لوگوں کو خطبہ دیا جس کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: کل تم سے ایک شخص بچھڑ گیا ہے۔[2]

② اہلِ شام و مصر کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا

اہلِ شام کو رمضان گزرنے سے قبل ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبریں موصول ہو گئی تھیں، تو انھوں نے ۴۰ھ رمضان میں ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ اب خلافت کے معاملے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بابت ہمیں کوئی تنازع درپیش نہیں ہو گا۔

---

① دیکھیے: [رقم: ۵۳۶]

② دیکھیے: [رقم: ۵۳۷، ۵۳۸]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں: اسی سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایلیاء کے مقام پر بیعت کر لی گئی، یعنی جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو اہلِ شام نے بطور امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، کیونکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر کوئی نزاع باقی نہ رہا تھا۔[1]

اسی طرح امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا ہی بیان ہے کہ ابن اسحاق اور جمہور کے درست قول کے مطابق ۴۰ھ رمضان المبارک ہی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایلیاء میں بیعت کر لی گئی تھی، کیونکہ اہلِ شام کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر مل چکی تھی۔[2]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت دو مرتبہ کی گئی:

پہلی مرتبہ ماہِ رمضان المبارک میں دمشق میں آپ کی بیعت کی گئی۔ دوسری مرتبہ ایلیاء کے مقام پر کی گئی۔ دونوں ۴۰ھ ہی میں ہوئیں۔

رمضان المبارک میں دمشق میں اہلِ دمشق اور اس کے گرد ونواح کے لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ شام کے اربابِ حل وعقد آپ کے پاس آئے تو آپ بسترِ مرض پر تھے۔ انھوں نے خلافت پر آپ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد اہلِ شام کے اطراف نے اور اہلِ مصر نے آپ کی جانب مراسلات اور قاصد بھیجے کہ وہ آپ کی بیعت تسلیم کرتے ہیں۔ یہ پہلی بیعت تھی۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مصر پر تو پہلے ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اقتدار تھا، لہٰذا یہ بدیہی بات ہے کہ وہ سب یا اس کے اکثر لوگ آپ ہی کی بیعت کریں گے۔

اہلِ شام اور مصر کے گرد ونواح کے لوگوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بالمشافہہ ملاقات کر کے آپ کی بیعت کا ارادہ کیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو ماہ کے لیے وفود سے ملاقات کو ملتوی کر دیا۔ اس کا سبب آپ پر ہونے والا حملہ تھا تا کہ زخم مندمل ہو جائے۔ وفود سے ملاقات آپ نے ذی الحجہ میں بیت المقدس میں ایلیاء کے مقام پر مقرر کی، تو ذوالحجہ ۴۰ھ میں آپ رضی اللہ عنہ ایلیاء کی جانب روانہ ہوئے۔

وہاں آپ نے اہلِ شام اور مصر سے ملاقات کی۔ یہاں ان شہریوں نے ذوالحجہ کے آخر میں آپ کی عمومی بیعت کی۔ یہ دوسری بیعت تھی۔

ذوالحجہ میں ایلیاء جانے کے متعلق ہم نے تخمینہ لگایا ہے، کیونکہ حملے کی وجہ سے آپ کا ذوالحجہ سے

---

[1] البداية والنهاية (١٧/٨)

[2] البداية والنهاية (١٣٩/٨)

قبل نکلنا ممکن نہیں تھا کیوں کہ یہ ممکن نہیں کہ آپ ذوالحجہ کے بعد نکلے ہوں، کیونکہ مورخین کے صحیح اقوال ہیں کہ آپ کی ایلیاء میں بیعت ۴۰ھ میں ہوئی۔[1]

طبرانی کی روایت کے مطابق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اسی برس ایلیاء پہنچے، یعنی ۴۰ھ میں آپ ایلیاء آئے۔ طبرانی کی مذکورہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پہلی بیعت کے بعد ایلیاء روانہ ہوئے۔ لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ پہلی بیعت دمشق میں ہوئی۔

پھر مجھے ایک روایت ملی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں دفعہ بیعت شام ہی میں ہوئی۔ دوسری بیعت عام تھی اور یہ ذوالحجہ میں لی گئی تھی۔

[**546**] ابوبکر ابن ابی دنیا نے "تاریخ الخلفاء" میں نقل کیا ہے، جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں ہے: اہلِ کوفہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کی اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ شام ومصر نے ایلیاء کے مقام پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور یہ دوسری بیعت عام الجماعہ ۴۰ھ ماہِ ذوالحجہ کے آخر میں جمعہ کے روز بیت المقدس میں لی گئی۔ اس کے بعد سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما ۴۱ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوفہ سے متصل ایک مقام پر ملے۔ جہاں ان کی باہم صلح ہوئی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔[2]

روایت میں ایلیاء کا ذکر ہے، لیکن شاید درست بات یہ ہے کہ وہ دمشق گئے ہوں۔ ورنہ اس کے بعد بیت المقدس کو ذکر کرنے کا کیا فائدہ؟ کیونکہ یہ دونوں نام ایک ہی شہر کے ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے قول پر تبصرہ:

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: درست رائے جو ابن اسحاق اور جمہور کی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ۴۰ھ رمضان میں ایلیاء کے مقام پر کی گئی۔ جب اہلِ شام کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔[3]

---

(1) ملاحظہ ہو: [رقم: ۵۵۶]

(2) ملاحظہ ہو: تاریخ دمشق (۱۳/۲۶۱- ۲۶۲) یہ روایت مقبول ہے۔

شواہد: دیکھیے: [رقم: ۱۲۴]، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کی مسکن میں بیعت کے بارے میں جاننے کے لیے [رقم: ۵۶۲] ملاحظہ فرمائیے۔ اس مطلب کے تمام نتائج وہ قرائن ہیں جو اس روایت کی تائید کر رہے ہیں۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۱/۱٦۵)

تخریج: تهذيب الكمال للمزي (٦/٢٤٤)، البداية والنهاية لابن كثير (٨/٤٥)

(3) البداية والنهاية (٨/١٣٩)

اسی طرح ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت رمضان میں ایلیاء کے مقام پر کی گئی۔ اس کا جواب دو جہات سے دیا گیا ہے:

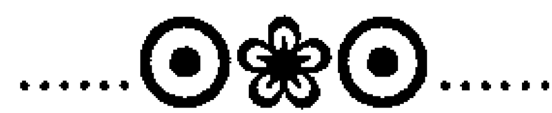
1 طبرانی[1] کی روایت سے اشارہ ملتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر پہلا حملہ ماہِ رمضان میں دمشق میں کیا گیا، اور آپ پر حملہ انہی دنوں ہوا تھا جن دنوں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ہوا تھا، تو ابن کثیر رحمہ اللہ نے پھر ایلیاء جانے کا ذکر کیسے کر دیا؟

مزید یہ کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ حملے کے بعد اسی ماہِ رمضان میں دمشق کو چھوڑ کیسے سکتے ہیں؟

2 طبرانی کی روایت ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے حملے کے بعد ہی ایلیاء کی طرف گئے۔[2] تفصیل اس کی یہ ہے کہ امام طبرانی نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملے کا ذکر کیا ہے، پھر ذکر کیا ہے کہ اس کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایلیاء تشریف لے گئے۔ طبرانی میں ہے: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو ۱۲ ہزار لوگوں کے ساتھ بھیجا، اسی برس سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نکلے اور ایلیاء آ کر ٹھہر گئے،[3] اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نکل کر مدائن کے سفید محلات میں خیمہ زن ہوئے۔[4]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے دونوں دفعہ کی بیعت کو خلط ملط کر دیا ہے۔ دمشق کی بیعت رمضان المبارک میں اور ایلیاء کی بیعت ذوالحجہ میں ہوئی تھی۔

ہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ شام کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے متعلق بہت سی روایات ذکر کر دی ہیں۔[5]



---

[1] چند صفحات بعد دوسری وجہ میں اس کے الفاظ عنقریب آ رہے ہیں۔

[2] المعجم الکبیر (١٦٨) میں یہ قصہ انتہائی مفصل بیان ہوا ہے۔ یہ دو اقسام میں منقسم ہے: پہلی قسم میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملے کا تذکرہ ہے، جسے ہم [رقم: ۵۲۷] پر ذکر کر آئے ہیں۔ دوسری قسم میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا تذکرہ ہے۔ اس کا ذکر ہم دوسری قسم میں [رقم: ۵۵۶] کر چکے ہیں۔

[3] یعنی اس سے مراد ۴۰ھ ہے جس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔

[4] دیکھیے: [رقم: ۵۵۶]

[5] [رقم: ۱۰۶] اور اس کے بعد دیکھیے۔

ساتویں فصل:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور عامۃ الناس کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ۴۱ھ میں بیعت کرنا اور پھر سے فتوحات کے شروع ہونے کا بیان

اس میں سات مباحث شامل ہیں:

پہلی بحث: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے تک کے واقعات کی ترتیب۔

دوسری بحث: وہ شروط ومبادی جن کی بنا پر سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح ہوئی۔

[اس میں دو مطالب شامل ہیں]

تیسری بحث: صلح کی راہ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے تک کے اقدامات۔

[اس میں چھے مطالب شامل ہیں]

چوتھی بحث: باہمی اتحاد کے بعد فتوحات کا دور دورہ۔

پانچویں بحث: سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی صلح کی روایات سے مستنبط فوائد۔

چھٹی بحث: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے حوالے سے اہلِ عراق کے موقف۔ [اس میں دو مطالب شامل ہیں]

ساتویں بحث: صلح سے قبل اور بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو جن قاتلانہ حملوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان کے اہداف ومقاصد کیا تھے۔

۴۱ھ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا اور پھر سے فتوحات کا سلسلہ شروع ہونا

میرے استاد فضیلۃ الشیخ دکتور خالد بن محمد الغیث کا ایک رسالہ ہے، جس کا عنوان: "مرویات خلافة معاویة رضی اللہ عنہ في تاریخ الطبري" (تاریخ طبری میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مرویات) ہے۔ اس کی فصلِ ثانی میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے اور مراحلِ صلح کا بیان ہے۔ آپ نے اس رسالے میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اس فصل میں جو روایات آئی ہیں وہ صحیح حسن اور مقبول درجے کی ہیں اور میری اس کتاب میں تاریخی منہج کے عین مطابق ہیں۔ البتہ ضعیف روایات کے متعلق شیخ نے اپنے دراسہ میں تنبیہ کردی ہے۔ میں اسی بنا پر اس رسالے سے بہت سی روایات نقل کروں گا۔ اس کی ترتیبِ زمانی کی بھرپور کوشش کروں گا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان روایات میں مزید کچھ روایات کا اضافہ کروں گا اور ان سے مستنبط فوائد بھی ذکر کروں گا۔

اس معاملے کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد سے دو بنیادی امور کے ذکر سے کروں گا:

اوّل: اس کی ابتدا میں نے حوادثِ تاریخی کی ترتیب سے کی ہے اور پہلی بحث اس پر مشتمل ہے۔

دوم: پہلے مبحث سے متعلقہ مباحث اس میں آئیں گے، اسی طرح اس میں دیگر موضوعات کا دراسہ بھی کیا جائے گا، جو پہلی بحث میں وارد ہوئے ہیں۔

اسی لیے پہلے مبحث میں ساری چیزیں ذکر کر دوں گا، بقیہ مباحث کا ذکر نہیں کروں گا۔ کیوں کہ دلائل کا ذکر کرنے، ان کی شرح کرنے، ان کے غرائب کی تفصیلات اور بیانِ مراد وغیرہ سے واقعات کے زمنی تسلسل میں انقطاع آجائے گا، نیز بعض تفصیلی روایات میں بہت سے واقعات کا ذکر ہوا ہے، جو مختلف زمانوں میں وجود پذیر ہوئے ہیں۔

<u>پہلی بحث:</u>

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے تک واقعات کی ترتیب

[1] جس دن ۱۷/ رمضان المبارک ۴۰ھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا، اسی روز برک بن عبداللہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاک میں رستے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نمازِ فجر کے لیے نکلے تو اس نے اپنی تلوار سے آپ پر حملہ کیا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پیچھے کو بھاگے، مگر اس کی تلوار آپ کی سرین پر لگ گئی۔[1]

یہ قاتلانہ حملہ[2] آپ پر زہر آلود خنجر کے ساتھ کیا گیا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ کر لیا۔ آپ کے طبیب نے بتایا کہ آپ کا زخم زہر آلود ہے۔ اس جگہ کو یا تو داغنا پڑے گا، یا پھر آپ کو یہ دوا پینا ہوگی، جس سے زہر کا اثر تو زائل ہو جائے گا مگر آپ کی نسل کٹ جائے گی۔ آپ نے دوسری پیشکش قبول کر لی۔ یہ پہلا سانحہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تب پیش آیا جب آپ دمشق میں تھے۔[3]

[2] جس دن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا، عین اسی روز سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر بھی قاتلانہ حملے کی کوشش کی گئی، مگر وہ رائیگاں گئی اور وہ بچ نکلے۔

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملے کی کوشش کے متعلق مختلف روایات آئی ہیں۔ اس کی دو ظاہری صورتیں ہیں:

---

(1) امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: برک بن عبداللہ خارجی وہی شخص تھا جس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا ارادہ کیا اور آپ پر تلوار کے ساتھ حملہ آور ہوا اور اس نے آپ کی پیٹھ پر حملہ کیا۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: جس رات سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا، یہ بھی اسی رات کا واقعہ ہے۔ دیکھیے: المؤتلف والمختلف للدارقطني (۲٤۸/۱) تبصير المنتبه (۷۸/۱) مزید دیکھیں: الإكمال لابن ماكولا (۲٤۸/۱) تاريخ دمشق (۱٤۳/۵۹) توضيح المشتبه (٤٦۸/۱)

(2) دیکھیے: [ص: ۲۱۷]

(3) دیکھیے: [ص: ۲۱۷]

پہلی: اسماعیل بن راشد [1] کی روایت ہے، یہ روایت اپنے قرائن کی بدولت مقبول درجے کی ہے۔ اس میں ہے کہ خارجہ بن ابی حبیب عامری [2] کو مصر میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملے کے دورانیے میں قتل کر دیا گیا۔ یہ سانحہ تب رونما ہوا جب سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو پیٹ درد کی شکایت ہوئی اور آپ نے خارجہ کو فجر کی امامت کے لیے بھیجا تو عمرو بن بکیر تمیمی نے آپ کو بحالتِ نماز عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سمجھ کر قتل کر دیا۔

دوسری: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت [3] جید سند کے ساتھ آئی ہے کہ خارجہ بن حذافہ عدوی کو ایلیاء میں قتل کیا گیا۔ جب وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے لوگوں کو آپ کے حملے سے کامیاب بچ نکلنے کی خوشخبری دینے کے لیے نکلے تو دو خارجیوں نے آپ پر حملہ کر دیا۔ روایت میں ان کے نام مذکور نہیں ہیں۔ انھوں نے سمجھا کہ یہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ تو ایک نے خارجہ کے سر پر تلوار سے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔

مندرجہ بالا دونوں روایات میں تطبیق اس طرح ممکن ہے:

1. یا تو امکان ہے کہ دونوں واقعات ایک ہی ہوں۔ ایسی صورت میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو مقدم کیا جائے گا، کیونکہ اس کی سند جید ہے۔ اس صورت میں یہ ہوا ہوگا کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ حملے سے تو لیٹ ہو گئے، لیکن دوسرے حملے میں خارجہ بن حذافہ عدوی رضی اللہ عنہ ان کی جگہ قتل ہو گئے۔
2. یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دونوں حادثات مختلف ہوں، سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کو دو حملوں میں نامزد کیا گیا ہو۔ پہلی مرتبہ مصر میں جب سیدنا علی و امیر معاویہ رضی اللہ عنہما پر حملہ ہوا تھا، انھی کے ساتھ نامزد ہوئے، لیکن یہاں خارجہ بن ابی حبیب عامری رضی اللہ عنہ آپ کی جگہ قتل ہو گئے۔ دوسرا حملہ ایلیاء میں ہوا، جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر دوسرا حملہ ہوا، اس میں خارجہ بن حذافہ عدوی قتل ہوئے۔
3. سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ عراق نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کا ارادہ کیا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان پر ایک شرط لگائی جو انھیں صلح پر آمادہ کرنے والی تھی، آپ نے شرط دائر کی کہ ان سے جو سلامتی سے پیش آئے وہ بھی اس سے سلامتی سے پیش آئیں گے اور جو ان سے جنگ کرے گا وہ بھی اس سے جنگ کریں گے۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۵۲۷]

[2] مجھے نہیں ملا۔

[3] دیکھیے: [رقم: ۱۲۹]

اس سے انھیں علم ہو گیا کہ آپ جنگ نہیں چاہتے، لہٰذا انھوں نے اس شرط پر آپ کی بیعت کر لی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے جنگجو آپ کے از حد مطیع و فرمانبردار تھے اور آپ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر محبت کرتے تھے۔[1]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں تم سے اسی چیز پر بیعت لوں گا، جو میں کہوں گا۔ انھوں نے کہا: وہ کیا؟ آپ فرمانے لگے: جو تم سے جنگ نہ کرے تم اس سے جنگ نہ کرو گے اور جو تم سے لڑائی کرے تم بھی اس سے لڑائی کرو گے۔ بیعت کے اختتام پر آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔[2]

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور اہلِ عراق نے خلافت پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو آپ نے ان پر ایک شرط عائد کی، تم میری سمع واطاعت کرو گے اور جس سے میں مصالحت کروں تم بھی اس سے مصالحت کرنا اور جس سے میں جنگ کروں تم بھی اس سے جنگ کرو گے۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے یہ شرط لگائی تو اہلِ عراق آپ کے اس معاملے میں شک کا شکار ہو گئے اور کہنے لگے: تمھارے ساتھی کو کیا ہو گیا ہے؟[3] یہ بندہ تو جنگ نہیں کرے گا، تو بیعت کے کچھ ہی دن بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا، جس سے وہ زخمی ہو گئے اور ان سے شدید نفرت کرنے لگے نیز ان سے شدید خوفزدہ ہو گئے۔[4]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے مشکل گھڑی میں خلافت کی زمامِ کار سنبھالی۔ جب آپ کو عراق میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبریں موصول ہوئیں اور آپ کو پتا چلا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے۔ لوگوں نے سمجھا کہ شاید سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس حملے کی وجہ سے عنقریب دارِ فانی سے کوچ کر جائیں گے اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے قتل کی افواہیں بھی گردش کرنے لگیں۔ جیسا کہ سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہما پر حملے کی افواہیں پھیلیں، بلکہ سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے قتل کی خبروں نے بھی لوگوں میں رنگ دکھایا تو لوگوں نے سمجھا کہ صحابہ کے قتل کی وجہ سے خوارج نے عراق و شام و مصر میں منصوبہ کے تحت حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی ہے۔ کیونکہ وہ تنازعات کا گڑھ تھے۔

اسی اضطراب اور خوف زدگی کے عالم میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کا منصب سنبھالا اور نہایت

---

[1] ان کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے محبت اور اطاعت کس قدر تھی۔ دیکھیے: [رقم: ۵۹۴]

[2] دیکھیے: [رقم: ۵۴۷]

[3] اس سے مراد جنگی ساتھی ہے۔

[4] دیکھیے: [رقم: ۵۴۹]

دیدہ دلیری، ذہانت، شجاعت، بصیرت اور عزیمت کے ساتھ فتنوں کا قلع قمع کیا اور خوارج کی چیرہ دستیوں کا خاتمہ کر دیا۔ آپ نے ان کے خلاف کچھ منصوبے ترتیب دیے، جو رسول اللہ ﷺ کی آپ کے متعلق بشارت کے نتیجے میں باہمی صلح اور خون بہنے سے روکنے کے متعلق تھے۔

4 سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شرط ''جس سے میں جنگ نہ کروں، تم بھی اس سے جنگ نہ کرو گے اور جس سے میں لڑوں، تم بھی اس سے لڑائی کرو گے۔'' کے بعد غالی لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو صلح کی جانب راغب ہوتا ہوا محسوس کر لیا تھا۔ اسی لیے ان پر پہلے حملے کی تدبیر کی گئی تاکہ صلح کا رستہ بند ہو جائے، آپ سجدہ میں تھے کہ آپ کی ران پر حملہ ہوا، اس کا زخم اتنا سخت ہوا کہ آپ مرنے سے بال بال ہی بچے۔ آپ اس حملے کے باعث دو ماہ تک بسترِ مرض پر رہے اور پھر شفایاب ہوئے۔ یہ پہلا واقعہ کوفہ میں پیش آیا۔[1]

5 سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جب پہلے حملے سے صحت یاب ہو گئے تو آپ نے خطبے میں فرمایا: اے اہلِ عراق! ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ہم تمھارے امراء اور تمھارے مہمان ہیں۔ ہم اہلِ بیت ہیں جن کی شان میں اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾

[الأحزاب: ٣٣]

''اللہ ارادہ کرتا ہے کہ تم سے رجس ختم کر دے اے اہلِ بیت! اور تمھیں پاک کر دے۔''

آپ مسلسل ان کو دہراتے رہے حتی کہ مسجد میں موجود ہر شخص رونے لگا۔[2]

ابو جمیلہ سے روایت ہے: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے خلافت کی زمامِ کار سنبھال لی۔ تو دورانِ امامت اچانک ایک شخص نے آگے بڑھ کر آپ کی ران پر خنجر سے وار کیا۔ جس کی وجہ سے آپ کئی ماہ تک بسترِ مرض پر رہے۔[3] پھر آپ صحت یابی کے بعد منبر پر لوگوں کو خطبہ میں فرمانے لگے: ...... پھر انھوں نے خطبہ ذکر کیا۔[4]

---

1. دیکھیے: [رقم: ۵۴۹، ۵۵۱]
2. دیکھیے: [رقم: ۵۵۰ تا ۵۵۳] میں نے ان کے الفاظ کو جمع کر دیا ہے۔
3. اور ''تاریخ دمشق'' میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ آپ دو ماہ تک بیمار رہے۔
4. دیکھیے: [رقم: ۵۵۱]

6 سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو مصر سے معزول کرنے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں آذر بائیجان کی ولایت سونپی تھی اور وہاں مقیم شرطہ خمیس کی قیادت بھی آپ کے سپرد کی تھی، تاکہ وہ سرحد کی حفاظت کر سکیں۔ تب ان کی تعداد قریباً ۴۰ ہزار تھی اور ان میں صرف عربی النسل لوگ شامل تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما شرطہ خمیس کی نگرانی کرتے رہے، لشکر کی کمان سنبھالی اور بلند و بالا مقاصد کی خاطر لشکر کی سربراہی کرنے میں پیش پیش رہے۔ جب علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے[1] اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ امیر المومنین بنے تو آپ نے سیدنا قیس رضی اللہ عنہ سے آذر بائیجان کی ولایت واپس لے کر عبیداللہ بن عباس کے سپرد کر دی۔ البتہ سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما شرطۃ الخمیس کے قائد برقرار رہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو شرطۃ الخمیس سے ۱۲ ہزار سپاہی لے کر کوفہ آنے کا حکم دیا، تاکہ آپ معرکۂ عام کی طرف سفر میں ان کو مقدمۃ الجیش کے طور پر بھیج سکیں۔ لہٰذا سیدنا قیس رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور سپاہی لے آئے۔[2]

اس سے مراد یہ ہے کہ آذر بائیجان سے شرطہ خمیس سارے کا سارا نہیں آ گیا تھا،[3] بلکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے وقت عبیداللہ بن عباس آذر بائیجان میں تھے۔ وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شام کے لیے نکلے اور نہ ہی آپ کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت موجود تھے۔

7 ۴۰ھ میں ماہِ رمضان کے گزرنے سے قبل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبریں شام تک پہنچ گئیں۔ اہلِ دمشق نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر رمضان المبارک میں دمشق میں ہی آپ کی بیعت کر لی، کیونکہ اب کوئی تنازع باقی نہ بچا تھا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت قبول کر لی۔

8 اہلِ شام و مصر نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیعت کے مراسلات بھیجے اور انھوں نے آپ سے ملاقات کرنے کا وقت بھی طلب کیا، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ذوالحجہ میں ایلیاء کے مقام پر ملاقات کا وقت مقرر کیا اور آپ نے اپنے زخم کے مندمل ہونے کی وجہ سے اس ملاقات کو مؤخر کر دیا۔

9 جب ملاقات کا وقت آن پہنچا تو ۴۰ھ ماہِ ذی الحجہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایلیاء میں ان سے ملاقات کی غرض سے روانہ ہوئے، اسی ماہِ ذی الحجہ میں لوگوں نے بیعتِ عام کر لی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایلیاء میں بیعتِ عامہ کی غرض سے گئے تھے نہ کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ملاقات کی خاطر۔

---

[1] دیکھیے: (ص: ۶۰۴ تا ۶۰۵)

[2] دیکھیے: [رقم: ۵۶۶]

[3] [رقم: ۵۶۶] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

10 سیدنا معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے پہلے حملے سے کامیابی سے بچ نکلنے نے خوارج میں انتقام کی آگ مزید بھڑکا دی۔[1] اسی وجہ سے انھوں نے دوبارہ حملہ کرنے کا عزم کیا اور منصوبہ بندی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپاہی حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کا اضافہ کر لیا۔

11 سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعتِ عامہ کے بعد آپ ایلیاء میں ٹھہرے اور وہاں خوارج نے دوسرا حربہ آزمایا، مگر آپ اس سازش سے بھی بچ نکلے۔

- سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر دوسرا حملہ تب ہوا جب آپ نمازِ فجر کی پہلی رکعت کے سجدے میں تھے۔ اس مرتبہ حملہ معمولی تھا اور خنجر بھی زہر آلود نہ تھا۔
- سیدنا خارجہ بن حذیفہ عدوی رضی اللہ عنہ کو ایک خارجی نے آپ کی پیشانی پر تلوار سے کاری ضرب لگا کر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سمجھتے ہوئے قتل کر دیا۔
- عمرو بن عاص اور حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہما اس حملے سے بچ نکلے۔[2]

یہ دوسرا حملہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہوا۔ یہ حملہ ۴۱ھ ماہِ محرم الحرام میں ہوا، کیونکہ یہ بیعتِ ایلیاء کی تھوڑی مدت بعد ہی ہوا تھا۔ شیخ خالد الغیث نے اس بات کو راجح قرار دیا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ماہِ صفر میں اپنا لشکر لے کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب نکلے تھے، پھر آپ رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں آئے۔ دوسرے حملے کے ایک یا چند ماہ بعد خروج کرنا ممکن نہیں ہے۔ اسی وجہ سے میں نے تخمینہ لگایا ہے کہ آپ پر دوسرا حملہ ماہِ محرم میں ہوا۔

12 جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر دوسرا حملہ ہوا اس زمانے میں آپ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے مابین مراسلات کا سلسلہ جاری تھا۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی جانب خط لکھا اور اس میں شرط لگائی کہ اگر آپ مجھے یہ دے دیں تو میں آپ کی بات سننے اور ماننے کو تیار ہوں اور آپ پر اس پیشکش کو قبول کرنا واجب ہے۔ یہ مراسلہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلا گیا۔[3]

---

1. یہ حدیث پہلی سازش کے تحت [ص: ۳۷۷] گزر چکی ہے۔
2. دیکھیے: [رقم: ۱۲۹ تا ۱۳۱]
3. دیکھیے: [رقم: ۱۳۳]

ان کے مابین یہ مراسلات خفیہ تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کوفہ میں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایلیاء میں مقیم تھے۔

13 سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جب اہلِ عراق کے دلوں میں اہلِ شام کے خلاف کینہ پروری، بغض، حسد اور عداوت کو محسوس کیا تو آپ نے حکمت سے لشکر کو شام لے جا کر اس عداوت کا خاتمہ کیا۔ آپ لشکرِ جرار لے کر پہاڑوں کی مانند خاموشی سے نکلے۔ ان کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ انھوں نے آفاق کو ڈھانپ رکھا تھا، ان میں شدید جنگی جوش و ولولہ اور دلیری بھی جمع ہو گئی تھی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ۴۱ھ ماہِ صفر میں قریباً ۷۰ ہزار یا اس سے زیادہ[1] کا لشکر لے کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف نکلے اور مدائن میں خیمہ زن ہوئے۔ آپ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو ۱۲ ہزار جنگجوؤں کے ہمراہ مسکن، انبار اور اس کے اردگرد میں بھیجا۔

اگر دقتِ نظری سے دیکھا جائے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ یہی کرنا چاہتے تھے، کیوں کہ آپ نے شدید جنگجو لوگوں کو اپنے مقامِ اقامت سے بہت دور رکھا تھا، تاکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مراسلت جاری رہے، افہام وتفہیم کے ساتھ معاملات حل کر لیے جائیں اور بغیر جنگ کے صلح ہو جائے۔

ابن سعد سے منقول ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعد اہلِ عراق نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ پھر وہ آپ سے کہنے لگے کہ آپ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والی قوم کی جانب پیش قدمی کریں۔ انھوں نے انتہائی عظیم جرم کا ارتکاب کیا ہے اور لوگوں کے امور پر ڈاکہ ڈالا ہے۔[2] ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر ہمیں اقتدار عطا کرے گا۔ آپ اہلِ شام کی جانب چلے گئے اور مقدمۃ الجیش کے طور پر ۱۲ ہزار سپاہیوں کو سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے ہمراہ بھیج دیا، جنھیں شرطۃ الخمیس کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔[3]

یہ قول: ''آپ نے سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے ہمراہ ۱۲ ہزار جنگجو مقدمۃ الجیش کے طور پر روانہ کیے جنھیں شرطۃ الخمیس کہا جاتا تھا۔'' اس قول کی تفصیل یہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خالص عربی النسل ۴۰ ہزار لوگوں پر مشتمل ایک جیش الخمیس تیار کیا تھا اور انھیں آذربائیجان میں سرحد کی حفاظت پر مامور کیا۔ مگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سارے لشکر کو آذربائیجان سے شام کی جانب جانے کے لیے نہیں بلوایا، بلکہ آپ نے ان میں

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۵۹۰-۵۹۱]

[2] یعنی اس سے چھین لیا اور اسے سلب کر لیا۔ اس سے ان کا مقصود تھا کہ اہلِ شام نے خلافت کو اس کے اصل حقدار سے چھین لیا ہے۔

[3] دیکھیے: [رقم: ۵۶۳]

سے فقط ۱۲ ہزار لوگوں کو واپس بلانے پر اکتفا کیا اور بقیہ سپاہیوں کو سرحد کی حفاظت کے لیے ان کی جگہوں پر ہی رہنے دیا۔

قیس بن سعد رضی اللہ عنہما بھی اہلِ شام سے جنگ کر کے انھیں اپنے ماتحت کرنے کے لیے شدید حریص تھے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو قیس بن سعد رضی اللہ عنہما نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر اہلِ شام سے جنگ کے لیے اصرار کیا تو آپ نے انھیں آذربائیجان کی امارت سے معزول کر دیا۔[1] اس کے بعد حسن رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ہمراہ نکلے اور مدائن میں قیام کیا اور سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو جیش الخمیس میں سے ۱۲ ہزار لوگوں کا لشکر لے کر اپنی جائے اقامت سے دور ایک جگہ پر بھیجا تاکہ صلح کو کامیاب کرنا آسان ہو جائے۔

اہلِ عراق کے اس قول: ''آپ ان اہلِ شام کی جانب پیش قدمی کریں'' سے ان کے غیظ و غضب اور اہلِ شام سے جنگ کی شدید رغبت معلوم ہوتی ہے۔

ابو الغریف کہتا ہے: ہم سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے مقدمۃ الجیش کے ۱۲ ہزار لوگوں میں سے تھے اور دیدہ دلیری کے ساتھ جنگ کرنے آئے تھے۔ ہماری تلواریں اہلِ شام سے جنگ کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار تھیں۔[2]

عروہ بن زبیر کہتے ہیں: قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقدمۃ الجیش میں تھے، ان کے ساتھ پانچ ہزار لوگ تھے، جنھوں نے اپنے سر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد منڈوا لیے تھے۔[3]

ان کا سر منڈوانا اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اہلِ شام سے جنگ کے لیے اپنی موت پر بیعت کی تھی۔ مندرجہ بالا تینوں روایات دلیل ہیں کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کی اہلِ شام سے جنگ کی خواہش بہت شدید تھی۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو قیس بن سعد رضی اللہ عنہما نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اہلِ شام سے جنگ پر اُکسایا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کسی لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے تھے، مگر وہ ان کی رائے پر غالب آ گئے، ان سب نے چپکے سے ایک عظیم اکٹھ کیا۔ جس میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو ۱۲ ہزار مقدمۃ الجیش کا سپہ سالار بنایا اور اپنے لشکر کو لے کر بلادِ شام کی جانب نکلے، تاکہ

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۵۶۶]

[2] دیکھیے: [رقم: ۶۰۴]

[3] دیکھیے: [رقم: ۶۰۲]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام سے جنگ کر سکیں۔ وہاں پہنچ کر آپ نے خود مدائن میں قیام کیا اور مقدمۃ الجیش کو آگے بھیجا۔[1]

14 جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے نکلنے کا علم ہوا تو آپ ۴۱ھ صفر میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے استقبال کے لیے نکلے، یہاں تک کہ آپ منبج کے پل پر پہنچے، کچھ دیر وہاں قیام کیا، پھر ان دونوں کے مابین مراسلات شروع ہو گئے، جو اعلانیہ اور ثمر آور تھے۔

یہ روایات اشارہ کر رہی ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فوج سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی فوج سے تعداد میں کم تھی، جیسا کہ صحیح البخاری کی روایت ہے کہ ''اللہ کی قسم! سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پہاڑوں کی مانند[2] دستوں کے ہمراہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے، تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں نے اتنے دستے دیکھے ہیں جو اپنے مدِ مقابلوں کو قتل کیے بغیر کبھی واپس نہ پلٹیں گے۔''[3]

15 سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ہمراہ مدائن میں قیام کیا۔ جہاں اہلِ عراق نے سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جاری اعلانیہ مراسلات کے تبادلے کو خود ملاحظہ کیا۔ اسی طرح انھوں نے اس بات کو بھی بغور دیکھا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مدائن میں ٹھہر گئے ہیں۔ انھوں نے مراسلات پر ہی اکتفا کیا ہے اور وہ کوئی جنگی تدبیر نہیں کر رہے تو انھیں معلوم پڑ گیا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جنگ کی غرض سے مدائن نہیں آئے۔ بلاشبہہ وہ صلح کی جانب راہ ہموار کریں گے۔

16 یہاں غداروں کی کمریں توڑنے والا وقفہ آتا ہے، وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا مدائن میں خطبہ تھا۔ جس میں آپ نے تلمیحاً بتایا کہ وہ صلح کی جانب راغب ہو چکے ہیں اور جنگ نہیں چاہتے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمانے لگے: ہر ذی روح کی موت قریب ہے اور اللہ تعالیٰ کا امر واقع ہو کر رہے گا۔ چاہے لوگ اسے ناپسند کریں اور اللہ کی قسم! مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں کہ میں امتِ محمد کے کسی ایسے معاملے پر حکومت کروں جو رائی کے دانے کے مثل بھاری ہو اور اس میں ایک شیشی کے برابر بھی خونریزی ہو، مجھے معلوم ہے کیا چیز میرے لیے نقصان دہ اور کون سی چیز نفع بخش ہے۔[4]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۵۷۲]

[2] یعنی ان کی کثرت کے باعث ان کا آخری کنارہ دکھائی نہیں دیتا تھا جیسے کوئی شخص پہاڑ کے سامنے آجائے تو دکھائی نہیں دیتا اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد جنگ کی شدت تھی۔

[3] دیکھیے: [رقم: ۵۶۶]

[4] عنقریب [رقم: ۵۵۵] پر یہ اپنی شرح اور بیانِ غرابت کے ساتھ آرہی ہے۔

17 اس خطبے میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جس چیز کی جانب اشارہ کیا، اس کا سبب لشکر کے افراد کی آپ سے دوسری مرتبہ غداری تھی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ بہت سا خون بھی بہے اور قاتل کا بھی علم نہ ہو پائے۔ ان کی سازش تھی کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جو فوج مدائن پہنچی ہے اس میں انتشار کو فروغ دیا جائے۔ یوں لوگ ایک دوسرے پر مشتعل ہو جائیں گے اور ان کے معاملات دگرگوں ہو جائیں گے۔ اس کے بعد سازشی لوگ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حجرے پر حملہ کر کے دھاوا بول دیں گے کہ تم چور ہو اور ڈاکہ کی غرض سے نقب لگائے بیٹھے ہو۔ اسی افراتفری اور ہنگامہ آرائی کے دوران کوئی ایک موقع پا کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر اچانک حملہ کر دے گا۔

بالآخر سازش کو عملی جامہ پہنا دیا گیا۔ ہوا یوں کہ کسی نے مدائن میں مقیم لشکر کے مابین چیخ وپکار شروع کر دی کہ سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما قتل ہو گئے ہیں اور وہ جیش الخمیس کے قائد تھے۔ آپ لشکرِ خمیس کے ۱۲ ہزار جنگجو لوگوں کے ہمراہ مسکن، انبار اور اس کے اطراف میں مقیم تھے یعنی وہ مدائن میں موجود نہ تھے۔ لوگ اس ہولناک خبر کو سن کر گھبرا گئے اور مضطرب و بے چین ہونے لگے۔ اچانک عام بازاری لوگوں کے جھنڈ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حجرے پر دھاوا بول دیا اور آپ پر زبردستی چڑھ دوڑے حتی کہ آپ کے نیچے والی چٹائی پر حملہ کر دیا اور آپ کی پشت سے چادر کھینچ لی۔ آپ کی سرین پر بنو اسد کے ایک بدبخت نے زہر آلود خنجر سے حملہ کر دیا۔ یہ دوسرا حملہ تھا اور دوسری سازش تھی، جو مدائن میں رچائی گئی، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خود کو اس پریشانی سے بچایا اور زخمی حالت میں ہی ایک پر امن مکان پر چلے گئے، جو کسریٰ کا محلِ ابیض تھا۔[1]

18 جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے قتل کی دوسری سازش بھی کامیاب نہ ہو سکی تو تیسری سازش کی قیادت مختار بن ابو عبید ثقفی نے کی۔ یہ ایک نوجوان لڑکا تھا۔ اس نے اپنے چچا والیِ مدائن سعد بن مسعود ثقفی سے درخواست کی کہ وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو قتل کر ڈالیں اور ان کا سر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیں۔[2] یا انھیں گرفتار کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں،[3] تاکہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے حصہ پا سکیں۔ مگر اس کے چچا نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور اس طرح یہ چال بھی پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ لہٰذا تیسری سازش دوسری سازش کا تکملہ ثابت ہوئی۔

---

① دیکھیے: [رقم: ۵۶۳]
② دیکھیے: [رقم: ۵۶۰]
③ دیکھیے: [رقم: ۵۵۷، ۵۵۸]

19 جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے قتل کی یہ تینوں چالیں ناکام ہوگئیں، تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر اور حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ خلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی جائے۔ ان دونوں نے بھی آپ کی رائے کی موافقت کی۔[1] سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب صلح کے مطالبے کا مراسلہ لکھا اور اس کے عوض سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر چند شرائط کو لازم قرار دیا۔ یہ مراسلہ واضح تھا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اس سے قبل بھی کئی بار آپ کو مراسلات بھیج چکے تھے۔

20 سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح کی پیشکش قبول کر لی اور شرائط کی بھی موافقت کر لی۔ وہ تین شرائط یہ تھیں:

1 مال کی شرط۔
2 عام معافی کا اعلان اور فتنے کا خاتمہ۔
3 جنگ بندی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی جانب ایک وفد بھیجا، جو اس معاہدے کی ضمانت دے اور ان شرائط کو پورا کرنے کا معاہدہ کرے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنو عبدالشّمس میں سے دو قریشیوں کا وفد بھیجا، ایک کا نام عبدالرحمٰن بن سمرہ اور دوسرے کا نام عبداللہ بن عامر بن کریز تھا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے کچھ بھی پوچھ گچھ نہ کی۔ انھوں نے صرف یہ کہا کہ ہم اس معاملے میں آپ کے ساتھ ہیں۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس کی توثیق کر دی اور ان دونوں کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کا مراسلہ دے دیا۔

21 پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے مدائن میں اپنے خطبے میں اس بات کا اعلان کر دیا کہ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کر لی ہے اور لوگوں کو بھی ان کی بیعت تسلیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس اعلان کی کیفیت یہ تھی کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جہاں مقیم تھے، وہ سفید محل تھا۔[2] آپ نے کبار ساتھیوں کو اپنے خیمہ میں مدعو کیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے اہلِ عراق! میرا دل تم سے نہ بھی اُکتایا ہوتا تو تین وجہ سے اُکتا گیا ہے: تم نے میرے والد کو قتل کیا، تم نے مجھ پر حملہ کیا اور میری چادر کھینچی۔ تم نے مجھ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ جس سے میں ہاتھ روک لوں گا، تم بھی اس سے رُک جاؤ گے اور میں جس سے جنگ کروں گا، تم بھی اس سے جنگ کرو گے۔ سو میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے لہٰذا تم بھی ان ہی کی سمع و اطاعت کرو۔ پھر آپ محل کے اندر چلے گئے۔[3]

یہ پہلی بیعت تھی جو آپ نے مراسلہ کے ذریعے کی۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۵۷۳]
[2] دیکھیے: [رقم: ۵۶۳]
[3] دیکھیں: [رقم: ۵۶۰]

22 یوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے مدائن میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا اعلان کیا اور اپنے لشکر کو بیعت کا حکم دیا۔ مگر یہاں ہم جیش الخمیس کے بارے میں بات کریں گے کہ اس عظیم قوت، جو جنگ کرنے کے لیے پر جوش تھی، کو کیسے صلح کی بابت خبر پہنچی اور اس کا کیا موقف تھا؟

جیشِ خمیس ۱۲ ہزار لوگوں پر مشتمل تھا، جن کی کمان سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کر رہے تھے۔ یہ لوگ مدائن سے باہر مسکن، انبار اور اس کے اطراف میں مقیم تھے۔ انھیں بیعت کی خبر موصول نہ ہوئی تھی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو ایک مکتوب ارسال کیا جس میں آپ نے تین چیزوں کی خبر دی۔

- پہلی یہ تھی کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما جیش الخمیس میں اعلان کر دیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے۔
- دوسری یہ تھی کہ آپ انھیں خبردار کریں کہ وہ انھیں بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا حکم دیتے ہیں۔
- تیسری یہ تھی کہ قیس انھیں بتائیں کہ سیدنا حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں بیعتِ عامہ کی خاطر تمھارے پاس تشریف لائیں گے۔

قیس نے اپنے اصحاب[1] میں کھڑے ہو کر فرمایا: تمھارے پاس دو اختیارات ہیں، ان میں سے ایک کو تمھیں ضرور ماننا ہوگا، یا تو فتنے میں کود پڑو، یا پھر امام کے بغیر جنگ کرو۔ لوگ کہنے لگے: یہ کیا ہوا؟ قیس کہنے لگے: سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے تو لوگوں نے بھی آ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔[2]

قیس بن سعد رضی اللہ عنہما اور ان کے متبعین کے علاوہ جیش الخمیس کے اکثر لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حکم کو مان لیا۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے ہمراہ پانچ ہزار شاہ سوار تھے۔ پہلے پہل تو انھوں نے صلح قبول کرنے میں تردّد کیا مگر پھر انھیں یقین ہو گیا تو انھوں نے اسے قبول کر لیا۔ عروہ بن زبیر کہنے لگے: قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مقدمۃ الجیش میں تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کے ہمراہ پانچ ہزار لوگوں نے اپنے سر منڈوا لیے۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو قیس نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: تمھارا کیا خیال ہے؟ اگر تم لڑنا چاہتے ہو تو میں موت

---

[1] قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے ساتھیوں سے مراد شرطۃ الخمیس ہے۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۵۷۴]

تک تمھارے ہمراہ لڑتا رہوں گا۔ لیکن اگر تم امان چاہتے ہو تو پھر تمھارے لیے امان لے لیتا ہوں۔ ساتھی کہنے لگے: ہمارے لیے امان لیجیے۔ قیس نے ان کے لیے امان لے لی کہ فلاں فلاں کام کریں تو انھیں کچھ نہ کہا جائے اور میں بھی انہی میں سے ہوں۔ انھوں نے اپنے لیے کسی خاص چیز کا مطالبہ نہیں کیا۔[1]

یہ کلام سیدنا قیس رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کیا جو جیش الخمیس سے پانچ ہزار لوگ تھے۔ آپ جیش الخمیس کے سارے لشکر سے ہم کلام نہیں ہوئے۔

ادھر جیش الخمیس جو لڑائی کرنے کے لیے پر جوش تھا، ان کو جب صلح کی خبر ملی تو اس پر کیا اثر ہوا۔ اس کے بارے میں ابو الغریف کہتا ہے: جب ہمیں سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی باہم صلح کی خبر پہنچی تو یوں لگا کہ جیسے حزن و ملال اور غیظ وغضب سے ہماری ہمتیں ٹوٹ گئی ہوں۔[2]

23 پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے پانچ روز بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسکن آنے کی دعوت دی، تاکہ وہ آکر تمام سرداران کے سامنے بیعت تسلیم کر لیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی۔ آپ نے ربیع الاول ۴۱ھ[3] میں دوسری مرتبہ سب لوگوں کے سامنے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو لوگوں نے بھی آپ کی بیعت کر لی۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی دو مرتبہ بیعت کی:

پہلی بیعت مراسلہ کے ذریعے ہوئی تب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مدائن میں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جسرِ منبج میں مقیم تھے۔ دوسری بیعت مسکن میں ہوئی۔ یہ پہلی بیعت کے پانچ روز بعد ہوئی جب سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما مسکن میں باہم ملے تھے۔ تب آپ نے سب کے سامنے بیعت کی۔

24 اسی ماہ سیدنا معاویہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہما اکٹھے کوفہ پہنچے۔[4] سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تو قصرِ کوفہ میں چلے گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نخیلہ کے مقام پر آگئے۔ پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نخیلہ کے مقام پر کئی مرتبہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے پاس تشریف لائے، اور کئی بار تو آپ نے نخیلہ میں خطبہ بھی ارشاد فرمایا،[5]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۶۰۲]

[2] دیکھیے: [رقم: ۶۰۴]

[3] دیکھیے: [رقم: ۱۲۴]

[4] ربیع الاول ۴۱ھ۔

[5] دیکھیے: [رقم: ۵۶۲]

جس میں آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تاکید کرتے اور یوں فرماتے: ابتدائی طور پر میں بھی لوگوں کی طرح اس معاملے کو ناپسند کرتا تھا۔[1] آخر کار میں نے صاحبِ حق سے صلح کر لی، اور اسے حق دے دیا جو مجھ سے زیادہ اس کا حق دار تھا۔ وہ حق جس سے میں نے امتِ محمدیہ کی اصلاح کی کوشش کی۔ اے معاویہ! اللہ بخوبی جانتا ہے کہ آپ میں کون سی خیر اور کون سا شر ہے۔ اسی نے ہی آپ کو اس عہدے[2] کی ولایت سونپی۔

﴿ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ﴾ [الأنبياء: ١١١]

''میں نہیں جانتا کہ شاید وہ تمھارے لیے فتنہ ہو یا ایک وقت تک فائدہ مند ہو۔''

اس کے بعد آپ نیچے اتر آئے۔[3]

دوسرا خطبہ بھی آپ نے نخیلہ میں ہی ارشاد فرمایا: آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: سب سے عقلمند اور دانا شخص وہ ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور سب سے احمق و بے وقوف وہ ہے جو فسق وفجور اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں پڑا رہے۔ یہ معاملہ جس میں میرا اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف رہا، یا تو یہ میرا حق تھا جو میں نے اس امت کی اصلاح کی غرض سے ان کے خون بہنے سے روکنے کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ترک کر دیا اور یا یہ میرے سے زیادہ اس عہدے کے حقدار کا حق تھا تو میں نے اسے دے دیا۔

﴿ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ﴾ [الأنبياء: ١١١]

''میں نہیں جانتا کہ شاید وہ تمھارے لیے فتنہ ہو یا ایک وقت تک فائدہ مند ہو۔''

امام حاکم رحمہ اللہ نے ''وأقول قولي هذا وأستغفر الله لي ولكم'' کے الفاظ بھی ذکر کیے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''الکبریٰ'' اور ''الدلائل'' میں یہ الفاظ زائد بیان کیے ہیں: ''پھر استغفار کیا اور نیچے اتر آئے۔''[4]

---

[1] یعنی میں ان لوگوں میں شامل تھا جو جنگ کو شدید ناپسند کرتے تھے۔ ہم اس بات کا تذکرہ کر آئے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ سے خروج کرنے سے منع کرتے تھے۔

[2] اس سے مراد خلافت ہے۔

[3] دیکھیے: [رقم: ۵۷۲]

[4] دیکھیے: [رقم: ۵۷۳]

25 سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شرائط قبول کر لیں اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے دو دفعہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے مال وصول کیا۔ پہلی مرتبہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے مسکن پر مال پہنچا دیا جبکہ دوسری بار سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بذاتِ خود نخیلہ تشریف لے گئے اور وہاں سے مال لے کر آئے۔ یوں یہ شرط پوری ہوئی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمانے لگے: میں آپ کو ایسا تحفہ دوں گا، جو اس سے قبل کسی کو نہیں دیا اور آپ کے بعد کسی اور کو نہ دوں گا۔ لہٰذا آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو چار لاکھ درہم دیے، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے یہ ہدیہ قبول کر لیا۔ اس طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے وعدہ وفا کیا، اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی شرط سے بہت زیادہ مال دے دیا۔

عبداللہ بن بریدہ بیان کرتے ہیں: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت سپرد کرنے کے بعد ان سے ملاقات کو گئے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں آپ کو ایسا عطیہ دوں گا جو آپ سے پہلے کسی کو نہیں دیا اور آپ کے بعد بھی کسی کو نہ دوں گا۔ لہٰذا آپ نے چار لاکھ دراہم عطیہ کیے۔ پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے اہلِ بیت کے ہمراہ کوفہ سے مدینہ واپس آ گئے۔[1]

26 پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ کوفہ سے مدینہ آ گئے۔[2]

27 ۴۱ھ کے جس سال سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، اس کا نام ''عام الجماعۃ'' رکھا گیا۔

28 سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت چھے ماہ تھی۔ آپ نے ۱۰/ رمضان المبارک ۴۰ھ میں خلافت کی باگ ڈور سنبھالی اور ربیع الاول ۴۱ھ میں خلافت کی باگ ڈور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی۔[3] یوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت چھے ماہ ہوئی۔

29 سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ہمراہ مسکن سے شام لوٹ آئے۔ جب وہ راستے میں دریائے دجلہ کے قریب پہنچے تو آسمان سے تازہ خون کی بارش برسنے لگی۔ لوگ اس منظر کو دیکھ کر ہکے بکے رہ گئے اور بھاگ نکلے اور یہ خیال کرنے لگے کہ قیامت آ گئی ہے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انھیں خطبہ دیا اور انھیں وعظ و نصیحت کی تاکہ ان کے دل اللہ تعالیٰ سے جڑ جائیں اور ان کا خوف جاتا رہے۔[4]



---

[1] دیکھیے: [رقم: ۵۷۰] [2] دیکھیے: [رقم: ۵۷۰]

[3] دیکھیے: [رقم: ۱۲۴] [4] اس واقعے کی تفصیل عنقریب [رقم: ۵۷۶] پر آ رہی ہے۔

دوسری بحث:

وہ شرائط ومبادی جن کی بنا پر سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین صلح ہوئی

① سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شرائط:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے صلح کے عوض جو شرائط دائر کیں ان میں سے فقط تین شرائط ثابت ہیں:

1 مال کی شرط: اس کی دو اقسام ہیں:

اوّل: خلافت سے دستبرداری کے وقت بہت سا مال وصول کیا جائے گا، جو کوفہ کے بیت المال میں جمع ہے۔[1] اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ایک قول ہے کہ وہ پچاس لاکھ درہم تھے۔[2] اور ایک قول کے مطابق یہ ساٹھ لاکھ درہم تھا۔[3]

صحیح سند والی روایات میں ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بہت زیادہ مال بھیجا۔ ایک قول کے مطابق وہ پچاس کروڑ درہم تھے۔[4]

مگر اس روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ وہ مال کوفہ کے بیت المال سے تھا۔ شاید کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے دیگر اموال کے ساتھ کوفہ کے بیت المال کی شرط لگائی ہو، یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی شرط سے بڑھ کر آپ کو مال دے دیا ہو۔ اس پہلی قسم میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے یہ مال دو بار حاصل کیا:

پہلی مرتبہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ میں خود مال پہنچایا۔

---

① دیکھیے: [رقم: ۵۵۷، ۵۵۸]

② دیکھیے: [رقم: ۵۵۷، ۵۵۸]

③ دیکھیے: [رقم: ۵٦۲]

④ دیکھیے: [رقم: ۵٦۸] اور اس کی سند امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح ہے۔

دوسری مرتبہ: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نخیلہ گئے، وہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مقیم تھے۔ آپ وہاں سے مال لے کر اپنے اہل وعیال کے ہمراہ مدینہ تشریف لے آئے۔①

دوم: یہ کہ یہ مال سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ میں نقدی کی صورت میں کپڑوں اور دیگر اقوات کی صورت میں ہر سال پہنچایا جائے جس کی آپ کو، آپ کے اہل وعیال و متبعین اور آپ کے موالی کو ضرورت ہو۔②

ابن سعد کی روایت میں ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہر برس دس لاکھ درہم جاری کیے۔③

2 عام معافی کے اعلان کی شرط: سیدنا حسن و معاویہ رضی اللہ عنہما اس پر متفق ہوئے کہ صلح سے قبل جو کچھ بھی ہوا، خون بہا، لوگوں کا مال اور دیگر چیزیں تلف ہوئیں، سب معاف ہے۔ یہ قانون مکمل صلح کی بنیاد بنا۔

3 فتنے کا خاتمہ اور جنگ بندی:

یہ تینوں شرائط امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کی ہیں۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے دونوں قاصدوں سے کہا: ہم بنوعبدالمطلب ہیں، ہمیں یہ مال ملا ہے اور یہ امت خون خرابے میں پریشان ہے۔④

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تمام شرائط کو پورا کیا بلکہ ان سے بڑھ کر دیا۔ پس آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو چار لاکھ یا چالیس کروڑ درہم دیے۔⑤

جب کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر عدمِ تنقید اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کی اپنی جانب منتقلی کی شرائط ثابت نہیں ہیں، ان کا ذکر اپنے مقام پر تفصیل سے آئے گا۔⑥

② وہ شرائط و مبادی جن کی بنا پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح ہوئی:

ہم ذکر کر چکے ہیں⑦ کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح تین شرائط پر مکمل ہوئی:

---

① [رقم: ۵۷۰] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

② فتح الباري (۱۳/۶۵)

③ دیکھیے: [رقم: ۵۶۲]

④ دیکھیے: [رقم: ۵۶۶]

⑤ دیکھیے: [رقم: ۵۶۹-۵۷۰]

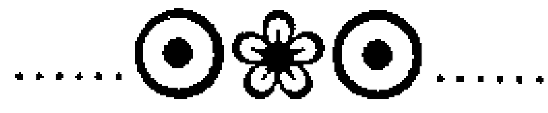
⑥ البتہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سب وشتم نہ کرنے کی بابت [رقم: ۵۶۲] کا حاشیہ دیکھیے۔ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کی شرط عائد کرنے کی بابت [رقم: ۵۹۶] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

⑦ دیکھیے: (ص: ۵۴۷)

1. خلافت کی تبدیلی۔
2. خلافت سے دستبرداری کے عوض مالِ کثیر کا حصول۔
3. خون بہنے سے روکنا اور اجتماعِ امت۔

یہ مبادی سیدنا ابوموسیٰ اشعری اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے اجتماع میں ہی مقرر کیے جا چکے تھے اور مذکورہ صلح سیدنا ابوموسیٰ اشعری، سیدنا عمرو بن عاص، سیدنا حسن بن علی اور سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کی حسنات کے باعث ہوئی۔

استاد خالد الغیث نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے مراحل کو ذکر کیا ہے اور انھیں آٹھ مراحل میں تقسیم کیا ہے۔ ممکن ہے اس میں اجتماعِ حکمین کا بھی کردار ہو، کیوں کہ حکمین نے ہی صلح کی بنیادیں رکھ دی تھیں، سو امکان ہے کہ اس کو صلح کا دوسرا مرحلہ قرار دیا جائے۔



تیسری بحث:

صلح کے لیے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے اقدامات اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح

① سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور صلح کی حکمت

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے مشکل اوقات میں خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تھی، جب اہلِ عراق کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملے کی خبر ملی تو ان کا خیال تھا کہ آپ اس حملے سے فوت ہو جائیں گے۔ نیز سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کی طرح سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر حملے کی افواہیں بھی گردش میں رہیں، بلکہ سیدنا معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے قتل کی خبریں بھی منتشر ہو گئیں۔

اس اضطراب وخوف کے سائے میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ ادھر سیدنا معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما ان حملوں سے بچ نکلے۔ البتہ خوارج ان دونوں کے بچ جانے سے آگ بگولا ہوئے اور ان کا غضب بڑھ گیا۔ سو انھوں نے ان پر دوسرا قاتلانہ حملہ کرنے کی ٹھان لی اور پہلے سے بڑھ کر منصوبہ بندی کی۔ انھوں نے حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کارروائی کا بھی سوچ لیا۔

خوارج کی دوسری سازش ایلیاء شہر میں کارآمد ہوئی، جس کے نتیجے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو تھوڑے بہت زخم آئے۔ البتہ سیدنا خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ جب کہ سیدنا عمرو بن عاص اور حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہما نجات پا گئے۔ اس طرح صحابہ کے قتل کی کوششیں مسلسل رہیں، حتیٰ کہ لوگ سمجھنے لگے کہ چنیدہ لوگ خوارج کے نرغے میں ہیں اور وہ انھیں یکے بعد دیگرے قتل کرتے جا رہے ہیں۔

لوگوں کو علم ہوا کہ عراق، شام اور مصر میں صحابہ کی بڑی تعداد کو قتل کرنے کی سازشیں ہو رہی ہیں اور ان شہروں میں صحابہ کو نشانے کا ہدف اس لیے بنایا گیا کہ یہ تنازعات کا گڑھ تھے۔ سیدنا جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہمارے درمیان حملہ کیا گیا اور مجھے

معلوم ہے کہ وہ انھیں قتل ہی کرنا چاہتے تھے۔ البتہ لوگ[1] باقی ماندہ اصحابِ شوریٰ اور باقی ماندہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے لڑ رہے ہیں۔[2]

خوارج بڑے بڑے صحابہ کو قتل کا ارادہ اس سوچ سے رکھتے تھے کہ اس طرح امت کو راحت ملے گی۔ ابن سعد کی روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر حملے کے قصے کی تفصیل مذکور ہے: خوارج نے مکہ میں اجتماع کیا اور باہم عہد و میثاق کیا کہ ان تینوں سیدنا علی بن ابی طالب، معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو قتل کر کے لوگوں کو راحت وسکون پہنچایا جائے۔[3] صحابہ کی بڑی تعداد کو قتل کرنے کی سازش اسی میں شامل تھی۔

ان تمام مشکلات کا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے زندہ دلی، دیدہ دلیری، ذہانت وشجاعت اور پختہ عزم سے مقابلہ کیا، تاکہ فتنوں کو روکا جا سکے اور خوارج کی چالوں سے محفوظ رہا جا سکے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی سازشوں کے مقابلے میں ایک منصوبہ ترتیب دیا جو ذہانت، شجاعت، عزیمت اور معاملہ فہمی کا نمونہ تھا، آپ نے ان کی چالوں کے مقابلے میں ایسے اقدامات کیے جو انتہائی اہمیت کے حامل تھے۔ جو امت کی تاریخ میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی وجہ سے مسلمانوں سے مصیبتیں ٹل گئیں اور یہ صلح کا معاملہ اور خون بہنے سے رک جانے کا معاملہ تھا۔ جس میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے نانا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کو پورا کیا تھا۔

کیونکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کے لیے تیار ہونا، واقعات یا حالات کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ایک اصلی اور جراَت مندانہ فیصلہ تھا۔ ان کے نانا نے اس فیصلے کو ان کے مناقب میں شمار کیا تھا۔ سب سے پہلے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اصلاح کے لیے جو طریقہ اپنایا، وہ یہ تھا کہ انھوں نے اہلِ عراق پر شرط عائد کر دی کہ وہ تب تک ان کی بیعت قبول نہیں کریں گے، جب تک وہ میری شرط پر بیعت نہیں کرتے اور وہ شرط یہ تھی کہ وہ لوگ اس بندے سے صلح کریں گے جس سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ صلح کریں گے اور اس سے لڑیں گے جس سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ لڑیں گے، آپ اس شرط سے لوگوں کو صلح کے لیے تیار کرنا چاہتے تھے، پھر اسی شرط پر آپ کی عراق میں بیعت مکمل ہوئی۔

---

1. ان لوگوں سے آپ کا مقصود خوارج تھے۔
2. دیکھیے: [رقم: ۲۰۵]
3. دیکھیے: [رقم: ۵۲۶]

سو یہ کہنا ممکن ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پوری قوت کے ساتھ اپنی خلافت کی ابتدا ہی سے صلح کی جانب راغب رہے اور ایسے اقدامات کرتے رہے۔ جن سے خون بہنے سے رکنے اور صلح کی کامیابی کا راستہ ہموار ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اہلِ عراق پر بیعت کے وقت شرط لگانا اور پھر ایسے اقدامات کرنا جو ان عصبیت پر مبنی فتنوں سے بچائیں، نیز آپ کا عظیم صبر ان لوگوں کی اذیتوں پر جو صلح کے راستے میں ملیں، جیسے ان پر دو مرتبہ حملہ ہوا، ان پر سب وشتم کیا گیا وغیرہ،[1] ایک بہت بڑا اور بہت مشکل عمل تھا۔ جس کی طاقت ایسا بندہ ہی رکھ سکتا ہے جس میں حکمت، شجاعت اور عزیمت جمع ہوگئی ہوں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی حکمت ہے کہ جب آپ نے اہلِ عراق کی اہلِ شام سے شدید قسم کی نفرت دیکھی، تو انھوں نے اس نفرت کو کم کرنے کی ٹھان لی اور اس کا طریقہ یہ اپنایا کہ اپنی فوج کو لے کر شام کی طرف چل پڑے، ایک بڑی فوج لے کر نکلے جو پہاڑوں جیسی تھی، ایسی فوج اس سے پہلے سنی نہیں گئی تھی۔ اس فوج نے آفاق کو اپنی کثرت سے بھر دیا تھا۔ اس میں کثرت کے ساتھ شدید قسم کے جنگجو جمع تھے۔ آپ ان کو کوفہ سے شام کی طرف لے کے نکلے اور جنگجو لوگوں کو اور جنگ کے شدید حریص لوگوں کو مقدمۂ جیش میں رکھا۔ پھر ان کو حکم دیا کہ وہ آگے چلے جائیں اور ایک دوسرے شہر میں قیام کریں جس میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا قیام نہیں ہوگا۔ پھر آپ نے مقدمۃ الجیش کو مسکن نامی مقام پر ٹھہرنے کا حکم دیا اور خود مدائن میں رک گئے، تاکہ مکمل طور پر جنگ سے اجتناب ہو سکے اور اہلِ شام کے ساتھ صلح کے معاملات افہام وتفہیم سے مکمل ہو سکیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ہمراہ مدائن میں ٹھہرے۔ اہلِ عراق سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جاری مراسلات کا دقیق نظری سے معائنہ کرتے رہے۔ انھوں نے یہ بھی بغور دیکھا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مدائن میں ہی ٹھہر گئے ہیں۔ آپ نے مراسلات پر ہی اکتفا کر لیا ہے اور آپ کوئی جنگی تدبیر نہیں اپنا رہے، تو ان پر یہ راز منکشف ہو گیا کہ آپ مدائن میں جنگ کی غرض سے نہیں آئے اور لامحالہ صلح کرنے کی راہ پر گامزن ہیں۔ پھر جس چیز نے غداروں کی کمر توڑی، وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا خطبہ تھا۔ جس میں آپ نے صلح کی جانب رغبت کا اشارہ کیا۔[2] اسی بنا پر غداروں نے ایک ایسے طریقے سے آپ کو قتل کرنے کا عزم کیا جس سے آپ کا خون رائیگاں چلا جائے اور قاتل کا پتا نہ چل سکے۔

---

[1] یہ بعض ان قائلین کا قول ہے جنھوں نے آپ کو کہا کہ اے مومنوں کو رسوا کرنے والے! تجھ پر سلام ہو۔ دیکھیے: [رقم:۲۰۴]

[2] دیکھیے: [رقم:۵۵۴، ۵۵۵]

عام بازاری اوباش لوگوں نے مل کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حجرے پر حملہ کر دیا، اسے گھیر لیا اور ظاہر یہ کیا کہ وہ چور ہیں اور بس ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اسی دوران میں ایک بدبخت نے آپ پر حملہ کر دیا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حملے سے بچا لیا اور آپ قتل ہونے سے بچ گئے۔

آپ کے زخم کا علاج کیا گیا، پھر صلح کا معاملہ پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ یہ صلح کی راہ میں آپ پر ہونے والا دوسرا حملہ تھا۔ اس سے قبل فریقین کے مابین بہت سے مراسلات کا تبادلہ ہوا، حتی کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کو تسلیم کرنے کے لیے اطمینان کا اظہار کیا۔ اس کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا۔ بعد ازاں آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب لکھا جس میں آپ نے صلح کی بابت موافقت کا ذکر کیا۔ البتہ اس پر کچھ شرائط عائد کیں، جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ماننی لازم تھیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دو لوگوں کو آپ کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر انھیں تمام شرائط کے پورا ہونے کی ضمانت دیں۔ اس کے بعد آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے ہوئے ان دونوں کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک مکتوب دے کر بھیجا۔ پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بالمشافہہ آپ کی دوبارہ بیعت کی۔ اس کا ذکر گزر چکا ہے۔[1]

② بیعت میں حسن رضی اللہ عنہ کی اہلِ عراق پر شرائط

جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ان کی ریاست کو فتنوں نے کمزور کر دیا ہے اور مسلسل جنگوں نے پاش پاش کر ڈالا ہے۔ ان حالات میں اہلِ عراق نے جب آپ کی بیعت کرنا چاہی تو آپ نے ان پر شرط عائد کی، جو انھیں صلح پر تیار کر رہی تھی، اور وہ شرط یہ تھی کہ ''جس سے میں صلح کروں گا، تم اس سے صلح کرنا اور جس سے میں جنگ کروں، تم بھی اس سے لڑائی کرو گے۔'' انھیں تب ہی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ جنگ نہیں چاہتے، سو انھوں نے اس شرط پر آپ کی بیعت کر لی تھی۔ آپ کا لشکر آپ کا بہت اطاعت گزار تھا اور آپ کے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر آپ سے محبت کرتا تھا۔[2]

---

[1] میں نے یہ مفہوم اسی معنی کے ساتھ اپنے استاذ الشیخ دکتور خالد غیث کے کلام سے اخذ کیا ہے۔ ان کے پروگرام "حواري علی قناة المجد" میں بعنوان: "صحائف الضياء" کی تیسری قسط میں موجود ہے۔ اس کے میزبان دکتور سلیمان بن حمد العودۃ تھے اور دکتور غیث اس کے مہمان، حلقہ کا عنوان: ''معاویہ رضی اللہ عنہ'' تھا۔ بعض چیزیں شیخ دکتور سلیمان کی طرف سے ہیں جو انھوں نے گفتگو کے درمیان باتیں کی تھیں۔ پھر میں نے ان کے کلام پر اضافہ کیا ہے اور ان دونوں کے اقوال کو اپنی اس کتاب میں درج کیا ہے۔

[2] ان کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے محبت اور اطاعت کے لیے دیکھیں: [رقم: ۵۹۴]

[**547**] ابو اسحاق بیان کرتے ہیں: سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا ابو محمد حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت کر لی گئی۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے بیعت لی۔

ابو اسحاق کہتے ہیں: مجھے حارثہ بن مضرب نے بیان کیا کہ میں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ کی قسم! میں تم سے صرف اپنے قول پر بیعت لوں گا۔ لوگ کہنے لگے: وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جس سے میں صلح کروں تم بھی اس سے صلح کرو گے اور جس سے میں جنگ کروں تم بھی اس سے جنگ کرو گے۔ جب بیعت مکمل ہو گئی تو آپ نے ان سے خطاب کیا۔[1]

[**548**] ابن سعد کی روایت ہے، جعفر بن برقان کہتے ہیں: میں نے میمون بن مہران کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ سیدنا حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ عراق سے دو چیزوں کی بیعت لی۔ اپنی امارت کے لیے اور دوسری اس پر کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جہاں داخل ہوں گے، وہ بھی وہاں داخل ہوں گے اور جس سے آپ راضی ہوں گے وہ بھی اس سے راضی ہوں گے۔[2]

---

[1] المستدرك (٤٨٠٥) [(٥/٤١٠) ط: التأصيل]، اس کی سند صحیح ہے اور راوی ثقہ، شیخین کے راوی ہیں۔ سوائے حارثہ کے، امام بخاری نے "الأدب المفرد" میں اس سے روایت لی ہے اور اصحابِ سنن نے روایت لی ہے اور یہ ثقہ ہے۔

تخریج: اس روایت کو ابن سعد نے الطبقات الكبرىٰ [الطبقة الخامسة (٢٨٦/١- ٢٨٧) تحقيق: السلمي] میں عبیداللہ بن موسیٰ سے اسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مگر اس نے "حارثہ بن مضرب" کے بجائے "خالد بن مضرب" کا نام لیا ہے جو ان کے بھائی ہیں، جیسا کہ امام بخاری اور ابن حبان نے کہا ہے۔ ابو اسحاق نے ان دونوں سے روایت لی ہے، اس میں احتمال ہے کہ انھوں نے ان دونوں سے سنا ہو گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ کسی راوی کو التباس ہو گیا ہو گا۔ جو بھی ہو روایت بہر حال صحیح ہے، اس کا ایک صحیح شاہد بھی ہے۔ اگر یہ صحیح السند نہ بھی ہو تو شواہد کے ساتھ بہر حال صحیح ہے۔

"خالد بن مضرب" پر امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے سکوت کیا ہے۔ اس کو ابن حبان نے "الثقات" میں ذکر کیا ہے۔ التاريخ الكبير (١٧٣/٣) الجرح والتعديل (٣٥٢/٣) الثقات لابن حبان (٢٠٠/٤) (٢٦٤/٦) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (١٢٢/٤) مزید دیکھیں: العلل ومعرفة الرجال لأحمد، رواية عبدالله (٤٩٩) (١٤٢٤) (٤٠٣١)

شواہد: جبیر بن نفیر کی روایت ہے کہ انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے سوال کیا تو انھوں نے جواب دیا: عرب کے جنگجو میرے ہاتھ میں تھے، اس سے صلح کرتے جس سے میں کرتا اور اس سے لڑائی کرتے جس سے میں کرتا۔ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ دیکھیں: [٥٩٦] ہلال بن خباب کی روایت آگے [رقم: ٥٦٠] میں آ رہی ہے، اور وہ اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

[2] الطبقات الكبرىٰ [الطبقة الخامسة (٣١٦/١- ٣١٧) تحقيق: السلمي] اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ یہ سند مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ میمون نے ان واقعات کو نہیں پایا، کیوں کہ وہ ۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی۔ سلمی کہتے ہیں: اس کی سند حسن ہے۔

شواہد: وہی جو سابقہ روایت کے شاہد ہیں۔

③ شرط لگانے پر کوفہ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر پہلا حملہ

جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بیعت میں یہ شرط لگائی اور بعض غالیوں نے آپ کی طرف سے صلح کی رغبت محسوس کر لی، تو اس راہ کو کاٹنے کے لیے پہلی سازش کی گئی۔ وہ یوں کہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ حالتِ سجدہ میں تھے، تو نماز کے دوران میں آپ کی ران پر حملہ کر دیا گیا، جس سے موت تو واقع نہ ہوئی، البتہ اس مرض کے باعث دو ماہ تک آپ بسترِ مرض پر رہے۔ اس کے بعد آپ شفا یاب ہوئے اور آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ پہلا حملہ تھا اور کوفہ میں ہوا۔

[**549**] یعقوب بن سفیان سے "المعرفة والتاريخ" میں منقول ہے، جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں ہے، امام زہری بیان کرتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا اور اہلِ عراق نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کر لی۔ جب وہ بیعت کرنے لگے تو آپ نے یہ شرط لگائی کہ تم لوگ میری بات سن رہے ہو اور میرے مطیع ہو، جس سے میں ہاتھ روک لوں تم بھی اس سے رک جاؤ گے اور جس سے میں جنگ کروں تم بھی اس سے جنگ کرو گے۔ جب آپ نے یہ شرط لگائی تو اہلِ عراق کو آپ کے معاملے میں شک گزرا اور وہ کہنے لگے: تمھارے ساتھی کو کیا ہو گیا ہے؟[1] یہ جنگ نہیں کرنا چاہتا، بیعت کے تھوڑے ہی دنوں بعد آپ پر حملہ کر دیا گیا۔ اس میں آپ موت سے تو بچ گئے البتہ آپ کا غصہ اور بڑھ گیا اور آپ ان سے بہت خوفزدہ ہو گئے۔[2]

---

① یعنی: جنگی ساتھی۔

② تاریخ دمشق (۱۳/۲۶۳) یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے اور اس کی سند مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔

تخریج: اسے امام طبری نے التاريخ الطبري (۳/۱۶۷) میں نقل کیا ہے کہ مجھے عبداللہ بن احمد مروزی نے، وہ کہتے ہیں: مجھے میرے باپ نے روایت کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں سلیمان نے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے عبداللہ نے یونس اور امام زہری کے واسطے سے یہ روایت بیان کی اور اس روایت میں دو منکر قصوں کا تذکرہ بیان ہوا ہے: پہلا قصہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین صلح کی شرائط کے بارے میں مراسلہ کا قصہ۔ دوسرا قصہ بیعت کے وقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا قصہ۔ عنقریب ہم اس خطبے کا تذکرہ طبری کی روایت میں سے اس سند کے ساتھ کتاب: "خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البعية" [رقم: ۱۵] میں کریں گے اور وہاں اس روایت کے رجال کے احوال کا بھی بیان ہو گا۔

شواہد: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا قول: ''جس سے میں اپنا ہاتھ روک لوں تم بھی اس سے رک جاؤ گے اور جس سے میں جنگ کروں تم بھی اس سے جنگ کرو گے۔'' اس کے شواہد ہم سابقہ دو روایات میں ذکر کر چکے ہیں۔

اور راوی کا قول: ''آپ پر ایسا حملہ ہوا جس سے آپ کی موت واقع نہ ہوئی۔'' یہ روایات [رقم: ۵۵۰ تا ۵۵۳] اس بات کی شاہد ہیں اور یہ روایت صحیح ہے۔

اس قول: ''آپ کی نفرت بڑھ گئی اور آپ خوف زدہ ہو گئے'' کا تعلق ان لوگوں سے ہے جنھوں نے آپ پر حملہ کیا نہ کہ سارے اہلِ عراق سے آپ ڈرنے لگے تھے۔ اس کی تفسیر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا یہ قول کر رہا ہے کہ اے عراق والو! میرا دل تم سے نہ بھی اُکتایا ہوتا تو تین وجہ سے اُکتا گیا ہے: تم نے میرے والد کو قتل کیا، تم نے مجھ پر حملہ کیا اور میری چادر کھینچی۔[1] بس آپ کی مراد وہ لوگ تھے جو ان تین خصائل سے متصف تھے۔

[**550**] ہلال بن سیاف کہتے ہیں: میں نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے: اے کوفہ والو! ہماری بابت اللہ سے ڈرو، ہم تمھارے امیر اور تمھارے معزز لوگ ہیں۔ ہم تو اہلِ بیت ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾

[الأحزاب: ٣٣]

''اللہ ارادہ کرتا ہے کہ تم سے رجس کو لے جائے، اے اہلِ بیت! اور تمھیں پاک کر دے خوب پاک کرنا۔''

راوی کہتے ہیں[2]: اس دن سے بڑھ کر روتا ہوا میں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو کبھی نہیں دیکھا۔[3]

[**551**] ابو جمیلہ سے مروی ہے: ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے خلیفہ ہوئے، آپ لوگوں کو امامت کروا رہے تھے کہ اچانک ایک شخص نے جھپٹ کر آپ کی ران پر خنجر سے حملہ کر دیا۔ جس کی بنا پر آپ کئی ماہ تک بیمار رہے۔

پھر آپ نے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے عراق والو! ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ہم تمھارے امراء اور معزز لوگ ہیں۔ ہم تو اہلِ بیت ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾

[الأحزاب: ٣٣]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ٥٦٠] وہاں میں نے اس روایت کے غریب ہونے کی وضاحت کر دی ہے۔

[2] اس کے قائل راویِ حدیث ہلال بن یساف ہیں۔

[3] الطبقات الکبری [الطبقة الخامسة (٣١٨/١) تحقيق: السلمي] اس روایت کی سند صحیح ہے۔

تخریج: ابن عساکر نے اسے (٢٧٠/١٣) ابن سعد کے طریق سے بیان کیا ہے۔ البتہ یہ روایت سير أعلام النبلاء (٢٦٩/٣) میں یزید کی سند سے موجود ہے۔

''اللہ ارادہ کرتا ہے کہ تم سے رجس کو لے جائے، اے اہلِ بیت! اور تمھیں پاک کر دے خوب پاک کرنا۔''

آپ مسلسل اس روز یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ مسجد میں موجود ہر شخص رونے لگا۔[1]

[552] ابو جمیلہ سے مروی ہے: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی اور حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے۔ آپ لوگوں کو امامت کروا رہے تھے کہ ایک شخص نے آپ پر خنجر سے وار کیا۔ حصین راوی کا کہنا ہے کہ جس نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حالتِ سجدہ میں حملہ کیا، وہ بنو اسد کا ایک شخص تھا۔ حصین کہتے ہیں: میرے چچا اسے جانتے تھے۔ راوی بیان کرتے ہیں: لوگ کہتے تھے کہ آپ کی ران پر حملہ ہوا، جس کی بنا پر آپ کئی ماہ بیمار رہے۔ پھر آپ صحت یاب ہوئے تو آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا:

اے اہلِ عراق! ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ہم تمھارے امیر اور معزز گھرانے کے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾

[الأحزاب: ٣٣]

''اللہ ارادہ کرتا ہے کہ تم سے رجس کو لے جائے، اے اہلِ بیت! اور تمھیں پاک کر دے خوب پاک کرنا۔''

راوی کہتے ہیں: آپ مسلسل یہ کلمات دہراتے رہے حتی کہ مسجد میں موجود ہر شخص رونے لگا۔[2]

[553] ابو الفضل عبید اللہ بن سعد بن ابراہیم زہری نے محمد بن اسحاق بن یسار کی ''تاریخ'' میں اضافہ کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔ جیسا کہ ''تاریخ دمشق'' میں ہے، ابو جمیلہ بیان کرتے ہیں: جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ حالتِ سجدہ میں تھے تو ایک شخص نے آپ کی ران پر حملہ کر دیا۔ جس سے آپ دو ماہ بیمار رہے۔ جب آپ صحت یاب ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے

---

[1] المعجم الکبیر (٢٧٦١) یہ روایت صحیح ہے۔ اس کی سند ابو جمیلہ کی وجہ سے متابعت کی بنا پر حسن ہے۔ ابو جمیلہ سے مراد میسرہ بن یعقوب طہوی ہیں، جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علم بردار تھے، مقبول راوی ہیں۔ سابقہ روایت میں ان کی متابعت کی گئی ہے۔ باقی راوی ثقہ ہیں۔

[2] الطبقات الکبری [الطبقة الخامسة (١/٣٢٣) ت: السلمي]

تخریج: اس روایت کو ابن عساکر (١٣/ ٢٦٨) نے ابن سعد کی سند سے بیان کیا ہے۔

فرمایا: اے لوگو! ہم تمھارے امیر اور تمھارے معزز لوگ ہیں، جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴾ [الأحزاب: ٣٣]

''اللہ ارادہ کرتا ہے کہ تم سے رجس کو لے جائے، اے اہلِ بیت! اور تمھیں پاک کر دے خوب پاک کرنا۔''

آپ یہ کلمات دہراتے رہے حتی کہ مسجد میں موجود ہر شخص رونے لگا۔

ابن عساکر کہتے ہیں: راوی نے ایسے ہی بیان کیا ہے، لیکن درست قول یہ ہے کہ میسرہ سے مراد ابو جمیلہ ہے۔ روایت میں ''یخن بکاء'' ''رونے لگے'' کے الفاظ ہیں۔[1]

④ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا شام کی جانب خروج اور مدائن میں آپ پر دوسرا قاتلانہ حملہ

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ صفر ۴۱ھ میں اپنا لشکر جو قریباً ۷۰ ہزار یا اس سے زیادہ[2] افراد پر مشتمل تھا، لے کر اہلِ شام پر حملے کی غرض سے نکلے، حتی کہ آپ مدائن پہنچ گئے۔ آپ نے مقدمۃ الجیش کے طور پر ایک لشکر پہلے روانہ کیا، جو جیش الخمیس کے ۱۲ ہزار لوگوں پر مشتمل تھا۔ ان کی قیادت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے سپرد تھی۔ قیس رضی اللہ عنہ انھیں لے کر مسکن، انبار اور اس کے اطراف میں پہنچ گئے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے مدائن میں ایک خطبہ دیا، جس میں آپ نے صلح کی جانب رغبت کا اظہار فرمایا اور یہ بھی واضح کیا کہ ان کا جنگ کا کوئی ارادہ نہیں۔

[**554**] ریاح بن حارث بیان کرتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد لوگوں کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا: ہر آنے والے کی موت کا وقت قریب ہے اور اللہ تعالیٰ کا امر واقع ہو کر رہے گا۔ اگرچہ لوگوں کو ناگوار گزرے اور اللہ کی قسم! مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں امتِ محمد کے ایسے معاملے کا والی بنوں جو ایک رائی کے دانے کے برابر وزنی ہو اور اس میں ایک شیشی کے برابر بھی خون بہایا جائے۔ مجھے خوب پتا ہے کہ کون سی چیز میرے لیے نفع بخش اور کون سی چیز نقصان دہ ہے۔ لہٰذا تم اپنے مقام پر رہو۔[3]

---

① تاریخ دمشق (۱۳/۲۶۹) مزید دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۱/۱۰۳، ۱۲۵)

② دیکھیے: [رقم: ۵۹۰، ۵۹۱]

③ الطبقات [الخامسة (۱/۳۱۷) ت: السلمي] اس کی سند صحیح ہے۔

←

اللہ کی قسم! مجھے خلیفہ بننا پسند نہیں، اگر چہ وہ خلافت لمبی ہو یا پھر بہت ہی تھوڑی دیر کے لیے ہو۔اس کی مدت اور حجم اگر چہ رائی کے دانے کے برابر ہی ہو، اگر یہ خلافت کسی بھی درجے میں خون بہنے کا سبب بنے، بھلے وہ حجامے جتنا خون ہی کیوں نہ ہو۔

بالفاظِ دیگر اللہ کی قسم! خلافت کو مشکل یا آسانی سے ترک کرنا میرے لیے بہتر ہے اور مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اس کے بدلے ایک خون کی شیشی کے برابر بھی خون ریزی کروں۔

[555] امام احمد رحمہ اللہ نے ''الفضائل'' میں بیان کیا ہے، صدقہ بن مثنیٰ بیان کرتے ہیں: مجھے میرے دادا نے بیان کیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس مدائن میں اکٹھے ہوئے۔ آپ نے انھیں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد خطبہ دیا اور کہا: ہر آنے والے کی موت کا وقت قریب ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا، اگر چہ لوگوں کو ناپسند ہی کیوں نہ ہو، اور اللہ کی قسم! مجھے یہ بات محبوب نہیں۔ محمد بن عبید اللہ نے کہا: اللہ کی قسم! جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ مجھے پتا ہے کہ کیا چیز میرے لیے نفع مند اور کیا نقصان دہ ہے۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے، مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں امتِ محمد کے ایسے معاملے کا امیر بنوں، جو ایک رائی کے دانے کے مثل وزنی ہو اور اس میں ایک شیشی کے برابر بھی خون بہے، اتنا خون بہے جتنا حجامے سے بہتا ہے۔[1]

اس خطبے کے سبب جس میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے صلح کی جانب رغبت کا اشارہ کیا۔آپ کے لشکر سے بعض افراد نے آپ کے خلاف دوسری مرتبہ سازش کی کہ آپ کو کسی طرح قتل کر دیا جائے، آپ کا خون رائیگاں رہے اور قاتل کا پتا نہ چل سکے۔ ان کی یہ چال تھی کہ آپ مدائن میں جہاں مقیم ہیں، وہاں لشکر پر اچانک دھاوا بول دیا جائے، لہٰذا لوگ اس طرح ایک دوسرے پر حملے کر دیں گے، پھر کچھ لوگ خود کو چور ظاہر کر کے لوٹ مار کی غرض سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حجرے میں داخل ہوں گے۔ اسی اثنا میں کوئی شخص آگے بڑھ کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا کام تمام کر دے گا۔

← **تخریج الحدیث:** اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی المصنف (۳۸۵۱۳) میں محمد بن عبید سے روایت کیا ہے۔
نعیم بن حماد نے الفتن (۴۵۷) میں، آجری نے الشریعۃ (۱۶۶۰) میں، الالکائی نے شرح أصول الاعتقاد (۲۷۹۸) میں، خطیب نے تاریخ بغداد (۸/۴۱۸) میں اور ابن عساکر (۱۳/۲۶۳) تین طرق سے صدقہ بن مثنی سے روایت کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ اور آجری کے علاوہ سب ہی کے ہاں یہ بات مسلم ہے کہ یہ خطبہ مدائن میں ہوا تھا۔

[1] امام احمد رحمہ اللہ کی فضائل الصحابۃ (۱۳٦٤) اس روایت کی سند صحیح ہے۔

پھر اس سازش کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ ہوا یوں کہ مدائن میں مقیم لشکر میں کسی نے چیخ ماری اور چلایا کہ لوگو! قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو قتل کر دیا گیا ہے، جو جیش الخمیس کے قائد تھے اور ۱۲ ہزار سپاہیوں کے ہمراہ مسکن، انبار اور اطراف کے علاقوں میں مقیم تھے، یعنی آپ مدائن میں موجود نہ تھے۔ لوگ اس خوفناک خبر کو سن کر مضطرب پریشان اور بے چین ہو کر خوفزدہ ہو گئے۔ اسی دوران میں کچھ بازاری اوباشوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حجرے پر حملہ کر کے اسے گھیر لیا، حتی کہ انھوں نے آپ کے نیچے پڑی چٹائی پر بھی حملہ کر دیا اور آپ کی پشت پر سے چادر اتار لی۔ بنو اسد کے ایک بدبخت ابن اقیصر نے آپ کی سرین پر زہر آلود خنجر سے حملہ کر دیا۔ یہ دوسرا حملہ اور دوسری چال تھی جو مدائن میں چلی گئی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اس سازش سے بھی کامیابی سے بچ نکلے۔ آپ زخمی حالت میں کسریٰ کے سفید محل میں امن کی جگہ منتقل ہو گئے۔[1]

جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے قتل کی دوسری چال بھی کامیاب نہ ہو پائی تو انھوں نے تیسری چال چلی۔ اس کی قیادت مختار بن ابی عبید ثقفی نے کی۔ یہ ایک نوجوان لڑکا تھا، اس نے اپنے چچا سعد بن مسعود ثقفی والیِ مدائن سے درخواست کی کہ وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے اور اگر ممکن ہو سکے تو ان کا سر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھجوا دے۔ یا پھر انھیں قید کر کے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دے،[2] تاکہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنا حصہ وصول کر سکیں،[3] مگر اس کے چچا نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور اس طرح یہ چال کامیاب نہ ہو سکی۔ لہٰذا تیسری چال دوسری چال کا تتمہ تھی۔

اس کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا ایک مراسلہ لکھ کر ان کے پاس بھیج دیا، اور دوسری مرتبہ عراقی لشکر سے خطاب کیا۔[4]

[**556**] اسماعیل بن راشد کہتے ہیں: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو ۱۲ ہزار لوگوں کے ہمراہ مقدمۃ الجیش کے طور پر بھیجا۔ اسی سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایلیاء میں آئے[5] اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما مدائن کے قصرِ ابیض میں خیمہ زن ہوئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مسکن میں تشریف لائے، مدائن پر مختار بن

---

[1] دیکھیں: [رقم: ۵۶۲]

[2] دیکھیں: [رقم: ۵۵۹]

[3] دیکھیں: [رقم: ۵۵۶، ۵۵۷]

[4] یہ خطبہ آگے مختصراً [رقم: ۵۵۶، ۵۵۷] میں آ رہا ہے اور مفصل [رقم: ۵۶۰] میں آ رہا ہے۔

[5] یعنی وہ سال جس میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور یہ چالیسواں سال تھا۔

ابوعبید کے چچا سعد بن مسعود کی حکومت تھی۔ مختار اپنے چچا سعد بن مسعود سے کہنے لگا، تب مختار ایک نوجوان لڑکا تھا، کہ کیا تجھے عزت و دولت چاہیے؟ سعد کہنے لگا: مگر کیسے؟ مختار کہنے لگا: تو حسن رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دے۔ سعد بن مسعود کہنے لگا: تجھ پر اللہ کی لعنت ہو، کیا میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو پکڑ کر قید کروں؟ تو بڑا برا شخص ہے۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ انھیں چھوڑ کر منتشر ہو رہے ہیں تو آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صلح کا مراسلہ لکھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمس کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا۔ وہ دونوں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس مدائن چلے آئے۔ انھوں نے آپ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مکتوب پیش کیا اور آپ سے مصالحت کر لی۔ پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے اہلِ عراق! میرا دل تم سے نہ بھی اکتایا ہوتا تو تین وجہ سے اکتا گیا ہے: تم نے میرے والد کو قتل کیا، تم نے مجھ پر حملہ کیا اور میری چادر کھینچی۔ پھر آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں داخل ہو گئے اور وہ[1] کوفہ میں آئے، جہاں لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔[2]

[**557**] اسماعیل بن راشد بیان کرتے ہیں: لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کر لی۔ پھر آپ لوگوں کے ہمراہ نکل کر مدائن آئے اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کی کمان میں ۱۲ ہزار لوگوں کو مقدمۃ الجیش کے طور پر بھیجا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مسکن[3] آ گئے، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ابھی مدائن میں ہی مقیم تھے کہ اچانک ایک منادی نے لشکر میں آواز لگا دی کہ لوگو! قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کا قتل ہو گیا ہے، لہٰذا تم جلدی بھاگو۔ لوگ دوڑے، ادھر اوباشوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خیمے کو گھیر لیا حتی کہ انھوں نے آپ کے نیچے سے چٹائی کھینچ

---

[1] یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ۔

[2] المعجم الکبیر (۱٦۸) یہ شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ سوائے مختار کے قصے کے اور وہ قرائن کے ساتھ مقبول ہے۔ اگلی روایات کے حاشیے کے ذیل میں اس کے قرائن ذکر ہوں گے۔
اسی طرح روایت کا حصہ کہ ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مسکن پہنچے'' بھی ثابت نہیں۔ نیز ''جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ معاملہ ان سے چھٹ گیا ہے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا۔'' بھی ثابت نہیں ہے۔
اس روایت کے راوی ثقہ ہیں، سوائے اسماعیل بن راشد کے۔ ملاحظہ ہو: اگلی روایت، اگلے حاشیہ میں مسکن کی تعریف آ رہی ہے۔

[3] مسکِن: (کاف پر کسرہ): یہ ایک مقام ہے جو دیر جاثلیق کے قریب نہر دجلہ پر اوانا کے قریب ہے۔ اور دیر جاثلیق بغداد سے قریب ہے۔ دیکھیے: معجم البلدان (۵/۱۲۷) (۲/۵۰۳)

لی، ان کے خیمے پر حملہ کر دیا۔ آپ ادھر سے نکل کر مدائن میں قصرِ ابیض میں چلے آئے۔ مدائن کا عامل مختار بن ابوعبید کا چچا سعد بن مسعود تھا۔[1] تو مختار اپنے چچا سے کہنے لگا: کیا آپ کو دولت اور عزت مطلوب ہے؟ سعد بن مسعود کہنے لگا: مگر کیسے؟ مختار کہنے لگا: تو حسن کو گرفتار کر کے معاویہ کے حوالے کر دے۔ سعد بن مسعود کہنے لگا: تجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ کیا میں رسول اللہ ﷺ کے نواسے پر حملہ کر کے اسے گرفتار کروں؟ تو بڑا گندا شخص ہے۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ منتشر ہیں، تو آپ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صلح کا مراسلہ لکھ دیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمس کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ وہ مدائن میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آ گئے اور انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کا پیغام پہنچا دیا اور آپ سے اس پر مصالحت کر لی کہ وہ کوفہ کے بیت المال سے پچاس لاکھ درہم[2] اور کچھ چیزیں لیں گے۔ پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اہلِ عراق میں کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا: میرا دل تم سے نہ بھی اکتایا ہوتا تو تین وجہ سے اکتا گیا ہے: تم نے میرے والد کو قتل کیا، تم نے مجھ پر حملہ کیا اور میری چادر کھینچی۔ پھر آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں داخل ہو گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہو گئے، جہاں لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔

[**558**] زیاد بن عبداللہ نے اپنی روایت میں اس سے کچھ الفاظ زائد بیان کیے ہیں: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو صلح کا مراسلہ لکھا اور امان طلب کی۔ آپ نے سیدنا حسین بن علی اور عبداللہ بن جعفر سے کہا: میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صلح کا مراسلہ لکھا ہے اور امان کا مطالبہ کیا ہے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں، اس طرح تو آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بات کی تصدیق کریں گے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بات کی تکذیب کریں گے؟ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: آپ چپ ہو جائیے۔ مجھے اس معاملے کا آپ سے بہتر علم ہے۔ پھر انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا، تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر اور عبدالرحمٰن بن سمرہ کو بہ طور قاصد بھیجا، وہ مدائن آئے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ارادے کی بابت خبردار کیا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو خط لکھا، جنھیں ۱۲ ہزار لوگوں کے ہمراہ مقدمۃ الجیش کے طور پر روانہ کیا تھا، آپ نے انھیں حکم دیا کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت کریں۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما لوگوں میں کھڑے ہو کر کہنے لگے: لوگو! امامِ ضلالت کی اطاعت میں داخل ہونا پسند کر لو،

---

[1] سعد بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ جو مختار بن ابی عبید کے چچا ہیں اور یہ صحابی تھے۔ الاستیعاب (۶۰۲/۲)

[2] آگے حاکم کی روایت میں آ رہا ہے کہ وہ پچاس کروڑ درہم تھے۔ دیکھیں [رقم: ۵۶۸]

یا پھر امام کے بغیر جنگ کرنے کو اختیار کر لو۔ وہ سب کہنے لگے کہ ہم تو امامِ ضلالت کی اطاعت میں داخل ہونے کو پسند کرتے ہیں۔ تو انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما واپس آ گئے، تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس شرط پر صلح کی کہ بیت المال کا مال ان کا ہو گا،[1] اور دار ابجرد کا خراج دیا جائے گا، نیز ان کی موجودگی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالی نہیں دی جائے گی، آپ نے کوفہ کے بیت المال سے جو کچھ تھا لے لیا، وہ پچاس لاکھ درہم تھے، اسی سال سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کروایا۔[2]

---

[1] اس سے مراد کوفہ کا بیت المال ہے۔

[2] تاریخ الطبري (۱٦٥/۳) یہ روایت اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ سوائے اس قول کے ''جب حسن رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ معاملہ تفرقے میں پڑ گیا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا۔'' اس میں نکارت ہے اور یہ صحیح روایات کے مخالف ہے۔ کیونکہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ صلح پر مجبور تھے اور ناپسند کر رہے تھے، جب کہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ خود فیصلہ کر چکے تھے اور وہی اس کی وجہ بنی تھی۔ نیز صلح پر حرص کی وجہ سے ہی ان پر حملہ کیا گیا تھا۔

اسی طرح روایت کا حصہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ساتھ آگے بڑھے اور مسکن آ گئے۔'' بھی درست نہیں ہے، کیونکہ مسکن میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہما آئے تھے۔ طبری نے بیان کیا ہے: قیس ان کے ساتھ چلے، یہاں تک کہ مسکن، انبار اور اس کی ارد گرد کی بستیوں میں جا کر پڑاؤ ڈالا، ادھر سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ چلے اور مدائن پہنچے، جبکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ساتھ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف آئے اور جسرِ منبج پر ٹھہرے۔

اسی طرح اس روایت میں لفظ ''إمام ضلالة'' یعنی ''گمراہی کا امام'' بیان ہوا ہے۔ اس لفظ میں بھی نکارت ہے اور یہ صحیح روایت کے مخالف ہے جس کو ہم آگے شواہد میں ذکر کریں گے۔

اسی طرح مختار کا قصہ بھی اس روایت میں صحیح نہیں ہے، لیکن قرائن کے ساتھ مقبول ہے، کیونکہ ایک تو وہ قصہ مشہور ہے اور دوسرا یہ ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملے کیے گئے اور ان کے قتل کا ارادہ کیا گیا۔ اسی طرح روایت کا حصہ: ''اس سال حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کروایا۔'' اس پر سکوت کیا گیا ہے۔

اس کی سند ضعیف اور مرسل ہے۔ اسماعیل بن راشد سے مراد: اسماعیل بن ابی اسماعیل السلمی الکوفی ہے۔ ان سے امام بخاری، ابو حاتم اور دارقطنی نے سکوت کیا ہے اور ابن حبان نے ثقہ، تبع تابعین میں ذکر کیا ہے۔ البانی رحمہ اللہ اس کو مجہول الحال کہتے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: التاریخ الکبیر (۳٥۳/۱) الجرح والتعدیل (۱٦۹/۲) اور کہا ہے کہ اس کا شمار کوفیوں میں ہوتا ہے۔ الثقات (۳٤/٦) سؤالات السلمي للدارقطني (۱۳٥) اور پھر اس کے نسب کے بیان میں انھوں نے کہا ہے کہ یہ الاسدی ہے۔ إرواء الغلیل (۷٦/٦، رقم: ۱٦٤۰) المعجم الصغیر لرواة ابن جریر (۲۷۰) المسروقي: ثقہ ہے۔ عثمان بن عبدالرحمٰن الحرانی ابوعبدالرحمٰن صدوق ہے۔

زیاد بن عبداللہ البکائی کا ترجمہ [رقم: ۱۲۲] میں گزر چکا ہے۔ عوانہ سے مراد: ابن الحکم بن عیاض بن وزر الکلبی ہیں۔ یہ اپنی نقل میں صدوق تھے۔ سیر أعلام النبلاء (۲۰۱/۷) اور عوانہ کی روایت مرسل ہے۔ ←

[559] ثابت بن ہریمز کہتے ہیں کہ جب سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما قصرِ مدائن پہنچے تو مختار اپنے چچا سے کہنے لگا کہ کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ آپ عرب پر حکومت کریں۔ اس کا چچا کہنے لگا: مگر کیسے؟ مختار کہنے لگا: بس مجھے اجازت دیں، تا کہ میں حسن (رضی اللہ عنہ) کی گردن کاٹ کر ان کا سر معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے پاس بھیج دوں۔ اس کا چچا کہنے لگا: ان کا انعام یہ نہیں ہے، ہمارے پاس اہلِ بیت ہیں۔ [1]

← **شواہد:** قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو ۱۲ ہزار لوگوں کے ساتھ مقدمہ کے ساتھ بھیجنے کا قصہ ابو الغریف کی روایت میں حسن سند کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ دیکھیں: [رقم: ۶۰۴]

اسی طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملے کا قصہ [رقم: ۵۶۰] میں بیان ہوا ہے۔

اسی طرح صلح حسن رضی اللہ عنہ کا قصہ [رقم: ۵۶٦] اور [رقم: ۵٦۸] میں بیان ہوا ہے۔

اسی طرح خطبہ حسن رضی اللہ عنہ: ''تم نے میرے والد کو قتل کیا، مجھ پر حملہ کیا اور میرا سامان چھین لیا۔'' وہ صحیح ہے۔ دیکھیں: [رقم: ۵۶۰]

اسی طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا سیدنا حسین اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے مشورہ کرنا، وہ بھی صحیح ہے۔ دیکھیں: [رقم: ۵۷۲]

البتہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کا اپنے لشکر کو اتحاد میں داخل ہونے اور بغیر امام کے قتال کے معاملے کی بات کرنے کا قصہ بھی یہاں منکر ہے، کیونکہ صحیح سند کے ساتھ اس کے لفظ یہ آئے ہیں: ''اے لوگو! تمھارے پاس دو معاملات ہیں، ان میں سے ایک کو قبول کرنا تم پر لازم ہے، یا تو فتنہ میں داخل ہو جاؤ یا بغیر امام کے لڑائی کرو۔'' دیکھیں: [رقم: ۵۷۴]

تخریج: اس روایت کو طبرانی نے المعجم الکبیر (۱٦۸) میں روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں احمد بن علی الأبار نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو امیہ عمرو بن ہشام الحرانی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں عثمان بن عبدالرحمٰن الطرائفی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن راشد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ابن ملجم کے بارے ایک یہ بات تھی ..... پھر آگے انھوں نے ایک بہت لمبا قصہ ذکر کیا ہے جس کا بعض حصہ منکر ہے، پھر اس کے آخر میں مختار کا اپنے چچا کے ساتھ قصہ ذکر کیا ہے، پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا ذکر کیا ہے۔ پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خطبے کا ذکر کیا ہے اس کا کچھ حصہ آگے [رقم: ۵۵٦] میں آ رہا ہے۔ اس کے راوی سب ثقہ ہیں سوائے اسماعیل بن راشد کے اور ان کے حالات اس حاشیہ کی ابتدا میں گزر چکے ہیں۔

نیز اس کو ابن الجوزی المنتظم (۱٦٦/۵- ۱٦۷) میں اسماعیل بن راشد سے مختصر لائے ہیں۔

اسی طرح اسماعیل بن علی الخطمی نے ''تاریخ الخلفاء'' میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ تاریخ دمشق (۲٦۲/۱۳) میں ہے انھوں نے اسے زیاد بن عبداللہ کے واسطے سے، اسی سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور یہاں انھوں نے اس روایت کا پہلا حصہ ذکر کیا ہے۔

[1] الطبقات الکبری - الطبقة الخامسة (۲۸٦/۱) ت: السلمي، یہ روایت اپنے قرائن کے ساتھ مقبول ہے، جیسا کہ ہم نے سابقہ روایت میں ذکر کیا ہے۔ اس کی سند تدلیس، ارسال اور ثابت (راوی) کے ضعف کی بنا پر ضعیف ہے۔ ←

[**560**] عون بن موسیٰ[1] کہتے ہیں: میں نے ہلال بن خباب کو فرماتے ہوئے سنا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے کبار ساتھیوں کو قصرِ مدائن میں جمع کیا اور فرمانے لگے: اے اہلِ عراق! میرا دل تم سے نہ بھی اُکتایا ہوتا تو تین وجہ سے اُکتا گیا ہے: تم نے میرے والد کو قتل کیا، تم نے مجھ پر حملہ کیا اور میری چادر کھینچی۔ تم نے مجھ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ جس سے میں اپنا ہاتھ روک لوں گا، تم بھی اس سے رُک جاؤ گے اور میں جس سے جنگ کروں گا، تم بھی اس سے جنگ کرو گے۔ سو میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے، لہٰذا تم ان کی سمع واطاعت کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر آپ قصرِ ابیض میں چلے گئے۔[2]

← ''ثابت'' پر امام بخاری اور ابو حاتم نے سکوت کیا ہے اور انھوں نے سوائے مغیرہ کے اس سے بیان کرنے والے کسی راوی کا ذکر نہیں کیا۔ ابن حبان نے اسے ثقہ تبع تابعین میں ذکر کیا ہے۔ امام بخاری اور ابو حاتم رحمہ اللہ نے بالجزم کہا ہے کہ اس ثابت سے مراد: ثابت بن ہرمز بن ابی مقدام الحداد نہیں ہے جو ثقہ ہیں۔ مزی کا بھی اسی جانب اشارہ ہے، جبکہ امام احمد اور ابن حبان نے ان کی مخالفت کی ہے، وہ بالجزم اس کو ثابت بن ہرمز قرار دیتے ہیں۔ دیکھیے: التاریخ الکبیر (١٧١/٢) الجرح والتعدیل (٤٥٨/٢) الثقات (١٢٤/٦) تهذیب الکمال (٣٨٠/٤) تهذیب التهذیب (١٦/٢)

تخریج: یہ روایت البدایة والنهایة (١٦/٨) میں ہے۔

[1] عون بن موسیٰ لیثی، ابو روح بصری ہیں۔ ان سے ثقات کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے۔ ان کی توثیق عبیداللہ بن عمر قواریری، یحییٰ بن معین، عجلی، ابوداود سجستانی اور ابن شاہین نے کی ہے۔ ابو حاتم رازی کہتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابن حبان نے اسے ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے۔ دیکھیں: تاریخ ابن معین بروایة الدارمي (٥٠٥) التاریخ الکبیر (١٧/٧) الثقات للعجلي (١٤٥٣) سؤالات الآجري لأبي داود (١٠٦١) تاریخ أسماء الثقات (١٠٩٤) الثقات لابن حبان (٢٨٠/٧) لسان المیزان (٣٨٨/٤) الثقات ممن لم یقع في الکتب الستة (٤٢٠/٧) التذییل علی کتب الجرح والتعدیل (٦٠٩) المعجم الصغیر لرواة الإمام ابن جریر الطبري لأکرم بن محمد زیاد (٣٣٦٤) وہ کہتے ہیں: یہ چوتھے طبقہ کے ثقہ راوی ہیں، ان میں حرج نہیں۔

[2] الطبقات الکبری [الطبقة الخامسة (٣٢٤/١ - ٣٢٥) تحقیق: السلمي] یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے اور اس سند میں ہلال بن خباب اضطراب کا شکار ہوا ہے۔ اس سے مراد: ابو الاعلیٰ عبدی بصری ہے۔ کبھی یہ اس روایت کو مرسل اور کبھی متصل بیان کرتا ہے اور ہلال کی وفات ۱۴۴ھ کے آخر میں ہوئی ہے اور اس واقعہ اور اس کی وفات کے مابین سو برس سے زائد کا فاصلہ ہے۔ لہٰذا اس واقعہ کے وقت ہلال بن خباب موجود نہ تھا۔ محدثین کی ایک جماعت نے اس کی توثیق کی ہے۔ اس کے بارے میں امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ صدوق راوی ہے اور روایات میں تغیر کرتا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں: یہ اکثر خطا کر جاتا ہے اور اپنے سے ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہے۔

یعقوب بن سفیان کہتے ہیں: یہ ثقہ راوی ہے، البتہ روایت میں تبدیلی کر جاتا ہے۔ الثقات (٥٧٤/٧) المعرفة والتاریخ (٩٠/٣) تهذیب الکمال (٣٣٠/٣٠) اس روایت کو موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی اور سعید بن منصور نے ←

....

← عون بن موسیٰ کے واسطے سے مرسل بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ سعید بن منصور نے عون بن موسیٰ کے واسطے سے، فلان کے واسطے سے بیان کیا ہے اور ابو العوام امیہ بن حکیم عبدی نے اس سے یہ روایت سعید بن جبیر کے واسطے سے بیان کی ہے اور سکین بن عبدالعزیز نے اس سے یہ روایت خالد بن جابر جو اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، اس واسطے سے نقل کی ہے اس کے علاوہ سکین بن عبدالعزیز نے اس سے یہ روایت مرسل بھی بیان کی ہے۔

تخریج: یہ روایت خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (١٤٩/١) میں ابن سعد کے واسطے سے نقل کی ہے اور اس روایت کو یعقوب بن سفیان نے المعرفة والتاریخ (٣١٧/٣) میں اور اسی واسطے سے ابن حجر عسقلانی نے الإصابة (٧٣/٢) میں سعید بن منصور کے واسطے سے اور عون بن موسیٰ کے واسطے سے نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم نے میری بیعت اس بات پر کی کہ جس سے میں اپنا ہاتھ روک لوں تم بھی اس سے رک جاؤ گے، لہٰذا تم میری بات کو خوب غور سے سنو اور اس کی اطاعت بجا لاؤ۔ البتہ اس روایت کا پہلا آدھا حصہ جس سے یعقوب نے آئندہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، یعقوب بن سفیان نے اس روایت کو دو سندوں میں تقسیم کیا ہے۔

یعقوب بن سفیان نے المعرفة والتاریخ (٧٥٣/٢) میں اس روایت کا پہلا آدھا حصہ مختصر بیان کیا ہے اور خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (١٤٩/١) اور ابن عساکر (٢٧٠/١٣) نے یہ روایت مفصل بیان کی ہے کہ ہمیں سعید بن منصور نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عون بن موسیٰ نے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ہلال بن خباب کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ فلاں شخص نے کہا کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اہلِ عراق کے سرداران کو اکٹھا کیا۔ اس کے بعد راوی نے روایت بیان کی۔ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ اس میں ایک راوی مبہم ہے۔

اور امام دولابی نے الکنیٰ والأسماء (٧٩١/٢) میں نقل کیا ہے کہ مجھے احمد بن شعیب نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ازہر بن جمیل نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو العوام عبدی امیہ بن حکیم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ہلال بن خباب نے سعید بن جبیر کے واسطے سے بیان کیا کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے اہلِ کوفہ! میرا دل تم سے نہ بھی اُکتایا ہوتا تو تین وجہ سے اُکتا گیا ہے: تمھارا میرے والد کو قتل کرنا، .....۔ پھر انھوں نے روایت مکمل نہیں کی۔ ابو العوام عبدی کے علاوہ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل (٣٠٢/٢) میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور اس روایت کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے۔

اسی طرح یعقوب بن سفیان نے اپنی ''تاریخ'' میں نقل کیا ہے، جیسا کہ تاریخ دمشق (٢٧٠/١٣) میں بھی منقول ہے کہ ہمیں عبیداللہ بن موسیٰ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں سکین بن عبدالعزیز نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابن خباب نے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے خالد بن جابر نے اپنے باپ کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا، اس کے بعد راوی نے بقیہ روایت بیان کی۔ اور اس کے باپ کے علاوہ بقیہ تمام راوی ثقہ ہیں۔ ان دونوں کے حالات [رقم: ٥٤١] کے حاشیہ میں گزر چکے ہیں۔

ابن عدی نے الکامل في الضعفاء (١٢١/٧) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں ابو یعلیٰ موصلی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ←

یہ روایت دلالت کر رہی ہے کہ غالی شیعوں اور خوارج نے ایک جماعت تشکیل دی تھی جس نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے قتل پر قسم اٹھائی تھی، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والا بھی خارجی ہی تھا۔

آپ کا اہلِ عراق کو مخاطب کرنا دلیل ہے کہ آپ کو علم تھا کہ اہلِ عراق کا ایک گروہ موجود ہے، جو آپ کی گھات میں ہے، جس طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر گھات لگائے بیٹھے تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک ہی جماعت شمار کیا، جب ان کے تین خصائل کو گنوایا، گو ان کے مشارب اور خواہشات مختلف تھیں، آپ نے خوارج اور غالی شیعوں کو جمع کر دیا، گو کہ ان کا ہدف ایک ہی تھا اور وہ ہدف صلح کے رستے میں رکاوٹیں ڈالنا تھا۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا قول صریح تھا کہ ان تین خصائل کے حاملین اہلِ عراق ہی ہیں۔

[561] عمار الدہنی بیان کرتے ہیں: حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے مدائن میں قیام کیا۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما مقدمۃ الجیش میں تھے، وہ انبار چلے گئے، ادھر ان لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا اور ان کے خیمے کو لوٹ لیا۔[1]

[562] ابو السفر و دیگر[2] سے مروی ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ عراق نے سیدنا

← ہمیں ابراہیم بن حجاج سامی نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں سکین بن عبدالعزیز نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں ہلال بن خباب ابوالعلاء نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے کہا۔ اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

شواہد: جہاں تک حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر حملے کی بات ہے تو اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب مصنف ابن أبي شيبة (٣٨٥١٩) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں حسین بن علی نے ابن عیینہ کے واسطے سے، انھوں نے ابن طاؤس اور اپنے باپ کے واسطے سے بیان کیا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ میرے پاس سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما اہلِ عراق کی جانب خروج کرنے کی بابت مشورہ طلب کرنے آئے تو میں نے کہا: اگر وہ میری اور آپ کی ذات پر عیب نہ لگائیں تو میں مضبوطی کے ساتھ آپ سے چمٹ جاتا۔ آپ کن لوگوں کے پاس جا رہے ہیں؟ ایک ایسی قوم جنھوں نے آپ کے باپ کو قتل کر ڈالا اور آپ کے بھائی (حسن رضی اللہ عنہ) پر حملہ کیا۔ میرے ساتھ انھوں نے بات کے سلسلے میں جو سخاوت فرمائی اس میں یوں فرمایا: یہ حرم کسی شخص کے لیے لڑائی کے سلسلے میں حلال کیا جائے میں فلاں فلاں زمین میں قتل کر دیا جاؤں اگرچہ وہ دور ہے مجھے زیادہ پسندیدہ ہے اس بات سے کہ میں اس شخص کی طرح ہوں جس کے ساتھ لڑائی کرنے میں حرم کو حلال سمجھا جائے۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ اس کے تمام راوی شیخین کی شروط کے مطابق ثقہ ہیں۔

حسین بن علی سے مراد: ابن ولید اور ابن طاؤس سے مراد: عبداللہ طاؤس بن کیسان ہے۔

[1] المعرفة والتاريخ (٢/٧٥٥- ٧٥٦) اپنے شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔ اس کے شواہد آپ سابقہ روایت میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ روایت مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔ عمار اس واقعہ کے شاہد نہیں ہیں۔ عمار سے مراد: ابو معاویہ بجلی ہیں۔

[2] یعنی اس کو ابن سعد نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو عبید نے خبر دی، وہ مجالد سے، وہ شعبی سے بیان کرتے ہیں۔ ←

حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت کر لی۔ پھر وہ لوگ آپ سے کہنے لگے، آپ ان لوگوں پر حملہ کرنے کے لیے چلیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اور عظیم جرم کے مرتکب ہوئے اور لوگوں سے ان کے امور کو چھین لیا۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر آپ کو غلبہ عطا کرے گا۔ تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اہلِ شام کی جانب گئے۔ آپ نے مقدمۃ الجیش میں قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کے ہمراہ ۱۲ ہزار جنگجو روانہ کیے جنھیں شرطۃ الخمیس کا نام دیا گیا۔

دوسرے راوی کہتے ہیں: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ بن عباس اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو شام کی جانب روانہ کیا، یہ لوگ مسکن، انبار اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں چلے گئے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مدائن چلے آئے۔ ادھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس اہلِ شام کے ہمراہ آئے اور جسرِ منبج پہنچ گئے۔[1] سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ابھی مدائن میں ہی تھے کہ ایک منادی نے آپ کے لشکر میں آواز لگا دی، لوگو! قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کا قتل ہو گیا ہے۔

راوی کہتے ہیں: لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حجرے کا گھیراؤ کر کے اسے لوٹ لیا، آپ کی چٹائی کھینچ لی اور آپ کی چادر اتار لی، پھر بنو اسد کے ایک شخص ابن اقیصر نے زہر آلود خنجر سے آپ کی پشت پر وار کیا۔ پھر آپ اس حملے کی جگہ سے منتقل ہو کر قصرِ ابیض جو کسریٰ کا محل تھا، میں تشریف لے گئے۔ اور فرمانے لگے کہ اے بستی والو! تم پر اللہ کی پھٹکار برسے! مجھے علم ہو چکا ہے کہ تم میں کوئی خیر نہیں۔ کل تم نے میرے باپ کو قتل کیا، آج میرے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کے درپے ہو۔ پھر آپ نے عمرو بن سلمہ ارحبی[2]

← (ح) نیز ہمیں ابو عبید نے یونس بن ابی اسحاق سے بیان کیا، وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں۔ (ح) نیز ہمیں ابو عبید نے ابو السفر سے بیان کیا، نیز ہمیں ابو عبید نے ان تین کے سوا ایک شخص سے بیان کیا، یہ سب کہتے ہیں:....۔

[1] جسر منبج: فرات کی ایک بستی، جو منبج شہر کے قریب ہے۔ یہ پل سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں صوائف میں بنایا گیا۔ دیکھیں: معجم البلدان (۱/۳۲۸) مادة: بالس، بغية الطلب في تاريخ حلب (۱/۱۰۸، ۲۵۷) شہرِ منبج شام میں ہے۔ دیکھیں: الأنساب للسمعاني (۱۲/۴۴۰) مادة: المنبجي.

[2] ہمدانی کوفی، اس کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہمدان کا گورنر بنایا تھا۔ خطیب کہتے ہیں: یہ نہروان میں خوارج کے ساتھ جنگ میں موجود تھا، پھر مدائن میں آیا۔ ابن سعد کہتے ہیں: یہ معزز شخص تھا۔ اسی کو سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے محمد بن اشعث بن قیس کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کی بات چیت کے لیے بھیجا تھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ عمرو کی بلند آواز، اس کی فصاحت اور اس کا جسم دیکھ کر خوش ہو گئے تھے۔ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ ثقہ ہے۔ سنۂ ۸۵ھ میں وفات پائی۔ دیکھیے: الطبقات الكبرى (۶/۱۷۱) طبقات المحدثين بأصفهان (۱/۳۱۱) تاريخ بغداد (۱۲/۱۶۱) تاريخ الإسلام (۶/۱۶۶- ۱۶۷) تهذيب التهذيب (۸/۴۲) التقريب (۵۰۴۱) مزید دیکھیے: حاشیہ (صفحہ: ۵۸۱)

کو بلایا۔ اور اسے ایک مکتوب دے کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر ان سے صلح کی بابت پوچھے اور انھیں کہے کہ ہم تین شرائط کو تسلیم کرنے پر آپ کی بیعت کرنے کو تیار ہیں:

آپ بیت المال سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں۔ جس سے آپ اپنا قرض اور آپ پر دیگر مواعد کی ادائیگی کر سکیں، آپ اس بیت المال سے اپنے اور اہلِ خانہ کے خرچ کریں گے، نیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو گالی نہیں دی جائے گی، جب وہ سن رہے ہوں۔ اور انھیں فسا اور دار ابجرد نامی فارسی علاقوں کا خراج ہر سال مدینہ بھیجا جائے گا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی یہ درخواست قبول کر لی اور یہ سب آپ کو دے دیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن حارث بن نوفل کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، انھوں نے بھی اپنی منشا کے مطابق آپ سے مال وصول کیا۔ ادھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر بن کریز اور عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمس کو قاصد بنا کر بھیجا۔ دونوں مدائن میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، آپ کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مکتوب پیش کیا اور آپ سے اس پر عہد کیا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی۔ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جسرِ منبج سے مسکن کی جانب پانچ دن بعد پہنچے اور چھٹا دن آیا تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی زمامِ کار سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کی[1] اور آپ کی بیعت کر لی۔ پھر دونوں کوفہ چلے گئے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے محل میں چلے گئے[2] اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نخیلہ آ گئے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے پاس کئی مرتبہ آئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بیت المال دے دیا۔ تب بیت المال میں ساٹھ لاکھ درہم موجود تھے جو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے لے لیے۔ پھر آپ نے اور آپ کے اہلِ بیت نے مدینہ کی جانب رختِ سفر باندھا۔ ادھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر تنقید سے رُک گئے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سن رہے ہوں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہلِ بصرہ کی جانب زبردستی اپنا وکیل بھیجا[3] مگر انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے وکیل کو واپس بھیج دیا، وہ کہنے لگے: ہمارا مالِ فے ہمارے غیر

---

① یہ دوسری بیعت تھی، جو سنہ ۴۱ھ ربیع الاوّل میں ہوئی۔

② مراد قصرِ کوفہ ہے۔

③ اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہلِ بصرہ کی طرف پیغام بھیجا کہ تم وکیل کی طرف سے اپنا حصہ لینے پر رضامندی نہ کرنا۔ سو اہلِ بصرہ کھڑے ہو گئے اور اسے ٹھکرا دیا۔
اس معنی کے اعتبار سے وکیل کو ٹھکرانے کا سبب اہلِ بصرہ بنیں گے، نہ کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ لوگوں سے یہ بات چھپانا چاہتے تھے کہ اس کو خود انھوں نے ٹھکرایا ہے، یہاں تک کہ فتنہ کھڑا نہ ہو۔ سو وہ ایک ایسے طریقے سے اس سے سرخرو ہوئے جو فتنے کا باعث نہ بن پائے۔

کی طرف نہیں لے جایا جائے گا، ان کی مراد فسا اور دار ابجرد کا خراج تھا۔ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ہر سال دس درہم کا اجراء کر دیا۔

اس کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ۱۰ برس تک زندہ رہے۔ [1]

یہ قول: ''اس قوم کے پاس چلیے'' ان لوگوں کی نفرت اور اہلِ شام سے جنگ پر شدید رغبت کی دلیل ہے۔

یہ قول: ''سیدنا حسن نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو ۱۲ ہزار جنگجوؤں کے ہمراہ مقدمۃ الجیش کے طور پر بھیجا جنھیں شرطۃ الخمیس کا نام دیا گیا۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ۴۰ ہزار خالص عربی النسل لوگوں سے جیش الخمیس بنایا اور انھیں آذربائیجان میں سرحد کی حفاظت پر مامور کیا تھا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان سے سارے لشکر کو غزوۂ شام کے لیے نہیں بلوایا، بلکہ آپ نے فقط ۱۲ ہزار لوگوں کو واپس بلانے پر اکتفا کیا تھا، باقی فوج اپنی جگہ سرحد کی حفاظت کے لیے موجود رہی۔

---

[1] الطبقات الكبرى [(۳۱۹/۱- ۳۲۳) الطبقة الخامسة، ت: السلمي]، [(۳۸۰/٦) ط: الخانجي]، یہ روایت شواہد کے ساتھ صحیح ہے، سوائے عبیداللہ بن عباس کے ذکر کے، کیوں کہ وہ تو آذربائیجان میں تھے، جہاں ان کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے گورنر بنایا تھا، وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ساتھ نہیں تھے۔

نیز اس روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر گالی کا ذکر بھی ثابت نہیں ہے۔ ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو میرے سنتے ہوئے تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا، ...... پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے سنتے ہوئے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر تنقید چھوڑ دی تھی۔''

نیز روایت کا یہ حصہ کہ ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہلِ بصرہ کو خفیہ پیغام دیا جس وجہ سے انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے وکیل کو ٹھکرا دیا۔ اور کہنے لگے: ہمارا مالِ فے ہمارے غیر کو نہیں دیا جائے گا۔'' مجھے اس کی کوئی صحیح اصل نہیں ملی۔ پہلے دو حصے تو منکر ہیں اور تیسرے میں احتمالِ نکارت ہے۔ سو اس کو توجیہ کے ساتھ بیان کیا جائے گا اور اس پر سکوت ہو گا۔

یہ سند ضعیف ہے، ابوعبید کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ حافظ ذہبی نے اس کا نام ذکر کیا ہے، کہتے ہیں: (ابن سعید بیان کرتے ہیں، ہمیں محمد بن عبید نے بیان کیا، وہ مجالد سے بیان کرتے ہیں، ......) البتہ یونس نے اپنے والد سے اختلاط کے بعد سماع کیا ہے۔ اور تیسری سند میں انقطاع ہے۔

طبقات کے محقق دکتور السلمی کہتے ہیں: اس ابوعبید سے مراد: قاسم بن سلام ہے۔ مگر یہ بات درست نہیں، کیوں کہ قاسم بن سلام نے مجالد کا زمانہ نہیں پایا۔ نیز حافظ ذہبی نے ابوعبید کا نام ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: یہ محمد بن عبید ہے۔ انھوں نے اس کا نام قاسم بن سلام نہیں بتایا۔ ابو السفر سے مراد سعید بن یحمد ہمدانی ہیں جو ثقہ ہیں۔ التقریب (۲٤۱۳)

اس کا جواب شیخ دکتور خالد الغیث نے اپنی کتاب ''مرویات خلافة معاوية رضي الله عنه'' میں سیدنا عبیداللہ بن عباس کے تذکرے میں دیا ہے اور آپ نے کہا ہے کہ اس زمانے میں سیدنا عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے وجود کا عراق میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

شواہد: طبری کی روایت [رقم: ۵۵۷- ۵۵۸] خود اس کی شاہد ہے۔

رہا یہ قول: ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہلِ بصرہ پر زور ڈالا، انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے وکیل کو جلا وطن کر دیا۔'' اس کی توجیہ یوں کی جاسکتی ہے کہ شاید سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وکیل کی طرف سے کچھ مشکوک سرگرمیاں نظر آئی ہوں، جو بارِ دگر فتنہ بڑھانے اور امت کی صلح اور اجتماعیت کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہوں، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ چوں کہ اس وقت امیر المومنین تھے اور تمام مسلمانوں کے خلیفہ تھے، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیعت کر لی تھی، لہٰذا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ جسے چاہیں معزول کر دیں۔ اسی لیے آپ نے فتنے سے بچنے کی خاطر یہ اقدام کیا۔

[**563**] امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا ما حاصل یہ ہے کہ آپ[1] نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت اس بات پر کی تھی کہ کوفہ کے بیت المال کا سب کچھ آپ کو مل جائے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے شرط کو ہو بہو پورا کیا۔ تب بیت المال میں پچاس درہم تھے اور ایک قول کے مطابق ستر لاکھ درہم تھے۔ دوسری شرط یہ تھی کہ بصرہ کا اور ایک قول کے مطابق دار ابجرد کا سارا خراج ہر سال ان کا ہوگا۔ مگر ان علاقوں کے لوگوں نے آپ کو خراج دینے سے انکار کر دیا، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے عوض ہر سال ساٹھ لاکھ درہم دیے۔ پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مسلسل مال کے ساتھ ساتھ تحائف بھی وصول کرتے رہے، حتی کہ اسی سال[2] آپ کی وفات ہوگئی۔[3]

[**564**] امام زہری فرماتے ہیں: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہلِ عراق میں سے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو آذر بائیجان بھیجا، اور شرطۃ الجیش کا امیر بنایا، جس کی بنیاد آپ نے عربوں سے رکھی تھی۔ اور یہ ۴۰ ہزار کی تعداد میں تھا۔ انھوں نے موت تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ سیدنا قیس رضی اللہ عنہ اس لشکر کی کمان سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی موت تک سنبھالتے رہے۔ مگر جب آپ کی شہادت کے بعد اہلِ عراق نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو

← **تخریج**: اسے ابن عساکر (۱۳/۲۶۳- ۲۶۶) نے ابن سعد کے واسطے سے نقل کیا ہے اور یہی روایت سیر أعلام النبلاء (۳/۲٦۳) میں ابن سعد کے واسطے سے منقول ہے، البتہ اس روایت میں ''ابو عبید'' کے بجائے ''محمد بن عبید'' کے الفاظ آئے ہیں۔

[1] اس سے مراد سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں۔

[2] اس سے مراد ۴۹ھ کا زمانہ ہے۔

[3] البداية والنهاية (٤٦/٨) [(٢٠٥/١١) طبعة دار هجر] یہ روایت سابقہ روایت کی طرح اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

خلیفہ چن لیا اور خلافت پر ان کی بیعت کر لی، تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جنگ نہیں چاہتے تھے۔ مگر وہ چاہتے تھے کہ اس میں سے کچھ دستہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنے لیے لے لیں، پھر آپ جماعت میں داخل ہو گئے۔[1]

سابقہ روایت میں کچھ اضافہ بھی ہے، مگر میں نے اسے عدمِ صحت کی بنا پر ذکر نہیں کیا۔ وہ یہ بات تھی: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما آپ کی رائے کی موافقت نہیں کریں گے۔[2] لہٰذا آپ نے انھیں معزول کر کے[3] عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو جیش الخمیس کا امیر مقرر کر دیا۔ یہ بات مگر غلط ہے، کیونکہ صحیح روایات[4] سے پتا چلتا ہے کہ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما ہی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت تک جیش الخمیس کے قائد رہے۔ راوی کو وہم ہوا ہے۔ قیس رضی اللہ عنہ کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے آذر بائیجان کی امارت سے معزول کیا تھا، نہ کہ جیش الخمیس کی قیادت سے۔ آپ نے سیدنا عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کی جگہ آذر بائیجان کا امیر مقرر کیا۔

اسی بنا پر سیدنا عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شام نہ جا سکے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت حاضر نہ ہو سکے، کیونکہ وہ آذر بائیجان کے والی بن گئے تھے۔

[**565**] ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ولی عہد ہوئے، تو ان دنوں قیس بن سعد رضی اللہ عنہما آذر بائیجان کے امیر تھے۔ قیس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ۴۰ ہزار جنگجوؤں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے موت پر بیعت کی تھی۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہو گئی تو قیس بن سعد رضی اللہ عنہما نے امیر المومنین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اہلِ شام سے

---

[1] تاريخ الطبري (۱٦٤/۳) جس روایت کو ہم نے نقل کیا اس کا پہلا حصہ مقبول ہے اور آخری حصے میں سے راوی کا قول کہ ''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جنگ کرنا نہیں چاہتے تھے......'' اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے اور اس کے شواہد سابقہ روایت کی طرح ہیں۔ اس کی سند مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں اور کتاب "خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" (۱۵) میں اس روایت کے رجال کا بیان عنقریب آ رہا ہے۔

اور امام ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباري" (٦٣/١٣) میں کہا ہے کہ امام طبری نے یونس بن یزید سے، انھوں نے زہری کے واسطے سے بیان کیا، اس کو صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ امام زہری کہتے ہیں کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اہلِ عراق کے مقدمة الجیش کا امیر سیدنا قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو بنایا۔

[2] یعنی صلح میں۔

[3] یعنی سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو مقدمة الجیش کی قیادت سے معزول کر دیا اور مقدمة الجیش شرکۃ الخمیس سے بنایا گیا تھا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ بن عباس کو سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کی جگہ امیر بنایا۔

[4] دیکھیے: [رقم: ۵۵٦، ۵۵۷، ۵٦۲، ۵۷٤، ٦۰۲] اسی طرح امام ابن کثیر کا قول عنقریب آ رہا ہے۔

جنگ پر ابھارا۔ تو آپ نے قیس کو آذربائیجان کی امارت سے معزول کر کے عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اس کا والی بنا دیا، کیونکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی نیت کسی سے لڑنے کی نہ تھی۔ مگر وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اس رائے پر غالب آ گئے، تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کی کمان میں ۱۲ ہزار سپاہیوں کو مقدمۃ الجیش کے طور پر بھیجا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ہمراہ بلادِ شام پہنچے تاکہ معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام سے لڑ سکیں۔

جب آپ مدائن پہنچے تو آپ نے وہاں قیام کیا اور مقدمۃ الجیش کو آگے روانہ کر دیا۔[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ۴۰ ہزار لوگوں پر مشتمل جیش الخمیس کا قیام کیا اور انھیں آذربائیجان بھیج دیا۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے شام پر حملے کا ارادہ کیا تو آپ نے سارے جیش الخمیس کو واپس نہیں بلوایا، بلکہ ان میں سے صرف ۱۲ ہزار لوگوں کو واپس بلا لیا اور بقیہ لوگوں کو اپنی جگہ سرحد کی حفاظت پر رہنے دیا۔

⑤ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اپنے لشکر کے ہمراہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کا سامنا کرنے کے لیے عراق کی جانب خروج اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا[2]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دمشق میں تھے کہ آپ کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی۔ اس کے بعد آپ ایلیاء چلے گئے۔ ایلیاء میں آپ کی اقامت کے زمانے میں معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے مابین مراسلات کا سلسلہ جاری و ساری رہا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ شروع ہی سے کوفہ میں رہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب

---

[1] البداية والنهاية (١٦/٨) اس روایت کا پہلا حصہ سابقہ روایت کی طرح مقبول ہے، البتہ سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کا جنگ پر مصر رہنا اور راوی کا قول: ''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی نیت ......'' یہ روایت آخر تک اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

شواہد: راوی کا قول کہ ''سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو امیر بنایا'' یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۵۶۲] البتہ سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے جنگ کرنے پر مصر رہنے کی بابت درست روایات آئی ہیں دیکھیے: [رقم: ۶۰۲، ۶۰۴]

راوی کا قول کہ ''انھوں نے ایک عظیم اجتماع بلا لیا جس طرح کا آج تک کسی کان نے نہیں سنا۔'' بخاری کی روایت اس بات کی شاہد ہے ''اللہ کی قسم! سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا سامنا پہاڑوں کی مانند دستوں کے ساتھ کیا۔'' سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں یقیناً ایسے دستے دیکھ رہا ہوں جو واپس پلٹنے والے نہیں حتی کہ اپنے مدِ مقابلوں کو قتل کر دیں۔ دیکھیے: [رقم: ۵۶۶]

[2] [رقم: ۱۲۱ - ۱۲۸] روایات کی جانب رجوع کیجیے جن میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے وقت کا بیان ہے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے کوفہ سے مدائن کی جانب خروج کا علم ہوا، تو وہ اپنے لشکر کے ہمراہ صفر ۴۱ھ میں ایلیاء سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی جانب نکلے۔ حتی کہ آپ جسرِ منبج پہنچے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر تعداد میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر سے کم تھا۔[1]

پھر ان کے مابین خطوط کا سلسلہ شروع ہوا، جو ثمر آور ثابت ہوئے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے مدائن میں خطبہ دیا، جس میں اشارہ دیا کہ وہ صلح کی جانب راغب ہیں اور جنگ نہیں چاہتے۔ اسی سبب آپ پر حملہ کیا گیا اور آپ کا مال و متاع سلب کر لیا گیا۔ اس دوران میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جسرِ منبج میں ہی تھے۔ پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک وفد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ارادے کی بابت بتایا، انھوں نے آپ سے عہد و میثاق کیا۔ جب سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما متفق ہو گئے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے مدائن کے خطبے میں اس بات کا اعلان کیا کہ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے، یعنی مراسلہ کے ذریعے بیعت کر لی ہے۔ پھر پانچ روز بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو مسکن آنے کی دعوت دی، تاکہ تمام سرداران کے سامنے آپ کی بیعت کر سکیں اور یہ بیعت سب کے سامنے ہو۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ربیع الاول ۴۱ھ میں آپ نے دوسری مرتبہ بیعت کی۔ پھر اسی ماہ دونوں اکٹھے کوفہ میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ قصرِ کوفہ چلے گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نخیلہ کے مقام پر آ گئے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نخیلہ میں کئی مرتبہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے پاس گئے[2] اور بعض دفعہ تو آپ نے نخیلہ میں خطبہ بھی ارشاد فرمایا، جس میں آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تاکید کرتے۔ اس سال (۴۱ھ) کو عام الجماعہ کا نام دیا گیا، جس میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔

طبرانی کی روایت میں ہے کہ اسی سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایلیاء پہنچے۔[3] یعنی ۴۰ھ میں آپ ایلیاء آئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایلیاء میں اس غرض سے آئے تاکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اہلِ شام و مصر آپ کی بیعت کر سکیں۔ نہ کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے۔

ابن سعد کی روایت ہے: قیس اپنے سپاہیوں کے ہمراہ مسکن، انبار اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں چلے گئے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مدائن پہنچ گئے۔ اور وہاں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی، تو آپ جسرِ منبج سے مسکن چلے گئے۔[4]

---

[1] دیکھیے: (ص: ۷۴۲)

[2] دیکھیے: [رقم: ۵۶۲]

[3] دیکھیے: [رقم: ۵۵۶]

[4] دیکھیے: [رقم: ۵۶۲]

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کا قول ہے: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ۴۱ھ ماہِ ربیع الاول میں کوفہ داخل ہوئے، جہاں خلافت پر آپ کی بیعت کر لی گئی۔[1]

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے عمرو بن سلمہ ارجی کو اپنے ہاں مدعو کیا، اور انھیں ایک مکتوب دے کر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی خدمت میں بھیجا کہ وہ انھیں جا کر صلح کا پیغام دیں، اور تین شرائط کو قبول کرنے پر ان کی جانب سے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کو تسلیم کر لیں:

⦿ پہلی یہ کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ کا سارا بیت المال سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں گے، تاکہ آپ اپنا قرض اور اپنے اوپر عائد تمام معاہدوں کو ادا کر سکیں۔ اور اس سے وہ اپنے عیال، اپنے والد کے عیال اور اہلِ بیت کا خرچ پورا کر سکیں۔

⦿ دوسرے یہ کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر تنقید نہیں کی جائے گی، جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سن رہے ہوں۔

⦿ تیسرا یہ کہ فسا اور دار ابجرد یعنی ارضِ فارس کا مکمل خراج ہر سال مدینہ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا کریں گے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی پیشکش قبول کر لی اور آپ کا مطلوب آپ کو عطا کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن حارث بن نوفل کو معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاں بھیجا کہ وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا مطلوبہ مال لے کر آئے۔ ادھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر بن کریز اور عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمس کو قاصد بنا کر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ ان دونوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کا خط سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو دیا اور ان کے ارادے کی بابت آپ کو خبردار کیا، جس پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے عہد و پیمان کر لیا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی تو آپ چھٹے روز جسرِ منبج سے مسکن آ گئے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت کی باگ ڈور ان کے سپرد کی اور آپ کی بیعت کر لی۔ پھر دونوں حضرات کوفہ چلے آئے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ قصرِ کوفہ چلے گئے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نخیلہ آ گئے۔ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے پاس کئی مرتبہ گئے اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایفائے عہد کرتے ہوئے سارا بیت المال آپ کے سپرد کر دیا۔[2]

[566] امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے، سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے حسن

---

① دیکھیے: [رقم: ۱۲۴]

② دیکھیے: [رقم: ۵۶۲]

بصری رحمہ اللہ کو کہتے سنا: اللہ کی قسم! حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے پہاڑوں کی مانند[1] فوجی دستوں کے ساتھ معاویہ رضی اللہ عنہ کا سامنا کیا۔ تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں یقیناً ان دستوں کو دیکھ رہا ہوں جو اس وقت تک واپس نہیں لوٹیں گے، جب تک اپنے مدِ مقابلوں کو قتل نہ کر لیں۔ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: بخدا! یہ شخص دو میں سے بہتر شخص تھا۔ اے عمرو! اگر دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو قتل کر دیا تو لوگوں کے معاملات کا کیا بنے گا؟ ان کی خواتین کا کیا بنے گا؟ اور ان کے بچوں کا کیا ہو گا؟ تو انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بنو عبد شمس کے دو قریشی عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز کو بھیجا، تو انھوں نے کہا[2] کہ تم ان کے پاس جا کر[3] مال کی پیشکش کرو[4] اور صلح کے بدلے خون روکنے کا کہو[5] اور ان سے خلافت سے دست برداری کا مطالبہ کرو۔ انھوں نے آپ سے بات کی اور بیت المال آپ کے حوالے کر کے خلافت سے دستبرداری کا مطالبہ کیا، تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ہم بنو عبدالمطلب کو مال مل گیا اور یہ امت خون میں نہا رہی ہے۔ وہ دونوں کہنے لگے: معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو یہ پیشکش کی ہے اور آپ سے یہ یہ مطالبہ کیا ہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اس کی گارنٹی کیا ہے؟[6] وہ کہنے لگے: ہم گارنٹی دیتے ہیں۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے جو کچھ بھی کہا وہ کہنے لگے کہ ہم آپ کو اس کی ضمانت دیتے ہیں تو آپ نے ان سے مصالحت کر لی۔

حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابو بکرہ سے سنا کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا، تب سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو میں کھڑے تھے اور آپ لوگوں کو اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بار بار دیکھ رہے تھے اور فرماتے تھے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے مابین اس کی بدولت صلح کروائے گا۔[7]

---

[1] یعنی ان کی کثرت کے باعث کنارہ دکھائی نہ دیتا تھا، جیسے پہاڑ کے سامنے والے شخص کا کنارہ دکھائی نہیں دیتا۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد جنگ کی شدت تھی۔

[2] یہ کہنے والے سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما ہیں۔

[3] یعنی حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس جا کر۔

[4] یعنی انھیں ان کی حسبِ منشا مال کی پیش کش کرو۔

[5] یعنی صلح کر کے مسلمانوں کا خون بہنے سے روکنے کا کہو۔

[6] یعنی مجھے معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے وفاداری کی گارنٹی کون دے گا۔

[7] صحيح البخاري (٢٥٥٧) مزید دیکھیے: فتح الباري (١٣/٦٤- ٦٥)

تاریخ میں یہ بات معروف ہے کہ دونوں لشکر نہیں آئے تھے، کیوں کہ ہر لشکر الگ شہر میں تھا۔ عراقی لشکر مدائن میں تھا اور مقدمۃ الجیش مسکن، انبار اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں تھا۔ جبکہ شام کا لشکر جسرِ منبج میں تھا۔ البتہ سیدنا عمرو بن عاص اور معاویہ رضی اللہ عنہما نے عراقی لشکر کو دیکھا، جس پر حدیث دلالت کر رہی ہے۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا حسن اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے لشکر آمنے سامنے نہیں ہوئے، بلکہ ان کی باہمی مراسلت ہوئی۔[1]

جب حدیث میں مذکور واقعات وقوع پذیر ہو رہے تھے، تب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مدائن میں تھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جسرِ منبج میں تھے۔ اس روز ان کے مابین مراسلہ کے ذریعے بیعت مکمل ہو چکی تھی۔ یہ پہلی بیعت تھی۔ پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو دوسری بیعت کی غرض سے مسکن آنے کی دعوت دی۔ یہ بیعت آپ نے سب کے سامنے اعلانیہ کی۔ اس کا بیان پیچھے گزر چکا ہے۔

[**567**] امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے، امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب اپنے لشکر کے ہمراہ روانہ ہوئے تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: میں ایسے لشکر کو دیکھ رہا ہوں کہ جو تب تک واپس نہ پلٹے گا، جب تک کہ دوسرا دستہ تباہ نہ ہو جائے۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: مسلمانوں کے بچوں کو سنبھالنے والا کون ہو گا؟[2] اس پر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میں۔ پھر عبداللہ بن عامر بن کریز اور عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ہم سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے ملاقات کر کے ان سے صلح کی بات کریں گے۔[3] حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں خطبہ دے رہے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ آ گئے، آپ فرمانے لگے: ''میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں کے مابین صلح کروائے گا۔''[4]

[**568**] ابو عبداللہ حاکم رحمہ اللہ سے منقول ہے: ابو موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری رحمہ اللہ کو

---

[1] فتح الباري (۱۳/۶۳)

[2] یعنی جب ان کے آباء واجداد قتل کر دیے گئے تو ان کی کفالت کون کرے گا۔

[3] امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا ظاہر بتلا رہا ہے کہ انھوں نے اس معاملے کی ابتدا کی اور سابقہ روایت میں یہ بات گزر چکی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو بھیجا، لہٰذا ان کے مابین جمع یوں ممکن ہے کہ ان دونوں نے اپنے آپ کو پیش کیا تو آپ نے ان دونوں کی موافقت کر لی۔

[4] صحیح البخاري (٦٦٩٢) دیکھیے: فتح الباري (۱۳/۶۲)

فرماتے ہوئے سنا: سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما پہاڑوں جیسے لشکر کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف آئے۔ تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم! میں ایسے لشکر دیکھ رہا ہوں، جب تلک وہ اپنے مدِ مقابلوں کو قتل نہ کرلیں وہ لوگ واپس نہیں پلٹیں گے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: حسن رضی اللہ عنہ دو میں سے بہتر آدمی ہیں، آپ کیا کہتے ہیں: اگر ان لشکروں نے ایک دوسرے کو قتل کر دیا تو مسلمانوں کے خون کا وارث کون ہوگا؟ کون ان کے امور سنبھالے گا؟ کون ان کی عورتوں کا نگہبان ہوگا؟

راوی کہتے ہیں: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب بن عبد شمس کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ سفیان کہتے ہیں: وہ آپ کے ساتھی تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر لی اور شروط ومیثاق کے عوض خلافت آپ کے حوالے کر دی اور آپ کی خلافت پر بیعت کر لی۔ ادھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے بہت سا مال سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پچاس کروڑ درہم تھے۔[1]

یہ ۴۱ھ جمادی الاولیٰ کا واقعہ ہے۔ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما معاویہ رضی اللہ عنہ کو منصبِ خلافت سونپنے سے قبل سات ماہ اور ۱۱ دن تک خلیفۃ المسلمین رہے۔[2]

[**569**] ابن ابی شیبہ سے منقول ہے، عبداللہ بن بریدہ سے روایت ہے: سیدنا حسن[3] بن علی رضی اللہ عنہما سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو آپ فرمانے لگے: میں آپ کو ایسا تحفہ دوں گا، جو آپ سے قبل میں نے کسی کو نہیں دیا اور ایسا تحفہ آپ کے بعد بھی کسی اہلِ عرب کو نہیں دوں گا۔ لہٰذا آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو چار لاکھ درہم عطا کیے،[4] ....

---

① طبری کی روایت گزر چکی ہے کہ ان کی تعداد پچاس لاکھ تھی۔ دیکھیے: [رقم: ۵۵۷] اور ابن سعد کے نزدیک ان کی تعداد ساٹھ لاکھ درہم تھی۔

② المستدرك (٤٨٠٨) امام بخاری کی شرط کے مطابق اس کی سند صحیح ہے، جبکہ اُصح قول کے مطابق یہ واقعہ ربیع الاوّل کا ہے، جمادی الاولیٰ کا واقعہ نہیں ہے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت چھ ماہ رہی۔

تخریج: اسے امام ذہبی نے تاریخ الإسلام (٣٨/٤) میں ابن عینیہ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

③ مطبوعہ میں ''حسین'' کی جانب تصحیف ہو چکی۔ جس کی تصویب تخریجی مصادر سے کی گئی ہے۔ ابن عساکر اور امام ذہبی نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حالات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

④ ''الأحاد والمثاني'' میں منقول ہے کہ ان کی تعداد چالیس کروڑ تھی اور ''السیر'' میں منقول ہے کہ آپ نے چار لاکھ یا چالیس کروڑ درہم دان کیے۔ ان دونوں نے ابن ابی شیبہ کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے اسی طرح ''تاریخ دمشق'' اور ''البدایة والنهایة'' میں ایک ہی واسطے سے یہ روایت بیان ہوئی ہے، عنقریب تخریج کے اندر اس کی تفصیل آرہی ہے۔

جو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے قبول کر لیے۔[5]

[5] مصنف ابن أبي شيبة (٣١٢٠٠) اس روایت کی سند حسن ہے۔

تخریج: اس روایت کو ابن ابی عاصم نے الأحاد والمثاني (٤٩٩) میں اور امام ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (٢٦٩/٣) میں ابن ابی شیبہ کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے اور شعیب ارناؤط نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

ابو عروبہ حرانی نے الأوائل (١٦٧) میں اور اسی واسطے سے ابن عساکر (١٩٢/٥٩) نے ابو حسین احمد بن سلیمان بن عبدالملک رہاوی سے، انھوں نے زید بن حباب کے واسطے سے یہ روایت بیان کی اور اس میں بیان ہے کہ آپ نے چالیس کروڑ درہم عطا کیے اور البداية والنهاية (١٤٦/٨) میں زید کے واسطے سے یہی الفاظ منقول ہیں۔ امام طبرانی نے الزيادات في الجود والسخاء (٩٠) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں حسن بن علی معمری نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں خلف بن سالم نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں زید بن حباب نے یہ روایت بیان کی اور اس میں لفظ ''حسین'' آیا ہے اور یہاں تصحیف ہوئی ہے۔

ابن عساکر (١٦٦/١٣) نے عباس بن محمد بن حاتم بن واقد دوری کے واسطے سے، انھوں نے علی بن حسن بن شقیق، انھوں نے حسین بن واقد کے واسطے سے روایت بیان کی اور ''شقیق'' کی ''سفیان'' سے تصحیف ہو چکی۔ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے الإصابة (٧٢/٢) میں دوری کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے اور اس میں درست رائے کا بیان ہے۔

ابن عساکر (١٩٢/٥٩) نے محمد بن عقیل بن خویلد خزاعی کے واسطے سے، انھوں نے علی بن حسین بن واقد کے واسطے سے، انھوں نے اپنے باپ کے واسطے سے یہ روایت بیان کی۔

ابو قاسم علی بن ابراہیم علوی نے نقل کیا ہے۔ اسی طرح تاريخ دمشق (١١٣/١٤) و (١٩٣/٥٩) میں آیا ہے: بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابو علی حسن بن علی بن ابراہیم اہوازی مقرئ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عبدالوہاب بن جعفر میدانی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم قرشی نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں عمرو بن دحیم نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں محمد بن ابراہیم بغدادی نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں حسن بن ربیع نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں حافظ اسحاق بن عیسیٰ بلخی نے حسین بن واقد سے، انھوں نے عبداللہ بن بریدہ کے واسطے سے یہ روایت بیان کی۔ فرماتے ہیں: سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو آپ نے اسی وقت انھیں دو لاکھ درہم عطا کیے اور فرمایا: یہ لے لو میں ہند کا لخت جگر ہوں، مجھ سے قبل کسی نے اتنا مال نہ دیا ہے اور میرے بعد اتنا مال کوئی بھی نہیں دے گا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خاموش طبع انسان تھے، البتہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: بخدا! اتنی خطیر رقم آپ سے پہلے نہ کسی شخص نے دی اور آپ کے بعد بھی کوئی شخص ان دو لوگوں کو نہیں دے گا جو ہم سے زیادہ اشرف اور افضل ہیں۔ اور یہ روایت البداية والنهاية (١٤٦/٨) پر دیکھیے اور امام ابن کثیر نے صیغۂ جزم کے ساتھ یہ بیان کیا ہے کہ یہ مال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دوسری مرتبہ عطا کیا۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (٢١٦٠/٣) اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس روایت کا اصلی مصدر شیخ ابو علی حسن مقرئ اہوازی کی کتاب ''سيرة معاوية رضي الله عنه'' ہو۔

اس روایت کے رجال کی بحث: ابو قاسم علوی سے مراد: علی بن ابراہیم بن عباس بن حسن بن عباس علوی حسینی دمشقی ہیں۔ انھیں نسیب کہا جاتا ہے اور نسیب الدولہ، یہ اہلِ سنت والجماعہ اہلِ اُثر اور اہلِ روایت میں سے تھا۔ ←

....

➜ اس کی وفات ۵۰۸ھ میں ہوئی۔ ابن عساکر اور امام ذہبی نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ دیکھیں: تاریخ دمشق (٢٤٤/٤١) سير أعلام النبلاء (٣٥٨/١٩) الأعلام (٢٥٠/٤)

حسن بن علی بن ابراہیم بن یزداد بن ہرمز بن شاہو، ابوعلی اہوازی مقرئ ہے۔ ابن عساکر فرماتے ہیں کہ ہمیں اس کے بارے میں ابو قاسم نسیب نے بیان کیا اور اس کے ثقہ ہونے کا بھی تذکرہ کیا۔ ابن عساکر خطیب بغدادی نے اسے کذاب قرار دیا ہے اور ابن خیرون نے اسے کمزور راوی قرار دیا ہے۔ امام ذہبی نے "السیر" میں کہا ہے: [یہ قراءات میں امام تھا، کثیر الروایۃ اور کثیر الرحلہ تھا لیکن حدیث میں پختہ نہیں تھا، نہ ہی مجود تھا بلکہ حاطبِ لیل تھا۔ قراءت میں امامت کے باوجود اس پر اور اس کی عالی سند کے دعووں پر کلام کیا گیا ہے۔ میرے دل میں اس کے قراءت کے عالی ہونے کو لے کر کچھ معاملات ہیں۔] نیز کہتے ہیں: [اس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت اور آپ کی مسند کو ۱۲ جلدوں میں جمع کیا اور اسے انتہائی باطل روایات سے بھر دیا ہے] علامہ البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ کذاب تھا۔ اس کی وفات سنہ ۴۴۶ھ میں ہوئی۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: تاريخ دمشق (١٤٣/١٣) سير أعلام النبلاء (١٣/١٨) السلسلة الضعيفة (٢٨٨/٤) تحت رقم: (١٨٠٦)

میں (شمری) کہتا ہوں: شاید یہ روایت اس کی کتاب "سيرة معاوية رضی اللہ عنہ" سے لی گئی ہے جسے حافظ ذہبی نے ذکر کیا ہے۔ اس کا سترواں جزء ہمیں ملا ہے جو مسند کا ایک جزء ہے اور کتاب "ثلاث رسائل في فضائل معاوية رضی اللہ عنہ" کے ضمن میں "شرح عقد أهل الإيمان في معاوية بن أبي سفيان رضی اللہ عنہ" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ وہ تین رسائل یہ ہیں: ایک تو یہی مذکورہ کتاب۔ دوسری "حلم معاوية رضی اللہ عنہ لابن أبي الدنيا"، تیسری "فضائل معاوية رضی اللہ عنہ للسقطي"، موسسة حماده للدراسات الجامعية والنشر والتوزيع، إربد، الأردن، الطبع الأوّل ٢٠٠٠م، تحقيق: عصام هزايمة، ويوسف أحمد بني ياسين. مجھے اس میں روایت نہیں ملی۔ یہ شاید جزء مفقود کی روایت ہے۔

اہوازی حضرت ابوالحسن الاشعری پر کلام کرتا تھا اور ان کے مثالب (تنقید و ردود) میں اس نے کتاب لکھی ہے، پھر اس کا ردّ ابوالقاسم ابن عساکر نے اپنی کتاب "تبيين كذب المفتري في ما نسب إلى الإمام أبي الحسن الأشعري" میں کیا ہے۔

- عبدالوہاب میدانی: اس کے متعلق حافظ ذہبی "السیر" میں کہتے ہیں: [الشيخ، الإمام، المحدث]. عبدالعزیز الکتانی کہتے ہیں: [یہ اس کے درمیان تھا، یعنی توثیق کے درمیان تھا۔] الکتانی کہتے ہیں: اس میں تساہل تھا اور اس پر ابوعلی بن ہارون الانصاری سے ملنے کا الزام ہے۔ دیکھیں: تاريخ دمشق (٣١٤/٣٧) تاريخ الإسلام (٤٤٩/٢٨) سير أعلام النبلاء (٤٩٩/١٧) المغني في الضعفاء (٣٨٨٨) ميزان الاعتدال (٦٧٩/٢) لسان الميزان (٨٦/٤)

ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن مروان القرشی الدمشقی: کتانی کہتے ہیں: یہ ثقہ، مامون اور سخی تھا۔ دیکھیں: تاريخ دمشق (٢١٩/٥١)

عمرو بن عبدالرحمٰن دحیم ابن ابراہیم بن عمرو بن میمون، ابوالحسن القرشی۔ اس کے حالات ابن عساکر نے ذکر کیے ہیں ➜

یہ عطیہ آپ نے تب دیا، جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ امام ذہبی نے اس کے وقت کا بھی ذکر کیا ہے:

[**570**] امام ذہبی فرماتے ہیں: عبداللہ بن بریدہ کا بیان ہے کہ منصبِ خلافت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پاس تشریف لائے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں آپ کو ایسا تحفہ دوں گا جو آپ سے قبل میں نے کسی کو نہیں دیا اور آپ کے بعد بھی کسی کو نہیں دوں گا۔ تو آپ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو چار لاکھ درہم دیے، پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کے ہمراہ کوفہ سے مدینہ آ گئے۔[1]

معلوم ہوا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے جس مال کی شرط رکھی تھی، وہ دو دفعہ لیا:

← لیکن اس کے بارے میں جرح اور تعدیل ذکر نہیں کی۔ تاریخ دمشق (٢٤٣/٤٦) اس عمرو سے مراد ابن دحیم ہے جو مشہور امام، محدث، صاحبِ جرح وتعدیل اور صاحبِ علل ہیں۔
یہ واضح ہوتا ہے کہ اس عمرو کی وفیات کے فن میں ایک کتاب تھی۔ جس میں وہ دن، مہینے، سال اور شہر کے اعتبار سے بہت زیادہ وفیات ذکر کرتے ہیں۔ کبھی اختصار بھی کرتے ہیں۔ ان سے ابن عساکر نے اپنی کتاب میں پچاس سے زیادہ مقامات پر نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں: ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی نے ذکر کیا ہے، جیسا کہ میں نے اس کے خط سے نقل کیا اور وہ انھوں نے ابو عمرو ابن مندہ سے سنا ہے، وہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: مجھے محمد بن ابراہیم بن مروان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: عمرو بن دحیم نے کہا: ... ۔ دیکھیں: بر سبیلِ مثال (٥/٥٧)، (٥/٩٣) (٥/١٧٩)، (٥/٤٠٧)، (٥/٤٧٠)، (٦/٥٠)، (٦/٣٦١)
-محمد بن ابراہیم بغدادی: اس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔
- اسحاق بن عیسی بلخی: نہیں معلوم کون ہے۔ اس کی شاہد ابن سعد کی روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں شبابہ بن سوار نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں اسرائیل بن یونس نے بیان کیا، وہ ثویر بن ابی فاختہ سے بیان کرتے ہیں، وہ اپنے والد سے، وہ کہتے ہیں: میں سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے ساتھ وفد میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ دیکھیں: الطبقات الکبری (٢٨٢/١) الطبقة الخامسة، ت: السلمي، اس کی سند ضعیف ہے۔ ثویر راوی ضعیف ہے، اس پر رفض کی جرح ہے، اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ ابو فاختہ سے مراد: سعید بن علاقہ ہے۔
یہ روایت تاریخ دمشق (١١٢/١٤)، (٢٦٥/٢١) میں ابن سعد کی سند سے ہے۔ اسی طرح اس کی روایت آجری نے الشریعة (١٩٦٠) میں عبید اللہ بن موسیٰ بن ابو المختار العبسی کی سند سے اسرائیل بن یونس سے بیان کی ہے، وہ پھر آگے
• وہی روایت کرتا ہے۔ ان دونوں روایات کا شاہد محمد الباقر کا قول ہے۔ دیکھیں: [رقم: ٥٧١]

[1] تاریخ الإسلام (٣٨/٤) العقد الفرید (٣٢٠/١) یہ عام الجماعہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ یہ روایت حسن ہے لیکن مذکورہ سند معلق ہے۔

پہلی دفعہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو کوفہ بھیجا۔

دوسری دفعہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خود نخیلہ گئے، جہاں اس وقت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ موجود تھے تو آپ نے وہاں سے مال لیا اور مدینہ چلے گئے۔

نیز یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ان کی شرط سے بڑھ کر مال دیا۔ پہلے آپ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو شرط کے مطابق مال دیا، پھر بہت بڑا تحفہ بھی پیش کیا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے دونوں قبول کر لیے۔

[**571**] امام آجری رحمہ اللہ سے منقول ہے، جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحائف کو قبول کرتے تھے۔[1]

کیا اس شہادت سے بڑی بھی کوئی شہادت ہوگی؟ اس روایت کی سند محمد باقر رحمہ اللہ تک صحیح ہے، پھر اس روایت کو ان کے بیٹے امام جعفر صادق نے آپ سے بیان کیا۔ یہ بلاشبہ ان دونوں کے عدل و انصاف اور استقامت کی دلیل ہے۔

یہ روایت بتاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں نواسے موت تک سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحائف قبول کرتے رہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے نخیلہ کے مقام پر خطبہ ارشاد فرمایا: جس میں آپ نے اس بات کی تاکید کی کہ انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے۔

[**572**] ابن سعد کی روایت ہے، سیدنا عمرو بن دینار فرماتے ہیں: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فتنہ انگیزی کو شدید ناپسند کرتے ہیں۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خفیہ طور پر پیغامِ صلح بھجوایا،[2] سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے ایک معاہدہ کیا کہ اگر انھیں کوئی معاملہ پیش آ گیا اور حسن رضی اللہ عنہ زندہ ہوئے تو یہ امر ان کے سپرد کر دیا جائے گا، جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس کی توثیق کر دی۔

---

[1] الشريعة (١٩٦٣) یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر حسن ہے۔ اس روایت کی سند محمد باقر تک صحیح ہے، البتہ اس کی روایت سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما سے مرسل ہے۔ [سير أعلام النبلاء (٤٠١/٤)] سابقہ روایات اس کی شاہد ہیں۔

تخریج: یہ روایت ابن سعد نے الطبقات الکبری [(٢٨١/١) الطبقة الخامسة، ت: السلمي] میں نقل کی ہے کہ ہمیں ابوبکر بن عبداللہ بن ابی اویس مدنی نے سلیمان بن بلال کے واسطے سے یہ روایت بیان کی۔ ابوبکر سے مراد: عبدالحمید اصبحی ہے، یہ ثقہ راوی ہے۔

[2] یعنی سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی جانب مکتوب بھیجا۔

عبداللہ بن جعفر[1] راوی کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے جانا چاہا تو آپ نے میری قمیص کھینچی اور فرمانے لگے: بیٹھ جاؤ، تو میں بیٹھ گیا۔ فرمانے لگے: میرے پاس ایک تجویز ہے اور مجھے اچھا لگے گا اگر آپ بھی میری تجویز کو پسند کرو۔ عبداللہ بن جعفر کہتے ہیں: میں نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا: میرا خیال ہے کہ میں مدینہ چلا جاؤں اور اپنے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان اس معاملے کو ختم کر دوں۔ کیونکہ فتنہ بہت بڑھ چکا ہے۔ خونریزی بہت ہو چکی، رشتے ناطے سب ختم ہو چکے، تمام راستے منقطع ہو چکے اور سرحد غیر محفوظ ہو گئی ہیں۔ عبداللہ بن جعفر کہنے لگے: اللہ امتِ محمدیہ کا بھلا کرے! میں اس معاملے میں آپ کے ساتھ ہوں۔ تو فرمایا: حسین رضی اللہ عنہ کو میرے پاس بلاؤ، آپ نے حسین رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا تو وہ چلے آئے۔ ان سے فرمانے لگے: بھائی جان! میں نے ایک رائے کا انتخاب کیا ہے، مجھے اچھا لگے گا اگر آپ بھی اس کی پیروی کر لیں۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: وہ کیا ہے؟

راوی کہتے ہیں: پھر آپ نے وہی قصہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کیا، جو عبداللہ بن جعفر سے بیان کیا تھا۔ اس پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں کہ آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو قبر میں پڑے ہوئے جھوٹا قرار دیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کریں۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم! آپ نے ہر معاملے میں میری مخالفت کی ہے۔ اللہ کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ معاملہ نپٹنے تک آپ کو ایک گھر میں نظر بند کر دوں۔

راوی کہتے ہیں: جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو غصے میں دیکھا تو فرمانے لگے: آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے ہیں اور آپ ان کے جانشین ہیں، ہمارا حکم آپ کے حکم کے تابع ہے۔ لہٰذا جو

---

[1] اس سے مراد عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب بن عبدالمطلب ہاشمی ہے۔ اس کی ماں اسماء بنت عمیس خثعمیہ ہے۔ ان کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے، ان کے والد جنگِ موتہ میں شہید ہو گئے۔ بعد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کفالت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں انھوں نے نشوونما پائی۔ ان سے ان کی اولاد اسماعیل، اسحاق، معاویہ نے روایت کی۔ یہ عالی مرتبہ انتہائی معزز اور سخی تھے اور ابن جعفر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے دوست تھے۔ یہ ان کے پاس قاصد بن کر آتے تو یہ ہر برس انھیں دس لاکھ درہم عطا کرتے اور یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس یہ قاصد بن کر آئے تو انھوں نے اسے بیس لاکھ درہم دان کیے۔ امام ذہبی نے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے عطیات پر تعلیق پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ کوئی خطیر رقم نہیں، دنیا کے بادشاہ کا انعام اس شخص کے لیے ہوتا ہے جو خلافت کے معاملے میں اس سے زیادہ حقدار ہو۔

• دیکھیے: سیر أعلام النبلاء (٣/٤٥٦- ٤٦٢) رجال صحیح البخاري للكلاباذي (١/٣٨٦- ٣٨٧) البداية والنهاية لابن كثير (٩/٤٢)

بات آپ کو اچھی لگے وہ کر گزریے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ لوگوں کو خطبہ دینے لگے: لوگو! ابتدا میں اس معاملے کو میں شدید ناگوار سمجھتا تھا[1] اور بالآخر میں نے صلح کو ترجیح دی اور اس عہدے کے حقدار کو اس کا حق دے دیا جو مجھ سے زیادہ اس کا حق رکھتا تھا۔ یا امتِ محمدیہ کی اصلاح کی خاطر میں نے یہ حق اسے سونپ دیا اور اے معاویہ! یقیناً اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ معاملہ سونپا ہے۔[2]

اگر آپ میں کوئی خیر تھی تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اور اگر آپ میں کوئی شر ہے تو وہ جانتا ہے، ﴿ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴾ [الأنبياء: ١١١] ''میں نہیں جانتا شاید وہ تمھارے لیے فتنہ ہو یا ایک وقت تک فائدہ ہو''، پھر آپ منبر سے نیچے اتر آئے۔[3]

---

[1] یعنی میں جنگ کو شدید ناپسند کرتا تھا۔ ہم اس بات کا تذکرہ کر چکے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ سے خروج کرنے کی بابت منع کیا کرتے تھے۔

[2] اس سے مراد خلافت ہے۔

[3] الطبقات الكبرى (١/٣٣٠- ٣٣٢) الطبقة الخامسة ت: السلمي. عمرو بن دینار سے مراد: ابو محمد جمحی ان کے مولیٰ مکی اثرم ہے۔

میں **(شمری)** کہتا ہوں: عمرو بن دینار نے یہ روایت عبداللہ بن جعفر سے سنی، جیسا کہ اس روایت میں آیا ہے کہ عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی مجلس میں تھا۔ میں نے کھڑا ہونے کا ارادہ کیا تو آپ نے میرے لباس کے پہلو سے پکڑ کر مجھے کھینچ لیا اور فرمایا: اے فلاں! بیٹھ جاؤ اور امام ذہبی نے ابن دینار کے ابن جعفر سے سماع کو صیغۂ جزم سے بیان کیا ہے۔ اس روایت کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رجال شیخین کے شروط کے مطابق ثقہ ہے۔ دیکھیے: سير أعلام النبلاء (٥/٣٠٠) حافظ ابن حجر عسقلانی، سلمی اور دو محققین نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ صحيح تاريخ الطبري (١٦/٤)

تخریج: اسے ابن عساکر (۱۳/۲۶۶- ۲۶۷) نے اور مزی نے تهذيب الكمال (٦/٢٤٧) میں، ذہبی نے السير للذهبي (٣/٢٦٤- ٢٦٥) میں ابن سعد کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ امام لالکائی نے شرح أصول الاعتقاد (٨/١٥٣٨- ١٥٣٩) میں علی بن حرب طائی کے واسطے سے عبداللہ بن بکر سہمی سے یہ روایت نقل کی ہے۔

زبیر بن بکار نے ''جمهرة نسب قريش وأخبارها'' میں یہ روایت نقل کی ہے۔ اسی طرح تاريخ دمشق (١٣/٢٧٥) میں یہ روایت منقول ہے اور بلاذری نے أنساب الأشراف (٣/٤٣- ٤٤) میں یہ روایت نقل کی ہے کہ مجھے احمد بن سلمان باہلی نے عبداللہ بن بکر سہمی کے واسطے سے یہ روایت سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے خطبہ سمیت مختصر طور پر بیان کی۔ الباہلی کے حالات کا مجھے علم نہیں ہو سکا۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (١/٣٧٣)، بلاذری نے أنساب الأشراف (٣/٥١) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں خلف بن سالم نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں وہب بن جریر نے، وہ کہتے ہیں: مجھے میرے باپ نے اور میرا خیال ہے کہ انھیں یہ روایت امام حسن بصری رحمہ اللہ نے بیان کی، فرماتے ہیں: ←

....

← جب اہلِ کوفہ کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اطلاع موصول ہوئی تو انھوں نے آپ کی اطاعت بجا لائی اور وہ آپ کے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر آپ سے محبت کرنے لگے۔ ان کی تعداد قریباً ۵۰ ہزار تھی۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ انھیں لے کر مدائن آ گئے۔ اس روایت میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا اپنے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے مشورے کا قصہ بھی مذکور ہے، البتہ اس کے ساتھ کئی منکر قصوں کو ملا دیا گیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے متن میں نکارت پائی جاتی ہے۔ وہب بن جریر بن حازم کو اپنے باپ کے بارے میں امام حسن بصری سے سماع کی بابت شک ہے اور اس روایت میں اضطراب پایا جاتا ہے۔عنقریب یہ روایت مزید تفصیل کے ساتھ [رقم: ۷۰۵] پر آئے گی۔

ابن ابی خیثمہ نے اپنی ''تاریخ'' میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح یہ روایت تاریخ دمشق (۲٦۱/۱۳) میں اختصار کے ساتھ آئی ہے کہ ہمیں میرے باپ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں وہب بن جریر نے، وہ کہتے ہیں: مجھے میرے باپ نے بیان کیا کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تو اہلِ کوفہ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت کر لی اور انھوں نے آپ کی حد درجہ اطاعت بجا لائی اور آپ کے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر آپ سے محبت کرنے لگے۔ یہ الفاظ امام حسن بصری نے بیان نہیں کیے، لہٰذا درست رائے کے مطابق یہ روایت مرسل ہے اور اپنے شواہد کی بنا پر یہ روایت صحیح ہے۔عنقریب یہ روایت [رقم: ۵۹۴] پر آئے گی۔

اور ان شاء اللہ یہ روایت "خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة" میں بھی آئے گی، وہاں ہم ان روایات کی اسانید پر بھی باذن اللہ مناقشہ کریں گے۔

شواہد: راوی کا قول کہ ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا علم تھا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فتنے کو شدید ناپسند کرتے ہیں'' اور راوی کا یہ قول کہ ''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! اس معاملے کو پہلے پہل میں شدید ناپسند کرتا تھا۔'' اس کی شاہد وہ روایت ہے جسے امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ ''یہ امت اپنے ہی خون میں رنگ کر رہ گئی۔'' دیکھیے [رقم: ۵٦٦]

اسی طرح ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم! مجھے یہ بات ذرہ بھر بھی محبوب نہیں کہ میں امتِ محمدیہ کے کسی معاملے کا والی بنوں جو ایک رائی کے دانے کے برابر بھی وزنی ہو اور اس میں ایک شیشی برابر خونریزی کی جائے۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۵۵۴]

اسی طرح وہ روایت جسے ابن سعد نے زید بن اسلم سے نقل کیا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مدینہ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک صحیفہ تھا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: یہ کیا ہے؟ وہ شخص کہنے لگا: یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مکتوب ہے جس میں وہ آپ کو وعدہ دلا رہے ہیں اور دھمکی دے رہے ہیں، آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنا حق لے سکتے تھے، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ہاں، ضرور ایسی بات ہے مگر مجھے اس بات کا خدشہ لاحق رہا کہ روزِ قیامت ۷۰ ہزار یا ۸۰ ہزار یا اس سے کم و بیش لوگ آئیں اور ان کے جسموں سے خون کے فوارے چل رہے ہوں اور ہر کوئی اللہ تعالیٰ سے اس بات کا مطالبہ کرے کہ کس جرم کی پاداش میں اس کا خون بہایا گیا۔ ←

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا قول: ”فتنے پھیل گئے، خون بہہ چکا، تعلقات ختم ہو چکے، راستے کٹ گئے اور سرحدیں ویران ہو گئیں۔“ یہ سب آثار جنگ کے نتیجے میں مرتب ہوئے تھے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اس بھیانک انجام سے بہت تکلیف تھی۔

یہ خطبہ آپ نے دوسری بیعت کے بعد نخیلہ میں دیا تھا جس میں آپ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینے کی تاکید کی۔

← دیکھیے: الطبقات الکبری (۳۳۲/۱) [الطبقة الخامسة، ت: السلمي] یہ روایت مقبول ہے اور عنقریب [رقم: ۵۹۱] یہ روایت اپنی تقریر سمیت آ رہی ہے اور وہ اس روایت کا قرینہ ہے، البتہ اسے اس روایت کا شاہد شمار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ مقبول روایت اصلاً صحیح نہیں ہوتی۔

عبداللہ بن احمد سے قیس بن عباد کے واسطے سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل کے روز اپنے بیٹے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: اے حسن! کاش تیرا باپ ۲۰ برس پہلے مر جاتا۔ راوی کہتے ہیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے ابا جان! میں آپ کو اس معاملے سے منع کیا کرتا تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اے بیٹے! میرے خیال میں تھا کہ معاملہ یہاں تک نہیں پہنچے گا۔ اس روایت کی سند صحیح ہے اور یہ روایت [رقم: ۸۵] پر گزر چکی ہے۔

اسی طرح امام آجری سے ”الشریعة“ میں ہشام بن حسان کے واسطے سے، امام حسن بصری سے مروی ہے کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ آپ ان فریقین کے مابین دنیا کی بادشاہت کی غرض سے بات کیجیے۔ مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں۔ یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے اور عنقریب [رقم: ۵۹۵] پر اس کا بیان آ رہا ہے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا اپنے خطبہ میں یہ ارشاد فرمانا کہ ”اے معاویہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ عہدہ سونپا ہے“ اس روایت کی شاہد یہ روایت ہے جسے امام طبرانی نے نقل کیا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابو خلیفہ نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں علی بن مدینی نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں سفیان نے مجالد کے واسطے سے، انھوں نے امام شعبی کے واسطے سے روایت بیان کی، فرماتے ہیں کہ جب نخیلہ کے مقام پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے مصالحت کی تو میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس گیا۔ اس کے بعد راوی نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا کامل خطبہ بیان کیا۔ اس روایت کی سند متصل ہے۔ اس روایت کے تمام رجال مجالد کے علاوہ ثقہ ہیں اور مجالد ضعیف راوی اور شیعہ ہے، البتہ اس کی متابعت کی گئی ہے اور اس کی روایت میں کوئی نکارت نہیں ہے۔ اس روایت کی سند حسن لغیرہ ہے۔ عنقریب یہ کامل روایت [رقم: ۵۷۳] پر آ رہی ہے۔

اسی طرح معمر نے اپنی ”الجامع“ میں ایوب عن محمد بن سیرین کے واسطے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اگر تم شرق و غرب میں جھانک لو تو تمھیں میرے اور میرے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی ایسا شخص نہ ملے گا جس کا نانا نبی ہو، لہٰذا میرا خیال ہے کہ تم سب لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لو۔ ﴿ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ [الأنبياء: ۱۱۱] معمر کہتے ہیں: جابرس اور جابلق سے مراد مشرق و مغرب ہے۔ اس روایت کے تمام رجال ثقہ ہیں البتہ یہ روایت مرسل ہے۔ محمد بن سیرین نے امام حسن بصری سے سماع نہیں کیا۔ عنقریب یہ کامل روایت اپنی تخریج سمیت ”خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة“ (۹) میں آ رہی ہے۔

مگر اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ بن جعفر اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما سے مشورہ اس خطبہ سے قبل ہوا، یہ مشورہ مدائن میں حملے کے دنوں میں ہوا تھا۔[1] لہٰذا سابقہ روایت نے دونوں واقعات کو یکجا کر دیا ہے، جو مختلف مقامات پر رونما ہوئے تھے، ایک مدائن میں اور دوسرا نخیلہ میں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا نخیلہ میں خطبہ دوسرے الفاظ کے ساتھ بھی منقول ہے۔ بظاہر لگتا ہے کہ یہ دوسرا خطبہ ہے، اس کے الفاظ باہم ملتے جلتے ہیں۔

[**573**] طبرانی کی روایت ہے، امام شعبی بیان کرتے ہیں: سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے جب نخیلہ کے مقام پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کی تو میں وہاں موجود تھا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اگر یہ معاملہ ہے تو پھر آپ کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ دیں اور انھیں بتلائیں کہ آپ نے خلافت میرے سپرد کر دی ہے۔

سفیان نے یہ الفاظ بیان کیے ہیں کہ ''آپ لوگوں کو اس معاملے سے آگاہ کریں جو آپ نے میرے لیے چھوڑ دیا ہے۔'' تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھ کر خطبہ دینے لگے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔ شعبی کہتے ہیں: میں سن رہا تھا۔ آپ فرمانے لگے: سب سے عقلمند ودانا شخص متقی ہے اور سب سے احمق و بے وقوف شخص فسق و فجور میں پڑا ہوا ہے۔ جس معاملے میں میرا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف ہوا، اگر تو یہ میرا حق تھا تو میں امتِ محمدیہ کی اصلاح اور خون بہنے سے روکنے کی خاطر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے اپنا حق ترک کرتا ہوں۔ یا یہ مجھ سے زیادہ حق رکھنے والے کا حق تھا تو میں نے ایسا کیا۔

﴿ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ [الأنبياء: ١١١]

''میں نہیں جانتا شاید وہ تمھارے لیے فتنہ ہو یا ایک وقت تک فائدہ ہو''

امام حاکم رحمہ اللہ نے ذیل کے الفاظ زائد بیان کیے ہیں:

''أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَلَكُمْ''

جبکہ بیہقی نے ''الکبریٰ'' اور ''دلائل النبوۃ'' میں یہ الفاظ زائد بیان کیے ہیں: پھر آپ نے استغفار کیا اور منبر سے نیچے اتر آئے۔[2]

---

[1] اس کا بیان (ص: ۴۴۷) پر گزر چکا ہے۔

[2] المعجم الكبير للطبراني (٢٥٥٩) المستدرك للحاكم (٤٨١٣) السنن الكبرىٰ للبيهقي (١٦٧١٢) دلائل النبوة (٤٤٤/٦) اس روایت کی سند حسن لغیرہ ہے۔ عنقریب یہ روایت اپنی تقریر سمیت اور اس پر کلام سمیت میری کتاب ''خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة'' (رقم: ١٣) پر آ رہی ہے۔

پھر یہ صورتِ حال پیدا ہوئی کہ عراقی فوج کا ایک حصہ یعنی جیش الخمیس عراق میں موجود نہیں تھا، بلکہ یہ لوگ مسکن، انبار اور اس کے اطراف میں قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کی قیادت میں رہ رہے تھے۔ اس میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت اور صلح کا اعلان ضروری تھا، تاکہ سب کو اس کا علم ہو سکے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی پہلی بیعت مراسلہ کے ذریعے مدائن میں کی تھی جس کا جیش الخمیس کو علم نہ ہو سکا تھا۔ تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے حکم سے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے لیے ایک بڑی منادی کرائی گئی، تاکہ وہ اس مہم کے لیے تیار رہیں۔ واقعات کی ترتیب زمنی کے اعتبار سے پہلی اور دوسری بیعت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے نخیلہ میں خطبہ دینے سے قبل ہوئی۔

[574] امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے، جیسا کہ "إتحاف المهرة" اور "المطالب العالية" میں ہے۔ حبیب بن ابی ثابت بیان کرتے ہیں: میں ابو وائل کے پاس گیا، تب وہ اپنے محلے کی مسجد میں تھے۔ ہم مسجد کے ایک کونے میں الگ ہو گئے۔ میں نے کہا کہ کیا آپ مجھے ان لوگوں کے بارے میں نہیں بتائیں گے جن کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔[1] وہ کس بات پر آپ رضی اللہ عنہ سے جدا ہوئے تھے اور جب آپ نے انھیں دعوت دی تو انھوں نے کس چیز کو قبول کیا تھا اور جب انھوں نے راہِ مفارقت اختیار کی تو ان سے لڑائی کیوں حلال ہوئی؟ سیدنا ابو وائل فرمانے لگے: ہم صفین میں تھے تو اہلِ شام میں آتشِ جنگ بھڑک اٹھی۔ پس آپ نے ابن ابی شیبہ کی تخریج کے مثل روایت ذکر کی۔ پھر اس کے آخر میں کچھ اضافہ کیا کہ لوگوں نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بطورِ خلیفہ بیعت کر لی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو بھی اس کی بابت مکتوب لکھ دیا، تو قیس رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں میں کھڑے ہو گئے[2] اور کہنے لگے: اے لوگو! تمھارے پاس دو امور ہیں۔ ان میں سے ایک کو تو لازم اختیار کرنا پڑے گا یا تو فتنے میں کود پڑو، یا پھر امام کے بغیر جنگ کرو۔ لوگ کہنے لگے: یہ کیا ہوا؟ قیس رضی اللہ عنہ کہنے لگے: سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے۔ تو لوگوں نے بھی واپس آ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو محض اہلِ نہروان کی پریشانی تھی۔

---

[1] اس سے مقصود وہ خوارج ہیں جنھیں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے نہروان کے موقعے پر قتل کر دیا تھا۔

[2] اپنے اصحاب میں یعنی جیش الخمیس جو مسکن انبار اور اس کے گرد ونواح میں موجود تھا۔

پھر سب لوگ آپ کے پاس آکر بیعت کرنے لگے، حتی کہ صرف ۳۰۰ لوگ باقی رہ گئے، جو نخیلہ سے تھے۔[1]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے مراد مسکن پہنچنے کے بعد بیعت کرنا ہے۔

[575] امام احمد رحمہ اللہ سے ''العلل'' میں منقول ہے، عبداللہ بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں نے موسیٰ بن علی کو کہتے ہوئے سنا، وہ کہتے ہیں: میں نے اپنے باپ کو فرماتے ہوئے سنا: میرے والد میرے ہمراہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کو گئے۔ آپ نے ان کی بیعت کر لی۔ پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے میری طرف ہاتھ بڑھایا، تو میں نے بھی بیعت کر لی۔''[2]

⑥ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی اہلِ شام کے ہمراہ عراق سے شام واپسی اور آسمان سے خالص وتازہ خون کی بارش

[576] امام ابن المبارک نے ''الزھد'' میں نقل کیا ہے، یزید بن ابی حبیب کہتے ہیں کہ

---

[1] إتحاف الخيرة المهرة (٧٤٥٣) المطالب العالية (٤٤٣٩) اس روایت کی سند امام بخاری رحمہ اللہ کی شروط پر صحیح ہے اور امام بوصیری اور ابن حجر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

تخریج: یہ روایت ابن ابی شیبہ نے مصنف ابن أبي شيبة (٣٩٠٦٩) میں نقل کی ہے کہ ہمیں ابن نمیر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عبدالعزیز بن سیاہ نے یہ روایت اس سند کے ساتھ بیان کی، البتہ اس روایت کے آخر میں الفاظ کے اضافہ کا تذکرہ نہیں ہے اور یہ روایت [رقم: ٣٧٧] پر اپنی تخریج کے ساتھ اور [رقم: ٤٩٦] پر گزر چکی ہے۔

اور سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کا اہلِ عراق سے خطاب کرنا کہ اے لوگو! تمھارے پاس دو معاملات ہیں ...... یہ واقعہ تاریخ الطبري (١٦٥/٣)، أنساب الأشراف (٥٢/٣) پر ہے اور ان دونوں کے اسناد ضعیف ہیں اور ان کا متن منکر ہے۔ لہٰذا اس روایت اور اس باب کی صحیح ترین روایت کے مابین مقارنہ کیجیے جس سے آپ پر یہ واضح ہو جائے گا کہ ضعیف روایات کس طرح ان واقعات کی گھناؤنی صورت پیش کرتی ہیں اور ''أنساب الأشراف'' کی روایت یہ بتلا رہی ہے کہ سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما نے یہ کہا کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما عاجز و بے کس اور ناتواں ہو گئے۔ اسی بنا پر انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کی جانب آمادگی ظاہر کی۔ سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کی زبانی یہ کلام گھڑنے والا مبتدع سفیان بن لیل ہے جس نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''السلام عليك يا مذل المؤمنين''، عنقریب یہ حکایت [رقم: ٦٠٤] پر آرہی ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ طبری کی روایت [رقم: ٥٥٨] پر گزر چکی ہے۔

[2] العلل ومعرفة الرجال (١٩٤٧) اس روایت کی سند صحیح ہے۔ عبداللہ بن یزید سے مراد: ابو عبدالرحمٰن اہوازی عدوی مقرئ مولیٰ آل عمر بن خطاب ہے اور موسیٰ بن علی سے مراد: ابن رباح لخمی مولی مصری ہے۔

ربیعہ بن لقیط [1] نے انھیں خبر دی کہ وہ صلح کے سال سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے [2] اور مسکن سے واپس آ رہے تھے تو آسمان سے خالص و تازہ خون کی بارش ہونے لگی۔ ربیعہ کہتے ہیں: میں برتن کو ایک جگہ رکھتا تو وہ خالص و تازہ خون سے بھر جاتا۔ تو لوگ سمجھنے لگے کہ یہ وہی ہے [3] اور لوگ ایک دوسرے کی جانب دوڑنے لگے، تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی جو اس کے لائق تھا، پھر آپ فرمانے لگے کہ اے لوگو! اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاملات درست کر لو، چاہے یہ دونوں گروہ [4] آپس میں دست و گریباں بھی ہو جائیں تو بھی تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ [5]

---

[1] ربیعہ بن لقیط بن حارثہ تجیبی مصری کے بارے میں ابن عساکر نے کہا ہے کہ یہ جنگِ صفین میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حاضر ہوا اور عام الجماعہ کو اس نے آپ کے ہمراہ عراق کا سفر کیا۔ امام عجلی فرماتے ہیں: یہ مصری تابعی ثقہ ہے۔ ابن حبان نے "الثقات" میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ دیکھیے: الثقات للعجلي (٤٧٠) الثقات لابن حبان (٢٣٠/٤) تاريخ دمشق (٦٩/١٨) ، (١٨٨/٧٢) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٢٤٩/٤)

[2] یہ ۴۱ھ کا واقعہ ہے۔

[3] امام ذہبی نے قیامت کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے اور امام ذہبی سے دیگر الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عراق سے واپسی پر تھے کہ دجلہ کے مقام پر انھیں خونی بارش نے آ لیا اور انھوں نے سمجھا کہ کہیں یہ قیامت آ گئی ہے۔

[4] ان دونوں سے مقصود عراقی اور شامی فوج تھی اور یہ خطبہ عراقی لشکر کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینے کے بعد کا ہے۔

[5] الزهد لابن مبارك (٥٦١) اس روایت کی سند حسن ہے اور جیسا کہ آ رہا ہے کہ امام جلال الدین سیوطی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ امام ابن مبارک کی ابن لہیعہ سے یہ روایت آپ کی کتب جلنے سے پہلے کی ہے اور ابن مبارک ابن لہیعہ کے اصول تلاش کرتے تھے۔ ابن عساکر اور امام ذہبی نے کہا ہے کہ ابن لہیعہ کی متابعت کی گئی ہے۔

اس روایت میں اختلاف کا بیان: یہ روایت یحییٰ جعفی نے عبدالرحمٰن بن زیاد رصاصی اور عبداللہ بن وہب مصری سے نقل کی ہے، ان دونوں نے یہ روایت لیث بن سعد سے، انھوں نے یزید بن ابی حبیب سے، انھوں نے ایک مبہم آدمی سے بیان کی ہے جس میں مبہم شخص نے خونی بارش کے واقعہ کو واقعۂ صفین ۳۷ھ میں قرار دیا ہے۔ پھر اس روایت میں بعض اضافے بھی کیے ہیں جو اس کے جھوٹ پر دلالت کرتے ہیں۔ عنقریب اس کے اضافوں کا بیان آ رہا ہے۔

پھر ابن لہیعہ نے اس روایت کو بیان کیا جس میں اختلاف ہے: اس نے یہ روایت یحییٰ جعفی سے، انھوں نے ابن وہب سے، انھوں نے ابن لہیعہ سے، انھوں نے یزید بن ابی حبیب سے، انھوں نے ربیعہ بن لقیط کے واسطے سے یہ روایت بیان کی۔ یحییٰ جعفی نے اس واقعے کو واقعۂ صفین ۳۷ھ میں قرار دیا، کیونکہ اس نے اس روایت اور لیث کی مجہول راوی سے روایت کو باہم ملا دیا ہے۔ امام عبداللہ بن مبارک جو ان سے اوثق ہیں، انھوں نے اس کی مخالفت کی ہے۔ انھوں نے یہ روایت ابن لہیعہ کی سند کے ساتھ بیان کی ہے اور انھوں نے اس واقعے کو عام الجماعہ ۴۱ھ کا قرار دیا۔ ←

دجلہ کے مقام پر آسمان سے خون کی بارش ہوئی۔ ذہبی نے نقل کیا ہے: دجلہ کے مقام پر آسمان سے تازہ خون کی بارش ہوئی۔[1]

البتہ مسکن وہ مقام نہیں ہے جہاں بارش کا نزول ہوا، بلکہ مسکن سے خروج کے بعد واپسی کے رستے میں دجلہ کے مقام پر بارش ہوئی۔

یہ واقعہ ۴۱ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت اور آپ رضی اللہ عنہ کے کوفہ میں داخل ہونے کے بعد کا ہے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت عراق میں مکمل ہوگئی، پھر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ لشکر کے ہمراہ مسکن سے شام کی جانب لوٹ آئے۔ ابھی وہ دجلہ کے راستے میں ہی تھے کہ اچانک آسمان سے تازہ خون کی بارش ہونے لگی۔ لوگ اس سے خوفزدہ ہو گئے اور ان کی حیرت دنگ رہ گئی اور انھوں نے سمجھا کہ کہیں قیامت آ گئی

← ابن لہیعہ کی عمرو بن حارث بن یعقوب انصاری نے یزید بن ابی حبیب کے واسطے سے یہ واقعہ عام الجماعہ میں ہونے کی متابعت کی ہے۔

تخریج: یہ روایت ابن عساکر نے تاریخ دمشق (۱۸۹/۷۲) میں ابن مبارک کے واسطے سے نقل کی ہے اور ابن عساکر نے اس کے بعد کہا ہے کہ یہ روایت عمرو بن حارث نے یزید کے واسطے سے بیان کی ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے جامع الأحاديث (۸۲/۹، ح: ۱۸٤٤۷) میں یہ روایت ابن عساکر کے واسطے سے نقل کی ہے اور فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔ كنز العمال (۸/٤۳۹، ح: ۲۳۵۵۲) دیکھیے۔

اور یہ روایت امام ذہبی نے تاريخ الإسلام (۳۵۲/٦) اور سير أعلام النبلاء (٥١٠/٤) پر یزید کے واسطے سے، انھوں نے ربیعہ کے واسطے سے بیان کی ہے اور اس کی نسبت اپنی تاریخ میں کتاب "الزهد لابن مبارك" کی طرف کی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ روایت ابن وہب نے عمرو بن حارث کے واسطے سے، انھوں نے یزید کے واسطے سے، انھوں نے ربیعہ کے واسطے سے نقل کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عراق سے واپسی پر تھے کہ آسمان سے دجلہ کے مقام پر خونی بارش ہونے لگی اور سب لوگ کہنے لگے کہ قیامت آ گئی ہے۔

عمرو بن حارث سے مراد: ابن یعقوب انصاری ہے۔ ابو امیہ ثقہ فقیہ اور حافظ ہے اور ابن وہب اس کے راوی ہیں۔ دیکھیے: تهذيب الكمال (۵۷۲/۲۱) التقريب (٥٠٠٤)،

ابن دیزیل نے اپنی کتاب صفين (رقم: ۹٦) میں یہ روایت نقل کی ہے، اسی طرح بغية الطلب (۳٦۱۸/۸- ۳٦۱۹) میں اور شرح نهج البلاغة (۲۲٤/۲) البداية والنهاية (۲۹۳/۷- ۲۹٤) میں یہ روایت بیان کی ہے کہ مجھے یحییٰ بن سلیمان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے ابن وہب نے، وہ کہتے ہیں: مجھے لیث بن سعد نے یزید بن ابی حبیب کے واسطے سے یہ روایت بیان کی کہ انھیں اس کی بابت اس شخص نے خبر دی جو معرکۂ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنگِ صفین میں شامل ہوا تھا۔

[1] تاريخ الإسلام (۳۵۲/٦) سير أعلام النبلاء (٥١٠/٤)

ہے۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انھیں خطبہ دیا اور انھیں ایسا وعظ کیا جس سے ان کے دل اللہ تعالیٰ سے جڑ جائیں اور ان کی گھبراہٹ سے انھیں تسکین مل جائے، آپ نے ان سے فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ اور اپنے مابین تعلقات کو تقویٰ سے مضبوط کرو، اور اس کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے اپنی اصلاح کر لو۔

اگر تو تم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت گزاری کی، پھر یہ فتنے کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ گو ان دونوں لشکروں کے درمیان پھر سے جنگ چھڑ جائے، تو بھی تمھارا کچھ نہ بگڑ سکے گا۔ ہر انسان کا محاسبہ اس کے اعمال کی بدولت کیا جائے گا، کوئی جان کسی کا بوجھ نہیں اٹھاتی۔

سرخ بارش کی ظاہری صورت تو طبعی طور پر اس شخص کو خوفزدہ کر دیتی ہے جس نے پہلی فرصت میں اس کا مشاہدہ کیا ہو، اس کی علمی تفسیر حاشیے میں ذکر کی گئی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا ظہور تھا جو اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی عظمت اور نئے سرے سے کسی چیز کی تخلیق پر دلالت کرتی ہے۔ جیسے سورج و چاند کو گرہن لگنا بھی اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ ان کے ذریعے وہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، تاکہ اطاعت گزار مزید کوشش کرے اور کوتاہی کرنے والا رجوع کر لے، اسی وجہ سے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انھیں وعظ کیا کہ وہ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے مابین صلح کر لیں۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشہ ابراہیم رضی اللہ عنہ انتقال کر گئے۔[1] اس دن سورج کو گرہن لگ گیا، تو لوگ کہنے لگے: ابراہیم کی موت کے غم میں سورج کو گرہن لگ گیا ہے۔ اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سورج و چاند اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے، کسی کی موت وحیات سے انھیں گرہن نہیں لگتا۔ لہٰذا جب تم انھیں اس حال میں دیکھو تو اللہ تعالیٰ سے ان کے چھوٹ جانے کی دعا کرو، اور تب تک نماز پڑھتے رہو جب تک کہ گرہن ختم نہ ہو جائے۔''[2]

ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ ''یہ کسی کی موت و حیات سے گرہن زدہ نہیں ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے بندوں کو ڈراتا ہے۔''[3]

گرہن عذاب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے جس سے وہ لوگوں کو ڈراتا ہے، تاکہ اس کی

---

[1] یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لختِ جگر تھے اور بچپن میں ہی وفات پا گئے۔ تب ان کی عمر ۱۸ ماہ تھی اور اس کی ماں سیدہ ماریہ قبطیہ ہے۔ الإصابة (۱۷۲/۱)

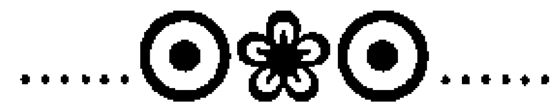
[2] صحيح البخاري (۱۰۱۱)

[3] سیدنا ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہی اس کا مصدر ہے۔

طرف رجوع کر لیں۔ جب کہ بارش اور ہوا ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ اگر وہ مہلک ہوں تو فاسقوں کے لیے عذاب، یا مومنوں کے لیے آزمائش ہوں گی اور اگر مہلک نہ ہوں تو یہ دونوں رحمت ہیں۔ صاف بارش یا سرخ بارش ہر دو کا یہی معاملہ ہے، یا تو نشانی ہوگی، یا رحمت یا مہلک!

سورج و چاند کو گرہن لگنا عذاب نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اس کی جانب رجوع کر سکیں۔ تو بارش، یا سورج و چاند گرہن سب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں، لیکن حالات مختلف رہتے ہیں، کبھی یہ عذاب بھی بن جاتی ہیں۔

المختصر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح خیر پر مشتمل تھی۔ آپ نے اس سے امت کی اصلاح کی اور آپ کا ارادہ خون بہنے سے روکنا اور امت کو اکٹھا کرنے کا تھا۔ جو جلیل القدر اور شاندار عمل تھا اور اللہ تعالیٰ کو بڑا محبوب تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اس کی بشارت بھی دی تھی اور اس کی بشارت تو اس سے قبل بنی اسرائیل کے بعض انبیاء نے بھی دی تھی۔[1] اللہ تعالیٰ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔



[1] [رقم: ۲۵۷] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

چوتھی بحث:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد فتوحات کے دور کی واپسی

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ ہی فتوحاتِ اسلامیہ کا سلسلہ رُک گیا تھا اور داخلی فتنوں کے باعث سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ سلسلہ رکا رہا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اس کا بہت غم تھا، آپ کو فتوحات کے رُک جانے کا صدمہ و افسوس تھا۔ سو آپ نے اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ بن جعفر سے فرمایا کہ سرحدیں غیر محفوظ ہو چکی ہیں۔[1] بشارتِ رسول سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر احسان ہوا تو فتوحات کا دور لوٹ آیا۔

[**577**] سعید بن عبدالعزیز فرماتے ہیں: جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اور لوگ اختلاف میں پڑ گئے تو لوگوں نے کوئی غزوہ نہ لڑا اور نہ ہی لڑائیاں ہوئیں، حتی کہ ۴۱ھ میں امتِ محمدیہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت پر متحد ہو گئی تو انھوں نے اس سال کو ''عام الجماعۃ'' کا نام دیا۔

سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے گرمیوں کے غزوات شروع کیے، روم میں ۱۶ غزوات لڑے، جن میں گرمی سردی گزرتی رہی۔ پھر آپ لوٹ آئے۔ پھر آپ نے ۵۵ھ میں اپنے بیٹے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل کیا تو انھوں نے بر و بحر، خشکی و تری میں ہر جگہ جنگ کی، حتی کہ خلیج پار کر گئے۔ انھوں نے اہلِ قسطنطنیہ سے آخری حد تک جنگ کی۔ پھر آپ واپس چلے آئے۔

امام ابو زرعہ بیان کرتے ہیں: سعید بن عبدالعزیز کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ۵۵ھ میں قسطنطنیہ میں فوت ہوئے۔[2]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۵۷۲]

[2] تاريخ أبي زرعة الدمشقي (ص: ۱۸۸) یہ روایت مقبول ہے جب کہ درست بات یہ ہے کہ عام الجماعہ ۴۱ھ میں ہوا، البتہ اہلِ شام نے ۴۰ھ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ دیکھیے: [رقم: ۱۱۸] اور اس کے بعد۔ سعید بن عبدالعزیز سے مراد: تنوخی ہیں۔

[578] امام ابو زرعہ دمشقی سے منقول ہے، ابو ظبیان روایت کرتے ہیں کہ جب وہ لوگ قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ انھیں ان کی دیوار کی ایک جانب دفن کیا جائے۔ راوی کہتے ہیں: ہم نے آپ کی میت کو دیوار کے قریب کر کے دفن کر دیا اور انھیں اپنے قدموں کے نیچے دفن کر دیا۔ [1]

قسطنطنیہ کا محاصرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں کیا گیا۔

[579] امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے، عمیر بن اسود عنسی بیان کرتے ہیں، وہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، تب آپ حمص کے صحن میں پڑے ہوئے تھے، آپ اپنی عمارت میں تھے، ان کے ساتھ امِ حرام بھی تھیں۔ عمیر بن اسود عنسی کہتے ہیں: ہمیں امِ حرام نے بیان کیا کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ سب سے پہلے میری امت میں سے جو لوگ بحری جہاد کریں گے، ان پر (جنت) واجب ہو گئی ہے۔ سیدہ امِ حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میں نے کہا: کیا اللہ کے رسول! میں بھی ان میں شامل ہوں گی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو ان میں ہی سے ہو گی۔'' پھر فرمایا: ''سب سے پہلے میری امت کے جو لوگ قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوں گے وہ "مغفور لهم" (ان کی بخشش ہو گئی ہے) ہیں۔'' میں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ان لوگوں میں شامل ہوں؟ تو فرمایا: ''نہیں۔'' [2]

سمندری غزوے سے مراد غزوۂ قبرص ہے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ۲۸ھ میں لڑا گیا۔ اس لشکر کے قائد سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما تھے۔ [3]

قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ''ان پر واجب ہو گئی'' سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی جنت ان کے لیے واجب ہو گئی۔ [4]

قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم: ''قیصر کے شہر میں لڑائی'' کا ٹکڑا بتاتا ہے کہ دوسرے لشکر کی بات ہو رہی ہے، اور

---

[1] تاريخ أبي زرعة الدمشقي (ص: ۱۸۸-۱۸۹) اس روایت کی سند صحیح ہے۔ ابو ظبیان سے مراد: حصین بن جندب بن عمرو جنبی ہے۔ امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے ۵۰ھ میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ غزوۂ قسطنطنیہ لڑا۔ سير أعلام النبلاء (۳۶۳/٤)

[2] صحيح البخاري (۲۷٦٦)

[3] فتح الباري (۷۵/۱۱)

[4] فتح الباري (۱۰۳/۸)

یہ وہ لشکر تھا، جس نے قسطنطنیہ کی جنگ لڑی۔ یہ غزوہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے زمانۂ خلافت میں ۵۰ھ میں لڑا گیا۔ اس کی کمان یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کے ہاتھ میں تھی۔[1]

[580] امام بخاری رحمہ اللہ سے ایک طویل حدیث منقول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ''لا إله إلا اللّٰه'' صدقِ دل سے پڑھ لیا اور اس سے وہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ چاہتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے آگ پر حرام کر دیا ہے۔'' محمود بن ربیع کہتے ہیں: میں نے یہ حدیث ایک قوم کو بیان کی، ان میں صحابیِ رسول ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے جو غزوۂ قسطنطنیہ میں شہید ہوئے اور یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ ارضِ روم میں ان کے امیر تھے۔[2]

سیدہ امِ حرام بنت ملحان غزوۂ قبرص کے لیے جہاد میں نکلیں، واپسی پر وہ سواری پر سے گریں اور ان کی گردن ٹوٹ گئی، جس سے ان کی وفات ہوگئی۔[3]

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کبار ساتھیوں میں سے تھے اور آپ کے بڑے ہی مقرب تھے۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی غرض سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں داخل ہو گئے اور غزوۂ قسطنطنیہ میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کی موت نصیب فرمائی۔

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے والیِ بصرہ تھے،[4] جنگِ صفین میں میسرہ کے قائد تھے،[5] انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر غزوۂ روم لڑا۔ آپ بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق، آپ کے دین اور آپ کی فقاہت کے گن گایا کرتے تھے۔

[581] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عبد بن حمید نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اصحابِ کہف کا مفصل قصہ بیان کیا ہے، جو مرفوع نہیں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ایک غزوہ لڑا، جہاں ان کا گزر اس غار سے ہوا جس کا ذکر کلام اللہ میں ہے۔

---

[1] فتح الباري (٦٢/٣)

[2] صحيح البخاري (١١٣٠) فتح الباري (٦٢/٢)

[3] ان کا قصہ صحيح البخاري (٢٦٣٦) میں آیا ہے۔

[4] دیکھیے: [رقم: ٢٩٠]

[5] دیکھیے: واقعة صفين (ص: ٢٠٥، ٤٧٥)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میرا دل چاہتا ہے کہ میں انھیں دیکھوں مگر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے منع کر دیا۔ لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے پختہ ارادہ کیا، اور لوگوں کو وہاں بھیجا جس پر اللہ تعالیٰ نے ہوا چلا دی اور وہ وہاں سے چلے گئے۔[1] پھر انھوں نے اصحابِ کہف کا قصہ ذکر کیا۔

[582] ابوبکر خلال رحمہ اللہ سے منقول ہے، ہمام بن منبہ بیان کرتے ہیں: میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو بادشاہت کے لائق نہیں دیکھا۔ اگر لوگ ایک کھلی وادی میں ان کے پاس آئیں تو ان کو تنگ دست، گن گن کر رکھنے والا، ڈانٹنے والا اور تنگ دل نہیں پائیں گے۔

میں نے احمد بن یحییٰ ثعلب سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے الفاظ: ''تنگ دست'' کا مفہوم پوچھا تو انھوں نے فرمایا: وہ معاملہ کو قابو میں رکھتے تھے۔ میں نے ثعلب سے کہا: یعنی وہ اخلاق میں تنگ ذہن نہیں تھے؟ بولے: ہاں اخلاق وغیرہ میں بھی نہیں تھے اور مال میں تو بالکل ہی ایسا نہیں تھا۔[2]

---

[1] فتح الباري (٦/٥٠٥) اس روایت کی سند صحیح ہے۔

[2] السنة للخلال (٦٧٧) اس روایت کی سند صحیح ہے۔

تخریج: یہ جامع معمر (٢٠٩٨٥) میں ہے۔ ابن سعد نے الطبقات (٦/٢٠، ط: خانجي) اور امام طبری نے تاریخ الطبري (٣/٢٦٩) میں ابن مبارک کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے۔ عبدالرزاق نے الأمالي في آثار الصحابة (٩٧) میں یہ روایت نقل کی ہے اور سب نے اس روایت کے آخر میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا تذکرہ کیا ہے۔ دیکھیے: التاريخ الكبير للبخاري (٧/٣٢٧) تاريخ دمشق (٥٩/١٧٤- ١٧٦) سير أعلام النبلاء (٣/١٥٣)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے دونوں خلفاء کے مابین مقارنہ کا ارادہ کیا، ان میں سے ایک اپنی رعایا پر بے دریغ خرچ کرنے والا اور دوسرا انتہائی متحمل تھا جو مال کو صرف اس کی جگہ پر استعمال کرتا تھا۔ ابوبکر خلال نے السنة (٦٨٥) میں ایک روایت نقل کی ہے جو اس بات کی دلیل ہے، فرماتے ہیں: مجھے محمد بن علی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں اثرم نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں احمد بن شبویہ نے سلیمان بن صالح سے، انھوں نے ابن مبارک سے، انھوں نے خالد بن سعید بن عمرو بن سعید کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے کہا کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حلم و بردباری میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشابہ تھے۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ محمد بن علی بن شعیب بن عدی بن ہمام ابوبکر سمسار کے بارے میں امام دارقطنی فرماتے ہیں: یہ ثقہ ہے۔ دیکھیے: تاريخ بغداد (٣/٢٧٩)

اثرم سے مراد: ابوبکر احمد بن محمد بن ہانیء ہے اور احمد بن شبویہ ثقہ راوی ہے۔ (التقريب: ٩٤) سلیمان بن صالح سے مراد: سلمویہ ہے۔ یہ ثقہ راوی ہے۔ (التقريب: ٢٥٧٢) یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما حلم میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی اقتدا کیا کرتے تھے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اس بنا پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ماجور ہیں۔

[583] امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے، ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا: آپ کا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ وہ تو صرف ایک وتر پڑھتے ہیں؟ تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: وہ حق بجانب ہیں، کیونکہ آپ فقیہ ہیں۔ [1]

دینی فقاہت کی یہ تعریف سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی دیانت پر بھی لازم آتی ہے۔

جہاں تک سیدنا عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی بات ہے تو وہ بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جہاد کے ساتھ ساتھ آپ کی تعریف کرتے تھے۔

[584] ابو القاسم لالکائی رحمہ اللہ سے منقول ہے، جبلہ بن سحیم بیان کرتے ہیں، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو سردار نہیں دیکھا۔ ایک شخص کہنے لگا: کیا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں؟ کہا: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر تھے۔ جبکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ میرے والد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر سردار تھے۔ [2]

[585] طبری کی روایت میں ہے: پھر ۴۹ھ کا دور آن پہنچا، اس میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ روم لڑا، حتی کہ وہ قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ ان کے ہمراہ سیدنا ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر اور سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہم تھے۔ [3]

[586] امام ابو زرعہ دمشقی سے منقول ہے، امام اوزاعی فرماتے ہیں: اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی جماعت نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت پایا۔ ان میں سیدنا سعد، اسامہ، جابر، ابن عمر، زید بن ثابت، مسلمہ بن مخلد، ابو سعید خدری، رافع بن خدیج، ابو امامہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کئی بڑے بڑے بزرگ تھے۔ وہ سب ہدایت کے منارے اور علم کے سمندر تھے۔ کتاب اللہ کے نزول کے وقت موجود تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کتاب اللہ کی تفسیر سیکھی۔

---

[1] صحيح البخاري (٣٥٥٤) یہ روایت اپنے راویوں کے حالات سمیت [رقم: ۴۵۳] پر گزر چکی ہے۔

[2] شرح أصول الاعتقاد (٢٧٨١) یہ روایت صحیح ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

تخریج: یہ روایت الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم (٥١٦) السنة للخلال (٦٧٨، ٦٧٩، ٦٨٠، ٦٨١) مكارم الأخلاق للخرائطي (٥٤٤) المعجم الأوسط للطبراني (٦٧٥٩) المعجم الكبير للطبراني (١٣٤٣٢) میں اور ابن عساکر (۵۹/۱۷۳-۱۷۴) نے پانچ واسطوں سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بیان کیا ہے۔

[3] تاريخ الطبري (٢٠٦/٣) اسی طرح امام طبری نے اسے ۴۹ھ کے واقعات میں بیان کیا ہے جبکہ راجح قول کے مطابق یہ ۵۰ھ کے بعد کا واقعہ ہے۔

پھر ان کے بعد تابعین بھی تھے جن میں سیدنا مسور بن مخرمہ،[1] سیدنا عبدالرحمٰن بن اسود بن عبد یغوث،[2] سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر اور عبداللہ بن محیریز اور ان جیسے اور لوگ تھے رحمہم اللہ، جنھوں نے امتِ محمدیہ ﷺ کے اجماع سے کبھی ہاتھ نہیں کھینچا۔[3]

[**587**] ابو زرعہ دمشقی سے منقول ہے، عروہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا زید بن ثابت، معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عطیات لیا کرتے تھے۔[4]

یہ روایت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے موقف کے بیان میں گزر چکی ہے۔[5] یہاں میں نے امام اوزاعی کے سابقہ قول کی مناسبت سے دوبارہ ذکر کر دی ہے کہ فقیہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور دیگر علمائے صحابہ و تابعین نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان پر اتفاق و اجماع ہونے کے بعد کبھی آپ کی اطاعت سے سرتابی نہیں کی۔

[**588**] امام ابو زرعہ دمشقی فرماتے ہیں، ابومسہر نے ہمیں لکھوایا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ۴۰ھ میں کی گئی، یہ عام الجماعہ تھا۔ آپ نے قریباً ۲۰ برس تک حکمرانی کی، اور ۶۰ھ میں دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔[6]

---

1. یہ صحابیِ رسول ہیں اور یہ ان لوگوں میں شامل تھے جو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کی حفاظت پر مامور تھے۔ سیر أعلام النبلاء (۳۹۰/۳) التقریب (٦٦٧٢)
2. مطبوعہ میں ابن عبدغوث ہے۔ یہ کبار تابعین اور ان کے معززین میں شامل ہے۔ ان کے حالات دیکھیے: تهذيب الكمال (٥٢٥/١٦)
3. تاريخ أبي زرعة الدمشقي (۱۸۹- ۱۹۰) یہ روایت مقبول ہے۔ اس روایت کی سند میں تمام رواۃ ثقہ ہیں لیکن ولید بہت زیادہ تدلیس کرتا ہے اور عنعن سے روایت کرتا ہے۔

شواہد: یہ روایت بتلا رہی ہے کہ صحابہ اور تابعین میں سے کسی نے بھی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینے کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لینے سے ہاتھ پیچھے نہیں کھینچا اور یہ بات صحیح ثابت ہے۔

4. تاريخ أبي زرعة الدمشقي (ص: ۱۹۰) یہ روایت اپنے قرائن کی بنا پر مقبول ہے۔ یہ روایت گزر چکی ہے۔ آئندہ حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔
5. دیکھیے: [رقم: ۲۵۸]
6. تاريخ أبي زرعة الدمشقي (ص: ۱۹۰) یہ روایت مقبول ہے اور درست بات یہ ہے کہ عام الجماعہ ۴۱ھ میں ہوا۔ دیکھیے: [رقم: ۱۱۸] اور اس کے بعد۔ ابومسہر سے مراد عبدالاعلیٰ بن مسہر غسانی ہے۔

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ۴۱ھ میں کی اور اس کو عام الجماعہ کا نام دیا گیا۔ البتہ اہلِ شام نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت ۴۰ھ میں ہی کر لی تھی، جب انھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تھی۔



پانچویں بحث:

صلحِ حسن رضی اللہ عنہ کی روایات سے مستنبط فوائد

یہاں میں صلحِ حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق صحیح احادیث سے حاصل ہونے والے فوائد ذکر کروں گا:

⦿ امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مسلمانوں کے بچوں کا کیا بنے گا؟ تو سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ہوں نا۔[1]

امام ابن حجر رحمہ اللہ نے اس پر تعلیق لگائی ہے کہ بظاہر ''میں ہوں نا'' کہنے والے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ معلوم ہوتے ہیں، لیکن مجھے اس روایت کی سندوں میں کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو اس پر دلالت کر رہی ہو۔ اگر یہ روایت محفوظ ہے تو پھر شاید یہ "أَنَّی"(نون مفتوحہ کی تشدید کے ساتھ) ہو۔ اور یہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے برسبیلِ استبعاد کہا ہو (یہ بھلا کون کر سکے گا؟!)[2]

میں کہتا ہوں: اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ لفظ "أَنَا" ہی ہے، تو اس صورت میں اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے لشکرِ عراق کی جنگی حرص اور کثرتِ تعداد کو دیکھا تو انھیں عسکری زاویۂ نگاہ سے ان لوگوں سے جنگ کرنا ہی درست معلوم ہوا ہو، اور ان کا خیال ہو کہ یہ عظیم لشکر بڑی قتل وغارت گری کے بغیر ہرگز بھی شکست نہیں کھائے گا۔

اس طرح انھوں نے جنگی زاویۂ نگاہ سے سمجھا ہو۔ اس کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے کہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ، نعوذ باللّٰہ، قتال کے حریص تھے۔ اس زاویے سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے درست تھی۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے، جس نے ان پر صلح کا انعام کیا اور جنگ سے ان کو کافی ہوگیا، کیوں کہ اگر صلح نہ ہوتی تو صفین سے زیادہ تکلیف دہ معرکہ جنم لیتا۔

---

[1] دیکھیے: [٥٦٧]

[2] فتح الباري (١٣/٦٤)

صلح کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے مناقب میں شمار کیا جائے گا:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے: اس قصے میں بہت سے فوائد ہیں، بلکہ یہ اعلامِ نبوت میں سے ہے۔ اس میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے۔ آپ نے حکومت چھوڑی، اس کی وجہ کوئی بیماری، قلت یا کمزوری نہیں تھی بلکہ جنت کی رغبت میں ایسا کیا، جب آپ نے مسلمانوں کا خون بہتے دیکھا تو آپ نے دین اور امت کی مصلحت کا لحاظ رکھا۔

اس روایت میں خوارج کا ردّ ہے جو سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھیوں کو کافر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں گروہوں کے متعلق گواہی دی تھی کہ وہ مسلمان ہوں گے۔ اسی لیے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اس حدیث کے بعد فرمایا کرتے تھے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمان فرمانا، ہمارے لیے انتہائی خوشی کا باعث ہے۔[1]

نیز اس حدیث میں لوگوں کی اصلاح، خصوصاً خون بہنے سے روکنے کا بیان ہے۔ نیز اس میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی رعایا پر نرمی اور مسلمانوں پر آپ کی شفقت و مہربانی، قوتِ نظر اور بہترین تدبیر کا بیان ہے۔ نیز آپ معاملات کو دوررَس نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔

اس روایت میں افضل کی موجودگی میں خلافت کی باگ ڈور مفضول کے سپرد کرنے کا بیان ہے، کیونکہ سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو اس زمانے میں حکومت دی گئی، حالاں کہ اس وقت بدری صحابہ سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہما دونوں حیات تھے۔ یہ ابنِ تین کا قول ہے۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ بذاتِ خود خلافت سے دستبردار ہوسکتا ہے، جب وہ دیکھے کہ اس میں مسلمانوں کی اصلاح کا راز پوشیدہ ہے۔ نیز مال لے کر دنیوی یا دینی ذمہ داریوں سے سبکدوش بھی ہوسکتا ہے، ایسے کام پر مال لینا بھی جائز ہے۔[2]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا مال کی شرط پوری کرنا، بلکہ زیادہ دینا:

صحیح روایات[3] میں ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے مال کی شرط ہو بہو پوری کی۔

---

[1] امام ابن عیینہ رحمہ اللہ سے صحیح مروی ہے، عنقریب اپنی مناسبت اور تخریج کے ساتھ [رقم: ۵۹۹] پر آئے گی۔

[2] فتح الباري (۱۳/۶۶- ۶۷)

[3] دیکھیے: [رقم: ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰]

اتنا ہی نہیں بلکہ آپ نے شرط سے بڑھ کر عطا کیا، پہلے آپ نے شرط کے مطابق دیا، پھر اس سے بڑھ کر بہت کچھ تحفے میں دیا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اسے قبول کر لیا اور اپنے اہلِ بیت کے ہمراہ مدینہ چلے گئے۔

صحیح روایات جو صلحِ حسن رضی اللہ عنہ کی بہترین عکاسی کرتی ہیں:

صحیح روایات سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور بیعت کی نہایت خوبصورت و دیدہ زیب تصویر سامنے آتی ہے جس میں عدالتِ صحابہ جھلکتی ہے اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے جلیل القدر اوصاف کا اسوہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ جبکہ ضعیف و منقطع روایات نے آپ کی سیرت کا حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے۔ اسی طرح جو روایات اس دور میں منتشر ہوئیں انھوں نے آپ کی سیرت کو مسخ کیا ہے۔ مجھ پر طویل مطالعہ اور دراسۂ علمی سے کھلا کہ مذکورہ افواہیں غالی شیعوں نے پھیلائی تھیں۔ پھر ان سے مورخین نقل در نقل کرتے رہے جن کی کتابوں میں صحت کا التزام نہیں کیا جاتا تھا۔ عنقریب یہ ضعیف روایات "خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة" نامی کتاب میں بیان ہو رہی ہیں۔ وہیں ان پر نقد بھی کیا جائے گا۔

ان ضعیف روایات نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت کو بری طرح مجروح کیا بلکہ آپ کو کمزور، بے بس، عاجز و ناتواں، بد اخلاق، فحش گو اور بد زبانی سے متہم کیا گیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہاں تک الزام لگائے گئے کہ انھوں نے ایسے افعال منبروں میں سب کے سامنے کیے، ان اہلِ بدعت نے چاہا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن تھا لیکن بغیر عقل اور نالائقی سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر طعن کر بیٹھے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خون بہنے کو ناپسند کرتے تھے:

صحیح بخاری کی روایت اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فتنہ، جنگ اور خون ریزی کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ امت اپنے خون بہانے کے درپے ہے۔[1]

بلکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے بڑھ کر اس معاملے کو ناپسند کرتے تھے، جیسا کہ وہ اپنے بارے میں کہا کرتے تھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے متعلق یہی رائے رکھتے تھے۔

ابن سعد کی روایت میں ہے: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ حسن رضی اللہ عنہ کو فتنہ انگیزی سے سخت نفرت ہے ...... سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر فرمانے لگے: اے لوگو! میں اس معاملے کو ابتدا سے ہی سب سے زیادہ ناپسند کرتا تھا۔[2]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ٥٦٦]
[2] دیکھیے: [رقم: ٥٧٢]

یعنی وہ ابتدا ہی سے جنگ کو سب سے زیادہ ناپسند کرتے تھے، اسی لیے وہ اپنے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی جنگ سے اجتناب کی تلقین کرتے رہے۔[1]

جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، تو آپ کے پاس ابو عامر سفیان بن لیل آیا اور کہنے لگا: اے مومنو کو ذلیل کرنے والے! السلام علیکم، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ابو عامر! یوں نہ کہو، میں مومنوں کو رسوا کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ میں تو اس کو برا سمجھتا ہوں کہ میں حکمرانی کی خاطر لوگوں کو قتل کروں۔[2]

صلح سے تھوڑا پہلے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے مدائن میں خطبہ دیا اور آپ نے وہاں تذکرہ کیا کہ وہ خون ریزی کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ امتِ محمد کا کوئی ایک رائی برابر سخت معاملہ میرے سپرد ہو اور اس کی خاطر ایک شیشی کے برابر خون ریزی و فساد ہو۔[3]

یقیناً اللہ تعالیٰ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر اس بلند و بالا ہدف کو واضح کر کے بہت بڑا احسان فرمایا، لہٰذا آپ کی خلافت میں ایک شیشی کے برابر بھی خون ریزی نہیں ہوئی۔ اس کی شہادت امام حسن بصری رحمہ اللہ نے بھی دی ہے:

[**589**] امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے، ابوبکرہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں امامت کروا رہے تھے۔ جب آپ سجدے میں گئے تو حسن رضی اللہ عنہ آپ کی پشت پر چڑھ گئے، انھوں نے ایسا کئی بار کیا تو لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اللہ کی قسم! آپ اس کے ساتھ جو کر رہے تھے، کسی اَور کے ساتھ ایسا کرتے نہیں دیکھا گیا۔ ابن المبارک کہتے ہیں: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ذکر کیا اور فرمانے لگے: ''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے امتِ مسلمہ کے دو گروہوں کے درمیان صلح کروائے گا۔'' حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! ان کے عہدِ خلافت میں ایک شیشی جتنا خون بھی نہیں بہا۔[4]

---

[1] سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اپنے والد کو نصیحت [۸۵، ۸۸] پر ملاحظہ کیجیے۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۶۰۴]

[3] دیکھیے: [رقم: ۵۵۴]

[4] مسند أحمد (۲۰٤٤۸) ہاشم سے مراد: ابن قاسم ہے اور مبارک سے مراد: ابن فضالہ ہے۔ حسن سے مراد: امام حسن بصری رحمہ اللہ ہیں۔ مبارک بن فضالہ کے بارے میں امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ صدوق راوی ہے اور تدلیس کرتا ہے۔ امام ابو زرعہ فرماتے ہیں: یہ بہت زیادہ تدلیس کرتا ہے، جب یہ ''حدثنا'' کہے تب یہ ثقہ ہے۔
میں (شمری) کہتا ہوں: اس نے ''حدثنا'' کے ساتھ اپنے سماع کی تصریح کی ہے۔

←

[**590**] سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ۷۰ ہزار[1] لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ آپ نے خلافت کے معاملے میں زہد اختیار کیا اور اسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا۔ پھر آپ فرمانے لگے: میرے دور میں ایک شیشی برابر بھی خون ریزی نہیں ہوئی۔[2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ۷۰ ہزار لوگوں کے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے مراد وہ فوج ہے جو آپ کے ساتھ اہلِ شام سے جنگ کے لیے نکلی تھی۔

← ابن دیزیل نے یہ اپنے حدیثی جزء (۲۲) میں اور اسی واسطے سے امام ذہبی نے "السیر" (۱۹۱/۱۳) اور تذکرۃ الحفاظ (۱۳۸/۲) میں عفان بن مسلم کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے اور امام ابن حبان نے اپنی الصحیح (٦٩٦٤) میں یہ روایت ابو ولید ہشام بن عبدالملک طیالسی کے واسطے سے بیان کی ہے۔ ان دونوں نے یہ روایت مبارک بن فضالہ سے نقل کی ہے۔ امام ابن حبان اور امام ذہبی نے امام حسن بصری کا قول کہ "سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے عہدِ خلافت میں ایک شیشی برابر بھی خونریزی نہیں ہوئی۔" یہ الفاظ ذکر نہیں کیے۔

یہ روایت مسند البزار (٣٦٥٦)، الحلیة لأبي نعیم (۳۵/۲) میں ابو داود طیالسی کے واسطے سے نقل کی ہے اور امام بیہقی نے الکبریٰ (۱٦٧١٠)، دلائل النبوة (٤٤٢/٦) میں آدم بن ابی ایاس کے واسطے سے نقل کی ہے۔ ان دونوں نے مبارک بن فضالہ سے یہ کامل روایت امام حسن بصری رحمہ اللہ کے قول سمیت بیان کی ہے، البتہ ابونعیم نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

امام ذہبی "السیر" میں فرماتے ہیں: یہ روایت امام حسن بصری کی حسنات کے باعث حسن درجے کی ہے اور شعیب ارناؤط نے مسند کی تحقیق میں کہا ہے: یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی تمام اسناد حسن درجے کی ہیں۔ امام البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔ التعلیقات الحسان (٦٩٢٥) اور الصحیحة (٥٦٤) کی جانب اس کی نسبت کی ہے، البتہ "الصحیحة" میں انھوں نے اسے نقل نہیں کیا اور اس کی سند پر بھی بحث نہیں کی۔ انھوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے جس میں ابن حبان کی نقل کردہ روایت کے متن کا کچھ حصہ شامل ہے۔

[1] "تاریخ دمشق" اور "البدایة والنهایة" میں نوے ہزار کے الفاظ آئے ہیں۔

[2] الثقات للعجلي (۲۹٦/۱- ۲۹۷) یہ روایت صحیح ہے، البتہ اس میں لشکر کی تعداد کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس بنا پر یہ مقبول ہے۔

شواہد: لشکر کی تعداد کا تذکرہ آئندہ روایت میں ہوا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں اس سے بے رغبتی اختیار کی۔ آپ کا قول اس بات کا شاہد ہے کہ عرب کے تمام سرداران میرے ماتحت ہیں، میں جس سے اپنا ہاتھ روک لوں وہ بھی اس سے رک جاتے ہیں اور جس سے میں جنگ کروں وہ اس سے جنگ کرنے لگتے ہیں، مگر میں نے اس عہدے کو اللہ تعالیٰ کے چہرے کی خاطر ترک کر دیا ہے۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۵۹٦]

اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا قول: "میں بادشاہت کی خاطر ان سے جنگ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔" اس روایت کی سند حسن ہے۔ دیکھیے: [رقم: ٦٠٤] بقیہ روایت سابقہ روایت کے ضمن میں آئی ہے۔

تخریج: اسے ابن عساکر (۲۷۳/۱۳) نے عجلی کے واسطے سے نقل کیا ہے اور یہ روایت البدایة والنهایة (٤٥/٨) میں بھی ہے۔

[591] زید بن اسلم کہتے ہیں: ایک شخص مدینہ میں حسن رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ کے ہاتھ میں صحیفہ تھا۔ وہ شخص کہنے لگا: یہ کیا ہے؟ تو حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہے۔ اس میں آپ کا عہد و پیمان ہے، وہ کہنے لگا: آپ تو ان سے اپنا حق لے سکتے تھے؟[1]

تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں ضرور لے سکتا تھا، البتہ مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ قیامت کے دن ۷۰ ہزار، ۸۰ ہزار یا اس سے کم زیادہ لوگ آئیں اور ان کی رگوں سے خون بہتا ہو، اور ہر کوئی اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتا ہو کہ اس کا خون کس جرم میں بہایا گیا؟[2]

اس روایت میں ایک اور استدلال ہے جس کا ذکر اپنے مقام پر آ رہا ہے۔[3]

سابقہ دو روایات میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تعداد ۷۰ ہزار یا اس سے زیادہ کا ذکر ہے۔

اس شخص نے کہا: آپ ان سے اپنا حق لے سکتے تھے، جس پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے۔ یہ اس بات کا اقرار ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت عظیم الشان قوت موجود تھی اور وہ اہلِ شام پر حملہ کرنے اور ان کو سرکشی و بغاوت سے روکنے کی بھرپور طاقت رکھتے تھے۔ وہ ایسا کرنے سے عاجز نہیں تھے۔ لیکن اس عمل سے بہت سا خون بہتا جو آپ کو پسند نہیں تھا۔ آپ کی ناپسندیدگی میں مزید اضافہ تب ہوا، جب آپ اسے حکومت کی خاطر لڑنا خیال کرنے لگے۔

---

[1] یعنی آپ اپنے عہدِ خلافت میں اپنا حق لینے پر قادر تھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام نے بغاوت کی اور آپ سے آپ کا حق چھین لیا۔ خلیفہ کا اپنی رعیت پر یہ حق ہے کہ وہ بھلائی کے ہر کام میں اس کی اطاعت بجا لائیں۔

[2] الطبقات الكبرى (۱/۳۳۲) [الطبقة الخامسة، ت: السلمي] یہ روایت مقبول ہے اور اس کی سند مرسل ہے۔ زید کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی اور اس نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ امام ابن حجر عسقلانی نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ ثقہ اور عالم تھا اور مرسل روایات بیان کیا کرتا تھا۔

شواہد: اس روایت میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے خون ریزی کو ناپسند کرنے کا بیان ہے اور [رقم: ۵۷۲] کے حاشیے میں، میں نے اس کے صحیح شواہد کا تذکرہ کر دیا ہے۔ اس روایت کے بعد کی شرح دیکھیے جس میں ان دلائل کا بیان ہے جو ایک دوسرے کو تقویت اور سہارا دیتے ہیں، یہ بھی اس روایت کے شواہد ہیں۔

تخریج: اس روایت کو ابن عساکر (۱۳/۲۸۱) نے ابن سعد کے واسطے سے بیان کیا ہے۔ بلاذری نے أنساب الأشراف (۳/۱۰) میں یہ روایت مدائنی کے واسطے سے نقل کی ہے۔

[3] دیکھیے: [رقم: ۸۰۱]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ میں بادشاہت کے لیے انھیں قتل کروں یا بادشاہت کی بنا پر ان کو قتل کروں۔[1] آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کیا میں ان لوگوں کو دنیا کی بادشاہت کی خاطر قتل کروں گا؟ مجھے اس کی کوئی حاجت نہیں۔[2]

اسی بنا پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں جنگ و جدل کو سخت ناپسند کرتے تھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بھی جنگ کو برا خیال کرتے تھے۔

ان کا قول: ''اس میں عہد و پیمان ہے'' کا معنی ہے کہ اس میں اطاعت کرنے والوں کے لیے وعدے اور اہلِ فتن، اور اہلِ عناد کو سزا اور بھیانک انجام کی دھمکی ہے۔

''وعدہ'' کا لفظ خیر کے لیے اور ''وعید'' شر کے معنی میں مستعمل ہے۔[3]

اس روایت میں دلیل ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو صلح کے رسوخ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے مدینہ جانے کے بعد اس سازش کا علم ہو گیا تھا، جو اہلِ عراق تیار کر رہے تھے اور فتنہ پھیلانا چاہ رہے تھے۔ آپ کو یہ بھی علم تھا کہ وہ آپ کو وقتاً فوقتاً خطوط بھیجتے رہتے ہیں کہ آپ صلح کو فسخ کر دیں اور خلافت کے مطالبے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔ تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا، جس میں ترغیب و ترہیب دونوں موجود تھیں۔ اور اس بات سے تحذیر کی گئی تھی کہ فتنہ پرور لوگوں کی باتوں میں نہ آئیں، اس کے ساتھ ساتھ فتنوں کے ماحول میں معاشرے پر رونما ہونے والے آثار یاد دلائے گئے تھے۔ پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فتنہ پروروں کی بات کا جواب دیتے، مگر ان کے مطالبات کو تسلیم نہ کرتے۔ آپ فتنے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی غرض سے خلافت سے دستبردار ہوئے تھے۔ سو ایسا تو کوئی امکان ہی نہ تھا کہ آپ فتنہ ختم ہو جانے کے بعد اسے دوبارہ سے زندہ کرتے۔

یہ بات بھی مخفی نہیں کہ وہ لوگ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے ناامید ہو گئے تو کئی برس بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر زور آزمائی کرنے لگے۔ انھوں نے آپ کی جانب بہت سے خطوط اور وعدے ارسال کیے، حتی کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ ان سے مطمئن ہو گئے، مگر جب آپ ان کے پاس عراق آئے تو انھوں نے آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ پس آپ میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش کر گئے۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۶۰۴]

[2] دیکھیے: [رقم: ۵۹۵]

[3] لسان العرب (۳/۴۶۳) مادة: وعد.

ایک روایت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حسن رضی اللہ عنہ کی طرف خط بھیجنے کی وجہ بیان ہوئی ہے:

[**592**] یزید بن اصم بیان کرتے ہیں: میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکلا، وہاں ایک لونڈی اپنے ناخنوں سے مہندی کھرچ رہی تھی، تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے پاس خطوط کی ایک گٹھری آئی، آپ فرمانے لگے: اے لونڈی! یہ برتن ادھر لاؤ، آپ نے اس برتن میں پانی انڈیلا، سارے خطوط پانی میں ڈال دیے اور کوئی خط کھول کر نہیں دیکھا۔ راوی کہتے ہیں: میں نے کہا کہ ابو محمد! یہ خطوط کس کی جانب سے ہیں؟ کہا: اہلِ عراق کی جانب سے۔ یہ ایسی قوم ہے جو کبھی حق پر لوٹ کر نہ آئے گی اور باطل سے کبھی باز نہ آئے گی۔ مجھے اپنی ذات کا کوئی خدشہ نہیں، البتہ مجھے ان سے اس کی بابت خدشہ ہے، پھر آپ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی جانب اشارہ کیا۔[1]

[**593**] یزید اصم کہتے ہیں: میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، آپ کے پاس خطوط کا ایک بنڈل لایا گیا، تب میں آپ کے پاس تھا۔ آپ نے کسی خط کو دیکھا اور نہ ہی اس کا عنوان پڑھا، حتی کہ آپ نے ایک لونڈی سے پانی کا برتن لانے کو کہا۔ کہتے ہیں: وہ پانی کا برتن لے آئی، تو آپ نے وہ سارے خطوط پانی میں ڈال کر ڈبو دیے۔ میں نے کہا: ابو محمد! یہ کس کے خطوط ہیں؟ آپ فرمانے لگے: یہ ایسی قوم کے خطوط ہیں، جو حق کی جانب پلٹنے والی اور باطل سے باز آنے والی نہیں۔ یہ اہلِ عراق کے خطوط ہیں۔ کبھی انھوں نے یہ بھی کہا کہ وہ باطل سے رکنے والے نہیں ہیں۔[2]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت بوجہ کمزوری نہیں تھی، بلکہ آپ اس وقت طاقتور تھے:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ناتوانی کی بنا پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی، بلکہ آپ نے قوت و اختیار کے باوجود بیعت کی۔ آپ کا لشکر آپ کی حد درجہ اطاعت کرتا تھا۔ انھوں نے آپ سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ جب تک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنا ہاتھ کسی سے روک رکھیں گے تو وہ بھی رکے رہیں گے اور جس سے آپ جنگ کریں گے وہ بھی اس سے جنگ کریں گے۔[3] وہ لوگ آپ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر محبت کیا کرتے تھے۔

---

[1] المعجم الكبير (٢٦٩١) یہ روایت صحیح ہے اور اس کی سند عبیداللہ کی وجہ سے حسن ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اسے حجت قرار دیا ہے اور امام ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ روایت مقبول ہے۔ (التقريب: ٤٣٠٤) اور "تحریر التقریب" میں بیان ہے کہ یہ صدوق راوی ہے بلکہ حسن الحدیث ہے اور اس روایت کے بقیہ تمام رجال ثقہ ہیں۔

[2] المعرفة والتاريخ (٧٥٦/٢) اس روایت کی سند صحیح ہے۔

[3] دیکھیے: [رقم: ۵۴۷]

[594] ابوبکر بن ابی خیثمہ سے ''تاریخ کبیر'' میں منقول ہے، جیسا کہ ''تاریخ دمشق'' میں ہے:
وہب بن جریر بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اہلِ کوفہ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت کر لی۔ انھوں نے آپ کی حد درجہ اطاعت کی، وہ آپ سے آپ کے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر محبت کرتے تھے۔[1]

اگر یہ کہا جائے کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کس طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور محبت کرتے تھے؟ اگر ایسی بات تھی تو پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے قتل کی پانچ کوششوں کا سامنا کیوں کیا؟ ان میں سے تین کوششیں آپ کے عہدِ خلافت میں کی گئیں۔

جواب: اس روایت سے مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آخری دور ہے، اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا ابتدائی دور ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت کے آخر میں اہلِ کوفہ کی بابت کہا تھا: اے اللہ! میں ان سے اور یہ مجھ سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ میں انھیں اور یہ لوگ مجھے ناپسند کرتے ہیں۔ میں ان سے اور یہ مجھ سے اکتا گئے ہیں، انھوں نے مجھے اور میں نے انھیں تھکا دیا ہے، تو مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے راحت نصیب فرما۔[2]

---

[1] تاريخ دمشق (۲٦۱/۱۳) یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ اس کی سند مرسل ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ جریر بن حازم ازدی نے یہ واقعہ نہیں پایا اور ابن ابی خیثمہ سے مراد: زہیر بن حرب ہے۔ دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاريخ دمشق (۱۳۵/۱)

شواہد: البتہ اہلِ عراق کی سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اطاعت کے بارے میں یہ روایت شاہد ہے کہ جس سے میں اپنا ہاتھ روک لوں تم اس سے رک جاؤ گے اور جس سے میں جنگ کروں تم بھی اس سے جنگ کرو گے۔ دیکھیے: [رقم: ۵۴۷] اور جہاں تک ان کی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے الفت و محبت کی بات ہے تو ان کا آپ کے اردگرد اکٹھا ہو جانا اور آپ کی اطاعت بجالانا، اس بات کی دلیل ہے۔ اس روایت کے شواہد [رقم: ۵٦۵] پر دیکھیے۔

تخریج: یہ روایت سير أعلام النبلاء (۲٦۳/۳) میں جریر بن حازم کے واسطے سے مروی ہے اور اس روایت کو بلاذری نے أنساب الأشراف (۵۱/۳) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں خلف بن سالم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں وہب بن جریر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے میرے باپ نے بیان کیا اور میرے گمان کے مطابق انھوں نے یہ روایت امام حسن بصری رحمہ اللہ سے بیان کی، اس کے بعد انھوں نے کئی منکر قصے اس روایت میں بڑھا دیے۔ عنقریب [رقم: ٦۰۵] پر یہ روایت مفصل آرہی ہے۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس سند میں شک اور زیادت واقع ہوئی ہے اور اس کے اختلاف کے بارے میں کلام گزر چکا ہے۔ حاشیہ دیکھیے: [رقم: ۵۷۲]

[2] دیکھیے: [رقم: ۵۱۴ تا ۵۲۱] میں نے ان تمام الفاظ کو اکٹھا کر دیا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہروان کے بعد ان کی نافرمانی اور عدمِ اطاعت سے شدید پریشانی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اس پر بہت سی روایات دلالت کرتی ہیں۔[1]

جہاں تک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اوائلِ خلافت کی بات ہے، تو اہلِ عراق آپ کے اردگرد اتنی تعداد میں اکٹھے ہو گئے کہ اس کی مثل پہلے کبھی کسی کان نے نہیں سنا تھا۔[2] وہ لوگ آپ کی حد درجہ اطاعت کرتے اور ان کے دل سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ان سے مطمئن تھے۔ نیز سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور خوارج کے مابین کوئی معرکہ برپا نہیں ہوا تھا۔ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ معرکۂ نہروان ایک بڑی مصیبت تھی، جس کے سبب سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اہلِ عراق کے مابین شدید نفرت نے جنم لیا تھا، کیونکہ آپ نے ان کے بیٹوں اور اہلِ قبائل کو قتل کر دیا تھا۔

جن لوگوں سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بغض تھا اور ان سے خوف زدہ تھے، وہ چند ہی لوگ تھے جنھوں نے آپ پر حملہ کیا اور آپ کا سامان چھین لیا تھا۔[3]

لشکر کے غالب لوگوں سے آپ کو وحشت نہ تھی، نہ انھیں آپ سے وحشت تھی۔ طاقت کی اس حد کے باوجود سیدنا حسن رضی اللہ عنہ منصبِ خلافت سے دستبردار ہوئے، پھر زہر کے ذریعے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس حملے کے پیچھے بھی اسی گروہ کا ہاتھ تھا جس نے دورِ خلافت میں آپ پر حملہ کیا تھا۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب بیعت کا خط ارسال کیا تو مدائن میں خطبہ دیا اور فرمایا: اے اہلِ عراق! میرا دل تم سے نہ بھی اکتایا ہوتا تو تین وجہ سے اُکتا گیا ہے: تم نے میرے والد کو قتل کیا، تم نے مجھ پر حملہ کیا اور میری چادر کھینچی۔[4]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خطاب کا رُخ ان لوگوں کی طرف تھا جو ان خصائل سے متصف تھے، لہٰذا واضح ہوا کہ آپ کی مراد پورا لشکرِ عراق نہیں تھا۔

اب ہم بیعتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے وقت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی قوت کے موضوع کی طرف پلٹتے ہیں:

---

[1] اس کے بعض حصے کا بیان گزر چکا ہے۔ دیکھیے: (ص: ۶۹۵، ۷۰۵)

[2] دیکھیے: [رقم: ۵۶۵]

[3] دیکھیے: [رقم: ۵۴۹، ۵۶۰]

[4] دیکھیے: [رقم: ۵۶۰] وہاں میں نے اس کے غرابت کی شرح بھی کر دی ہے۔

یہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ہیں جنھیں جنگی امور کا پورا تجربہ ہے، وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ تب تک قتل نہیں ہو سکتے، جب تک اہلِ شام کی اتنی ہی تعداد کو قتل نہ کر لیں۔[1] یہ عراقی لشکر کی عظمت، کثرت اور ان کی جنگی منصوبہ بندی کی وجہ سے تھا اور یقیناً اس حدیث کے شروع میں لشکرِ عراق کی صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ پہاڑوں کی مانند تھے، یعنی ان کی کثیر تعداد نے اُفق کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔[2]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی کسی سے جنگ کی نیت نہ تھی، مگر وہ لوگ حاوی ہو گئے اور انھوں نے ایک عظیم اجتماع بلا لیا جس کے مثل آج تک نہیں دیکھا گیا تھا۔[3]

عراقی لشکر کی قوت ایسی ہی تھی۔ آجری کی روایت میں بھی شامی لشکر کی قوت کا ذکر ہوا ہے۔

[**595**] سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما تشریف لائے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: ''میرا یہ بیٹا سردار ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے امتِ مسلمہ کے دو عظیم گروہوں میں صلح کروائے گا۔''

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے انھیں پہاڑوں کی مانند دیکھا۔ پھر کہا: میں ان کو ایک دوسرے سے لڑوا دوں، فقط بادشاہت کے لیے؟ تو مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔[4]

---

① فتح الباري (١٣/٦٤)

② فتح الباري (١٣/٦٢)

③ دیکھیے: [رقم: ٥٦٥]

④ الشريعة للآجري (١٦٥٩) یہ روایت صحیح ہے۔ حماد بن زید نے دو سندوں کو جمع کر دیا ہے: ہشام بن حسان قردوسی کی سند جو صحیح ہے۔ دوسری علی بن زید بن جدعان کی سند جو متابعت کی وجہ سے حسن ہے۔ ابن جدعان ضعیف راوی ہے مگر اس کی متابعت کی گئی ہے۔ اس روایت کے مرفوع حصے کا ایک تیسرا متابع بھی موجود ہے جسے امام بخاری نے صحیح بخاری میں ابوموسیٰ اسرائیل سے، وہ حسن بصری کے واسطے سے نقل کرتے ہیں اور یہ روایت [رقم: ٥٦٦] پر گزر چکی ہے۔

ہشام کی زیادت پر کلام کا بیان: اسی باب کی ایک مرفوع روایت جسے حماد نے ابن جدعان اور ہشام سے روایت کیا ہے، البتہ اس میں جو اضافہ ہوا ہے وہ موقوف ہے جسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے حماد کے واسطے سے، انھوں نے ہشام کے واسطے سے یہ روایت بیان کی ہے اور یہ روایت محفوظ ہے۔ اسی طرح اس روایت کو ابوشعیب عبداللہ بن حسن بن احمد بن ابی شعیب حرانی اموی نے ابوایوب صاحب بصری کے واسطے سے، انھوں نے حماد کے واسطے سے، انھوں نے ابن جدعان اور ہشام کے واسطے سے بیان کیا ہے۔ اس سند میں ابوشعیب کو خطا لگی ہے۔ امام ابن حبان اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ خطا کر جاتا ہے اور وہم کا شکار ہے، جبکہ امام دارقطنی اور مسلمہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ ←

حسن بصری رحمہ اللہ کے قول: ''آپ نے انھیں پہاڑوں کے مانند دیکھا۔'' سے مراد جیشِ عراق اور جیشِ شام کے سپاہی تھے جنھیں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس تعداد میں دیکھا تھا۔ اسی لیے انھوں نے دیکھ کر فرمایا کہ ''میں ان کو آپس میں دنیا کی شاہی کے لیے لڑوا دوں گا؟''

← امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ صدوق راوی ہے۔ الثقات (٣٦٩/٨) میزان الاعتدال (٤٠٦/٢) لسان المیزان (٢٧١/٣)

اور ایک مرفوع حدیث کو ایک بہت بڑی جماعت نے حماد کے واسطے سے، انھوں نے ابن جدعان کے واسطے سے بیان کیا ہے اور کسی کے نزدیک بھی یہ زیادت نہیں ہوئی جو اس بات کی دلیل ہو کہ ہشام نے اپنی روایت میں کچھ اضافہ نقل کیا ہے۔ دیکھیے: مسند أحمد (٢٠٤٩٩) اور اس کی تخریج کا بھی وہاں بیان ہوا ہے۔

ہشام کی امام حسن بصری سے نقل کردہ روایت کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ ایک قول کے مطابق اس نے یہ روایت امام حسن بصری سے مرسل بیان کی ہے اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ انھوں نے امام حسن بصری سے ملاقات کی اور آپ سے سماع کیا۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اس کی امام حسن بصری سے نقل کردہ روایت کو صحیحین میں بیان کیا ہے۔ اور ہشام کی روایت میں جو اضافہ ہوا ہے وہ اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ مثلاً امام بخاری نے یہ روایت بیان کی ہے اور [رقم: ٥٦٦] پر یہ روایت گزر چکی ہے۔ آئندہ روایت دیکھیے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ''میں نے خلافت کو اللہ تعالیٰ کے چہرے کی خاطر ترک کر دیا ہے۔'' ملاحظہ کیجیے: اس روایت کے شواہد کو ہم نے [رقم: ٥٦٦] کے حاشیے میں نقل کر دیا ہے۔

تخریج: اس روایت کو ابن بشران نے اپنی أمالي (٣٣) کے پہلے جزء میں امام آجری کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ اسماعیل خطبی نے اپنی کتاب "تاریخ الخلفاء" میں یہ روایت نقل کی ہے۔ اسی طرح تاریخ دمشق (٢٣٤/١٣) میں بھی یہ روایت آئی ہے کہ ہمیں عبداللہ بن حسن بن احمد اموی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو ایوب صاحب بصری نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں حماد بن زید نے علی بن زید اور ہشام کے واسطے سے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں ابو بکرہ کے واسطے سے یہ روایت پہنچی، یہ روایت تهذيب الكمال (٢٣٢/٦) میں امام خطبی کے الفاظ کی مثل امام حسن بصری سے بھی مروی ہے۔

ابو ایوب سے مراد: سلیمان بن ایوب ہے۔ ابن معین اور امام ذہبی نے السیر (٤٥٣/١١) میں اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ صدوق راوی ہے۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (١٧٣/١) اسی طرح موارد الخطيب البغدادي في تاريخ بغداد (ص: ١٥١)

اسی طرح امام ابن حجر نے الإصابة (٧٢/٢) پر یہ روایت امام خطبی کے واسطے سے نقل کی ہے۔ یہ روایت ابو حسین محمد بن احمد ابن آبنوسی نے اپنی مشیخہ (١٢٧/٢) میں امام خطبی کے واسطے سے اختصار کے ساتھ مرفوع بیان کی ہے۔

امام خطبی سے مراد: ابو محمد اسماعیل بن علی بن اسماعیل بن یحییٰ بغدادی محدث اخباری ہیں۔ انھوں نے ایک ضخیم تاریخی کتاب تصنیف کی، امام دارقطنی اور سمعانی وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ ان کی وفات ٣٥٠ھ میں ہوئی۔ ان کے حالات جاننے کے لیے دیکھیے: تاريخ بغداد (٣٠١/٦) الأنساب للسمعاني (١٦١/٥) سير أعلام النبلاء (٥٢٢/١٥) الأعلام (٣١٩/١) الدليل المغني لشيوخ الدارقطني (١٢٦)

ابو الغریف ہمدانی جو شرکتہ الخمیس کا سپاہی تھا، وہ اپنے لشکر کی معنوی روح اور ان کے شدید حرصِ قتال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ہم سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے مقدمۃ الجیش کے ۱۲ ہزار لوگ مسکن میں موت تک لڑنے کے لیے تیار ہو کر گئے۔ ہماری تلواریں اہلِ شام سے جنگ کو تیار تھیں، ابو العمرطہ ہمارا سردار تھا۔ پھر جب ہمارے پاس سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح کی خبر آئی تو غم و غصے سے ہماری ہمتیں ٹوٹ گئیں۔[1]

عروہ بن زبیر کہتے ہیں: قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقدمہ میں تھا، اس کے ساتھ پانچ ہزار لوگ تھے جنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سر منڈوا لیے تھے۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سر منڈوانا اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اہلِ شام سے جنگ کے لیے موت پر بیعت کی تھی۔

امام زہری فرماتے ہیں: قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے آذربائیجان کی طرف اپنے مقدمۃ الجیش میں بھیجا تھا۔ اسی طرح وہاں کی زمین پر والی بنایا اور شرطۃ الخمیس کا سپہ سالار بنایا تھا۔ وہ شرطۃ الخمیس جس کی ابتدا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خالص عربی النسل لوگوں سے کی۔ ان کی تعداد ۴۰ ہزار تھی۔ ان سب نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے موت پر بیعت کی تھی اور قیس بن سعد رضی اللہ عنہما سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک اپنے لشکر کی کمان سنبھالتے رہے اور ان کی حفاظت کو یقینی بناتے رہے۔[3]

ایک شخص نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ حق لینے کی قدرت رکھتے تھے، یعنی آپ اپنے عہدِ خلافت میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اہلِ شام سے بدلہ لینے پر قادر تھے اور ان کی بغاوت روک سکتے تھے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ہاں ایسا ہی ہے۔[4] آپ کا اقرار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے پاس اچھی خاصی قوت موجود تھی اور اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آپ اہلِ شام سے بدلہ لینے اور بغاوت روکنے پر قدرت رکھتے تھے، آپ اس سے عاجز نہ تھے۔ مگر یہ کام آپ کو خون ریزی کرنے کی جانب آمادہ کرتا ہے جس وجہ سے آپ نے اسے ناپسند کیا اور منصبِ خلافت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ترک کر دیا۔

---

[1] اس روایت کی سند حسن ہے۔ عنقریب یہ کامل روایت اپنی تخریج کے ساتھ [رقم: ۶۰۴] پر آرہی ہے۔

[2] اس روایت کی سند صحیح ہے۔ عنقریب یہ کامل روایت اپنی تخریج کے ساتھ [رقم: ۶۰۲] پر آرہی ہے۔

[3] دیکھیے: [رقم: ۵۶۴]

[4] دیکھیے: [رقم: ۵۹۱]

اس کے بعد ضعیف روایات کا بیان ہے جن میں سرِفہرست ابومخنف کی روایات ہیں، جو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو عاجز ولاچار ثابت کرتی ہیں اور ان کے مطابق سیدنا حسن رضی اللہ عنہ مجبوراً صلح کی طرف مائل ہوئے تھے، نہ کہ اپنے اختیار سے۔ اس طرح یہ ضعیف روایات ان واقعات کی گھناؤنی صورت پیش کرتی ہیں اور خصوصاً سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت مسخ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کے لیے تیار ہونا، واقعات یا حالات کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ایک اصولی اور جرأت مندانہ فیصلہ تھا۔ ان کے نانا نے اس فیصلے کو ان کے مناقب میں شمار کیا تھا۔ سب سے پہلے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اصلاح کے لیے جو طریقہ اپنایا وہ یہ تھا کہ انھوں نے اہلِ عراق پر شرط عائد کر دی کہ وہ تب تک ان کی بیعت قبول نہیں کریں گے، جب تک وہ میری شرط پر بیعت نہیں کرتے اور وہ شرط یہ تھی کہ وہ لوگ اس بندے سے صلح کریں گے جس سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ صلح کریں گے اور اس سے لڑیں گے جس سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ لڑیں گے، آپ اس شرط سے لوگوں کو صلح کے لیے تیار کرنا چاہتے تھے، پھر اسی شرط پر آپ کی عراق میں بیعت مکمل ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا بیعت کے وقت اہلِ عراق پر شرط لگانا اور پھر ایسے اقدامات کرنا جو ان عصبیت پر مبنی فتنوں سے بچائیں، نیز آپ کا عظیم صبر ان لوگوں کی اذیتوں پر جو صلح کے راستے میں ملیں، جیسے ان پر دو مرتبہ حملہ ہوا، ان پر سب وشتم کیا گیا وغیرہ،[1] ایک بہت بڑا اور بہت مشکل عمل تھا جس کی طاقت ایسا بندہ ہی رکھ سکتا ہے جس میں حکمت، شجاعت اور عزیمت جمع ہوگئی ہوں۔

[596] عبدالرحمٰن بن جبیر بن نفیر حضرمی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے کہا: لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خلافت کا منصب سنبھالنا چاہتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: عرب کی اشرافیہ میری مٹھی میں تھی، وہ اس سے صلح کرتے جس سے میں صلح کرتا اور جس سے میں لڑتا اس سے جنگ کرتے، تو یہ سب میں نے اللہ تعالیٰ کے چہرے کے لیے چھوڑ دیا، تو کیا میں پھر سے اسے اہلِ حجاز کے اوباشوں کی وجہ سے لینے کی کوشش کروں؟!

جبیر بن نفیر کی یہ روایت چار امور پر دلالت کرتی ہے:

1. سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے قوت وتمکنت کے باوجود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ بیعت کی وجہ آپ کی کمزوری نہ تھی۔ اس کی تفصیل چند صفحات قبل دلائل کے ساتھ گزر چکی ہے۔

---

[1] یہ ان میں سے بعض کا یہ کہنا ہے کہ "السلام علیك یا مذل المؤمنین" دیکھیے: [رقم: ۶۰۴]

2 آپ رضی اللہ عنہ کا اس شخص کو جواب دینا، جو کہتا تھا کہ آپ خلافت چاہتے ہیں، میں نے خلافت اللہ تعالیٰ سے اجر پانے اور اصلاحِ امت کی خاطر ترک کی۔ حالانکہ عرب کے تمام سردار، اور جنگجو میرے حکم کے تابع تھے۔ کیا تو چاہتا ہے کہ میں ان معمولی درجے کے چند افراد کے ساتھ خلافت کا مطالبہ کروں؟ حالانکہ میں اسے چھوڑ چکا ہوں۔ ان لوگوں کو تو جنگی مہارتوں سے کچھ واقفیت ہی نہیں۔

گویا آپ کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے امت کی اصلاح کی خاطر صلح کی۔ حالانکہ عرب کے تمام چوٹی کے لوگ اور سرداران میرے حکم کے پابند تھے اور میں نے ان تمام سرداروں کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا حکم دیا۔[1] کیا اب تو چاہتا ہے کہ میں پھر سے خلافت کا مطالبہ کروں؟ ان بے عقل اور معمولی لوگوں کی خاطر پھر فساد برپا کروں؟ اگر مجھے خلافت میں کچھ بھی دلچسپی ہوتی تو میں اس کا مطالبہ کر دیتا۔ حالانکہ میرے پاس قوت تھی اور سردارانِ عرب میرے ماتحت تھے۔ لہٰذا جن لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ میں خلافت کا حریص ہوں ان کی بات درست نہیں ہے۔

آپ کا یہ کہنا کہ ''پھر میں حجاز کے چند اوباشوں کی خاطر پھر مطالبہ کروں؟'' استفہام انکاری ہے۔

3 غالی شیعہ جنھیں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا صلح کرنا ناگوار گزرا، انھوں نے صلح کے بعد افواہیں پھیلانا شروع کر دیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت دینے کے بعد اب خلافت کے حریص ہیں۔ کیوں کہ راوی نے کہا: ''لوگوں کا دعویٰ ہے کہ آپ خلافت کے خواہاں ہیں۔''

آپ کا یہ کہنا کہ ''میں حجاز کے چند اوباشوں کی خاطر پھر مطالبہ کروں؟'' اس بات کی دلیل ہے کہ افواہیں پھیل گئی تھیں کہ عنقریب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ قوت اور تلوار کے بل بوتے پر خلافت کا دوبارہ مطالبہ کریں گے۔ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دیں گے، اور خلافت کے لیے آپ کے خلاف جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

---

[1] ابن راہویہ کی روایت گزر چکی ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی اور آپ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کو ایک مکتوب ارسال کیا جس میں آپ نے انھیں اور عراقی لشکر کو معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کا حکم دیا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لیے ایک مکتوب ارسال کیا۔ اسی طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے پاس ایک خط بھیجا تو سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما اپنے ساتھیوں میں کھڑے ہو کر فرمانے لگے: اے لوگو! تمھارے پاس دو امور ہیں، ان میں سے تمھیں ایک کا ضرور انتخاب کرنا ہوگا: یا فتنے میں داخل ہو جاؤ، یا بغیر امام جنگ کرنے لگو، تو سب لوگ کہنے لگے: یہ کیا بات ہوئی! سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما فرمانے لگے کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی ہے تو لوگ واپس چلے آئے اور انھوں نے بھی معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ دیکھیے: [رقم: ۴۷۵]

اس افواہ کو قبولِ عام بنانے کے لیے دوسری افواہ پھیلائی گئی کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے وقت شرط لگائی تھی کہ ان کی وفات کے بعد خلافت انھیں ملے گی۔

پھر انھوں نے صلح کی بابت دیگر افواہوں کو ہوا دی، جن میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی گستاخی و بے ادبی مضمر تھی۔[1] اس سے بڑی گستاخی کیا ہوگی کہ انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو عاجز وکمزور و ناتواں ثابت کیا۔ نیز یہ افواہیں پھیلائی گئیں کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے دھوکا ہوگیا ہے، ان کی شرائط پوری نہیں کی گئیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ آپ میں، نعوذ باللہ، ذہانت، فطانت اور عقل مفقود تھی۔

ان من گھڑت افواہوں اور حملوں سے ان کا مقصود صلح کی اہمیت کو کم کرنا، بلکہ اسے مسخ کرنا تھا۔ اسی لیے صلح ختم کر کے فتنے پھیلانے اور لوگوں کو پریشان کرنے کی کوشش تھی۔ مگر یہ سب حربے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح میں ثابت قدمی کی بنا پر کارآمد نہ ہوسکے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بذاتِ خود ان افواہوں کا ردّ کر دیا۔[2]

دکتور محمد المحزون کا کلام بھی صلحِ حسن رضی اللہ عنہ پر منطبق ہوتا ہے۔[3]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد یہ افواہیں ایک نئے مرحلے میں داخل ہوگئیں، ان کا مفہوم یہ تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یا ان کے بیٹے یزید یا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس میں سے کسی نے ان کو زہر پلایا ہے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔[4]

4 سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اپنے لیے خلافت کی شرط نہیں لگائی تھی، کیونکہ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خلافت کا ارادہ رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''عرب کے بڑے سردار میرے ماتحت تھے، وہ اس شخص سے صلح کرتے جس سے میں کرتا اور اس سے لڑتے جس سے میں لڑتا، لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کے چہرے کے لیے اسے ترک کر دیا۔

یعنی خلافت میری مٹھی میں تھی مگر میں نے اللہ تعالیٰ کے چہرے کی خاطر اسے ترک کر دیا۔

ابن سعد کی روایت میں ہے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے معاہدہ کیا تھا کہ اگر انھیں کچھ ہوجائے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ زندہ ہوں تو ان کو نامزد کریں گے، اور یہ معاملہ ان کے سپرد ہو جائے گا۔ اس

---

1. ان گستاخیوں کی مثالیں دیکھنے کے لیے [رقم: ۷۰۵] اور ملاحظہ ہو: ''خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة''
2. چند صفحات قبل ''دوسری دلالت'' میں جو کچھ بیان ہوا وہ دیکھیے اور عنقریب چوتھی دلالت میں بھی اس کا بیان آرہا ہے۔
3. [رقم: ۳۹۲] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔
4. دیکھیے: [۸۲۲، ۸۲۳]

میں دلیل ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی موت کے بعد خلافت کی پیشکش کی تھی۔ مگر صحیح روایت کے مطابق سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا تھا۔ ابن نفیر نے کہا: لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خلافت کا ارادہ رکھتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ کے چہرے کے لیے اسے ترک کر دیا۔ یعنی میں نے اللہ تعالیٰ سے اجر پانے، امتِ مسلمہ کی اصلاح، خون بہنے سے روکنے اور فتنے کی روک تھام کی خاطر اس سے دستبرداری کر لی ہے۔ تو کیا اب تو چاہتا ہے کہ میں نیا فتنہ کھڑا کر دوں اور خون ریزی کرنے لگ جاؤں؟ کن لوگوں کے ساتھ مل کر جنگ کروں؟ کیا ایسی قوم کے ساتھ جنھیں جنگی مہارت ہی نہیں؟

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خطوط کے تبادلے کے دوران میں اس شرط کو قبول کیا ہو، پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور بیعت کے وقت اس سے دستبردار ہو گئے ہوں۔ لیکن جبیر بن نفیر کی صحیح روایت اس احتمال کا بھی ردّ کر رہی ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس پیشکش کو سرے سے ہی قبول نہیں کیا۔

درست قول کے مطابق آپ نے سرے سے اس پیش کش کو قبول ہی نہیں کیا، کجا اسے اپنی شرائط میں رکھتے۔

دو ضعیف روایات:

[597] امام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: محمد بن قدامہ [1] نے اپنی کتاب "الخوارج" میں ابو بصرہ سے قوی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ انھوں نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ شرط عائد کی کہ ان کی وفات کے بعد خلافت میری ہو گی۔ [2]

---

[1] محمد بن قدامہ سے مراد: ابو جعفر جوہری، انصاری، لولوی، بغدادی ہیں۔ ان کی ایک کتاب "أخبار الخوارج" ہے، البتہ ہمیں وہ نہیں ملی۔ ابن معین کہتے ہیں: یہ کچھ نہیں (یعنی ضعیف) ہے۔ امام ابو داود کہتے ہیں: یہ ضعیف راوی ہے۔ میں نے ان سے کبھی کچھ نہیں لکھا۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے لین قرار دیا ہے۔ مزید دیکھیے: کشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون للحاج خليفة (١/٢٩٣)

اس کے حالات جاننے کے لیے دیکھیے: تهذيب الكمال (٢٦/٣١٠) تقريب التهذيب (٦٢٣٤)

[2] فتح الباري (١٣/٦٥) اس روایت کی سند ضعیف ہے اور صحیح روایات کے مخالف ہونے کی بنا پر اس کا متن منکر ہے۔ محمد بن قدامہ فرماتے ہیں کہ چند صفحات قبل ہم نے اہلِ علم کا اس کو ضعیف قرار دینا ذکر کر دیا ہے۔ ابو بصرہ کے حالات کا مجھے علم نہیں ہو سکا۔ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے جہاں کہیں اسناد کی حدود بندی کی ہے، وہاں آپ نے اس کے مجہول ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قوی سند سے ثابت ہے کہ یہ ابو بکر کا قول ہے اور ←

[598] ابوبکر بن ابی خیثمہ سے ''التاریخ الکبیر'' میں منقول ہے، جیسا کہ ''تاریخ دمشق'' میں ہے۔ ابن شوذب کہتے ہیں: جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اہلِ عراق کے ساتھ چلے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اہلِ شام کے ساتھ چلے، جب ان کی باہم ملاقات ہوئی تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے لڑائی کو ناپسند کیا اور آپ نے اس شرط پر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی کہ ان کے بعد خلافت کے حقدار حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہوں گے۔ راوی کہتے ہیں: ان کے ساتھی کہنے لگے: اے مومنین کے لیے عار بننے والے! تو آپ نے فرمایا: عار بہرحال نار سے بہتر ہے۔[1]

اب ہم فوائد کی طرف لوٹتے ہیں۔

سیدنا حسن اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں صلح پر حریص تھے:

⊙ سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں صلح پر حریص تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب صلح کی پیشکش کی تو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کو قبول کیا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ جاری رہنے کی صورت میں مسلم امہ پر آنے والے بھیانک انجام سے متنبہ کیا، فرمایا: اگر اس لشکر نے ان ان لوگوں کو قتل کر دیا تو پھر لوگوں کے معاملات کون دیکھے گا؟ ان کی عورتوں کا کیا بنے گا؟ ان کے بچوں کا کیا ہوگا؟[2]

اسی طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بھی ان عواقب سے تکلیف میں تھے، آپ نے اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ بن جعفر سے کہا: یقیناً فتنہ طول اختیار کر گیا ہے اور اس میں خون بہت زیادہ بہہ چکا ہے، سب رشتے ناطے ختم ہو چکے ہیں، راستے کٹ چکے ہیں اور سرحدیں ویران ہو گئی ہیں۔[3] یہ وہ آثار ہیں جو جنگ کے نتیجے میں رونما ہوئے ہیں۔

← حمیل بن بصرہ غفاری صحابیِ رسول نہیں ہے، کیونکہ حمیل کا عراق آنا معروف نہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فتحِ مصر میں شامل ہوا۔ وہیں سکونت اختیار کی اور وہیں اس کی وفات ہوئی۔ تاریخ الإسلام (٣٣٥/٤)

[1] تاریخ دمشق (٢٦١/١٣) اس روایت کی سند منقطع ہونے کی بنا پر ضعیف ہے اور اس کا متن صحیح روایات کے مخالف ہونے کی بنا پر منکر ہے۔ ابن شوذب اصل میں عبداللہ خراسانی ہے، اس کے حالات کا علم نہیں ہو سکا۔ یہ صدوق عابد اور تابعین کے کبار متبعین میں سے ہے۔

تخریج: اسے عبدالبر نے الاستیعاب (٣٨٦/١) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں عبدالوارث بن سفیان نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں قاسم بن اصبغ نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں احمد بن زہیر نے یہ روایت بیان کی۔ امام ابن حجر عسقلانی نے الفتح (٦٥/١٣) اور الإصابة (٧٢/٢) میں ابن ابی خیثمہ کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے۔

[2] دیکھیے: [رقم: ٥٦٦]

[3] دیکھیے: [رقم: ٥٧٢]

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے صلح کی طرف ہاتھ بڑھایا:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے صلح میں پہل کی جیسا کہ صحیح بخاری اور ابن سعد کی روایات سے معلوم ہوتا ہے۔آپ نے سب سے پہلے صلح کے لیے قاصد بھیجے۔

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی جانب بنو عبد شمس کے دو قریشی لوگوں عبداللہ بن عامر بن کریز اور عبدالرحمٰن بن سمرہ کو بھیجا، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ اس شخص کی جانب جاؤ اور اسے جا کر صلح کی پیشکش کرو اور اس سے خلافت میرے حوالے کرنے کا مطالبہ کرو اور اس کے عوض مال و زر دینے کا کہو۔[1]

ابن سعد کی روایت ہے: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فتنہ انگیزی کو سخت ناپسند کرتے ہیں، جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، تو انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خفیہ خط لکھا اور دونوں نے صلح کر لی۔[2]

امام ابن حجر رحمہ اللہ ابن بطال کا قول نقل کرتے ہیں: یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صلح کی جانب راغب تھے۔ انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو مال کی پیشکش کی اور آپ کو اس کی ترغیب دلائی، نیز انھیں تلوار اٹھا لینے پر ابھارا، ساتھ انھیں ان کے نانا کا وعدہ یاد دلایا کہ وہ امت کی اصلاح کی وجہ سے سردار بنیں گے۔[3]

صحیح بخاری اور ابن سعد کی روایات[4] سے ثابت ہوتا ہے کہ صلح کی ابتدا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوئی، لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اس سے قبل صلح کے لیے تیار تھے، جب انھوں نے اہلِ عراق پر شرط لگائی کہ جنگ اور سلامتی میں وہ ان کی اطاعت کریں گے۔ لہٰذا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے صلح کی بنیادیں مضبوط کیں اور اس کے راستے کو آسان بنایا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس طے کردہ راستے پر چل پڑے۔ پہلے پہل ان کے مابین خفیہ مراسلات جاری ہوئے، پھر اعلانیہ اور اس کے بعد بیعت مکمل ہوئی۔

قیس بن سعد رضی اللہ عنہما نے اس چیز کو فتنے میں دخول قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ابتدا میں صلح کے معاملے کو ناپسند کرتے تھے، مگر جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا تو انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا حکم

---

1. دیکھیے: [رقم: ۵۶۶]
2. دیکھیے: [رقم: ۵۷۲]
3. فتح الباري (۱۳/ ۶۴- ۶۵)
4. دیکھیے: [رقم: ۵۶۶]، [رقم: ۵۷۲]

مانا اور لشکر کو اس حکم کی خبر دی کہ وہ بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیں۔ لہٰذا انھوں نے اور جیش الخمیس کے لوگوں نے جا کر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔

عام معافی نامے کا اعلان جو صلح کی اصل بنیاد تھا:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا کہنا کہ ''یہ امت اپنے خون میں نہاتی رہی۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں متفق تھے کہ صلح سے قبل جو بھی خون ریزی ہوئی، لوگوں کا مال تلف ہوا اور دیگر نقصان ہوا، اس پر عام معافی کا اعلان کیا جائے گا۔ یہ اصل الاصول تھا جو ان کے مابین صلح کی بنیاد بنا۔[1]

⊙ سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان بنیادی اختلاف قصاص سے قبل بیعت کا معاملہ ہوا۔ اس صورت حال کے باوجود سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلافت چھوڑنے کو تیار تھے، تاکہ مسلمانوں کا خون بہنے سے رُک جائے اور بلادِ اسلام میں امن متحقق ہو جائے۔ نیز اسلام کی فتوحات اور نشر واشاعت کے لیے ایک فراغت کا وقفہ مل جائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے لیے امانت تھی، سو یہ مقصد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے حاصل کر لیا اور فتوحاتِ اسلامیہ لوٹ آئیں جو فتنے کے ایام میں رُک گئی تھیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان کے معتقد تھے:

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے کفر کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔ نہ ہی اس بات کا امکان ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت امامتِ عظمیٰ کفار و مرتدین کو سونپ دیں۔

آپ نے ان فتنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا، کیونکہ دونوں گروہ مومن تھے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ باہم جڑ کر رہیں اور اپنے باہمی نزاع ختم کر دیں۔ پھر نزاع کے دونوں فریقوں نے امت کی مصلحت کی کوشش شروع کر دی۔

[599] یعقوب بن سفیان سے ''المعرفة والتاريخ'' میں منقول ہے، جیسا کہ ''تاريخ دمشق'' اور ''السنن الكبرى للبيهقي'' میں آیا ہے: سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا، تب حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے پہلو میں تھے اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بار بار کبھی ادھر اور کبھی ادھر مڑ کر دیکھتے اور فرماتے: ''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کروائے گا۔''

---

[1] محمد طاہر برزنجی کی کتاب ''حقيقة معاوية'' بحث منشور على الشبكة العنكبوتية.

سفیان کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ ''دو مسلمان گروہوں میں صلح کروائے گا'' ہمارے لیے بہت خوشی کا باعث ہیں۔[1]

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: انھیں خوشی اس لیے ہوئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے دونوں گروہوں کو مسلمان کہا ہے۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں خوارج کا ردّ ہے جو سیدنا علی و معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے اصحاب کو کافر قرار دیتے تھے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں گروہوں کی بابت فرمایا تھا کہ وہ مسلمان ہوں گے۔

اسی لیے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اس حدیث کے بعد فرماتے تھے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کا انھیں مسلمان قرار دینا، بہت خوش کرتا ہے۔[3]

علامہ محدث عبداللہ السعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بہت بڑی منقبت کا بیان ہے کہ وہ سردار ہیں اور آپ کی سرداری کا منہ بولتا ثبوت آپ کا عہدۂ خلافت سے دستبردار ہونا ہے۔ اس حدیث میں سیدنا حسن اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے گروہوں کو مسلمان قرار دیا گیا ہے، یہ حدیث

---

[1] السنن الکبری للبیهقي (١٦٧٠٩) تاریخ دمشق (٢٣٣/١٣) اس روایت کی سند امام بخاری رحمہ اللہ کی شروط پر صحیح ہے اور اسرائیل کے علاوہ اس کے تمام رجال شیخین کی شروط کے مطابق ثقہ ہیں، وہ امام بخاری رحمہ اللہ کے رواۃ میں سے ہے۔ ابن عساکر نے سند کے ساتھ اس روایت کو مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (١٢٧/١)

تخریج: امام بیہقی نے اسے دلائل النبوۃ (٤٤٢/٢) میں محض اسناد کے تذکرے کے ساتھ یعقوب بن سفیان کے واسطے سے مختصراً بیان کیا ہے اور امام ابن حجر عسقلانی نے الفتح (٦٦/١٣) میں یہ روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ اس روایت کو یعقوب بن سفیان نے امام حمیدی سعید بن منصور اور سفیان بن عیینہ کے واسطے سے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔

اسی طرح امام بیہقی نے الاعتقاد (ص: ٣٧٦) میں یہ روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت امام حمیدی نے بیان کی، وہ کہتے ہیں: ہمیں امام سفیان نے یہ روایت بیان کی جبکہ اس کی سند میں سعید بن منصور کا تذکرہ نہیں ہے اور انہی سے ابن عیینہ کے واسطے سے ''صحیح البخاري'' میں، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ روایت [رقم: ٥٢٦] پر گزر چکی ہے۔

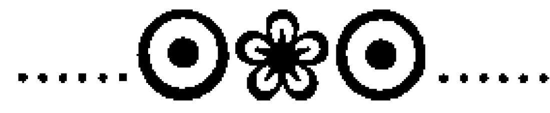
[2] الاعتقاد للبیهقي (ص: ٣٧٦)

[3] فتح الباري (٦٦) اس میں تھوڑا سا تصرف ہوا ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ثنا و منقبت کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے فعل کی مدح کی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاطر خلافت سے دستبرداری کو بھی سراہا۔

اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بادشاہت کے اہل نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس میں حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہوئے اس صلح کی کبھی مدح نہ فرماتے۔[1]

اہلِ بیت نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی رائے کی موافقت کی، بعض نے تو فوراً ہی اسے قبول کر لیا، جیسے: عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ اور بعض نے شروع شروع میں معارضہ کیا، مگر یہ ابتدائی جلد بازی تھی، جیسے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے کیا، لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو قائل کر لیا تھا۔



(1) فتح الواحد العلي في الدفاع عن صحابة النبي ﷺ. (نسخة إلكترونية)

چھٹی بحث:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کے حوالے سے اہلِ عراق کے موقف

اہلِ عراق کو جب صلحِ حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے متعلق خبر ملی تو ان کے تین گروہ بن گئے:

1 یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اسے فوراً مان لیا، وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا لشکر تھا۔ ان قبول کرنے والوں کی مزید دو قسمیں ہیں:

- بعض تو ان میں سے مطمئن ہو گئے جو عراقی لشکر کی اکثریت تھی۔
- بعض کے دلوں میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے کینہ وبغض اور ناراضی نے جنم لیا۔ جیسے ابو عامر سفیان بن لیل بدعتی[1] جس نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: اے مومنین کو ذلیل کرنے والے، السلام علیکم![2] ان لوگوں کو بھی بالآخر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا فیصلہ تسلیم کرنا پڑا، کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

2 یہ لوگ پہلے پہل تو تردّد کا شکار ہوئے، پھر انھوں نے بھی قبول کر لیا۔ جیسے سیدنا حسین بن علی اور قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم اور آپ کے متبعین ہیں جو شرطۃ الخمیس کے پانچ ہزار لوگ تھے۔

3 وہ لوگ جو انکار پر ڈٹے رہے۔ یہ خوارج تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف لڑائی کی حتی کہ ان کے فتنے کا صفایا کر دیا۔ جس جس نے بیعت کے شرعی ہونے کا اعتراف نہ کیا، آپ نے اسے خوارج کے مشابہ قرار دے کر اس سے لڑائی کی۔

اب ان مواقف کی تفصیل آئے گی۔ اس کی ابتدا ہم خوارج سے کرتے ہیں۔

---

[1] یہ کوفی تھا اور امام عقیلی کہتے ہیں کہ اس کا شمار روافض کے غالی لوگوں میں تھا۔ دیکھیے: الضعفاء الکبیر (۲/۱۷۵) میزان الاعتدال (۲/۱۷۱)

[2] دیکھیے: [رقم: ۶۰۴]

① صلحِ حسن رضی اللہ عنہ اور بیعتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق خوارج کا موقف

امام اسحاق بن راہویہ کی روایت میں ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہلِ نہروان کے سوا کسی کی فکر نہ تھی، کیوں کہ لوگ پے در پے آپ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے چلے جا رہے تھے۔ حتیٰ کہ ان میں سے ۳۰۰ لوگ باقی رہ گئے، جو اصحابِ نخیلہ تھے۔[1] اس سے صلح کے متعلق خوارج کا موقف واضح ہوتا ہے۔ لیکن یہ بہت ہی مختصر کلام ہے جو اپنے معنی کو بیان کرنے کے لیے تفصیل مانگتا ہے۔ اس کی تفصیل ذیل میں آ رہی ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں خوارج تین گروہوں میں بٹ گئے:

1. جنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نہروان کے مقام پر جنگ کی اور شکست کھائی۔
2. جو سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے پند و نصائح کے بعد تائب ہو گئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی جانب لوٹ آئے۔
3. تیسری قسم جو نہروان میں جنگ سے الگ ہو گئی تھی، کیونکہ انھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی والے موقف پر شک ہو گیا تھا، مگر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے نہیں ملے تھے، ان کا سردار فروہ بن نوفل اشجعی تھا۔ یہ تقریباً ۵۰۰ لوگ تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح اور بیعت کے بعد آپ کے خلاف خروج کیا۔ صلح کے بعد تمام فتنوں کا قلع قمع ہو گیا، مگر ایک غم جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو تھا، وہ خوارج کا تھا۔ کیونکہ آپ ان کی شر انگیزی اور فساد پروری کو جانتے تھے۔ بعض خوارج نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی، اور وہ مسلسل فروہ اشجعی کو چھوڑ کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ فروہ کے ساتھ فقط تین سو سے کچھ اوپر لوگ باقی رہ گئے۔ ان باقی ماندہ لوگوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے سرتابی کی اور یہی وہ لوگ تھے جن سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نخیلہ میں جنگ کی اور انھیں قتل کیا۔

صعصعہ بن صوحان کے قصے میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے مناظرہ کیا تو بہت سے لوگ آپ کے متبع ہو گئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے آ ملے، پھر وہ لوگ کوفہ چلے آئے۔[2] اسی طرح ایک روایت میں بہت سے لوگ کے الفاظ آئے ہیں لیکن سارے خوارج حروراء سے کوفہ نہیں آئے تھے۔

---

① دیکھیے: [رقم: ۵۷۴]

② دیکھیے: [رقم: ۳۸۰]

[**600**] شرحبیل بن ابی عون اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوارج سے مناظرہ کیا[1] تو وہ تین گروہوں میں منقسم ہو گئے: ایک فرقہ اپنی قرار گاہوں میں واپس چلا گیا۔ دوسرا وہیں ٹھہر گیا اور اس کے لوگ کہنے لگے: ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے معاملے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ ہم آپ کے معاملے کا انتظار کریں گے۔ یہ نخیلہ کے لوگ تھے۔ جب کہ تیسرے فرقے کے لوگ وہ تھے جنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کے خلاف شرک کی گواہی دی اور کہا کہ ان لوگوں نے کسی کی پروا کیے بغیر لوگوں کا قتل کیا ہے۔ یہ اہلِ نہروان تھے اور ان کا سردار عبداللہ بن وہب راسبی تھا۔ یہ لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے الگ ہو گئے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کے خلاف جہاد کیا اور انھیں قتل کر ڈالا۔[2]

[**601**] صالح بن کیسان سے روایت ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جب تحکیم کی تحریر لکھی تو لوگ آپ سے بھاگ گئے، پھر ان میں سے بعض نے ''لا حكم إلا لله'' کے نعرے لگائے۔[3]

---

[1] امام واقدی نے بھی یہی کہا ہے جبکہ درست بات یہ ہے کہ جب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان سے کلام کیا۔ یہ روایت آئندہ آرہی ہے۔

[2] الطبقات الكبرى (۱۸۱/۱) [الطبقة الخامسة، ت: السلمي] یہ روایت اس قول کے علاوہ کہ ''جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہم کلام ہوئے۔'' اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔ سابقہ حاشیہ ملاحظہ کیجیے۔ اس روایت کی سند سخت ضعیف ہے۔ شرحبیل بن ابی عون بن ابی حازم اور اس کا باپ دونوں مجہول ہیں۔ امام سلمی نے ان کے حالات کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ ملاحظہ ہو، مزید دیکھیے شرحبیل کے حالات کے لیے المعجم الصغير لرواة ابن جرير (۱۷۱٤) اور اس کے باپ کے حالات جاننے کے لیے (٦١٨٠) ملاحظہ فرمائیے۔

اس روایت کے شواہد:

- پہلا وہ فرقہ جو تائب ہو گیا تھا اور اس نے رجوع کر لیا تھا، ان کے بارے میں روایت [رقم: ۴۸۲] پر گزر چکی ہے، جب سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے مناظرہ کیا تھا۔
- جہاں تک دوسرے فرقہ کی بات ہے جو واقعۂ نہروان کے موقع پر الگ ہو گیا تھا۔ ابن راہویہ کی روایت اس بات کی شاہد ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اہلِ نہروان کے علاوہ کسی اور کا غم لاحق نہ تھا، لوگ جوق در جوق آپ کی بیعت کرتے چلے جا رہے تھے حتی کہ ان میں سے ۳۰۰ جنگجو اور اصحاب نخیلہ باقی بچ گئے۔ دیکھیے: [رقم: ۵۷۴]
- البتہ اگر تیسرے فرقے کی بات کی جائے جنھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہروان کے موقعے پر قتل کر دیا تھا، اس کے بارے میں امام مسلم کی بیان کردہ روایت کا قصہ [رقم: ۴۹۴] پر گزر چکا ہے اور اس میں خوارج کے قائد کا نام عبداللہ بن وہب راسبی ذکر کیا گیا ہے۔

[3] اس روایت میں احنف کا تذکرہ خطا پر مبنی ہے، بلکہ وہ فاضل حکیم حلیم اور امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا حمایتی و مددگار تھا۔ سابقہ روایت دیکھیے۔

اس کے بعد لوگ تین فرقوں میں بٹ گئے: ایک فرقہ تو اپنے شہروں کی جانب لوٹ گیا، اور اپنے گھروں میں رہنے لگا۔ ان واپس جانے والوں میں احنف، شبث بن ربعی، ابو بلال مرداس بن ادیہ اور ابن الکواء تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ان کو قسم دینے کے بعد فرمایا: اس قضیے [1] کی بابت صبر کا دامن تھامے رکھو، اگر تم مجھے دنیت قبول کرتا پاؤ، تو مجھے چھوڑ دینا۔ تو وہ لوگ یہ سن کر واپس آ گئے، ان میں سے کچھ لوگ عراق آ گئے۔ دوسرا فرقہ وہیں ٹھہر گیا اور کہنے لگا: ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے معاملے میں جلد بازی سے کام نہیں لیں گے، حتی کہ ہم آپ کے معاملے کو دیکھ نہ لیں۔ باقی رہ گیا وہ گروہ جس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کو مشرک قرار دیا تھا، یہ اہلِ نہروان تھے جن سے آپ نے قتال کیا۔ [2]

نہروان چھوڑنے والے خوارج کی مزید تفصیلات:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب حروراء میں خوارج کے پاس آئے تو آپ نے انھیں وعظ ونصیحت کی، حتی کہ آپ کے اور ان کے مابین صلح واقع ہو گئی۔ تو وہ آپ کے ہمراہ کوفہ چلے آئے۔ [3] ان میں سے بعض نے کوفہ آنے سے انکار کر دیا اور حروراء میں ہی رُکے رہے۔ جو تقریباً ۵۰۰ لوگ تھے۔ ان کی قیادت فروہ بن نوفل اشجعی کر رہا تھا۔ نہروان کے وقت فروہ بن نوفل اپنی جماعت کو لے کر شہرزور [4] کے مقام پر جا ٹھہرا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے متعلق شک کی بنا پر وہ نہروان کی جنگ میں شریک نہ ہوا۔ کہنے لگا: اللہ کی قسم! ہمیں معلوم نہیں کہ ہم کس بنا پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لیے برسرِ پیکار ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مجھے واپس پلٹ جانا چاہیے۔ حتی کہ میری بصیرت آپ سے قتال کرنے یا پھر آپ کی اتباع کرنے کی طرف میری راہنمائی کرے

---

1. قضیے سے مراد تحکیم ہے۔
2. أنساب الأشراف (۳۴۲/۲)، یہ روایت احنف کے ذکر کے علاوہ اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے اور اس کی سند مرسل ہے۔ صالح کے حالات کا کچھ علم نہیں اور اس روایت کے تمام رواۃ ابن جعدبہ کے علاوہ ثقہ ہیں۔ ابن جعدبہ کے حالات کا تذکرہ [رقم: ۱۰۷] پر بیت چکا ہے۔
اس روایت میں احنف کا تذکرہ خطا ہے بلکہ احنف فاضل حکیم حلیم امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا دست و بازو تھا۔ اور تیسرا وہ فرقہ جو الگ ہو کر نہروان چلا گیا تھا۔ دیکھیے: تاریخ دمشق (۱۰۶/۲۷)
3. دیکھیے: [رقم: ۴۶۶]
4. یہ اربل اور ہمذان کے پہاڑوں کے مابین ایک وسیع جگہ کا نام ہے جسے زور بن ضحاک نے تعمیر کیا تھا اور اسی کی جانب اس کی نسبت کی گئی اور ''شہر'' فارسی زبان میں ''مدینۃ'' کو کہا جاتا ہے اور اس کے گرد و نواح کے تمام لوگ ''اکراد'' کہلاتے ہیں۔ دیکھیے: معجم البلدان (۳۷۵/۳) تاج العروس (۲۶۸/۱۲)

تو وہ ۵۰۰ جنگجوؤں کے ہمراہ واپس پلٹ گیا۔ جب فروہ بن نوفل کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوفہ آمد کی خبر ہوئی تو وہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: جس معاملے میں ہم شک میں مبتلا تھے، وہ یقیناً آ پہنچا۔ اب شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی اور حق یہی ہے کہ ان سے جنگ کی جائے۔ اس کے ساتھی کہنے لگے: یقیناً آپ نے سچ کہا۔

فروہ کا یہ قول دلیل ہے کہ خوارج ابھی تک سیدنا علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما سے لڑائی کرنا چاہ رہے تھے۔ لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان کی یہ رائے نہیں رہ گئی تھی۔ بعبارت دیگر، وہ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما سے جنگ تو صحیح سمجھتے تھے، لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے جنگ صحیح نہیں سمجھتے تھے۔

ادھر فروہ بن نوفل شہرروز سے آیا تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نخیلہ میں تھے۔ اس نے نخیلہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے قریب ہی پڑاؤ ڈالا۔ پھر فروہ کے پاس اشجع قبیلے کے لوگ آئے۔ اور انھوں نے فروہ کو وعظ کیا تو وہ ان کے ہمراہ الگ ہو گیا۔ پھر وہ اسے اپنے ساتھ کوفہ لے گئے اور قید کر دیا۔

۴۱ھ میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کوفہ آئے۔ اس وقت تک فروہ اپنا قائم مقام عبداللہ بن ابی حوساء طائی کو بنا چکا تھا۔ اور یہ شخص بھی نہروان کے دن الگ ہونے والے ان تین سو میں سے تھا۔ تو جب فروہ انھیں چھوڑ گیا، تو فروہ کے ساتھیوں نے اس پر اتفاق کر لیا۔

عبداللہ بن ابی حوساء نخیلہ سے اپنا لشکر لے کر نکلا، ادھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے جنگ کے لیے خالد بن عرفطہ کو بھیجا تو اس نے ۴۱ھ میں ابن ابی حوساء اور اس کے ساتھیوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ ان خوارجی مقتولین کو اصحابِ نخیلہ کے نام سے موسوم کیا گیا اور اس دن کو یوم النخیلہ کہا گیا۔[1]

[1] أنساب الأشراف (١٦٣/٥)، تاريخ الطبري (١٦٩/٣)، معجم البلدان (١٨٥/٢)، (٢٧٨/٥) تاريخ الإسلام (٧/٤) ڈاکٹر خالد الغیث کی کتاب "مرويات معاوية رضي الله عنه في تاريخ الطبري"۔ جس قدر ہم نے یہ روایت نقل کی ہے، یہ مقبول ہے۔

شواہد: اصحابِ نخیلہ کا واقعہ اصل اور صحیح ہے۔ اس کا تذکرہ صحیح روایات میں آیا ہے۔ ابن راہویہ نے اس عام الجماعہ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بارے میں مختصر قصہ نقل کیا ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۵۷۴] اور اس روایت کی سند صحیح ہے۔

ایک دوسری روایت میں واقدی کہتا ہے: دوسرے گروہ نے وہیں قیام کیا اور کہنے لگے کہ ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے معاملے میں جلد بازی سے کام نہ لیں گے، بلکہ ہم ان کے معاملے کا انتظار کریں گے۔ یہ اصحابِ نخیلہ تھے۔ دیکھیے: [رقم: ۶۰۰] اور اسی طرح کی روایت صالح بن کیسان سے مروی ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۶۰۱] اور یہ دونوں روایات اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہیں۔

ان کے مرثیے میں ایک خارجی شاعر قیس بن اصم ضبی نے کہا:

إِنِّي أَدِيْنُ بِمَا دَانَ الشُّرَاةُ بِهِ ... يَوْمَ النُّخَيْلَةِ عِنْدَ الْجَوْسَقِ الْخَرِبِ

''میرا دین وہی ہے جو نخیلہ کے دن شراۃ نے قلعہ خرب کے پاس بیچ ڈالا۔''[1]

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح ہوئی، تو خوارج کی ایک جماعت نے بغاوت کر دی۔ تو انھیں شامی فوج نے نخیلہ کے مقام پر صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالا۔[2]

② سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور بیعت کے متعلق عراقی لشکر کا موقف

سارے عراقی لشکر نے صلح کو تسلیم کر لیا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ مگر ان کے ہاں تین طرح کا موقف ملتا ہے:

1 بعض نے اطمینانِ قلب سے قبول کر لیا، یہ عراقی لشکر کے عام لوگ تھے۔ جیسا کہ ابن راہویہ کی روایت میں ہے کہ ''قیس بن سعد رضی اللہ عنہما اپنے ساتھیوں میں کھڑے ہوئے[3] ...لوگ لوٹ آئے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔''[4]

لوٹنے والوں سے مراد: قیس کے عام سپاہی و دیگر لوگ تھے۔

---

① الشراۃ: یہ خوارج کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس پر وہ اظہارِ فخر کرتے ہیں۔ ان کے گمان کے مطابق انھوں نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے نام پر بیچ ڈالا ہے۔ دیکھیے: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾[التوبة: ١١١]

اور ''جوسق'' سے مراد قصر یعنی محل ہے۔ ایک قول کے مطابق کسی قلعہ کو کہا جاتا ہے اور خوارج نے سیدنا خالد بن عرفطہ کے ساتھ جنگ کے وقت اس قلعہ کو اپنے لیے محفوظ پناہ گاہ بنایا تھا جس سے وہ اپنی پشت کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ دیکھیے: معجم البلدان (١٨٥/٢)، تاج العروس (١٢٦/٢٥) مادة: جسق.

احسان عباس نے ایک کتاب ''شعر الخوارج'' کے عنوان سے تحریر کی ہے: (ص: ١٢٥) دارالثقافة، بيروت، الثالثة، ١٩٧٤م

② فتح الباري (٢٨٤/١٢)

③ سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما کے اصحاب سے مراد شرطۃ الخمیس کے لوگ ہیں۔

④ دیکھیے: [رقم: ٥٧٤]

جن لوگوں نے خوش دلی سے صلح و بیعت کو قبول کیا، ان میں سرِ فہرست عبداللہ بن جعفر تھے۔ جیسا کہ ابن سعد کی روایت ہے: ''ابن جعفر نے کہا: اللہ امتِ محمد کی طرف سے آپ کو جزائے خیر دے، میں اس معاملے میں آپ کے ساتھ ہوں۔''[1]

2 دوسری قسم وہ تھی جو شروع میں تو ناپسند کرتی تھی، مگر پھر اسے قبول کر لیا۔ جیسے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے صلح کی طرف رغبت ظاہر کی، تو انھوں نے کہا: میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں کہ آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ان کی قبر میں تکذیب کریں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق کریں۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کی قسم! آپ نے ہر معاملے میں میری مخالفت ہی کی ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں آپ کو فیصلہ کر لینے تک ایک گھر میں نظر بند کر دوں۔ راوی کہتے ہیں: سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے جب غصہ دیکھا تو کہنے لگے: آپ علی رضی اللہ عنہ کی بڑی اولاد ہیں اور آپ ان کے جانشین ہیں۔ ہمارا حکم آپ کے حکم کے تابع ہے، لہٰذا آپ کو جو بہتر لگے وہ کر گزریں۔[2]

اسی طرح قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما اور ان کے شرطۃ الخمیس کے ساتھی تھے جن کی تعداد ۵ ہزار تھی۔ انھوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت میں تردّد کیا، مگر پھر اسے قبول کر لیا۔ اس کے بعد قیس رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کوفہ سے مدینہ آگئے۔ سفر کے دوران میں سیدنا قیس رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کی اتنی تکریم کرتے، جیسے کوئی ایسا شخص ہو جسے فقر کا ڈر ہی نہیں۔ ان کے لیے ہر روز ایک اونٹ ذبح کرتے۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا حتی کہ آپ مدینہ کے اطراف کی بستیوں میں پہنچ گئے۔ قیس بن سعد رضی اللہ عنہما اور آپ کے والد دونوں ہستیاں جود و کرم میں معروف تھیں۔

قیس بن سعد رضی اللہ عنہما اور آپ کے پانچ ہزار متبعین کے تردّد پر دلیل:

[**602**] ہشام اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: قیس بن سعد رضی اللہ عنہما سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقدمۃ الجیش میں تھے، ان کے ساتھ پانچ ہزار لوگ تھے جنھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سر منڈوا لیے تھے۔ جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تو قیس بن سعد رضی اللہ عنہما نے آپ کی بیعت سے انکار کر دیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے: تمھارا کیا خیال ہے؟ اگر تم چاہو تو میں تمھارے

[1] دیکھیے: [رقم: ۵۷۲]
[2] دیکھیے: [رقم: ۵۷۲]

ساتھ مل کر موت تک لڑوں گا اور اگر تم امان چاہتے ہو تو میں تمھارے لیے امان لے لیتا ہوں۔ تو وہ سب کہنے لگے: آپ ہمارے لیے امان لے لیں۔ قیس رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے امان لے لی کہ فلاں فلاں کے لیے اس اس طرح امان ہے اور کسی معاملے میں ان کی سرزنش نہ کی جائے گی، میں بھی انھی لوگوں میں سے ہوں۔ انھوں نے اپنے لیے کسی خاص چیز کا مطالبہ نہیں کیا۔ جب انھوں نے مدینہ کی جانب رختِ سفر باندھا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر چلے تو آپ ہر روز ان کے لیے ایک اونٹ ذبح کرتے، حتی کہ آپ [صرار] ① نامی جگہ پر پہنچ گئے۔ ②

[**603**] ابوبکر ابن ابی شیبہ سے منقول ہے، قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما اور آپ کے اصحاب نے مدینہ کی جانب رحلت کی، تو آپ ہر روز ان کے لیے ایک اونٹ ذبح کرتے، حتی کہ آپ صرار نامی جگہ پر پہنچ گئے۔ ③

---

① "صرار" یہ ایک جگہ کا نام ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ قدیم کنواں ہے جو مدینہ سے تین میل کی دوری پر عراق کے راستے میں پڑتا ہے۔ معجم البلدان (۳۹۸/۳)

② مصنف ابن أبي شيبة (۳۱۲۲۲)، (۳۸٤۷۷) اس روایت کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں جو شیخین کے شروط کے مطابق ہیں۔ ابو اسامہ سے مراد: حماد بن اسامہ اور ہشام سے مراد: ابن عروہ بن زبیر بن عوام ہے اور بریکٹوں کے درمیان جو زیادت ہے وہ ابن سعد اور "سير أعلام النبلاء" کی جانب سے ہے۔

تخریج: اسے ابن عبدالبر نے الاستيعاب (۱۲۹۱/۳) میں اپنی سند کے ساتھ ابن ابی شیبہ تک نقل کیا ہے۔
ابن سعد نے الطبقات الكبرى (۳۷۱/٥- ۲۷۲) مکتبۃ الخانجی میں اور تاریخ دمشق (٤۲۹/٤۹) میں ابن عساکر نے اسی واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہمیں ابو اسامہ حماد بن اسامہ نے اس کی مثل روایت بیان کی اور اس روایت کے آخر میں ایک کلمہ کا اضافہ ہے کہ آپ صرار نامی جگہ تک پہنچنے تک ہر روز ایک اونٹ قربان کرتے۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۱٦۳٦/۳) مزید دیکھیے: تاريخ الإسلام (۲۹۱/٤) سير أعلام النبلاء (۱۱۰/۳)

① مصنف ابن أبي شيبة (۲۷۱۵۳) اس روایت کی سند سابقہ روایت کی طرح صحیح ہے۔

تخریج: اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب مصنف ابن أبي شيبة (۲۷۱۵۲) میں اور ابن ابی دنیا نے قرى الضيف (۲۲) میں امام طبرانی نے مکارم الأخلاق (۱۷٦) میں اور امام حاکم وغیرہ (۵۱۰۵) نے ابو اسامہ ہشام بن عروہ اور اس کے باپ کے واسطے سے یہ روایت بیان کی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو پایا، اس کے بعد انھوں نے ساری روایت بیان کی البتہ اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں: "سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما مدینہ کی جانب چلے گئے۔" امام طبرانی اور امام حاکم نے لفظ دعاء اور ابن ابی شیبہ نے لفظ قصہ کا اضافہ کیا ہے۔ یہ روایت ابوبکر شافعی نے الغيلانيات (۱۰۸۷) اور اسی واسطے سے ابن عساکر (۴۱۷/۴۹) نے نقل کی ہے کہ ہمیں ابراہیم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابوبکر ←

میں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ جود وسخا ہے، کم لوگ ہوتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کرم وعنایت کی محبت عطا کرتا ہے، اور جب بھی کرم کرتے ہیں، انھیں مزید کرنے کا شعور ملتا ہے۔

3 تیسری قسم وہ تھی جن کے قلوب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف کینہ اور نفرت سے بھر گئے تھے، مگر وہ صلح قبول کرنے پر راضی ہو گئے، کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ سفیان بن لیل جو ابو العمرطہ کے شرطۃ الخمیس کے مقدمہ میں شامل تھا، اس کا موقف واضح ہو گیا۔ سفیان بن لیل کے موقف سے اشارہ ملتا ہے کہ اس کے ساتھ اس جیسے اور لوگ بھی تھے لیکن ان کے متعلق کوئی خبر نہیں مل سکی۔

[604] ابن ابی شیبہ سے منقول ہے، ابو الغریف بیان کرتا ہے: ہم ۱۲ ہزار لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقدمۃ الجیش میں مسکن[1] میں موجود تھے۔ ہماری تلواریں اہلِ شام سے جنگ کو تیار تھیں، ابو العمرطہ[2] ہمارا سردار تھا۔ پھر جب ہمارے پاس سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح کی خبر آئی تو غم و غصے سے ہماری

← نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو اسامہ نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں ہشام نے محمد کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ٹیلے پر چڑھ کر ندا لگائی کہ جو کوئی چربی اور گوشت کھانے کا خواہش مند ہے وہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلا آئے، پھر اس کے مثل میں نے آپ کے بیٹے کو ایسا کرتے دیکھا اور سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما پھر مدینہ کی جانب اپنے ساتھیوں سمیت چلے گئے اور ''صرار'' نامی جگہ تک پہنچنے تک آپ ہر روز ایک اونٹ قربان کرتے۔

ابراہیم سے مراد: ابن اسحاق حربی ہے اور محمد سے مراد: ابن سیرین ہے۔ "سير أعلام النبلاء" میں اس کے نام کی تصریح کا بیان ہے اور اس کے بقیہ راوی بھی اسی روایت کے راوی ہیں۔ امام ذہبی نے محمد بن سیرین کی روایت کا تذکرہ سير أعلام النبلاء (۱۰٦/۳) میں کیا ہے جس میں "كان سعد" کے الفاظ "أدرك" کے بدل کے طور پر آئے ہیں اور اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ''سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما مدینہ کی جانب چلے گئے۔'' اگر اسناد میں محمد بن سیرین کا تذکرہ محفوظ ہے تو یہ روایت مرسل ہے، کیونکہ امام ابن سیرین نے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ کیونکہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال ۱۵ھ میں ہوا اور محمد بن سیرین کی ولادت ۳۳ھ میں ہوئی اور مشہور یہ ہے کہ یہ روایت ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے بیان کی۔

ابو بکر شافعی نے اپنی کتاب "فوائد الغيلانيات" میں یہ روایت نقل کی ہے، کیونکہ وہ اپنی کتاب میں حسبِ عادت یہ روایت غیر مشہور سند کے ساتھ لے کر آئے ہیں۔

[1] اس سے مراد: عمیر بن یزید کندی ہے۔ امام ابن حزم نے اس کا نسب بھی بیان کیا ہے اور پھر انھوں نے اور ابن الکلبی نے کہا ہے: یہ شیعہ تھا۔ اسے حجر بن عدی کے ساتھ قتل کر دیا گیا اور اس کا بیٹا حسن بن ابی العمرطہ حجاج بن یوسف کی فوج کا والی بنا۔ اسی طرح جراح بن عبداللہ حکمی کی طرف سے ماوراء النہر کا والی بنا۔ امام ابن الاثیر نے ذکر کیا ہے کہ ابو العمرطہ جنگِ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنگ کرنے کے لیے آیا تھا۔ ←

ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ جب سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کوفہ آئے تو ہم میں سے ایک شخص ابو عامر [سفیان بن لیل] [1] نامی کہنے لگا: اے مومنوں کو رسوا کرنے والے، السلام علیکم! سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ابو عامر! یوں نہ کہو، [میں مومنوں کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوں] مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ بادشاہت کی خاطر ان سے لڑائی کروں۔ [2]

← نیز اس بات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ یہ اہلِ شام کے جنگجوؤں کا سامنا کرنے کے لیے نکلا اور اس نے مبارزت کا مطالبہ کیا تو اس کا سامنا اس کے بھائی قیس بن یزید سے ہو گیا جس کی بنا پر یہ دونوں لڑائی سے رُک گئے اور انھوں نے ایک دوسرے سے لڑائی نہیں کی۔ اور امام طبری نے حجر بن عدی کے قصہ میں ابو العمرطہ کا تذکرہ کیا ہے۔ دیکھیے: نسب معد والیمن الکبیر لهشام الکلبي (١٦٤/١) تاریخ الطبري (٢٢١/٣) جمهرة أنساب العرب لابن حزم (٤٢٧) الکامل في التاریخ (١٨٤/٣) ابن عساکر نے اس کے بیٹے حسن بن ابو العمرطہ کے حالات میں اس کا نسب مفصل بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: تاریخ دمشق (٣٤٠/١٣) اور اس کا اختصار (٥٨/٧)

دکتور خالد الغیث کہتے ہیں کہ یہ بات تو ثابت ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا مقدمۃ الجیش شرطۃ الخمیس تھا جس کے قائد سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما تھے، لہٰذا ابو الغریف کے کلام کو اس بات پر محمول کرنا پڑے گا کہ ابو العمرطہ جیش الخمیس میں سے مقدمۃ الجیش کے گروہ کا امیر تھا جس میں ابو الغریف بھی شامل تھا۔ دیکھیے: مرویات خلافة معاویة رضی اللہ عنہ في تاریخ الطبري (ص: ١١٤)

میں (شمری) کہتا ہوں: اس بات کا بھی احتمال ہے کہ جس گروہ میں ابو الغریف تھا، اسی گروہ میں سفیان بن لیل بھی شامل تھا۔

[1] امام عقیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ شخص کوفی تھا اور غالی روافضی تھا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: الضعفاء الکبیر (١٧٥/٢) میزان الاعتدال (١٧١/٢).

[2] مصنف ابن أبي شیبة (٣٨٥١٢) اس روایت کی سند حسن ہے اور بریکٹوں کے درمیان چند الفاظ کا اضافہ "المعرفة والتاریخ" میں سے ہے۔ زہیر سے مراد: ابن معاویہ بن حدیج ابو خیثمہ جعفی ہے۔ یہ ثقہ اور ثبت راوی ہے۔ ابو روق ہمدانی سے مراد: عطیہ بن حارث کوفی ہے اور صدوق راوی ہے۔

ابو الغریف سے مراد: عبید اللہ بن خلیفہ ہمدانی کوفی ہے۔ یعقوب بن سفیان اور امام دارقطنی نے اسے ثقہ قرار دیا ہے اور امام ابن حبان نے "الثقات" میں ذکر کیا ہے۔ امام ابن حجر نے اسے صدوق کہا اور شیعہ قرار دیا ہے، جبکہ امام ابو حاتم رازی نے اسے کمزور قرار دیا ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے اپنے والد سے اس کے متعلق سوال کیا۔ تو انھوں نے کہا کہ یہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے شرطہ کے امیر تھے البتہ یہ بات مشہور نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کو وہ زیادہ محبوب ہے یا حارث بن اعور؟ تو وہ کہنے لگے: حارث زیادہ مشہور ہے جبکہ اس کے بارے میں محدثین نے کلام کیا ہے اور اصبغ متروک راوی ہے۔

یہ روایت بیعتِ حسن رضی اللہ عنہ پر اہلِ بدعت کی کینہ پروری اور ناراضی پر بڑی گہرائی سے روشنی ڈالتی ہے۔ سفیان بن لیل بدعتی جو اپنی ناراضی چھپا نہ سکا، اور کہنے لگا: السلام علیکم، اے مومنوں کو ذلیل کرنے والے!

اس روایت کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ سفیان بن لیل بھی شرطۃ الخمیس کے اس لشکر میں شامل تھا، جس میں ابو الغریف تھا۔ ابو الغریف بیان کرتا ہے: ہم ۱۲ ہزار لوگ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقدمۃ الجیش میں مسکن میں موجود تھے۔ ...... جب سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کوفہ آئے تو ہم میں سے ایک شخص ابو عامر سفیان نامی ان کی طرف اٹھا۔

ابو الغریف نے جو ''ہم میں سے ایک آدمی'' کہا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیان بن لیل شیعہ تھا۔ کیوں کہ ابو الغریف بھی شیعہ تھا۔

← میں (شمری) کہتا ہوں: اس روایت میں ابو الغریف نے منکر اور طعن والی کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی کوئی ایسی بات کی جو اس کی بدعت کے موافق ہو اور یہ محتمل تاریخی روایت ہے۔ یعقوب اور امام دارقطنی نے اس کی توثیق کی ہے اور حافظ ابن حجر نے اسے صدوق اور شیعہ قرار دیا ہے اور یہ روایت حسن درجے کی ہے۔ اس کے حالات دیکھیے: المعرفة والتاريخ (۳/۲۰۰) الجرح والتعديل (۵/۳۱۳) الثقات لابن حبان (۵/۶۸) سؤالات السلمي للدارقطني (۲۸۰) ميزان الاعتدال (۳/۵) التقريب (۴۲۸۶)

تخریج: یعقوب نے المعرفة والتاريخ (۳/۳۱۷) میں اسی واسطے سے خطیب بغدادی (۱۰/۳۰۵) نے اور خطیب کے واسطے سے ابن عساکر (۱۳/۲۷۹) نے اپنی اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہمیں عباس بن عبدالعظیم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں اسود بن عامر نے یہ روایت بیان کی۔

امام حاکم (۴۸۱۲) نے روایت نقل کی ہے کہ ہمیں ابو العباس محمد بن یعقوب اصم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عباس بن محمد دوری نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں اسود بن عامر نے یہ روایت بیان کی۔ خطیب بغدادی نے تاريخ بغداد (۱۰/۳۰۵) میں اور ابن عساکر (۱۳/۲۷۹) نے اسی واسطے سے اور امام مزی نے تهذيب الكمال (۶/۲۵۰) میں روایت نقل کی ہے کہ ہمیں ابراہیم بن مخلد بن جعفر یعنی ابو اسحاق باقرحی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں محمد بن احمد بن ابراہیم حکیمی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عباس بن محمد دوری نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں اسود بن عامر نے یہ روایت بیان کی۔ دیکھیے: موارد الخطيب البغدادي (ص: ۴۳۵)، موارد ابن عساكر (۱/۲۱۸)

"تاريخ دمشق" میں اس روایت کی سند میں تصحیف ہو چکی ہے، یعقوب بن سفیان کے بعد ابراہیم بن مخلد کا تذکرہ ہے۔

ابن عبدالبر نے الاستيعاب (۱/۳۸۶) میں ایک روایت نقل کی ہے جس کی سند عمرو بن خالد بن فروخ تمیمی اور زہیر بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ہے۔ یہی روایت تاريخ الإسلام (۴/۶) میں بھی آئی ہے۔

اس کینہ ونفرت نے اہلِ بدعت کو افواہیں گھڑنے پر مجبور کیا، جن کو مورخین نے نقل کیا ہے اور وہ خبریں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے ناراضی ظاہر کرتی ہیں۔ ان کی ایک مثال بلاذری کی روایت ہے جس میں سیدنا حسن و سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں سے ناراضی ظاہر ہو رہی ہے۔

[**605**] حسن بصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: اہلِ کوفہ کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی بیعت کی خبر ملی تو انھوں نے آپ کی اطاعت کر لی اور آپ کے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر آپ سے محبت کرنے لگے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ۵۰ ہزار لوگ لے کر مدائن آ گئے۔ (پھر راوی نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے مشاورت کا قصہ بیان کیا ہے۔) پھر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ آپ نے انھیں اپنی صلح اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کا بتایا، کیونکہ آپ خون ریزی اور جنگ کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ اس پر اہلِ کوفہ آپ پر کود پڑے، انھوں نے آپ کا مال ہتھیا لیا، آپ کے خیمے پھاڑ دیے، آپ پر سب وشتم کیا اور آپ کو عاجز و بے کس اور لاچار کہا، پھر وہ وہاں سے واپس کوفہ چلے گئے۔ یہ خبر جب سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ عنہما تک پہنچی تو وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آ کر کہنے لگے: اے میری قوم کے لوگو! بے شک اس قوم[1] نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا، جہاں تک ممکن ہو سکا۔ انھوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کیا۔ جب فرشتوں نے انھیں چاروں اطراف سے گھیر لیا تو نہ چاہتے ہوئے اسلام میں داخل ہو گئے۔ البتہ ان کے دلوں میں پھر بھی نفاق کا بیج رہا، جب انھیں مخالفت کا موقع میسر آیا، تو انھوں نے اپنے اندر کی بات کا اظہار کر دیا۔ نیز حسن بن علی رضی اللہ عنہما کمزوری اور عاجزی کے سبب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح پر مجبور ہو گئے ہیں۔ سو اگر تم بغیر امام کے جنگ کرنا چاہتے ہو تو کرو، لیکن اگر فتنے میں گھسنا چاہتے ہو تو داخل ہو جاؤ، وہ سب کہنے لگے کہ ہم سب فتنے کو ترجیح دیں گے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو ایک مہر بند کاغذ دیا جس پر وہ جو چاہیں لکھ لیں، آپ نے اس میں شروط دائر کیں۔ جب انھوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں کچھ بھی نہ دیا۔ پھر حسن رضی اللہ عنہ مدینے اور معاویہ رضی اللہ عنہ شام چلے گئے۔[2]

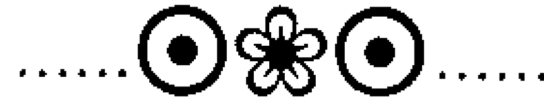
---

1. اس سے مراد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے متبعین ہیں۔
2. أنساب الأشراف (۵۱/۳) روایت میں راوی کا یہ قول: ''لوگ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے آپ کے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی بڑھ کر محبت کیا کرتے تھے۔'' شواہد کی بنا پر روایت کا یہ حصہ صحیح ہے اور بقیہ روایت درست نہیں ہے، اس میں شدید درجہ کی نکارت ہے اور اس کی سند مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔ مزید یہ کہ اس کی سند میں وہم لاحق ہوا ہے۔ [رقم: ۵۷۲] پر اس روایت کے حاشیے میں کلام گزر چکا ہے اور وہاں درست رائے کا بھی بیان کیا گیا ہے۔

یہ روایت میں نے بہ طور احتجاج ذکر نہیں کی، بلکہ فقط اس غرض سے ذکر کی ہے، تاکہ تاریخی روایات پر اہلِ بدعت کے اثرات کا بیان ہو جائے۔

اس روایت میں کئی طرح کے مطاعن ہیں، مثلاً سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو کمزور ولاغر ثابت کرنا، نیز یہ ثابت کرنا کہ صلح میں آپ کی شروط پوری نہ کر کے آپ کے ساتھ دھوکا کیا گیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ عقلمندی، ذہانت و فطانت نہیں رکھتے تھے۔

پھر صلح کے بعد ان کا یہ کینہ و نفرت انھیں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر دو مرتبہ زہر کے ذریعے قتل کرنے کی کوشش کی طرف لے آیا۔[1]



[1] اس کے بارے میں عنقریب حدیث آ رہی ہے۔

ساتویں بحث:

صلح سے قبل اور بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملوں کے اہداف ومقاصد اور تہمتیں

امیر المومنین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو پانچ قاتلانہ حملوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں سے تین حملے ۴۰ھ میں آپ کے دورِ خلافت میں صلح سے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے قبل ہوئے۔ دو حملے صلح کے بعد ہوئے اور آپ آخری حملے کے سوا سب سے بچ گئے۔

ان سازش کرنے والوں نے کچھ جنگی اور کچھ غیر جنگی راستے اختیار کیے، تا کہ صلح میں رکاوٹ ڈالی جاسکے یا صلح ختم ہوجائے۔

غیر جنگی راستوں سے مراد مختلف قسم کی افوائیں ہیں۔ اور خونی راستوں سے مراد مختلف اشکال کے حملے ہیں۔

ان لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتدا میں آپ پر قاتلانہ حملے کی کوششوں سے سازشوں کی ابتدا کی، انتہا بھی حملوں پر ہی ہوئی۔ جس معاملے پر ان کی ابتدا ہوئی تھی اسی پر انتہا ہوئی۔

۴۰ھ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں صلح سے قبل ان پر ہونے والی تین سازشیں

پہلا حملہ:

پہلا حملہ آپ کے دورِ خلافت کی ابتدا میں ہوا، جب آپ نے اہلِ عراق سے بیعت لیتے وقت شرط عائد کی کہ جس سے میں صلح کروں اس سے تم بھی صلح کرو گے، جس سے میں جنگ کروں گا، تم بھی اس سے جنگ کرو گے۔ تو حالتِ نماز میں جب آپ سجدہ میں تھے، آپ کی ران پر حملہ کیا گیا جس سے آپ کی موت تو واقع نہ ہوئی، البتہ آپ دو ماہ کے لیے بیمار پڑ گئے، پھر صحتیاب ہو گئے۔

دوسرا حملہ:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جب اپنے لشکر کے ہمراہ شام کی جانب نکلے، تو مدائن میں آپ پر دوسرا حملہ ہوا۔ وہاں بازاری غنڈوں نے آپ کے حجرے پر دھاوا بول دیا، آپ کا مال ہتھیا لیا اور بنو اسد کے ایک بد بخت شخص ابن اقیصر نے آپ کی سرین پر زہر آلود خنجر سے وار کیا۔

دوسرا حملہ بہت شدید تھا، کیوں کہ وہ زہر آلود خنجر سے کیا گیا تھا، جبکہ پہلا حملہ اتنا شدید نہیں تھا۔

تیسرا حملہ:

مختار بن ابی عبید ثقفی نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی تیسری سازش کی کہ اگر ممکن ہوا تو وہ آپ کا سر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے گا، یا پھر انھیں قیدی بنا کر ان کے حوالے کرے گا۔ دوسرے حملے کے چند دن بعد مدائن میں سازش ہوئی، بلکہ یہ دوسری سازش ہی کا تتمہ تھا۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ان تینوں سازشوں سے کامیاب بچ نکلے۔[1]

دو حملے جو صلح کے بعد ہوئے:

یہ دونوں حملے زہر پلا کر کیے گئے، یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے چند سال بعد مدینہ منورہ میں ہوئے۔ آپ کو پہلی مرتبہ زہر دیا گیا تو آپ اس سے بچ نکلے، دوسری بار زہر دیا گیا تو آپ شہید ہو گئے۔

ان حملوں سے قبل اہلِ کوفہ کے غالی شیعوں کی طرف سے آپ کی طرف خطوط بھیجے گئے، جن میں آپ سے بیعت توڑنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ نیز ان کا مطالبہ تھا کہ آپ خلافت کا پھر سے مطالبہ کر دیں۔ مگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس سے اعراض کیا۔[2]

البتہ استاد شیخ خالد الغیث کا خیال ہے[3] کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت زہر کے باعث نہیں ہوئی، بلکہ آپ سرطان کی بیماری سے فوت ہوئے، کیوں کہ روایت میں ہے کہ آپ نے جگر کا ایک ٹکڑا گرایا۔

ڈاکٹر خالد غیث نے جگر گرانے کی اس صورت کی طبی تشریح جاننے کے لیے، ڈاکٹر کمال الدین حسین طاہر (جو ریاض میں ملک سعود یونیورسٹی کی ادویات سازی کے شعبہ میں ماہر تھے) سے سوال کیا،

---

[1] ان تینوں سازشوں کے بارے میں حدیث گزر چکی ہے۔ صفحہ ۷۵۳، اور ۷۵۷، اور ۷۵۸ دیکھیے۔

[2] [رقم: ۵۹۱] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

[3] اپنی کتاب "مرويات خلافة معاوية رضي الله عنه في تاريخ الطبري" میں۔

انھوں نے ایک تفصیلی جواب دیا جس کو ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

''یہ جو مریض جگر کٹنے کے جیسی قے کرتا ہے، وہ جما ہوا خون ہوتا ہے۔ جبکہ زہر پینے سے جسم کے مختلف حصوں سے خون رستا ہے، جیسے: آنکھ سے، کان سے، ناک سے، معدے سے اور انتڑیوں سے۔ ایسی صورت میں خون جمادات کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتا، نہ ہی جگر کٹنے جیسی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ تو ممکن نہیں ہے کہ اس مریض کو زہر دیا گیا ہو۔ البتہ یہ جو جما ہوا خون نکلتا ہے، جیسے کچھ جگر کٹ گیا ہو تو اس کے متعلق ماہر نے بتایا کہ ''سرطان کی بعض اقسام ہیں یا معدے اور انتڑیوں کے بعض ورم ہیں، جن کی وجہ سے جما ہوا خون باہر آتا ہے، کبھی جمادات کی شکل میں نکلتا ہے۔'' تو ایسا مریض کبھی کسی سرطان میں یا انتڑیوں کے ورم میں مبتلا ہوتا ہے۔'' ماہر کا کلام یہاں پر ختم ہوا۔

البتہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا جگر کے ٹکڑے کی سی قے کرنا ثابت نہیں ہے۔ اس بارے میں جتنی بھی روایات ہیں، سبھی ضعیف ہیں۔ ان میں سب سے کمتر ضعف والی روایت عمیر بن اسحاق کی ہے اور اس میں تناقض ہے، کیونکہ ان کا خیال ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے: میں نے اپنے جگر کا ایک ٹکڑا ابھی گرایا ہے، اس کو میں نے اپنی لکڑی کے ساتھ الٹ پلٹ کیا، اور مجھے کئی دفعہ زہر پلایا گیا۔ لیکن ایسا زہر جیسا اب پلایا گیا ہے، پہلے کبھی نہیں پلایا گیا۔[1]

علمِ جدید اس بات کی نفی کرتا ہے کہ جمے ہوئے خون کے قتلے زہر کی وجہ سے نکلتے ہوں۔ بلکہ جدید علم کہتا ہے کہ زہر سے خون جسم کے مختلف حصوں سے رستا ہے۔

میں نے زہر کے ساتھ موت کے راجح ہونے پر ابوحرب اور ابوطفیل کی روایت[2] پر اعتماد کیا ہے اور وہ حسن سند والی روایت ہے۔ اس میں وہ منکر تفاصیل ذکر ہی نہیں ہوئیں جو عمیر بن اسحاق کی روایت میں ہیں۔ اگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی زہر کے ساتھ موت نہیں ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسری دفعہ بھی زہر سے بچ گئے۔

---

[1] الطبقات الكبرى (۳۳٦/۱) الطبقة الخامسة، ت: السلمي.
اس روایت کی سند ضعیف ہے اور اس کا متن منکر ہے۔

[2] دیکھیے: [رقم: ٦٠٦]

خلاصہ:

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی موت زہر سے نہیں ہوئی، لیکن اس سے دو مرتبہ زہر دیے جانے کی نفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ تو حسن سند سے ثابت ہے۔[1] نیز اس بات کا مقتضی ہے کہ آپ زہر پینے کے باعث بیمار پڑ گئے، پھر صحت یاب ہو گئے اور اس کے سبب موت نہ آئی ہو۔

اگر آپ کی موت زہر سے ہی ہوئی ہے تو عمیر بن اسحاق نے جس طرح بیان کیا، اس میں غلطی ہے۔

پانچوں قاتلانہ حملوں کے اہداف و مقاصد:

1. انتقام، کیوں کہ صلح کے سبب غالیوں کے دل آپ سے کینہ اور نفرت سے بھر گئے تھے، تو انھوں نے انتقام لینے کی خاطر آپ پر حملہ کیا۔
2. صلح سے قبل اسے روکنے کی کوشش۔
3. صلح قائم ہونے کے بعد افواہیں پھیلا کر صلح ختم کرنے کی کوشش، وہ افواہیں جن میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے کے پیچھے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ثابت کیا جائے۔ سو جب یہ تہمت کامیابی سے جگہ پا جائے گی، تو اس کا مطلب صلح کا خاتمہ ہوگا، لوگ بھڑک اٹھیں گے اور نئے سرے سے فتنہ اور جنگ شروع ہو جائے گی۔
4. فتنوں کو ابھارنا اور خلافتِ اسلامیہ کا خاتمہ، نیز اس کے امن کو تباہ کرنا یا اسے ختم و کمزور کرنا۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملے میں صلح سے روکنے اور اسے ختم کروانے میں مجوسی، یہودی اور رومی صلیبیوں کا ہاتھ تھا۔ مجوسیوں، رومی یہودیوں اور عیسائیوں کو یقین تھا کہ اہلِ بیت کا خون مسلم امہ کے مابین فتنے کو بھڑکانے کے لیے ایندھن ثابت ہوگا۔

پانچ حملوں کا الزام غالی شیعوں پر آتا ہے، نہ کہ شیعوں پر، یہی غالی لوگ ہی سازش اور حملے کے ماسٹر مائنڈ تھے۔ ان کے ساتھ مجوسی، یہودی اور صلیبی رومی عنصر بھی شامل تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرے حملے میں ان کی بعض خوارج نے بھی اعانت کی ہو، کیونکہ وہ صلح کو روکنے اور اہلِ شام سے جنگ بھڑکانے میں ان کے شریک تھے۔

تیسری سازش کی قیادت ایک رافضی نے کی تھی جو خوارج کے افکار سے متاثر تھا۔ اس کا نام

[1] دیکھیے: [رقم: ٦٠٦]

مختار بن ابی عبید ثقفی تھا۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسری اور تیسری سازش کے پیچھے خوارج کا ہاتھ تھا۔

میں اپنی کتاب کے آخر میں غالی شیعوں کا تذکرہ کروں گا، جنھوں نے تشیع مسلک اختیار کر کے "سید شباب أهل الجنة"، یعنی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی کوششیں کیں۔ میں ان کا ذکر کروں گا، جیسے میں نے بہت سے امور اس سے قبل ذکر کر دیے ہیں، جن سے بعض اہلِ سنت راضی نہیں ہیں،[1] اور ایسا سب کرنے پر مجھے میرا منہج مجبور کرتا ہے جس کا التزام میں نے اس کتاب میں کیا ہے۔ کہ میں تاریخی حقائق کو اسی طرح واضح کروں گا، جیسے وہ ہیں۔ مجھے جو بھی ثابت شدہ چیز ملے گی۔ اس کا ذکر کتاب میں کر دوں گا۔ اگرچہ اہلِ سنت اور شیعہ میں سے کچھ لوگ انھیں ناپسند ہی کریں، یہ واقعات ماضی میں گزر چکے ہیں۔ اور ماضی میں جو کچھ گزر چکا اس کی حقیقت غلط بیانی یا سکوت کرنے سے بدل نہیں سکتی۔

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ان فتنوں کے دوران میں جو کچھ ہوا، مجھے ان پر غور وخوض پسند نہیں، لیکن علمی بحث کرنا ایسا کام ہے جس کی ہر شخص کو ضرورت ہے اور سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ ان کے ذہنوں میں گردش کرنے والے سوالات کا جواب ہونا چاہیے۔

اس مبحث میں بیان ہونے والے واقعات کی تفصیل:

وہ حدیث بالتفصیل گزر چکی ہے جس میں ان تینوں سازشوں کا تذکرہ ہے، جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت سے قبل ہوئیں۔[2] اس مقام پر صلح کے بعد ہونے والی سازشوں کا ذکر ہو گا اور سبھی سازشوں کے اہداف کے متعلق گفتگو ہو گی۔

ان سازشوں کا آغاز صلح کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں افواہیں نشر کرنے سے ہوا اور آپ کو زہر دے کر ان کا اختتام ہوا، یہ مکمل کیسے ہوئیں؟

ہم ذکر کر آئے ہیں[3] کہ غالی شیعہ جو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح سے خوش نہیں تھے، انھوں نے صلح کے بعد جھوٹی خبریں نشر کرنا شروع کر دیں۔ جن سے یہ ثابت کیا جا رہا تھا:

---

[1] میرے خیال میں اس کا سبب وہ نتائج ہیں جنھیں ہم عصر بعض تاریخی ابحاث نے گھیر رکھا ہے، کیونکہ ان کی اشاعت کے سبب فتنے کے دور میں ہونے والے واقعات کے بارے میں بعض تصورات اور مواقف نے جنم لیا۔ میں نے اپنی اس کتاب میں ان افواہوں اور من گھڑت باتوں کا دلائل کے ساتھ ردّ کیا ہے۔

[2] دیکھیے: (ص: ۷۵۳، ۷۵۷، ۷۵۸)

[3] دیکھیے: (ص: ۸۰۳)

① سیدنا حسن رضی اللہ عنہ خلافت کی باگ ڈور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو دینے کے بعد دوبارہ خلافت لینا چاہتے ہیں اور عنقریب صلح توڑ کر خلافت لیں گے، اگرچہ اس مقصد کے لیے تلوار اٹھانی پڑے۔

② اس افواہ کو قابلِ قبول بنانے کے لیے انھوں نے دیگر افواہیں گھڑنا شروع کر دیں۔ انھوں نے کہا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرتے وقت شرط لگائی تھی کہ ان کی وفات کے بعد خلافت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ہوگی۔

③ پھر انھوں نے صلح کی بابت دیگر کئی من گھڑت باتیں پھیلانی شروع کر دیں جو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی گستاخی سے لبریز تھیں۔[1] مثلاً انھوں نے آپ کو کمزور، عاجز اور بے بس کہا اور یہ بھی کہ آپ کی شروط کو پورا نہ کر کے آپ سے دھوکا کیا گیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ ان کے مطابق، نعوذ باللہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بے وقوف تھے اور ان میں ذہانت و فطانت نام کی کوئی چیز نہ تھی۔

ان من گھڑت باتوں اور حملوں سے ان کا مقصود صلحِ حسن رضی اللہ عنہ کی اہمیت کم کرنا اور آپ کی سیرت کو مسخ کرنا تھا۔ مگر صلح کی راہ میں ان کی کوئی چال بھی کام نہ آسکی، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بذاتِ خود ان من گھڑت افواہوں کا ردّ کیا۔[2]

پھر یہ غالی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ غیر جنگی حربے اپنانے کی طرف متوجہ ہوئے، وہ آپ سے براہِ راست گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ سو انھوں نے مسلسل آپ کو مکتوب بھیجنے شروع کر دیے، جن میں آپ سے صلح توڑ کر نئے سرے سے خلافت کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا مطالبہ کرنے لگے۔ مگر آپ نے ان سے اعراض کیا۔[3]

جب غالی لوگ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے موقف سے ہٹانے اور صلح ختم کرنے سے نا اُمید ہو گئے تو پھر سے اسی برے طریقے کو اپنانے لگے، جو خلافت کی ابتدا میں اپنایا گیا تھا، اور وہ تھا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ، اس کا مقصد فقط آپ سے انتقام نہ تھا، بلکہ صلح ختم کرنے کی ایک مزید کوشش بھی تھی۔

انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ پر دو مرتبہ حملے کی کوشش کی، جب انھوں نے محسوس کیا کہ آپ صلح کی جانب راغب ہیں۔

---

[1] [رقم: ۶۰۵] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

[2] دیکھیے: (ص: ۸۰۳-۸۰۴)

[3] [رقم: ۵۹۱] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

جب سیدنا حسن رضی اللہ عنہ دوسرے حملے سے بھی بچ نکلے تو مختار بن ابی عبید ثقفی نے آپ پر قابو پا کر آپ کو قتل کرنے یا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کرنے کی چال چلی۔ اگرچہ یہ بظاہر انتقامی عمل تھا مگر اس سے مقصود صلح سے روکنا تھا، کیونکہ اگر آپ قتل ہو جاتے تو اس کا الزام معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگا دیتے جس سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا لشکر بپھر جاتا اور اہلِ شام سے کبھی نہ ختم ہونے والی جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے۔ اگر آپ قیدی بن کر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آ جاتے تو یہ لوگ بات پھیلا دیتے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے ساتھ غداری کی ہے جس سے سینوں کی آگ بھڑک اٹھتی اور نتیجہ جنگ کی صورت میں سامنے آتا۔ مگر اب جب کہ صلح ہو گئی تو انھوں نے آپ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کا پلان خفیہ کیا گیا اور ہدف بھی بہت مخفی قسم کا رکھا گیا۔ وہ منصوبہ آپ کو زہر دے کر قتل کرنے اور اپنے جرم کو دشمنوں پر ڈال دینے کا تھا، تاکہ فتنہ بارِ دگر پھیل جائے اور لوگ صلح توڑ دیں۔ لیکن یہ صلح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد تک قائم رہی۔

سازش کو عملی جامہ پہنا دیا گیا اور پہلی مرتبہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دیا گیا، مگر آپ اس سے بچ نکلے۔ پھر آپ کو دوبارہ زہر دیا گیا جس سے آپ ۴۹ھ میں جامِ شہادت نوش کر گئے۔

ایک قول کے مطابق ۵۰ھ اور ایک قول کے مطابق ۵۱ھ [1] میں آپ کی شہادت ہوئی۔ اس طریقے سے غالی شیعہ نے آپ پر حملے کی ابتدا کی اور اسی سے اختتام ہوا۔

پھر ان حملوں کے بعد انھوں نے افواہیں پھیلانی شروع کر دیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ یا اس کے بیٹے یزید یا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر پلایا ہے۔ [2]

---

[1] سیر أعلام النبلاء (۲۷۷/۳)

[2] اس بہتان کو ضعیف یا ساقط اسناد کے ساتھ روایت کیا گیا ہے، یا پھر اس کی سند سرے سے ہی نہیں ہے اور اس کا متن منکر ہے اور یہ من گھڑت باتیں اس گروہ کی جانب سے ہیں جنھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور آپ کے باپ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کی اور آپ سے بدسلوکی کی۔

محققین علماء نے اس من گھڑت واقعہ کا انکار کیا ہے۔ مثلاً ابن العربی مالکی، ابن تیمیہ، امام ذہبی اور ابن کثیر وغیرہ اور مؤرخین میں سے ابن خلدون نے اسے منکر کہا ہے۔ دیکھیے: العواصم من القواصم [(ص: ۲۲۱) ط: دار الجيل]، منهاج السنة (٤٦٩/٤) تاريخ الإسلام (٤٠/٤) البداية والنهاية (٤٧/٨) تاريخ ابن خلدون (٦٤٩/٢)

دکتور محمد بن عبدالہادی بن رزان شیبانی نے اپنے ماجستر کے مقالہ "مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاوية" [(ص: ١٤٤- ١٤٩) دار طيبة للنشر والتوزيع، رياض، الثانية، ١٤٣٠هـ] میں ان افتراءات کا کافی و شافی جواب دیا ہے۔ شیخ سلیمان الخراشی نے اپنی کتاب "اتهامات لا تثبت" (ص: ١٦٥- ١٧٤) میں نقل کیا ہے۔

[606] ابوطفیل کہتے ہیں کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میرے علاوہ مشرق ومغرب میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کا نانا نبی ہو اور مجھے دو مرتبہ زہر پلایا گیا۔[1]

اس روایت کا سیاق بتاتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات اپنی وفات کے وقت کہے تھے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کہا: ''مجھے دو مرتبہ زہر پلایا گیا'' اگر معاملہ اس طرح ہے تو پھر مخلوق میں سے کسی کو بھی علمِ غیب کا دعویٰ کرنا جائز نہیں، ورنہ اسے خودکشی کہا جائے گا۔

احتمال ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات وفات کے وقت نہ کہے ہوں۔ تو اس صورت میں کہا جائے گا کہ ''آپ کی موت زہر سے نہیں ہوئی۔'' بلکہ آپ نے اس کا ذکر فقط اس لیے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں دونوں مرتبہ زہر سے نجات دی اور لوگوں کی دونوں کوششیں رائیگاں گئیں۔ پہلا موقف راجح ہے۔ واللہ اعلم!

یہ تمام سازشیں جنھیں صلح روکنے کے لیے اور پھر صلح ہو جانے کے بعد ختم کرنے کے لیے عملی جامہ پہنایا گیا۔ ان کی تدبیر رات کو کی گئی تھی، اس سازش میں خفیہ ہاتھ شامل تھے جن کا ہدف خلافتِ اسلامیہ میں امن تباہ کرنا، یا اسے کمزور کرنا تھا۔

مجھے میرے استاد فضیلۃ الشیخ خالد الغیث نے بتایا: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی قتل کی کوششوں، صلح کو روکنے اور اسے ختم کرنے کی منصوبہ بندی میں مجوسی، یہودی اور رومی صلیبی شامل تھے۔ مجوس، یہود اور رومی عیسائیوں کو یقین تھا کہ اہلِ بیت کا خون مسلمانوں کے اجتماع میں فتنہ انگیزی کرنے کے لیے ایندھن کی حیثیت رکھتا ہے۔

روایات، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر پانچ حملے غالی شیعہ نے کیے:

1. یہ خبر صریح ہے کہ مختار بن ابی عبید ثقفی تیسرے حملے کی سازش میں شریک تھا، اور مختار غالی رافضی تھا۔ روافض کا ایک فرقہ اسی کی طرف فرقہ مختاریہ کے نام سے منسوب ہے۔ وہ لوگوں کو محمد بن حنفیہ کی امامت کی جانب دعوت دیتا تھا۔

---

[1] الطبقات الکبری [(۱/۳۳۶- ۳۳۷) الخامسة، ت: السلمي] اس روایت کی سند دیلم کی وجہ سے حسن درجے کی ہے۔ یہ صدوق راوی ہے، مگر مرسل روایت بیان کرتا ہے اور اس روایت کے بقیہ تمام رجال ثقہ ہیں۔ مسلم بن ابراہیم سے مراد: ابوعمرو ازدی فراہیدی اور وہب سے مراد: ابن عبداللہ بن ابی دبی ہے اور ابوحرب سے مراد: ابن ابی اسود دؤلی ہے اور ابوطفیل سے مراد: عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ ہیں۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملے کی سازش کے سبب امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اسے خارجی قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: یہ ان لوگوں میں شامل تھا، جنھوں نے مدائن میں سیدنا حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا۔[1] آپ کا قول شہرستانی کے قول کی وضاحت کرتا ہے: ''مختار پہلے خارجی تھا، پھر زبیری ہو گیا،[2] اس کے بعد شیعہ اور پھر کیسانی[3] ہو گیا۔''[4]

مختار بن ابی عبید ثقفی ان سازشیوں میں سے ایک تھا جنھوں نے تشیع میں خوارج کو داخل کیا۔

مجھے میرے استاد شیخ خالد الغیث نے بیان کیا: سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لشکر میں بعض خوارج اور روافض بھی تھے، کیونکہ ان کا ایک ہی ہدف تھا اور وہ ہدف اہلِ شام سے جنگ تھا۔ دوسرے حملے میں خوارج اور روافض کے بعض افراد نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی، کیونکہ آپ ان دونوں گروہوں کے مشترکہ دشمن تھے۔ خوارج اور روافض سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے عداوت میں متفق تھے، کیونکہ ان کا ایک ہی منبع تھا اور وہ ابن سبا تھا۔

میں کہتا ہوں: تیسری سازش کی قیادت کرنے والے نے خوارج اور تشیع کو جمع کیا تھا، البتہ اس پر تشیع غالب تھا۔ اسی وجہ سے خوارج نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور آپ کی صلح کے خلاف سازشیں کیں، کیوں کہ وہ بعض اہداف میں غالی شیعہ کے ساتھ مشترک تھے۔ خصوصاً سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں۔ مثلاً صلح ہونے سے روکنے کی کوشش اور اہلِ شام سے جنگ بھڑکانے کی سعی وغیرہ۔

---

[1] اور راوی کے کلام کا تتمہ یہ ہے کہ اس کے بعد مختار بن ابی عبید ثقفی مکہ میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا ساتھی بن گیا۔ آپ نے اسے کوفہ کا والی مقرر کر دیا تو اس نے ان پر غلبہ پا لیا۔ اس کے بعد اس نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت توڑ ڈالی اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا مطالبہ کرنے لگا تو شیعہ لوگ اس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے اور یہ انھیں عجیب عجیب چیزیں دکھاتا تھا۔ لسان المیزان (۷/٦)

[2] یعنی امیر المومنین سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مددگاروں میں سے۔

[3] الکیسانیة: یہ روافض کا ایک گروہ ہے جو مختار بن ابی عبید ثقفی دجال کا متبع ہے۔ یہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے کھڑا ہوا اور اس نے آپ کے قاتلین میں سے اکثر لوگ قتل کر ڈالے اور مختار کو کیسان بھی کہا جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کیسان نامی غلام سے اپنا موقف اخذ کیا تھا۔ اور ''کیسانیہ'' ۱۱ فرقوں میں منقسم ہو گئے، جن میں سے ایک فرقہ مختاریہ تھا جو مختار بن ابی عبید ثقفی کی جانب منسوب تھا اور ''کیسانیہ'' فرقوں کے تمام لوگ محمد بن حنفیہ کی امامت پر مجتمع ہو گئے جس کی طرف مختار دعوت دیتا تھا۔

دیکھیے: فرق الشیعة (ص: ۳۳- ۳٤) مقالات الإسلاميين (ص: ۳٥) الفصل في الملل والأهواء والنحل (۱۳۷/٤) الملل والنحل (۱۷۱/۱) الفرق بين الفرق (ص: ۳٥) سير أعلام النبلاء (٥۳۸/۳)

[4] الملل والنحل (۱۷۱/۱)

2 تینوں سازشوں کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے مدائن میں کہا: اے اہلِ عراق! میرا دل تم سے نہ بھی اُکتایا ہوتا تو تین وجہ سے اُکتا گیا ہے: تم نے میرے والد کو قتل کیا، تم نے مجھ پر حملہ کیا اور میری چادر کھینچی۔[1] یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غالی شیعہ اور خوارج نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک جماعت بن کر رہنے کی قسم کھائی تھی، کیونکہ جس شخص نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، وہ بھی خارجی ہی تھا۔

آپ کا اہلِ عراق کو مخاطب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ ادھر اہلِ عراق کی جماعت بھی ہے کہ جو آپ کی گھات میں ہے جس طرح وہ آپ کے والد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی گھات میں تھی۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک ہی جماعت قرار دیا، کیوں کہ آپ نے انھیں تینوں خصائل سے متصف کیا۔ باوجود اس کے کہ ان کے مشارب اور اہواء الگ الگ تھیں۔ آپ نے خوارج اور روافض کا اکٹھا ہی ذکر کر دیا، کیوں کہ ہدف بہرحال سب کا ایک تھا اور وہ صلح ہونے سے قبل ہی اس سے روک دینا تھا۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا قول صریح ہے کہ ان تین خصائل سے متصف لوگ عراقی قوم سے ہی ہیں۔

3 غالی شیعہ کے دلوں میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی وجہ سے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف کینہ وبغض اور نفرت کی آگ بھڑک اٹھی، جب سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کوفہ آئے تو ہم میں سے ایک شخص ابو عامر سفیان بن لیل نامی کہنے لگا: اے مومنوں کو رسوا کرنے والے! السلام علیکم! سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ابو عامر! یوں نہ کہو، میں مومنوں کو ذلیل کرنے والا نہیں ہوں، مگر میں یہ نہیں چاہتا کہ بادشاہت کی خاطر ان سے لڑائی کروں۔ یہ روایت بیعتِ حسن رضی اللہ عنہ پر اہلِ بدعت کی کینہ پروری اور ناراضی پر بڑی گہرائی سے روشنی ڈالتی ہے۔ سفیان بن لیل کے موقف سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ اس جیسے اَور لوگ بھی موجود تھے، اگرچہ ان کی بابت ہمیں کچھ علم نہ ہو سکا۔

سفیان بن لیل کے بارے میں ابو جعفر عقیلی کہتے ہیں: یہ کوفی تھا اور رفض میں غلو کرنے والا تھا۔[2]

یہ کینہ اور ناراضی ہی زہر دینے جیسے جرم کی وجہ ثابت ہوئی۔

4 سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور خوارج کے مابین آپ کے دورِ خلافت میں یا اس کے بعد کوئی جنگ نہیں ہوئی، اس کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں:

---

1 دیکھیے: [رقم: ٥٦٠] میں نے اس کے غریب حصے کی شرح وہیں کر دی ہے۔

2 الضعفاء الکبیر (١٧٥/٢) میزان الاعتدال (١٧١/٢)

1. خوارج کو نہروان کی جانب جلا وطن کر دیا گیا، ان میں سے ۵۰۰ لوگوں کی جماعت الگ ہوگئی اور ان کا سردار فروہ بن نوفل اشجعی انھیں لے کر شہر زور چلا گیا۔ ان کو اصحابِ نخیلہ کا نام دیا گیا۔
2. فروہ اشجعی کا گروہ ہی تھا جس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ سے جنگ کی، تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں نخیلہ بھیج دیا۔ کیونکہ جب فروہ اشجعی کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوفہ آمد کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: یقیناً وہ آچکا ہے جس کے بارے میں ہمیں کوئی شک نہیں کہ اس سے لڑنا ہی حق ہے۔[1] لیکن اس نے ایسی کوئی بات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے نہیں کہی، بلکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وہ خاموش ہی رہا۔ اس لیے کہ اس وقت تک خوارج کی رائے یہی تھی کہ سیدنا علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما اور ان کے عمال سے تو جنگ کی جائے گی، لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے جنگ نہیں کی جائے گی۔ لہٰذا جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوگئی تو ان کی جنگ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے نہیں بلکہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے چھڑ گئی۔

بالفاظِ دیگر خوارج سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے کے باوجود آپ سے جنگ کرنے کی خاطر لشکر اکٹھا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سیدنا علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کی باہمی لڑائی کے لیے لشکر اکٹھا کیا جائے۔ فروہ بن نوفل اشجعی نے اپنی زبان سے وہ کلمات کہے، جن کا بیان گزر چکا ہے۔ جہاں تک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے تو فروہ بن نوفل نے تردّد کی بنا پر آپ سے نہروان میں جنگ نہیں کی۔ مگر اس جنگ میں اس کے ساتھیوں نے آپ سے لڑائی کی۔ ادھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے فروہ بن نوفل اشجعی کے ساتھیوں نے نخیلہ کے مقام پر جنگ لڑی تھی۔

جب خوارج سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے ان کے دورِ خلافت میں جنگ کرنا درست نہ سمجھتے تھے اور آپ سے لڑنے کے لیے لشکر اکٹھا کرنے کے بھی خواہاں نہ تھے تو اولیٰ یہ ہے کہ خلافت سے دستبردار ہو جانے کے بعد بھی وہ ان سے قتال کو درست نہیں سمجھتے ہوں گے۔

صلح کے بعد خوارج کو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ خوارج وہاں خلفاء اور ولاۃ الامور کے ساتھ جھگڑ رہے تھے۔ تب خلیفہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ صلح کے بعد مدینہ آ گئے تھے اور اپنے گھر میں ہی مقیم تھے، انھوں نے خلافت کے منصب کو دوبارہ نہیں لیا۔

---

[1] دیکھیے: (ص: ۸۱۱)

اس استدلال کی توضیح کی غرض سے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں عراق، شام اور مصر میں کبار صحابہ پر حملے اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر قتل کرنے کی منصوبہ بندی کے درمیان فرق کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

پہلی پلاننگ جو کبار صحابہ رضی اللہ عنہم پر حملے کی تھی، اس میں خوارج کا ہاتھ تھا۔ اس حملے سے وہ چاہتے تھے کہ ان فتنوں کا خاتمہ کر کے امت کو راحت فراہم کریں۔[1]

دوسری منصوبہ بندی میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس میں غالی شیعہ پیش پیش تھے۔ ان کا مقصد سب کچھ ختم کرنا تھا، یعنی صلح ختم کرنے کے لیے فتنہ کی آگ بھڑکانا۔

ان دونوں منصوبہ بندیوں کے درمیان فرق ہے:

خوارج کا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملے کا مقصد اور ہدف صلح ہونے سے روکنا تھا مگر صلح کے بعد انھوں نے اسے ختم کرنے کے لیے کوئی سازش نہیں کی، کیونکہ خوارج نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر مسلح حملے شروع کر دیے، پہلا مسلح حملہ انھوں نے نخیلہ میں کیا، پھر اس کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ مسلسل مسلح حملے کرتے رہے۔[2] سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں خوارج کے افعال اعلانیہ قتال تک آ گئے تھے، انھوں نے کوئی خفیہ حملے نہیں کیے۔

حتی کہ اس دور میں خوارج نے جتنی بھی حملے کی کوششیں کی، وہ سب خنجروں اور تلواروں سے قتل کر ڈالنے کی تھیں۔ یہ ظاہری اور اعلانیہ حملے تھے اور انھیں علی الاعلان سب کے سامنے عملی جامہ پہنایا گیا۔ کیوں کہ ایسا حملہ کرنے والا جانتا ہوتا تھا کہ اسے تو بہر حال قتل کر دیا جائے گا، بھلے وہ حملے میں کامیاب ہو چاہے نہ ہو۔

البتہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد جو حملے کی کوششیں کی گئیں، وہ خفیہ تھیں۔ مثلاً آپ کو زہر دینا وغیرہ! اور خوارج سے امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس طریقے کو خفیہ طور پر انجام دیں گے۔ خوارج کا رجحان بغیر کسی خوف وخطر کے اور کسی کی پروا کیے بغیر ناعاقبت اندیشی سے ڈائریکٹ حملہ کرنے کا تھا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو زہر پلانا خوارج کا کام نہیں ہے۔

---

[1] دیکھیے: (ص: ۷۵۰)

[2] کتاب: "مرويات خلافة معاوية رضي الله عنه في تاريخ الطبري"، میں خوارج کی امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تفصیل دیکھیے۔

5 صلح کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملے میں خوارج کا ہاتھ تھا، یا جنھوں نے من گھڑت باتوں کی ترویج کی، یا ان غالی شیعہ کا ہاتھ تھا جنھیں آپ کا صلح کرنا ناگوار گزرا۔

البتہ جہاں تک خوارج کی بات ہے تو صلح کے بعد آپ پر حملہ کرنے کی انھیں کوئی ضرورت نہ تھی۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

باقی رہے وہ معاملات، جو افواہوں سے متعلق ہیں تو اس سلسلے میں اساسی قاعدہ یہ ہے کہ یہ روایات سب منکر ہیں اور درست نہیں ہیں۔ لہٰذا ان سے حجت پکڑنا درست نہیں۔ ان سے حجت پکڑنا خطا ہے جو شخص ایسا کرتا ہے، اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے دل کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ ان سے حجت پکڑنے والا خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور متوازن علمی منہج پر نہیں ہے۔ جب محقق ان روایات کی ٹوہ میں لگے گا جو اس کی خواہشِ نفس کے موافق ہوں، پھر وہ ان روایات کو اکٹھا کر کے کسی علمی منہج کے بغیر ان سے حجت پکڑے گا۔ وہ ان روایات کے قبول و ردّ میں رغبتِ قلبی کو میزان بنائے گا، ایسے شخص کو محقق نہیں بلکہ حاطبِ لیل اور متبعِ خواہشات کہا جائے گا۔

جہاں تک ان واہیات روایات کے مشتملات کا تعلق ہے تو وہ فقط افواہیں ہیں جو صلح ختم کرنے کے لیے پھیلائی گئیں۔[1] ضعیف روایات کہتی ہیں کہ معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خلافت دینے سے ڈرتے تھے، تو ان روایات کے مطابق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بعد اپنے بیٹے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو ولی عہد بنانا چاہتے تھے۔ جبکہ یہ بات بھی درست نہیں ہے، کیونکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے تو معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد اپنی خلافت کی شرط ہی نہیں لگائی تھی، بلکہ آپ نے بذاتِ خود اس افواہ کا ردّ کیا تھا اور جہاں تک یزید کے ولی عہد بننے کی بات ہے تو ولی عہد کے لیے ان کی بیعت تو ۵۶ھ میں منعقد ہوئی، جب اصحابِ شوریٰ میں سے آخری صحابی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔ آپ کا انتقال ۵۵ھ میں ہوا[2] جبکہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ۴۹ھ یا اس کے بعد فوت ہوئے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کی ولی عہدی کی بیعت لی تھی، نہ کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کی شرط نہیں لگائی تھی، لہٰذا ان روایات کا ہدف ثابت نہیں ہے۔

---

[1] دیکھیں: (صفحہ: ۸۰۳، ۸۲۱، ۸۲۲)

[2] سير أعلام النبلاء (١/١٢٣)

(6) سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو دو مرتبہ زہر دینے کی کوششوں سے قبل ایک واقعہ رونما ہوا، وہ یہ کہ بعض کوفیوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو پے در پے رسائل بھیجے، جن میں انھوں نے آپ کو صلح توڑ دینے اور دوبارہ خلافت کا مطالبہ کرنے کی دعوت دی۔ یاد رہے کہ تب کوفہ تشیع کی وجہ سے معروف تھا، مگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔[1] اس بنا پر ان کی ناراضی مزید بڑھ گئی۔

اسی لیے وہ اپنے پرانے طریقے پر چل نکلے، جس کی ابتدا انھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دنوں میں کی تھی۔ اور وہ راستہ ہے سازش کرنے کا اور اس کا الزام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر لگانے کا، تاکہ صلح توڑی جا سکے۔

ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا مراسلات سے اعراض کرنا ہی قرینہ ہے، ان پر حملے کی سازش کا۔

ضعیف روایت کا بیان:

[607] امیر المومنین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو دوسرے حملے کا واقعہ پیش آیا اس کے بارے میں ابو مخنف نے ایک نہایت طویل روایت بیان کی ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ جس خارجی شخص نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا تھا، اس کا نام جراح بن سنان اسدی تھا۔ اس نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: جس طرح آپ کے باپ نے اس سے پہلے شرک کیا، آپ بھی شرک کے مرتکب ہوئے ہیں۔ پھر حملہ کر دیا۔[2]

---

(1) [رقم: ۵۹۱] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیں۔

(2) یہ روایت المفید نے الإرشاد (۲/۷- ۱۲) میں ذکر کی ہے۔ کہتا ہے: ابو مخنف لوط بن یحییٰ نے بیان کیا، وہ کہتا ہے: مجھے اشعث بن سوار نے ابو اسحاق السبیعی وغیرہ سے بیان کیا، وہ سب کہتے ہیں:.....۔

ابو الفرج اصبہانی نے مقاتل الطالبیین (ص: ٦٢- ٧٢) میں ذکر کیا ہے۔ کہتا ہے: ابو مخنف نے اپنے راویوں سے ذکر کیا ہے۔ اس نے ابو مخنف کی سند ذکر نہیں کی۔ ابن ابی الحدید نے شرح نهج البلاغة (١٦/٣٣- ٤١) میں ابو الفرج اصبہانی سے اقتباس نقل کیا ہے۔ اسی طرح مستدرك الحاكم (٤٨٠٧) میں ہشام بن محمد الکلبی کی سند سے ابو مخنف سے مختصراً بیان کیا ہے۔ ابو مخنف نے اس کی سند ذکر نہیں کی۔ اسی طرح بلاذری نے اسے أنساب الأشراف (٣/٣٠- ٣٥) میں بغیر سند ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے: انھوں نے کہا:.... پھر اس روایت کو ذکر کیا۔ اسی طرح ابن الجوزی نے اس کو تلبیس إبلیس (٨٥- ٨٦) بغیر سند کے انتہائی مختصر بیان کیا ہے۔ اسی طرح ابن ابی الحدید نے شرح نهج البلاغة (١٦/٢٤- ٢٦) میں ذکر کیا ہے، وہ کہتا ہے: مدائنی نے بیان کیا۔ اس کو مدائنی نے بغیر سند کے مختصراً ذکر کیا ہے۔ مدائنی، بلاذری اور ابن الجوزی نے یہ روایت ابو مخنف سے لی ہے۔

یہ روایت موضوع ہے۔ اور صحیح روایات کی بہت سی تفاصیل کے صریح مخالف ہے۔[1] دراصل یہ روایت افواہوں کے سلسلے کی آخری کڑی ہے جو سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف سازشوں کے معاملے میں غالی شیعہ کا کردار چھپانے کے لیے گھڑی گئی ہیں۔ کیوں کہ یہ صرف ایک روایت ہے جس میں صریح الفاظ میں بیان ہوا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر دوسرے حملے میں خوارج ملوث تھے۔ اسی وجہ سے شیعہ کی قدیم ومعاصر کتب میں اس روایت کا تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ وہ کسی اَور روایت کا تذکرہ نہیں کرتے۔

اب یہاں ان گھڑنتوں کی مثالیں بیان کی جا رہی ہیں، جن میں ابومخنف نے صحیح روایات کی مخالفت کی ہے:

① ابومخنف کا خیال ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر دوسرا حملہ جراح بن سنان اسدی نے کیا۔ اس نے آپ پر ایک نوکدار آلے سے حملہ کیا، جبکہ یہ بات غلط ہے۔ آپ پر حملہ کرنے والا ابن اقیصر اسدی تھا اور اس نے زہر آلود خنجر سے آپ کی سرین پر حملہ کیا تھا۔

② جیسے جراح بن سنان نامی کردار ابومخنف کے قصہ میں بیان ہوا ہے۔ یہ کردار تخلیق کرنے سے اس کی غرض ومراد اصل معاملے کو چھپانا اور اصل تہمت سے بچنا ہے۔ کیونکہ اس شخصیت کا نام ایک مجرم خارجی کے کردار سے مناسبت رکھتا ہے اور اس کا نام جراح ہے، جب کہ اس کے والد کا نام سنان ہے۔ ''سنان'' نیزے کی نوک کو کہتے ہیں، یعنی نیزے کا وہ ہموار حصہ جو سرے پر ہوتا ہے۔[2]

سب سے پہلے ابومخنف نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملے کے ذیل میں جراح کے کردار کا ذکر کیا ہے۔ ابومخنف نے اس کے خارجی ہونے کی تفصیل کے ساتھ اسے ذکر کیا ہے۔ ابومخنف کے بعد جتنے بھی آئے ہیں، سب نے اسے ابومخنف سے ہی روایت کیا ہے۔ چاہے اس کی صراحت کی ہو یا نہ،

البتہ سیف بن عمر ضبی (بعد ۱۷۰ھ) نے جراح کے حسن رضی اللہ عنہ پر حملے کو ۲۱ھ کے واقعات میں ذکر کیا ہے[3] کہ جراح ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

---

① دوسرے حملے کا قصہ [رقم: ۵۵۷، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲] میں گزر چکا ہے۔ یہ شواہد کے ساتھ صحیح ہے۔

② تاج العروس (٣٥/٢٤١) مادة: سنن (میں نے اسے بالمعنی ذکر کردیا ہے)۔

③ اسے امام طبری نے اس سال ۲۱ھ کے واقعات میں سیف بن عمر کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ آئندہ حاشیہ ملاحظہ کیجیے۔ امام طبری نے ایک دوسری جگہ کہا ہے: سیف بن عمر نے کہا کہ واقعۂ نہاوند ۱۸ھ یعنی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کے چھٹے سال پیش آیا۔ تاريخ الطبري (٢/٥١٨)

کو ولایتِ کوفہ سے ہٹانے کے لیے ان پر الزامات رکھے تھے۔ تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے اس کو بد دعا دی تھی۔ سیف کہتا ہے: جراح کو اس دن تلواروں کے ساتھ قتل کر دیا گیا جس دن اس نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر ساباط میں ان کی بے خبری میں قاتلانہ حملہ کیا۔[1] سیف کی روایت میں ایسا کوئی ذکر نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ جراح خارجی تھا۔

میں کہتا ہوں: جراح بن سنان کے مقتل کا قصہ مدرج ہے[2] اور تاریخی واقعے کو مکمل کرنے کے لیے سیف بن عمر نے اس کا ادراج کیا ہے اور اس نے روایت کے اندر اس بات کا اضافہ کیا ہے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی بد دعا کے تقریباً ۲۰ برس بعد جراح بن سنان کا انجام کیا ہوا اور سیف بن عمر نے جراح بن سنان کا قصہ ابو مخنف سے لیا ہے۔

بہ الفاظِ دیگر جراح بن سنان کے مقتل کے قصے کا اضافہ سیف بن عمر نے اپنے پانچ شیوخ سے نہیں لیا، جن کے نام اس نے سند میں ذکر کیے ہیں، بلکہ ابو مخنف سے اس نے یہ الفاظ لے کر اپنے پانچ شیوخ کی حدیث میں درج کر دیے۔

جراح بن سنان کے مقتل کے قصے کے اِدراج پر دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

- سیف بن عمر نے اس قصے کو نہایت مختصر بیان کیا ہے اور اصلی قصے کے آخر میں زائد طور پر ذکر کر دیا ہے، (وہ قصہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے معزول کرنے کے سلسلے میں جراح کی چغلخوروی وملمع سازی کا قصہ ہے) سیف بن عمر نے یہ قصہ ایک تاریخی واقعہ مکمل کرنے کی غرض سے نقل کر دیا ہے، حالاں کہ جراح کے قتل اور ملمع سازی کے درمیان ایک بڑا زمانی فرق موجود ہے۔

اس قصے کے اِدراج پر یہ چار قرائن دلالت کرتے ہیں:

---

[1] امام طبری نے تاریخ الطبري (۵۲۲/۲) میں "عن سري عن شعیب عن سیف بن عمر" کے واسطے سے بیان کیا، سیف بن عمر کہتا ہے کہ یہ روایت محمد اور مہلب اور طلحہ اور عمر اور سعید نے بیان کی۔ اس میں دو واقعات کا تذکرہ ہے:
پہلا: سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کوفہ کی ولایت سے معزول کرنے کے سبب کا۔
دوسرا: جنگجوؤں کے ساتھ معرکۂ نہاوند کے سبب کا۔ ''سیف بن عمر'' ضعیف راوی ہے۔ امام ابن اثیر نے الکامل لابن الأثیر (۴۱۲/۲) میں اس سے کچھ اقتباس نقل کیا ہے۔

[2] یعنی جراح کے مقتل کا قصہ سیف کے شیوخ نے ذکر نہیں کیا، بلکہ جراح کے قصے کو مکمل کرنے کی غرض سے سیف نے اپنے شیوخ کی حدیث میں اضافہ کیا ہے۔ اس کو "مدرج المتن" کہا جاتا ہے اور اس کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ راوی حدیث کے اندر اپنے پاس سے کوئی چیز بڑھا دے جس سے حدیث اور اس اضافے کے مابین تمیز ممکن نہ ہو سکے۔

پہلا قرینہ: جراح کا قصہ اور اس کا قتل ابو مخنف کی ایک مستقل اور مفصل روایت میں بیان ہوا ہے، جس میں ۴۰ھ کے تمام واقعات کا تذکرہ ہے۔[1]

دوسرا قرینہ: راوی جب کسی واقعے کا اندراج کرنا چاہتے ہیں تو اکثر روایت کے آخر میں کرتے ہیں[2] اور سیف بن عمر نے بھی ایسا ہی کیا۔

تیسرا قرینہ: جراح کے مقتل کے قصے کا ذکر بہ طور فائدہ کیا گیا ہے[3] اور وہ ہے واقعہ کی پوری تفصیل فراہم کرنا، اور یہ اِدراج کا ایک داعیہ ہے، خصوصاً مورخین کے ہاں۔

چوتھا قرینہ: اصلی قصہ جو ۲۱ھ میں پیش آیا اور جراح بن سنان کے مقتل کا تکمیلی قصہ جو ۴۰ھ کے آخر میں رونما ہوا، ان کے مابین تقریباً ۲۰ برس کے لمبے عرصے کا فاصلہ موجود ہے۔

⦿ مزید یہ کہ سیف بن عمر گو ضعیف ہے لیکن اس نے یہ روایت پانچ شیوخ کی سند سے نقل کی ہے، پھر ان سب کی روایت جمع کر دی ہے۔ پھر اسی روایت کو ایک مسلسل قصے کے طور پر بیان کیا ہے۔ اسی چیز نے سیف کو اس اِدراج کی طرف متوجہ کیا، تاکہ تسلسل ایک بہتر طریقے سے مکمل ہو سکے۔

ثقہ راوی عموماً اگر روایت میں اِدراج کریں تو وہ اِدراج کی وضاحت کر دیتے ہیں، کیوں کہ وہ خبر کو اس کی نص کے ساتھ ہی نقل کرنا چاہ رہے ہوتے ہیں، لیکن سیف کے ہاں وہ ثقاہت اور ایسی حرص بھلا کہاں!!

سیف بن عمر کی روایت میں اندراج کو یہاں بیان کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے معلوم ہو جائے گا کہ جراح کے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے کا قصہ موضوع ہے۔ جس کو ابو مخنف نے گھڑ لیا ہے۔ ابو مخنف کے بعد آنے والے سب مورخین نے اسی سے لیا ہے، وہ چاہے صراحت کریں یا نہ کریں۔

◈ ۳ ابو مخنف کا دعویٰ ہے کہ یہ حملہ "مظلم ساباط"[4] کے مقام پر ہوا، جبکہ درست یہ ہے کہ یہ سانحہ مدائن میں پیش آیا۔

◈ ۴ ابو مخنف کا خیال ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر اس حجرے میں حملہ نہیں کیا گیا جس پر ڈاکا ڈالا گیا تھا، بلکہ اس کے مطابق حجرے کو لوٹ لیے جانے کے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ وہاں سے نکل کر اپنے گھوڑے پر بیٹھ

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۶۰۷]

[2] تیسیر مصطلح الحدیث لمحمود الطحان (ص: ۱۳۱)

[3] تحریر علوم الحدیث (۲/۶۸۲)

[4] یہ مدائن کے قریب ایک جگہ ہے۔ معجم البلدان (۵/۱۵۲)

کر کسی دوسری جگہ چلے گئے، پھر دیگر معاملات پیش آئے اور جراح بن سنان نے آپ پر حملہ کر دیا۔ جبکہ درست بات یہ ہے کہ ڈاکے کے وقت آپ پر حجرے ہی میں حملہ کیا گیا اور آپ پر حملہ کرنے والا ابن اقیصر نامی شخص تھا جس کا ذکر گزر چکا ہے۔

۵ ابومخنف کے مطابق سیدنا حسن رضی اللہ عنہ جب اپنا لشکر لے کر شام کی جانب روانہ ہوئے تو آپ نے "مظلم ساباط" میں قیام کیا، جبکہ درست یہ ہے کہ آپ اپنے لشکر کے ہمراہ مدائن میں خیمہ زن ہوئے۔

۶ ابومخنف کے مطابق جراح بن سنان نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: اے حسن! آپ کے باپ نے جیسے شرک کیا تھا آپ نے بھی ویسے ہی شرک کا ارتکاب کیا۔

اس کا جواب دو طرح سے ہے:

پہلا یہ کہ خوارج نے تحکیم کی رضامندی کو شرک قرار دیا تھا، جیسا کہ صحیح روایت میں ہے: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تو وہ سب لوگ مسجد کے کونے سے یہ کہتے ہوئے لپکے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلے گا اور ان میں سے ایک شخص اپنے کانوں میں انگلیاں دبائے ہوئے آپ کے سامنے آیا اور کہنے لگا:

﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ [الزمر: ٦٥]

''آپ کی طرف وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو وہ آپ کے اعمال ضائع کر دے گا، اور تو خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔''[1]

جہاں تک سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کرنے کی بات ہے تو کتبِ تاریخ اور کتبِ فرق میں ان کا تذکرہ نہیں ہے کہ خوارج نے اسے شرک سے تعبیر کیا ہو۔

یہ ابومخنف کا افتراء ہے، بلکہ یہ بات صحیح روایت سے ثابت ہے کہ صلح کے بعد تقریباً ۶۰۰ خوارج نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی،[2] اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کو شرک نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت کو امت کے لیے شرک قرار دینے والے غالی شیعہ ہیں، جیسا کہ شیعہ مصادر کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ ان روایات میں سے کچھ یہ ہیں:

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۲۶]

[2] دیکھیے: (ص: ۸۰۹-۸۱۰)

ابو عبداللہ سے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾ [الزمر: ٦٥] ''آپ کی طرف وحی کی گئی ہے کہ اگر آپ نے شرک کیا تو وہ آپ کے اعمال ضائع کر دے گا۔'' کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے کہا: یعنی اگر آپ نے ولایت میں کسی کو اس کا شریک بنایا۔[1]

علی بن ابراہیم قمی نے فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ ﴾ [الأنبياء: ٢٩] ''ان میں سے جو کہتا ہے کہ میں اس کے سوا الٰہ ہوں۔'' کی تفسیر میں کہا ہے: جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ امام ہے لیکن وہ امام نہیں ہے۔[2]

عیاشی نے ابو بصیر سے روایت کی ہے، وہ کہتا ہے: میں نے ابو عبداللہ کو کہتے ہوئے سنا: ﴿ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ [النحل: ٥١] ''تم دو الٰہ نہ بناؤ، وہ تو ایک ہی الٰہ ہے۔'' اس سے مراد ہے کہ تم دو امام نہ بناؤ، کیونکہ وہ ایک ہی امام ہے۔[3]

مجلسی کی کتاب ''بحار الأنوار'' میں ہے: ابو عبداللہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [النمل: ٦١] ''کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی الٰہ ہے؟ بل کہ ان کے اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔'' کی تفسیر میں کہتے ہیں: اس سے مراد امامِ ہدایت اور امامِ ضلال کا ایک ہی دور میں اکٹھے ہونا ہے۔[4]

صادق رحمہ اللہ، فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ [الأنبياء: ١٠٨] ''کہہ دیجیے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا الٰہ ایک ہی ہے، کیا تم اسلام لاؤ گے۔'' کی تفسیر میں کہتے ہیں: وصیت میرے بعد علی رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔ یہ آیت مشدد نازل ہوئی تھی۔[5]

ابو جعفر کہتے ہیں: یہ آیت: ﴿ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ ﴾ [المومن: ١٢] ''یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کو پکارا گیا۔'' ولایتِ علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے۔ ﴿ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ ﴾ یعنی علی کے ساتھ

---

[1] الكافي للكليني (١/٤٢٧، رقم: ٧٦)

[2] تفسير القمي (٢/٦٩، ٢٩٤)

[3] تفسير العياشي (٢/٢٦١)

[4] بحار الأنوار (٢٣/٣٦١)

[5] بحار الأنوار (٢٣/٣٥٧- ٣٥٨)

﴿ تُؤْمِنُوْا ﴾ یعنی جب کسی اور امام کا ذکر کیا جاتا ہے تو تم ایمان لاتے ہو۔ ﴿ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴾ [المومن: ١٢][1]

ابو جعفر اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ ﴾ ''تمھیں یہ عذاب اس وجہ سے ہے، کہ بلاشبہ جب تنہا اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا تھا تو تم (اس کی توحید کا) انکار کرتے تھے۔'' کی تفسیر میں کہتے ہیں: ولایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔ اور ﴿ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ ﴾ ''اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔'' اس کو جس کے پاس ولایت نہ ہو۔ ﴿ تُؤْمِنُوْا فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴾ [المومن: ١٢] ''تو تم (اس شرک کو) مان لیتے تھے، اب حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو نہایت برتر اور بہت بڑا ہے۔''[2]

ان روایات کو مجلسی نے باب ''مومنین کی تاویل اور ایمان اور مسلمین اور اسلام، ائمہ پر، ان کی ولایت پر، اور کفار، مشرکین، کفر، شرک، ، جبت، طاغوت، لات، عزیٰ اور اصنام کا ان کے دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ بیان۔''

میں کہتا ہوں: یہ بات واضح ہے کہ مجلسی کے نزدیک شرک کا معنی اہلِ بیت کے دشمنوں اور مخالفین سے عداوت رکھنا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ:

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ [حم السجدة: ٦- ٧]

''کہہ دیجیے، میں تمھارے جیسا بشر ہوں، میری طرف بھی وحی کی جاتی ہے، بے شک تمھارا إلٰہ ایک ہی ہے، اس کی طرف کھڑے ہو جاؤ اور استغفار کرو، مشرکین کے لیے ویل ہے۔ جو زکات نہیں دیتے، وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔''

مجلسی نے اس کی ''تفسیر'' میں ابو عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ''ان مشرکوں کے لیے ویل ہو، جنھوں نے امام اوّل کے ساتھ شرک کیا، وہ دوسرے ائمہ کے ساتھ بھی کفر کرتے ہیں۔''[3]

---

[1] بحار الأنوار (٢٣/٣٦٣)

[2] بحار الأنوار (٢٣/٣٦٤)

[3] بحار الأنوار (٢٣/٨٣- ٨٤)

حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ اہلِ بیت ان تفاسیر سے بری ہیں جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنے کی بنا پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر شرک کا الزام لگایا گیا ہے، تو آپ کو موردِ اِلزام ٹھہرانے والے غالی شیعہ تھے، کیونکہ وہ لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امامت کو شرک سمجھتے تھے، اور یہ بات مصادرِ شیعہ میں منقول ہے۔

اس کے بعد ابو مخنف نے ان کے موقف کو چھپانے کے لیے یہ الزام خوارج پر دھر دیا۔ باوجود اس کے کہ ان کی بابت تو یہ قول معروف بھی نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ انھوں نے ایسا کچھ نہیں کہا، کیونکہ ان میں سے ایک جماعت نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔

⊙ **دوسری وجہ** یہ ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تحکیم اور حکمین مقرر کرنے پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے اتفاق نہیں رکھتے، تو وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ جیسے تیرے والد نے شرک کیا؟ اس کا معنی تو یہ ہوا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے دین میں بندوں کو حاکم بنا ڈالا جس طرح اس سے قبل آپ کے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بنایا تھا؟ بلکہ یہ ابو مخنف کی جانب سے بہتان ہے۔ اس کے علاوہ دیگر بھی کھلے افتراءات اور مخالفات ہیں جن میں ابو مخنف نے صحیح روایات کی مخالفت کی ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ جن لوگوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر افواہیں گھڑیں، جن لوگوں نے آپ کی طرف صلح ختم کرنے اور خلافت کا مطالبہ کرنے کے خطوط لکھے اور جنھوں نے آپ کے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو مراسلے بھیجے، پھر انھیں ذلیل ورسوا کیا، وہ سب اس گروہ میں سے تھے جنھوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر دو مرتبہ حملہ کیا اور آپ کو کہا: اے مومنوں کو ذلیل وخوار کرنے والے! السلام علیکم![1]

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ پر دو مرتبہ حملہ کرنے والی وہی جماعت تھی جنھوں نے آپ کو زہر پلایا، حتی کہ آپ ان کی غداری کے باعث راہِ خدا میں اصلاحِ امت، اس کی وحدت اور خون بہنے سے روکنے کی خاطر جامِ شہادت نوش کر گئے۔

اسی طرح سیدنا حسن رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے مطمئن ہو گئے اور خلافت پر آپ کی بیعت کر لی۔ آپ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مومن صادق اور دین وعقل اور رائے میں اپنے ہم پلہ سمجھتے تھے کہ آپ کے ہاتھ میں خلافت کی باگ ڈور تھما دی جائے، یہ نہایت عظیم امانت تھی، جسے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اس کے صحیح حق دار کو دے دیا۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۶۰۴]

صلح کر کے خیر کا کارنامہ سرانجام دیا جس کی بشارت آپ کے نانا رسول اللہ ﷺ نے دی تھی۔ اور اس سے قبل انبیائے بنی اسرائیل نے بھی دی تھی۔[1] سیدنا حسن رضی اللہ عنہ وہ شخصیت تھے جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھیجے گئے، تحائف اور ہدایا قبول فرما لیا کرتے تھے۔[2]

فتنۂ صفین، اس کے اسباب، نیز اس کے جنگی معرکے کی تفاصیل، اشتر نخعی کا لشکر سمیت جیشِ خلافت سے الگ ہو جانا اور پھر اس کا رجوع، پھر اجتماعِ حکمین کی تفاصیل، خوارج کا معاملہ اور جیشِ عراق کا امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے پیچھے ہٹ جانا، پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حملے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بعض والیوں کی خیانتیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور سیدنا معاویہ وحسن رضی اللہ عنہما دونوں پر دو مرتبہ حملہ، اسی طرح خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی شہادت، عراق، شام اور مصر میں کبار صحابہ کو قتل کرنے کی خوارج کی منصوبہ بندی کا بیان اور دیگر واقعات جو نتائج فتنۂ صفین کے باعث برآمد ہوئے۔ ان سب سے حق کھل کر سامنے آتا ہے کہ اس پرخار فتنے کی جڑ کاٹنے کے لیے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے منصبِ خلافت سے دستبردار ہونے سے افضل کوئی حل نہیں تھا اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اس کا یقین تھا، کیونکہ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی تھی کہ وہ سردار ہیں۔ عنقریب ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان اللہ تعالیٰ صلح کروائے گا۔ لہٰذا سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اس نبوی بشارت کو سچ کرنے کی غرض سے دومۃ الجندل گئے، تاکہ حدیث میں مذکور فضیلت کی برکات سے اپنا دامن بھر لیں۔

اللہ تعالیٰ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر رحم فرمائے اور ہمیں اپنی نعمتوں بھری جنتوں میں ان کے ہمراہ اکٹھا فرمائے۔ آپ مسلم نوجوانوں کے لیے عقیدے، منہج اور اخلاق میں بہترین نمونہ تھے۔

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مدحِ صحابہ میں فرمایا:

أَكْرِمْ بِقَوْمٍ رَسُولُ اللّٰهِ شِيعَتُهُمْ ... إِذَا تَفَرَّقَتِ الْأَهْوَاءُ وَالشِّيَعُ[3]

---

(1) [رقم: ۲۵۷] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

(2) سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے تحائف و ہدایا کو قبول کرنے کا بیان۔ ملاحظہ ہو: [رقم: ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱]

(3) دیوان حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (ص: ۲۰۶) یہ ایک طویل قصیدے کا شعر ہے جس کا مطلع پیشِ خدمت ہے:

إِنَّ الذَّوَائِبَ مِنْ فِهْرٍ وَإِخْوَتِهِمْ ... قَدْ بَيَّنُوا سُنَّةً لِلنَّاسِ تُتَّبَعُ

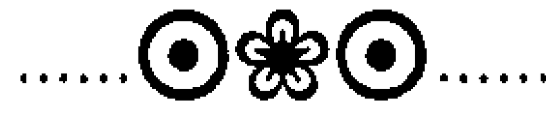
اس قصے کی مناسبت کو امام طبری نے تاریخ الطبري (۱۸۸/۲-۱۹۰) میں طویل قصے میں ذکر کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہمیں ابن حمید نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں سلمہ نے ابن اسحاق کے واسطے سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن ←

''جب خواہشات اور لوگوں کے گروہ الگ الگ ہوجائیں تو تم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے ذریعے عزت حاصل کرو۔''

میں اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ وہ اس عمل کو خالص اپنے چہرے کے لیے بنا دے، اور اسے نفع مند بنا دے، وہی بہترین کارساز اور اس پر قادر ہے۔ وصلى الله وسلم على نبينا محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين، والحمد لله رب العالمين.

مولف

فواز بن فرحان بن راضی الشمری



← قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر نے بیان کیا، وہ دونوں کہتے ہیں: ...۔ اس کے بعد امام طبری نے باقی یہ روایت بیان کی۔
دیکھیں: السيرة النبوية لابن هشام (٤٣٧/٤)

اس کتاب کے ضمیمہ جات

''بشر بن غالب اسدی'' کا تعارف

بشر بن غالب اسدی کوفی، اس نے سیدنا حسین بن علی، سیدنا ابو ہریرہ[1] رضی اللہ عنہم اور اپنے بھائی بشیر بن غالب سے روایت کیا ہے۔ اور اس سے سعید بن عمرو بن اشوع ہمدانی، عبداللہ بن شریک عامری، اعمش، ابوالشعثاء جابر بن زید ازدی یحمدی بصری نے روایت لی ہے۔

امام بخاری اور امام ابو حاتم رحمہما اللہ نے اس کی بابت سکوت اختیار کیا ہے، اور ابن حبان نے اسے ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کشی نے اسے رجالِ شیعہ میں ذکر کیا ہے۔ ازدی فرماتے ہیں کہ یہ متروک ہے۔[2]

سیرت:

یہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے تھا۔ اس نے آپ سے علم لیا تھا،[3] پھر ۶۱ھ میں عراق میں اس نے آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔ پھر وہ بہت نادم ہوا۔

[**608**] عبداللہ بن شریک بیان کرتے ہیں: بشر بن غالب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھی تھا اور ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔ پھر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قبر پر آ کر اس کی مٹی میں لوٹ پوٹ ہوتا اور روتا رہتا تھا۔[4]

---

1. کتاب ''خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة'' [رقم: ۳۷] پر اس بارے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت آ رہی ہے۔
2. الطبقات الكبرى (٣٠٠/٦) اہلِ کوفہ کے تابعین میں اسے دوسرے طبقہ میں ذکر کیا ہے۔ دیکھیے: التاريخ الكبير (٨١/٢) الجرح والتعديل (٣٦٣/٢) الثقات (٦٩/٤) ديوان الضعفاء (٥٩٩) ميزان الاعتدال (٣٢٢/١) لسان الميزان (٢٨/٢) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٣٨/٣)
3. بطور مثال دیکھیے: مصنف ابن أبي شيبة (٢٤٥٩٨، ٣٢١٣٢، ٣٢١٣٣، ٣٣٥٦٣، ٣٣٩٣٨، ٣٨٥١٥)
4. المعرفة والتاريخ (٧٥٤/٢) اس روایت کی سند حسن ہے۔ سفیان سے مراد: ابن عیینہ ہے۔

←

یہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے عہدِ خلافت میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا صاحبِ شرطہ تھا،[1] اور اس نے راہِ خدا میں خوارج سے قتال کیا، حتی کہ جامِ شہادت نوش کر لیا۔ اسی کو حجاج بن یوسف ثقفی نے شبیب بن یزید خارجی سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

بشر بن غالب اسدی اپنے ۵۰ ساتھیوں کے ہمراہ آیا، وہ سب صبر کے ساتھ لڑائی کرتے رہے، حتی کہ ۷۶ھ میں قتل ہو گئے۔ رحمهم الله.[2]

نسب:

اس کے دادا کے نام میں اختلاف ہے، جبکہ درست نام بشر بن غالب بن مالک بن جنادہ بن سفیان بن وہب اسدی کوفی ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی نسبت بشر بن غالب بن مالک بن جنادہ بن سفیان بن وہب بن کعب بن مالک بن ذؤیب بن والبہ تھی۔[3]

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے "الثقات" میں لکھا ہے: یہ بشر بن غالب بن جنادہ بن سفیان بن وہب بن مالک بن زؤیب بن والبہ بن حارث بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ ہے۔[4]

بلاذری نے لکھا ہے: یہ بشر بن غالب بن مالک بن ربیع بن کعب بن جنادہ بن سفیان ہے۔ فصیح بلیغ تھا، سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے شرطہ کا قائد تھا، حجاج بن یوسف ثقفی نے اسے شبیب خارجی کی جانب بھیجا تو اس نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا اور بشر اسدی شریف النفس شخص تھا۔[5]

← راوی کا یہ کہنا کہ "وہ قبر کی مٹی میں لوٹ پوٹ ہوتا۔"

میں (شمری) کہتا ہوں: یہ غلوِ ناپسندیدہ ہے۔ اس کے لیے رسوائی اور بدعت کو جمع کرنا ممکن نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے۔

1. أنساب الأشراف (١٥/٧)، (١٧٤/١١)
2. أنساب الأشراف (٢٣/٨) تاريخ الطبري (٥٦٩/٣- ٥٧١)
3. جمهرة أنساب العرب (ص: ١٩٤) الأعلام للزركلي (٢٥٩/٥) اور امام ابن حزم کے کلام پر اس کے محقق کی تعلیق ملاحظہ ہو۔
4. الثقات (٦٩/٤) لسان الميزان (٢٨/٢)
5. أنساب الأشراف (١٧٤/١١) اور اس کا ایک دلچسپ قصہ (٣٢٤/٦) پر مذکور ہے۔

امام طبری نے اپنی ''تفسیر'' میں حجاج کی مجلس میں اس کا لبید بن عطارد کے ساتھ ایک قصہ ذکر کیا ہے۔[1]

اس کا ایک بھائی تھا جس کا نام بشیر بن غالب اسدی کوفی تھا۔[2] اس نے اپنے بھائی بشر سے روایات بھی نقل کی ہیں اور یزید بن ابی زیاد نے اس سے روایات نقل کی ہیں۔

اس کا دوسرا بھائی عبداللہ بن غالب تھا۔[3]

اس کے چچاؤں کے نام درج ذیل ہیں:

① حمل، ② اثیم، ③ زیاد، ④ بنو مالک بن جنادہ۔ جو قادسیہ کے دنوں میں تکلیفیں برداشت کرتے رہے، حمل جنگِ نہاوند میں قتل ہوا۔[4]

ابو ہیاج عمرو بن مالک بن جنادہ کو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا حاکم بنایا، پھر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں رے شہر کے والی مقرر ہوئے۔[5]

تمییز: اس نام کا ایک اور بھی ہے، وہ ہے: ابو مالک بشر بن غالب بن بشر بن [غالب][6] اسدی۔[7] وہ امام زہری سے روایت کرتا ہے۔

امام ازدی کے نزدیک مجہول ہے۔ ذہبی نے اپنے ''دیوان'' میں کہا کہ اس کا کوئی اتا پتا نہیں۔

[609] حسین بن بسطام کہتے ہیں: مجھے ابو مالک بشر بن غالب بن بشر بن غالب نے بیان کیا، انھوں نے زہری سے روایت کیا، زہری نے مجمع انصاری سے، انھوں نے اپنے چچا سے روایت کی کہ

---

① (٢٨٥/٢٢)، (٣٢٠/٢٢) تفسیر ابن کثیر (١٤٤/١٣) [سورة الحجرات: ٥]

② التاريخ الكبير (١٠١/٢) الجرح والتعديل (٣٧٧/٢) الثقات لابن حبان (١٠١/٦) بغية الطلب في تاريخ حلب (٤٧١٣/١٠)

③ لسان الميزان (٢٩/٢)

④ أنساب الأشراف (١٧٤/١١) جمهرة أنساب العرب لابن حزم (١٩٤) الأعلام للزركلي (٢٥٩/٥)

⑤ تاريخ الطبري (٤٧٩/٢)

⑥ جو بریکٹوں کے درمیان ہے وہ دولابی کی ''الکنیٰ والأسماء'' سے لیا گیا ہے۔ یہ ''اللسان'' میں نہیں ہے۔ ان دونوں نے ''الکنیٰ'' کے واسطے سے امام نسائی سے روایت کیا ہے۔

⑦ الكنىٰ والأسماء للدولابي (٩٧٥/٣)، (٩٨٠/٣) ديوان الضعفاء (٦٠٠) ميزان الاعتدال (٣٢٢/١) لسان الميزان (٢٨/٢)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے پاس عقل نہیں، اس کا کوئی دین نہیں۔'' ابو عبدالرحمٰن کہتے ہیں: یہ حدیث باطل ومنکر ہے۔[1]

[610] مجمع بن جاریہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حیا ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے، جس کے پاس حیا نہیں اس کا ایمان نہیں اور عقل کے ذریعے ہی ساری خیر کا ادراک ہوتا ہے۔ لہٰذا فاتر العقل کا کوئی دین نہیں۔''[2]

[1] الكنىٰ والأسماء للدولابي (۹۸۰/۳) ابو عبدالرحمٰن سے مراد: امام نسائی احمد بن شعیب رحمہ اللہ ہیں۔ امام البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ روایت منکر ہے، کیونکہ بشر مجہول راوی ہے۔ اسے امام ازدی نے بھی مجہول قرار دیا ہے اور امام ذہبی اور ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ سلسلة الأحاديث الضعيفة (۱)

[2] مكارم الأخلاق لابن أبي الدنيا (۱۱۱)

ضمیمہ: بعض استدراکات، بعض صحیح روایات

تالیفِ کتاب کا کام ختم ہونے کے ایک مدت بعد میں نے جس موقف پر قناعت کر لی وہ کچھ یوں ہے:

تاریخی روایات وہ سمندر ہے جس کا کوئی کنارا نہیں ہے۔ کتنی ہی ثابت شدہ تاریخی روایات مجھ سے چھوٹتی رہیں، اس سے پہلے جب بھی میں یہ گمان کر لیتا کہ میں نے اس تالیف میں جملہ روایات کا احاطہ کر دیا ہے تو تھوڑے ہی وقت کے بعد مجھ پر یہ انکشاف ہوتا کہ میری کتاب کی شرائط پر پوری اترنے والی اَور بھی روایات موجود ہیں تو انھیں بھی اپنی تالیف میں درج کرنے کے بعد میں روایت کی نئی ترقیم اور ردّ و بدل کی طرف مجبور ہو جاتا۔ حتی کہ مجھے یہ عمل کئی بار دہرانا پڑا۔ پھر اس پر قناعت کے پختہ ہونے جانے کے بعد مجھے اس کے سوا کوئی چارہ کار دکھائی نہ دیا کہ میں کتاب کے آخر پر ایک ضمیمہ رکھ دوں جس میں وقتاً فوقتاً وہ روایات اگلے ایڈیشنوں میں لکھتا جاؤں جن روایات کا مجھے بعد میں علم ہو۔ اس طرح بار بار ترقیم کے اعادے کی مشکل سے جان چھوٹ جائے گی۔ اور جدید روایات کے مفاہیم اور ان کے فوائد کو کتاب میں اس کی مناسب جگہ میں اضافہ کرنا آسان ہو جائے گا۔

نیکی وتقوے پر تعاون کے اصول کے پیشِ نظر میں معزز قاری سے یہ امید رکھتا ہوں کہ جب اسے ایسی روایات پر اطلاع ہو جو میرے علم میں نہ آسکیں تو وہ مجھے ان پر مطلع کرے گا تا کہ میں انھیں اس ضمیمے میں رکھ دوں۔ اور میں حاشیے میں اس کی نسبت اس کی طرف کر دوں گا جس نے مجھے اس روایت پر مطلع کیا ہو گا۔

[611] محمد بن عثمان بن ابی شیبہ نے اپنی ''تاریخ'' میں نقل کیا ہے، اسی طرح ''تاریخ دمشق'' اور ''بغیة الطلب'' میں بھی ہے۔ زفر بن حارث[1] کہتے ہیں: میں واقعۂ صفین میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

---

[1] ابوہذیل زفر بن حارث بن عبدعمرو بن معاذ کلابی شاعر ہے۔ یہ جنگِ صفین میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنگ کرنے آیا تھا اور معرکۂ صفین میں اہلِ قنسرین کا امیر تھا۔ اس کی روایات ابن عساکر وغیرہ نے نقل کی ہیں۔ ابو قاسم آمدی کہتے ہیں کہ یہ اپنے زمانے میں قیس کا سردار تھا اور امام ذہبی کہتے ہیں: یہ امرائے عرب میں سے تھا، جبکہ امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے اور ابن حبان نے اسے ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے۔ ←

کا سفیر تھا۔ مجھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا گیا تھا۔ جب میں ان کے پاس آیا تو وہ فرمانے لگیں: لوگوں میں سے کون کون شہید ہوا ہے؟ میں نے کہا: عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما جامِ شہادت نوش کر گئے ہیں۔ فرمانے لگیں: لوگ اس کے دین کی اتباع کرتے تھے۔ آپ فرمانے لگیں: اور کون شہید ہوا ہے؟ میں نے کہا: ہاشم اعور بھی شہید ہو گئے۔ کہا: یہ ایسا شخص تھا کہ جس کا جھنڈا گرایا نہیں جاتا تھا۔

راوی کہتے ہیں: میں نمازِ عشاء پڑھے بغیر سو گیا، ان کے گھر سے کسی نے مجھے جگانا چاہا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، یہ سفر کی وجہ سے تھک گیا ہے۔ اور نمازِ عشاء کو آدھی رات یا ایک تہائی رات تک مؤخر کرنا اسے نقصان نہ دے گا۔ خالد کو شک ہے۔[2]

← دیکھیے: التاريخ الكبير (٤٣٠/٣) الجرح والتعديل (٦٠٧/٣) تاريخ الرقة (ص: ٣٦) الثقات (٢٦٤/٤) المؤتلف والمختلف في أسماء الشعراء (ص: ١٦٥) تاريخ دمشق (٣٤/١٩) بغية الطلب في تاريخ حلب (٣٧٩٦/٨) تاريخ الإسلام (٤٠٣/٥) تبصير المنتبه (١٢٩٧/٤) الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة (٣١١/٤)

[2] تاريخ دمشق (٣٥/١٩) بغية الطلب (٣٧٩٧/٨) یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر صحیح ہے اور اس کی سند کے تمام رواۃ زفر بن حارث کے علاوہ ثقہ ہیں۔ زفر بن حارث کے حالات اس سے پہلے گذشتہ سے پیوستہ حاشیے میں گزر چکے ہیں۔ دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاريخ دمشق (١٣٩/١)

شواہد: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول یہ ایسا شخص تھا کہ جس کے دین دار ہونے کی بنا پر لوگ اس کی اتباع کیا کرتے تھے۔

جنگِ جمل میں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول شاہد ہے کہ اللہ کی قسم! میرے علم کے مطابق آپ حق بات کا پرچار کرنے والے تھے۔ دیکھیے: [رقم: ٦١٢] اور سنن ترمذی (٣٧٩٩)، [(٤١٣٢) ت: شعیب] میں اسی معنی کی ایک مرفوع روایت آئی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمار کو دو معاملات میں اختیار دیا گیا تو اس نے ان میں سے سب سے بہتر کو منتخب فرمایا۔ امام البانی اور شعیب ارناؤط نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درخشندہ ستارہ تھے۔ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما جنگِ صفین میں جہاں بھی جاتے اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اتباع کرتے۔ دیکھیے: [رقم: ٣٢٨]

ہاشم بن عتبہ اعور مرقال کے مقتل کا قصہ [رقم: ١١٥، ٣٢٨] پر دیکھیے۔ البتہ جہاں تک اس روایت کے آخری الفاظ کا تعلق ہے کہ "پھر میں آغوشِ نیند میں چلا گیا۔" اس کی شاہد وہ روایت ہے جسے امام مسلم (١١٥/٢) نے نقل کیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عشاء کو مؤخر کر دیا حتی کہ رات کا اگلا حصہ جاتا رہا اور اہلِ مسجد کو نیند آ گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے کہ اگر مجھے اپنی امت پہ مشقت کا خدشہ نہ ہوتا تو اس کا یہی وقت ہے۔ اس سے مراد نمازِ عشاء یعنی صلاۃ العتمہ ہے اور "أعتم" سے مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عشاء کو مؤخر کر کے ادا کیا، حتی کہ رات کا ایک حصہ جاتا رہا، ←

ان کا قول: ''ان کے گھر سے کسی نے مجھے جگانا چاہا تو سیدہ عائشہ نے فرمایا اسے چھوڑ دو۔'' اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ وہ سفر سے اس وقت آئے ہوں گے، جب مسجد میں جماعت ہوچکی ہوگی۔

ان کا قول: ''میں واقعۂ صفین میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا سفیر تھا، مجھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا گیا تھا۔'' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحکیم سے قبل اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد اسے بطور قاصد ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا تھا، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ نے اسے صلح کے بعد اور صفین سے واپسی سے قبل بھیجا ہو۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اوائل میں سے تھیں سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور ہاشم المرقال کی شہادت کی خبر ملی، ''اوائل'' سے میری مراد: اوائلِ اہلِ حجاز ہیں، کیوں کہ اہلِ عراق اور اہلِ شام تو یہاں سے بہت قریب تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول: ''یہ ایسا شخص تھا کہ جس کا جھنڈا گرایا نہیں جاتا تھا۔'' مراد ان کی شجاعت اور شدید جنگ تھی۔ یعنی کسی کی جرات نہ تھی کہ جب وہ اپنا جھنڈا لے کر جنگ میں کود پڑے تو اس کے جھنڈے کو پیچھے کر سکے۔ بالفاظِ دیگر یہ کہ جب آپ رضی اللہ عنہا کو ہاشم المرقال کی شہادت کی خبر ملی، تو ان کا خیال تھا کہ جیسا وہ شدید جنگجو تھا اسے تو جنگ میں قتل نہیں کیا جاسکتا۔

یہ دلیل ہے کہ اس کی موت سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا غمگین تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول: ''یہ شخص تو ایسا تھا جس کے دین کی لوگ اتباع کرتے تھے۔'' اس سے آپ عمار رضی اللہ عنہ کی تعریف، ہدایت اور قدوہ اور تقویٰ کو بیان کر رہی تھی، یعنی وہ متقی و راشد تھے اور دین کے معاملے میں لوگوں کے لیے اُسوہ تھے۔

➜ یعنی اندھیری رات ہوگئی اور ''عامة الليل'' سے مراد رات میں سے کافی حصہ بیت گیا۔ دیکھیے: المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي (١٣٨/٥)

تخریج: اسے ابوعلی محمد بن سعید بن عبدالرحمٰن قشیری نے تاریخ الرقة (ص: ٣٦) میں اور اسی واسطے سے ابن عساکر (۱۹/۳۴-۳۵) نے اور ابن عدیم (۸/۳۷۹۶-۳۷۹۷) نے اسے نقل کیا ہے کہ ہمیں ہلال بن علاء نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں حسین بن عیاش نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں جعفر نے یہ روایت اختصار کے ساتھ بیان کی۔ امام بخاری نے التاريخ الكبير (٢٥٤/٢) میں جشنہ بن العلاء سے زفر کے واسطے سے یہ روایت مختصراً بیان کی اور فرمایا: ''نصف الليل'' کے الفاظ میں کوئی شک نہیں۔ جشنہ کو جشہ بھی کہا جاتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت بھی بیان کی ہے جو اسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو دو معاملات میں اختیار دیا گیا تو اس نے زیادہ ہدایت والے راستے کو چنا۔''[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول: ''یہ شخص تو ایسا تھا جس کے دین کی لوگ اتباع کرتے تھے۔'' مندرجہ ذیل امور پر دلالت کرتا ہے:

- یہ دلیل ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے صفین میں شہید ہو جانے کی خبر ملی تو وہ بہت غمگین ہوئیں، اسی لیے ان کی تعریف کی۔
- اس میں صفین سے متعلق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف کی وضاحت ہے، وہ سیدنا علی و عمار رضی اللہ عنہما کی جماعت کو اہلِ شام کی نسبت زیادہ حق پر سمجھتی تھیں۔ کیونکہ انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کی صفت یہی بیان کی تھی کہ وہ دین میں اُسوہ ہیں۔

شاید یہ کلام سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیثِ نبوی: ''عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔''[2] کے علم کی بنا پر کیا ہو۔ یہ ثابت ہے کہ جمل کے دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے سامنے ان کی تعریف کی تھی۔

[612] ابو یزید مدینی[3] بیان کرتے ہیں: جب لوگ فارغ ہو گئے تو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''ام المومنین! یہ اس وعدے سے کتنی دوری ہے، جو آپ سے کیا گیا تھا؟ تو سیدہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: کیا آپ ابوالیقظان ہیں؟[4]

---

[1] سنن الترمذي (٣٧٩٩)، [(٤١٣٢) ت: شعيب] اسے امام البانی اور شعیب ارناؤط نے صحیح قرار دیا ہے۔

[2] صحيح البخاري (٤٣٦) یہ کامل روایت اپنی شرح سمیت گزر چکی ہے۔ دیکھیے: [رقم: ٣٤٧]

[3] ابو یزید مدینی، ایک قول کے مطابق ''مدنی'' ہے، اس کا نام مجھے نہیں مل سکا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی ایک روایت ''صحيح البخاري'' میں نقل کی ہے۔ ابن معین اور امام ذہبی نے ''الكاشف'' میں اسے ثقہ قرار دیا ہے اور امام ابوداود کہتے ہیں: میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: آپ ایسے شخص کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جس سے ایوب نے روایت کیا ہے۔ امام ابو حاتم کہتے ہیں: اس کی حدیث کو لکھا جائے گا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: مجھے اس کا کوئی پتا نہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کی روایت مقبول ہے اور ''تحرير التقريب'' میں آیا ہے کہ یہ صدوق حسن الحدیث راوی ہے۔ دیکھیے: الكاشف (٦٩٠٢) تهذيب الكمال (٤٠٩/٣٤) تقريب (٨٤٥٢)

[4] ''ابوالیقظان'' یہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے۔

انھوں نے کہا: جی ہاں، تو فرمایا: اللہ کی قسم! آپ حق کہتے تھے۔ تو انھوں نے کہا: سب تعریفوں کے لائق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، جس نے آپ کی زبان سے میرا فیصلہ فرما دیا۔[1]

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے قول: ''ام المومنین! یہ اس وعدے سے کتنی دوری ہے، جو آپ سے کیا گیا تھا؟'' سے ان کی مراد فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ﴾ [الأحزاب: ٣٣] ''تم اپنے گھروں میں ٹھہرو'' ہے۔

راوی کے قول: ''جب قوم فارغ ہوگئی'' سے اس کی مراد جنگِ جمل سے فارغ ہونا ہے۔

روایت اس بات کی دلیل ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فوراً جمل جانے پر نادم تھیں اور اس بات کی معترف تھیں کہ عمار رضی اللہ عنہ کا موقف درست تھا۔

آپ جمل میں اپنے اجتہاد کی بنا پر شامل ہوئی تھیں، اور اصلاحِ امت کے ارادے سے آئی تھیں، تاکہ لوگ ان کی عزت اور زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا لحاظ کرکے باہم صلح کرلیں، مگر آپ کو علم نہ تھا کہ معاملات اس حد تک چلے جائیں گے۔ سبائیوں کی وجہ سے فریقین کے ارادے کے بغیر جنگ چھڑ جائے گی۔[2] اس بنا پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف تھا کہ جنگِ جمل اور صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے متبعین حق کے ساتھ تھے۔

دیگر درست روایات سے پتا چلتا ہے کہ صفین میں آپ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی حقانیت بالکل واضح ہوگئی تھی۔ لیکن واقعۂ نہروان کے بعد آپ کو اس کا کامل علم حاصل ہوگیا تھا، کیوں کہ آپ اہلِ نہروان اور ذو الثدیہ وغیرہ کی خبروں پر بے حد حریص تھیں۔ پھر نہروان کے بعد آپ رضی اللہ عنہا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی صحت کو بیان کرنے لگی تھیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی۔ جیسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مسافر سے کہا تھا: ''اس کے لیے خوش خبری ہو، جو ان کی ہلاکت میں حاضر ہوا۔''[3] مراد اہلِ نہروان تھے۔ اور سیدہ نے یہ بات سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی کے دوران میں کہی تھی۔

---

[1] تاریخ الطبري (٦١/٣) اس روایت کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی نے فتح الباري (٥٨/١٣) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن احمد سے مراد: ابن محمد بن شبویہ ہے اور سلیمان سے مراد: ابن صالح لیثی ہے جو سلمویہ کے نام سے معروف ہے اور عبداللہ سے مراد: امام ابن مبارک ہیں۔ ان کے حالات کا تذکرہ ''خطبة الحسن ومعاوية رضی اللہ عنہما عند البيعة'' میں عنقریب آئے گا۔ [رقم: ١٥]

[2] تاریخ الطبري (٣٩/٣) البداية والنهاية (٢٦٦/٧) منهاج السنة (٤٦٥/٤- ٤٦٦)

[3] دیکھیے: [رقم: ٤٧٩]

یعنی آپ رضی اللہ عنہا فتنۂ صفین کے زمانے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کو حق پر سمجھتی تھیں۔ اور دلیل سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے لیتی تھیں، لیکن ہم تک جو خبریں پہنچی ہیں، ان میں یہی ہے کہ آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی صحت کے بارے میں لوگوں کو نہروان کے بعد ہی بتانے لگی تھیں۔ اس کا سبب بھی معلوم ہے، وہ یہ کہ زمانۂ فتن میں اکثر حق کے ساتھ باطل مل کر اسے گدلا کر دیتا ہے۔ جب فتنہ سر اٹھاتا ہے تو ابہام بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔

شاید یہ حالت بہت سے صحابہ کی تھی، کیوں کہ صفین کے روز سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت اور نہروان میں خوارج کی ہلاکت سے حق واضح ہو گیا تھا، جسے اکثر لوگوں کی آنکھوں سے کسی چیز نے اوجھل کر رکھا تھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ذو الثدیہ، خوارج کی خبروں کی جستجو اور لوگوں کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی حقانیت بیان کرنا:

پہلی دلیل: عبداللہ بن شداد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا، ہم بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے، جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا تھا، اور وہ عراق سے ہی آیا تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس سے کہنے لگیں: عبداللہ بن شہداد! میں جس بارے میں سوال کر رہی ہوں کیا تو سچ سچ بتانے والا ہے؟ تو مجھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہونے والوں کی بابت بتلا رہا ہے، وہ کہنے لگا: میں بھلا آپ سے جھوٹ کیوں کہوں گا؟ فرمایا: پھر ان کا قصہ بتلائیے؟

پھر انھوں نے خوارج کے خروج اور سیدنا علی و ابن عباس رضی اللہ عنہم کے مناظرے کے متعلق بتایا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ابن شداد! تو پھر کیا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں قتل کر دیا؟ کہا: اللہ کی قسم! آپ نے تب تک ان سے جنگ نہ کی جب تک انھوں نے راستہ نہیں کاٹا اور ناجائز خون ریزی نہیں کی۔ انھوں نے ابن خباب رضی اللہ عنہما کو قتل کر دیا اور ذمیوں پر ظلم کرنا جائز سمجھا۔ سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: کیا اللہ کی قسم! ایسا ہی ہوا؟ کہا: اللہ کی قسم! وہ اللہ جس کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔ فرمایا: مجھے اہلِ عراق کی صرف ایک چیز کا علم ہے، جس کا وہ تذکرہ کیا کرتے تھے۔

وہ ذوالثدی ذوالثدی کہتے تھے۔ ابن شداد نے کہا: میں نے یقیناً اسے دیکھا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مقتولین میں اس کے پاس بھی کھڑا رہا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بلا کر کہا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ کوئی کہتا کہ میں نے اسے بنو فلاں کی مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی حتمی بات نہ کہہ

سکا جس سے اس کی شناخت ہو سکے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ پھر علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ عراق کے گمان کے بارے میں کیا کہنا تھا؟ ابن شداد نے کہا: میں نے انھیں کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگی: کیا آپ نے اس کے علاوہ کوئی اَور بات سنی؟ کہا: نہیں اس پر سیدہ نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ علی رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے، وہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کلام سنتے جو انھیں پسند آتا تو کہا کرتے تھے: اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا۔ تو اہلِ عراق ان کی تکذیب کرنے لگے اور ان کے متعلق جھوٹ گھڑنے لگے۔[1]

جیسا کہ سابقہ روایت میں بیان ہے کہ یہ قصہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد معلوم ہوا۔

دوسری دلیل: اس مسافر آدمی کا قصہ جو کوفہ میں آیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہونے کی اجازت طلب کی، وہ ان سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا تھا۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا کہ تم امیر المومنین سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ تو اس نے کہا: میں عمرہ پر گیا تھا تو وہاں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، انھوں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں جنھوں نے تمھاری زمین میں خروج کیا ہے، جنھیں حروریہ کہا جاتا ہے؟ ... فرمایا: کیا تو نے ان کی ہلاکت کا مشاہدہ کیا ہے؟ ...تو سیدہ نے کہا: خوش نصیب ہے وہ شخص جو ان کی ہلاکت والی جگہ پر حاضر ہوا۔ اللہ کی قسم! اگر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ چاہتے تو تمھیں ان کے بارے میں ضرور بتاتے، میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس سے متعلق سوال کو حاضر ہوا ہوں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب وہاں سے فارغ ہوئے تو کہا: کہ اجازت طلب کرنے والا کہاں ہے؟

راوی کہتے ہیں: وہ کھڑا ہوا اور اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وہی کچھ بتایا جو ہمیں بتا چکا تھا۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے "لا إله إلا الله" اور "الله أكبر" کہا۔ دو مرتبہ نعرہ بلند کیا، پھر فرمانے لگے: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا آپ کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "علی! تیرا اور ایسی ایسی قوم کا کیا حال ہو گا؟" عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا: "ایک قوم مشرق سے نمودار ہو گی، وہ قرآن کی تلاوت تو کریں گے مگر ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکلتا ہے۔ ان میں ایک شخص ناقص الخلقت ہو گا۔ اس کا ہاتھ حبشی عورت کے پستان کی مانند ہو گا۔"

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۷۹]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا میں نے تمھیں ان کے بارے میں بتا دیا ہے؟ تو وہ کہنے لگے: جی ہاں! آپ نے پھر کہا: میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا تم کو میں نے بتا دیا ہے کہ وہ ان میں سے ہوگا؟ تو انھوں نے کہا: جی ہاں! پھر فرمایا: مگر تم مجھے بتاتے ہو کہ وہ شخص ان میں نہیں تھا۔ میں نے تمھارے سامنے قسم اٹھائی کہ وہ ان میں سے ہی تھا، انھوں نے کہا: جی ہاں! انھوں نے کہا: جیسے تمھیں اس کے اوصاف بتائے گئے، کیا تم اسے گھسیٹتے ہوئے میرے پاس نہیں لائے تھے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے ''لا إله إلا الله'' اور ''الله أكبر'' کا نعرہ بلند کیا اور تین مرتبہ فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا۔[1]

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۸۰]

مستدرك الحاكم (٦٧٤٤) میں ایک روایت نقل کی ہے جو درست نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن یحییٰ نے اور محمد بن محمد بن یعقوب حافظ نے بیان کیا، وہ دونوں کہتے ہیں: ہمیں محمد بن اسحاق ثقفی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں جریر نے، وہ اعمش سے، وہ ابو وائل سے اور انھوں نے مسروق کے واسطے سے بیان کیا، مسروق کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے کہا کہ میں نے خواب میں اپنے آپ کو ایک ٹیلے پر دیکھا اور میرے اردگرد بہت سی گائیں تھیں جنھیں ذبح کیا جا رہا تھا۔ مسروق کہتے ہیں: میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اگر آپ کا خواب سچا ہوا تو آپ کے اردگرد ضرور جنگ ہوگی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: میں آپ کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتی ہوں، آپ نے کس قدر بری بات کی۔ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: شاید معاملہ اسی طرح ہی ہو، اگرچہ آپ کو برا لگے۔ سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: اللہ کی قسم! مجھے آسمان سے گرنا ایسا کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اس کے بعد جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا گیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ذوالثدیہ کو قتل کر دیا ہے تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مجھ سے کہنے لگیں: جب آپ کوفہ جائیں تو مجھے اہلِ مدینہ کے جو لوگ اس جنگ میں شریک ہوئے، ان میں سے جنھیں آپ جانتے ہوں ان کے نام مجھے لکھ کر بھیجنا۔ مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب میں کوفہ پہنچا تو میں نے لوگوں کے کئی گروہ دیکھے تو میں نے ہر گروہ میں سے ۱۰ لوگوں کے نام لکھ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیے جو اس جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ مسروق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پھر میں ان کی حاضری کی خبر لے کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلا آیا تو آپ فرمانے لگیں: اللہ عمرو بن عاص پر لعنت کرے، اس نے مجھے یقین دلایا تھا کہ اس نے اسے مصر میں قتل کر ڈالا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ حدیث شیخین کی شروط کے مطابق صحیح ہے، مگر انھوں نے اسے نقل نہیں کیا۔ امام ذہبی کہتے ہیں: یہ حدیث امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی شرط پر ہے۔

میں (شمری) کہتا ہوں: یہ روایت شذوذ اور علت کی بنا پر ضعیف ہے۔ جریر سے مراد: ابن عبدالحمید ہے اور ابو وائل سے مراد شقیق بن سلمہ ہے۔

←

◄ اگر اس روایت کے شذوذ کی بات کی جائے تو ابو معاویہ ضریر امام اعمش کے بارے میں جریر سے روایت کرنے کی نسبت زیادہ اثبت ہے۔ انھوں نے لعن کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ اس روایت کو مختصر بیان کیا اور محض سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا خواب بیان کیا۔ امام احمد اور ابن معین کا قول دیکھیے: تهذيب التهذيب (۱۳۸/۹)

یہ روایت ابن ابی شیبہ نے (۳۱۱۵۳) میں بیان کی ہے کہ ہمیں ابو معاویہ نے اعمش سے بیان کیا، انھوں نے شقیق سے اور انھوں نے مسروق کے واسطے سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا، سیدۂ کائنات رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو ایک ٹیلے پر دیکھا، گویا میرے اردگرد بہت سی گائیں ذبح کی جا رہی تھیں۔ مسروق کہنے لگے کہ اگر آپ اپنے ساتھ ایسا نہ ہونے کی استطاعت رکھتی ہیں تو ایسا کر گزریے۔ مسروق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر رحم فرمائے! انھیں اس طرح آزمایا گیا۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ مزید یہ کہ اعمش کی حصین بن عبدالرحمٰن السلمی کی طرف سے ابو معاویہ کے بارے میں روایت سے متابعت کی گئی ہے۔

نعیم بن حماد نے ''الفتن'' (۱۸۱) میں اس روایت کو نقل کیا ہے کہ ہمیں ہشیم نے حصین سے، انھوں نے ابو وائل سے مسروق کے واسطے سے یہ روایت مختصر بیان کی جس میں خواب اور اس کی تعبیر اور جنگِ جمل کا واقعہ ہے۔ اس روایت میں حصین نے لعن اور ذوالثدیہ کے قصے کا تذکرہ نہیں کیا اور جس روایت میں لعنت کا ذکر ہے وہ غیر متحمل آزمایش ہے، گو زیادتِ ثقہ ہے لیکن اس کی شدید نکارت اس کے شذوذ پر قرینہ ہے۔ اور امام حاکم رحمہ اللہ کے نزدیک ضعفاء کے واسطے کے علاوہ لفظ ''لعن'' کسی روایت میں مذکور نہیں ہے۔ اس کا بیان تخریج میں عنقریب آ رہا ہے۔

پہلی وجہ: جہاں تک اس کی علت کی بات کی جائے تو اہلِ نہروان اور ذوالثدیہ کو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کی روایت اتنا بڑا واقعہ ہے کہ اس دور میں کسی سے بھی مخفی نہیں ہے تو خصوصاً یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کس طرح مخفی رہ سکتا تھا اور خوارج سے قتال کرنا اور ذوالثدیہ کو قتل کرنے کا قصہ مشہور حدیثِ نبوی سے مربوط ہے۔ اور واقعۂ نہروان کے بارے میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ اہلِ عراق کے قریب ہی ہوا، کیونکہ اس واقعے کے بعد انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنگ کرنے کو ناپسند جانا اور وہ آپ سے دشمنی کرنے لگے۔ دیکھیے: (ص: ٦٩٤- ٦٩٥)

دوسری وجہ: یہ ہے کہ یہ خبریں چند ہی دنوں میں مختلف شہروں میں پھیل گئیں، مثلاً جنگِ صفین میں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا شہید ہونا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، جو مدینہ منورہ میں رہائش پذیر تھیں، آپ کو سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کے کچھ دنوں بعد اس کا علم ہوا۔ دیکھیے: [رقم: ٦١١] ، تو یہ ممکن نہیں کہ ذوالثدیہ کے مقتل کی حقیقت کا علم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور اہلِ مدینہ سے مخفی رہے اور انھیں اس کا علم نہ ہوا ہو، حتی کہ کئی ماہ یا کئی برس بعد مسروق نے آ کر انھیں اس کی بابت خبر دی۔ امام حاکم کی روایت میں منقول ہے کہ مسروق عراق چلے گئے اور وہاں جا کر ۱۰ لوگوں کی شہادات اکٹھی کیں، جو بڑھ کر ۱۰۰ تک جا پہنچیں۔ اس کے بعد انھوں نے مدینہ واپس آ کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی بابت بتلایا۔ اس میں کافی عرصہ لگا، لہٰذا یہ بات محال ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور اہلِ مدینہ اتنی طویل مدت تک اس واقعہ سے جاہل رہے ہوں۔

تیسری وجہ: امام حاکم رحمہ اللہ کی روایت سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، جو دمشق میں موجود تھے، ان کے لیے ذوالثدیہ کے مقتل کی خبر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور اہلِ مدینہ تک پہنچانا آسان تھا۔ اس سے قبل کہ اس واقعے کی خبر عراق سے ہو کر مدینہ پہنچے، کیونکہ عراق سے مدینہ تک خبر پہنچنے کی مسافت انتہائی قلیل ہے، چہ جائیکہ پہلے یہ خبر عراق سے دمشق میں سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس جاتی، پھر دمشق سے مدینہ آتی۔

چوتھی وجہ: یہ کہنا درست نہیں کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ خوارج اور ذوالثدیہ کو قتل کرنے کا دعویٰ کرنے کی خود امید لگائے بیٹھے تھے۔ اسی لیے انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کی بابت خبردار نہ کیا، حالانکہ یہ اتنے بڑے واقعات تھے جن کی خبریں لوگوں میں تواتر کے ساتھ مشہور ہو گئی تھیں، حتی کہ منکرین کسی قیمت پر بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے تھے اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، جو حکمت و دانائی اور عقل و بصیرت کے اوصاف سے متصف تھے، ان کی جانب سے کوئی ایسا تصرف محال ہے جو بدیہیات اور عقل کے منافی ہو۔

پانچویں وجہ: یہ روایت درست ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو واقعۂ نہروان کے بعد اہلِ نہروان اور ذوالثدیہ کے معاملے کا علم ہو چکا تھا، یعنی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حیاتِ مبارکہ کے دوران میں ہی انھیں اس چیز کا پتا چل گیا تھا، بلکہ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے متبعین کو اہلِ نہروان سے جنگ کرنے کی بنا پر مبارکباد بھی پیش کی اور انھیں خوارج سے متعلق حدیثِ نبوی کی بشارت بھی سنائی، لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ کو اس معاملے کے بارے میں کوئی شک نہ تھا۔ دیکھیے: (ص: ۸۴۷-۸۴۹)

چھٹی وجہ: جریر بن عبدالحمید کے بارے میں قتیبہ بن سعید نے کہا ہے کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے یہی روایت بھی بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جریر حافظ مقدم نے بیان کیا، لیکن میں نے اُسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کھلے عام گالیاں دیتے سنا۔ دیکھیے: الإرشاد للخليلي (۵۶۸/۲) تهذيب التهذيب (۷۷/۲)، جریر نے "لعن" کا اضافہ کیا ہے جس میں اس کی بدعت کی موافقت موجود ہے۔

مستدرک حاکم کی روایت کی تخریج:

نعیم نے "الفتن" (۱۸۲) میں جو روایت نقل کی ہے کہ ہمیں ہشیم نے بیان کیا۔ اس روایت کو ابن ابی شیبہ (۳۱۱۴۰) نے ابو اسامہ کے واسطے سے نقل کیا اور ابن ابی دنیا نے الإشراف في منازل الأشراف (۳۶۱) میں یحییٰ بن سعید قطان کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ ان کے تین راوی ہیں: مجالد، امام شعبی اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔ اس روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ سے صرف خواب کی تعبیر کی بابت پوچھا تو انھوں نے اس کی تعبیر کر دی۔ اس روایت کی سند مجالد کے ضعیف ہونے اور مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف ہیں، کیونکہ امام شعبی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع نہیں کیا۔

اور ابن الاعرابی نے اپنی "معجم" (۸۲۸) میں یہ روایت نقل کی ہے اور ابن عساکر (۵۷/ ۴۰۷- ۴۰۸) نے اسی واسطے سے روایت نقل کی ہے کہ ہمیں احمد بن حازم ابن ابی غرزہ غفاری نے یہ بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہمیں سہل بن عامر بجلی نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابو خالد احمر نے امام مجالد کے واسطے سے، انھوں نے امام شعبی سے، انھوں نے مسروق ←

اس میں دلیل ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا چاہتی تھیں کہ حدیث کی تبلیغ ہو اور صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کے متعلق آپ کا موقف واضح ہو جائے، اور وہ موقف یہ تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے حق کے زیادہ قریب ہیں۔

جیسے انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت کو اہلِ نہروان سے جنگ پر مبارک باد دینا چاہی، فرمایا: اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جو ان کے مقتل میں حاضر ہوا، بخدا! اگر علی رضی اللہ عنہ چاہتے تو تمھیں ان کے متعلق روایت بتاتے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس حدیث کو سن کر انتہائی خوش ہوئے اور لوگوں کو بھی اس کی خبر دی۔ اور انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استشہاد کیا، اس پر جو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اکثر اپنے متبعین کو خوارج کی صفات اور ذوالثدیہ کی روایت، نیز ان سے جنگ کے حکم کے متعلق سنایا کرتے تھے۔

صفین پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف کا مشہور نہ ہونے کا سبب: یہ سبب روافض کی پھیلائی گئی تاریخی روایات ہیں، ان میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف کو مسخ کرنے کی سعی کی گئی ہے اور پھر تاریخی کتابوں میں اس نہج اور صورت پر اسے نقل کرنا شروع کر دیا گیا، حتی کہ یہ روایات حقیقتِ اصلیہ پر غالب آ گئیں، ایسا معاملہ اکثر ان صحابہ کے ساتھ پیش آیا، جن کا ذکر فتنۂ جمل وصفین کے زمانے میں ہوتا ہے۔

← سے یہ روایت بیان کی اور اس میں ذوالثدیہ اور لعن طعن کا بھی تذکرہ ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: ''اللہ فلاں شخص پر لعنت کرے، کیونکہ اس نے مجھے یہ خبر دی کہ اس نے اسے نہر نیل مصر پر قتل کر دیا۔'' اس روایت کے آخر میں ایک مرفوع حدیث کا بیان ہے جس میں خواب کا تذکرہ نہیں ہے، اسے ابن عساکر نے اختصار سے بیان کیا ہے اور اس روایت کی سند موضوع ہے۔ سہل بن عامر کے بارے میں ابو حاتم کہتے ہیں کہ یہ ضعیف الحدیث ہے۔ میں نے اسے کوفہ میں دیکھا، یہ حدیث گھڑتا تھا۔ دیکھیے: الجرح والتعدیل (٢٠٢/٤)

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ (٤٣٤/٦) میں محمد بن ابان بن صالح کے واسطے سے روایت نقل کی ہے جس کی سند امام شعبی سے مسروق تک پہنچتی ہیں، جس میں یہ الفاظ آئے ہیں: ''اللہ فلاں شخص پر لعنت کرے! کیونکہ اس نے مجھے مکتوب لکھا کہ اس نے انھیں مصر میں نہرِ نیل پر قتل کر ڈالا ہے۔'' اس روایت کی سند محمد بن ابان کے ضعف کی بنا پر ضعیف ہے۔

اور امام آجری نے الشریعۃ (٥٦)، (١٥٧٠) میں یزید بن ابی زیاد کے واسطے سے سعید بن جبیر اور مسروق کے واسطے سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں: ''اللہ فلاں شخص کو برباد کرے! کیونکہ اس نے مجھے مکتوب میں لکھا کہ اس نے اسے مصر میں قتل کر ڈالا۔'' اس روایت کی سند یزید کے ضعف کی بنا پر ضعیف ہے۔

اس کا مزید سبب یہ ہے کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری[1] میں محدثین ایک عظیم کام کر رہے تھے، یعنی احادیثِ رسول ﷺ کو جمع کرنا اور ان کی تدوین و تنقیح۔ ان کی حدیثی تصانیف میں صحابہ کے موقف بیان ہوئے ہیں، انھوں نے ان کا ذکر کر دیا ہے، لیکن ان کے زمانے میں زیادہ تر احکامِ شریعت اور عقائد وغیرہ سے متعلق روایات کا اہتمام ہوتا تھا۔

جب کہ تاریخی روایات کا معاملہ یہ رہا کہ ان کی زیادہ شروحات نہیں ہوسکیں، اس وقت اہلِ باطل آگے بڑھے اور اس فرصت کو انھوں نے غنیمت جانتے ہوئے اپنا باطل ان میں شامل کرنا شروع کر دیا۔ یہ صورتِ حال متاخرین کے زمانے تک جاری رہی، یہاں تک کہ حافظ ابن حجر نے "فتح الباري" میں تاریخی صورتِ حال کی تحقیق کی کوشش شروع کی، لیکن فقط اس حد تک جس حد تک حدیث کی شرح ہوسکے۔

میں کہتا ہوں: تاریخی معاملات اب تک طالبِ تحقیق ہیں، ان پر علمی بحث اور تنقیدی دراسہ ہونا چاہیے، اس میں بحث کی فرصت بہت وسیع ہے۔ سو جن کو اللہ تعالیٰ نے علمی تحقیق کی قدرت دی ہے اور انھیں علومِ حدیث، علومِ تاریخ وغیرہ کی معرفت عطا کی ہے، انھیں اس طرف رخ کرنا چاہیے۔ وہ اپنے قلم چلائیں اور امت سے یہ قرض اتار دیں۔



[613] سعید بن منصور نے نقل کیا ہے، علی بن ربیعہ الوالی بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ کی قسم! میری شدید خواہش رہی کہ اگر بنوامیہ راضی ہوں تو ہم بنو ہاشم کے ۵۰ لوگ قسم اٹھانے کو تیار ہیں کہ ہم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا، نہ ہم ان کے قاتل کو جانتے ہیں۔"[2]

امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ "ہم ان کے قاتلوں کو نہیں جانتے۔" اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کا حتمی علم نہ تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اور تمام بنو ہاشم کی براءت کرنا چاہی، یعنی اگر بنو امیہ راضی ہوں تو ہم بنو ہاشم کے ۵۰ لوگ قسم اٹھانے کو تیار ہیں کہ ہم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا۔

---

[1] قرنِ ثانی (دوسری صدی) سے مراد: ۱۰۰ھ تا ۱۹۹ھ۔ اور قرنِ ثالث (تیسری صدی) سے مراد: ۲۰۰ھ تا ۲۹۹ھ تک کا عرصہ ہے۔

[2] سنن سعيد بن منصور (۲۹۴۲) اس روایت کی سند صحیح ہے۔

اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے متبعین نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا بنو ہاشم پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا الزام عائد کیا ہو، کیونکہ ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ایسا کوئی الزام رکھا ہو، بلکہ آپ کا مطالبہ قصاص لینے یا قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ کے حوالے کرنے کا تھا۔

اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل یا قاتلین کی مدد کے الزام پر بات کی جائے تو یہ محض افواہیں ہیں جو جنگِ جمل سے قبل منتشر ہوگئی تھیں،[1] البتہ میری رائے میں ان من گھڑت باتوں کو پھیلانے میں اصل بنیاد سبائی ٹولہ تھا، کیونکہ ان کو اس سے نفع ملتا تھا۔

اس کے دلائل:

- من گھڑت باتوں کے پھیلنے کو مسلمانوں کے مابین جنگ بھڑکنے کا اہم عنصر شمار کیا جاتا تھا، کیونکہ یہ سینوں کی آگ کو بھڑکاتی ہیں اور سبائی آگ بھڑکانے پر حریص ہی تو تھے۔ سو وہ اسے جنگِ جمل کی صورت بھڑکانے میں کامیاب ہو گئے، گو فریقین کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔[2]
- سبائیوں کے دلوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت غلو کے درجے میں اور عثمان رضی اللہ عنہ سے شدید بغض جمع ہو گیا تھا۔ تو ان افواہوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج، ان کے قتل اور ان سے بغض کو دینی رنگ دے دیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے جرم سے انھیں نیکی ملے گی۔ اور ان سے بغض رکھنے کے عقیدے میں وہ معزز ہو جائیں گے۔

مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر اہلِ شام کو ان افواہوں سے کوئی فائدہ نہ ہوا:

1. اہلِ شام نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے صرف ایک مطالبہ کیا کہ وہ قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو ہمارے حوالے کر دیں، یا قصاص لے لیں، اگر وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خونِ عثمان رضی اللہ عنہ میں متہم سمجھتے تو وہ صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے یا آپ سے قصاص لینے پر راضی ہوتے۔
2. اہلِ شام نے صفین سے قبل نہ تو جنگ کی ابتدا کی، نہ اس کا انتخاب کیا اور نہ ہی ان کی اس میں رغبت رہی، بلکہ ان کا موقف ہمیشہ دفاعی رہا، وہ اقدامی جنگ کی جانب راغب نہ تھے بلکہ جنگ پر

---

[1] اس کی دلیل [رقم: ٦١٥] پر عنقریب آرہی ہے۔

[2] تاريخ الطبري (٣٩/٣) البداية والنهاية (٢٦٦/٧) منهاج السنة (٤/٤٦٥- ٤٦٦)

مجبور کیے گئے جنگ کا انتخاب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کیا اور ان کی جانب رُخ کیا، تو انھوں نے اس حملے سے اپنا دفاع ضرور کیا، وہ اسے حملے کا دفاع سمجھ رہے تھے۔[1]

3 سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے کیوں انکار کیا؟ تو انھوں نے بیعت سے قبل قصاص کے سوا کوئی سبب ذکر نہیں کیا، نہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر کوئی بری تہمت رکھی، بلکہ ان کی تعریف کرتے اور ان کے فضل کا ذکر کرتے تھے، جیسا کہ ابو مسلم خولانی کے قصے میں ہے۔[2]

[**614**] ابن طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کو فرماتے ہوئے سنا، وہ کہتے ہیں: میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: اللہ کی قسم! میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، نہ ہی آپ کے قتل کا حکم دیا۔ لیکن میں مغلوب ہو گیا۔[3]

[**615**] سیدنا قیس بن عباد بیان کرتے ہیں: جنگِ جمل کے دن میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: اے اللہ! میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہوں، جس دن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، اس روز میری عقل زائل ہو گئی اور میں اپنے آپ کو پہچاننے سے قاصر رہا، لوگ میرے پاس بیعت کے لیے آئے تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں ایسی قوم سے بیعت لوں جنھوں نے ایسے شخص کا قتل کیا ہے جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''کیا میں ایسے شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔''

اور مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ میں بیعت کر لوں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا جسدِ مبارک ابھی زمین پر پڑا ہو، آپ کو سپردِ خاک نہ کیا گیا ہو، تو وہ لوگ واپس چلے گئے۔ پھر جب آپ کو دفنا دیا گیا تو لوگ دوبارہ آئے اور مجھ سے بیعت کا کہنے لگے، میں نے کہا: اے اللہ! میں اس جرأت پر تجھ سے ڈرتا ہوں، پھر مجھے عزیمت حاصل ہوگئی تو میں نے بیعت لے لی۔ پھر وہ لوگ مجھے امیر المومنین کے لقب سے

---

[1] [رقم: ۲۸۷، ۲۸۸] اور اس کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

[2] دیکھیے: [رقم: ۱-۲]

[3] جامع معمر بن راشد (۲۰۹۷۲) اس روایت کی سند صحیح ہے۔

تخریج: اسے نعیم بن حماد نے الفتن (۴۲۹) میں عبدالرزاق اور معمر کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ اسے نعیم بن حماد نے الفتن (۴۷۷) میں اور ابن سعد نے الطبقات (۸۲/۳) میں اور ابن ابی شیبہ (۳۸۲۶) نے لیث بن ابی سلیم اور طاؤس کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

پکارنے لگے تو گویا میرا دل پھٹ گیا۔ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ تو مجھ سے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لے لے حتی کہ تو مجھ سے راضی ہو جائے۔[1]

راوی کا کہنا: ''جنگِ جمل کے دن میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: اے اللہ! میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہوں۔'' یہ الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ ان افواہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا الزام رکھا تھا جو افواہیں جمل کے دوران ظاہر ہوئیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول: ''میں ایسی قوم سے بیعت لوں جنھوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا'' سے مراد اس لشکر کے لوگ تھے جنھوں نے مدینہ کا محاصرہ کیا تھا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔



[**616**] ابن ادریس اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے بیان کرتے ہیں: جب اہلِ نہروان کو قتل کر دیا گیا تو مسجد خالی ہو گئی۔[2]

راوی کا قول: ''مسجد خالی ہو گئی'' سے مراد اہلِ مسجد کی تعداد کم ہونا ہے، جیسے سر کے بال کم ہونے سے سر گنجا ہو جاتا ہے، لہٰذا اسے خالی ہو جانے سے تشبیہ دی گئی۔ یا یہ اہلِ عرب کے قول: ''قَرِعَ الْمُرَاحُ'' ''باڑے فارغ ہو گئے۔'' سے ہے، جب ان میں اونٹ باقی نہ رہیں۔

مراد یہ تھی کہ اہلِ نہروان کافی تعداد میں تھے، جب وہ عبادت کی غرض سے مسجد آتے تو مسجد ان سے بھر جاتی مگر جب انھیں نہروان کے مقام پر قتل کر دیا گیا تو مسجد ان سے خالی ہو گئی۔[3]



---

[1] المستدرك (٤٥٢٧) امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث شیخین کی شروط کے مطابق صحیح ہے، البتہ انھوں نے اسے نقل نہیں کیا اور امام ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے۔ حسن سے مراد ابن ابی حسن یسار بصری ہے۔

تخریج: اس سے امام حاکم (۴۵۵۶) نے اور ابونعیم اصفہانی نے الإمامة (۱۳۸) اور معرفة الصحابة (۷۱/۱) میں محمد بن یونس کدیمی کہ واسطے سے، انھوں نے ہارون بن اسماعیل خزاز کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے اور ابونعیم نے دو مقامات پر یہ روایت اختصار کے ساتھ بیان کی ہے۔

[2] غریب الحدیث لإبراهیم الحربي (۱۰۱۸/۳- ۱۰۱۹) اس روایت کی سند صحیح ہے۔ عثمان سے مراد: ابوالحسن بن ابی شیبہ ہے اور ابن ادریس سے مراد: عبداللہ بن ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن اودی ہے۔ امام عجلی نے یزید کو ثقہ قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام ابن حبان نے اسے ''الثقات'' میں ذکر کیا ہے اور امام ابن حجر نے اسے مقبول کہا ہے۔ تهذیب الکمال (۱۸۶/۳۲)

تخریج: اسے ابن ابی شیبہ (۳۹۰۹۲) نے ابن ادریس کے واسطے سے بیان کیا ہے۔

[3] یہ میں نے دکتور محمد عوامہ کی مصنف ابن ابی شیبہ پہ کی گئی تحقیق میں سے اقتباس لیا ہے۔

[617] ابونعیم اصبہانی سے منقول ہے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اس فتنے کے دور میں ہماری مثال اس قوم کی مانند تھی جو سیدھی راہ پر چلتے تھے، تو وہ اسے پہچانتے بھی تھے۔ اسی دوران میں اچانک انھیں ایک بادل اور اندھیرے نے ڈھانپ لیا، بعض لوگ دائیں بائیں بھاگ گئے تو وہ راستے سے بھٹک گئے، مگر ہم لوگ وہیں ٹھہرے رہے حتی کہ اللہ رب العزت نے ہم سے اس اندھیرے کو دور کر دیا۔ ہمیں ہمارا پہلا راستہ دکھلا دیا۔ ہم نے اسے پہچان لیا اور جانبِ منزل چل دیے۔ اور یہ دو قریشی[1] اس سلطنت اور دنیا کی خاطر باہم لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے کہ جس وجہ سے یہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں، وہ میرے ان دو جوتوں کے بدلے بھی مجھے ملے۔"[2]

[618] ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن مروان قرشی دمشقی[3] نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، جیسا کہ "تاریخ دمشق" میں ہے۔ عمیر بن ہانی کہتے ہیں: مجھے عبدالملک بن مروان نے خطوط دے کر حجاج بن یوسف کے پاس بھیجا۔ تب وہ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیے ہوئے تھا اور اس نے ایک گھر پر ۴۰ منجنیق نصب کر رکھی تھیں۔ کہتے ہیں: میں نے دیکھا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حجاج بن یوسف کے ساتھ نماز ادا کرتے اور جب سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مسجدِ حرام میں آتے تو آپ ان کے ساتھ مل کر بھی نماز ادا کرتے۔ میں نے کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! کیا آپ ان لوگوں کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، ان کے اعمال کیسے ہیں؟ تو مجھے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اے میرے شامی بھائی! جب یہ لوگ نماز ادا کریں تو ان کے ساتھ نماز پڑھو، البتہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت مت کرو۔ کہتے ہیں: میں نے آپ سے کہا کہ اہلِ مکہ کی بابت آپ کی کیا رائے ہے؟ کہا: میں ان کا عذر بیان نہیں کرتا۔ میں نے کہا: اہلِ شام کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ فرمایا: میں ان کی مدح نہیں کرتا، یہ دونوں دنیا کی خاطر

---

[1] اس سے مراد سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور آپ سے لڑائی کرنے والے یزید بن معاویہ، مروان بن حکم اور اس کا بیٹا ولید ہے۔

[2] حلية الأولياء (۳۰۹/۱- ۳۱۰) اس روایت کی سند صحیح ہے۔ محمد بن احمد بن حسن سے مراد ابوعلی بن صواف ہے۔ یہ ثقہ راوی اور حجت ہے۔ سير أعلام النبلاء (۱۸۴/۱۶) ہارون بن ابراہیم سے مراد ابن ابی ابراہیم بربری ہے۔

تخریج: سير أعلام النبلاء للذهبي (۲۳۷/۳) میں ابونعیم کے واسطے سے اور الطبقات الکبریٰ لابن سعد (۱۷۱/٤) میں ہمیں قبیصہ بن عقبہ نے ہارون بربری کے واسطے سے بیان کیا اور شعیب ارناؤط نے "السير" کی تحقیق میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[3] المحدث، الرئیس، اس پر ابن مندہ نے ۳۰ جزء لکھے ہیں اور اپنی مجالس میں ان کی املاء بھی کروائی ہے۔ امام کتانی کہتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی اور سخی تھا۔ اس کی وفات ماہِ شوال ۳۵۸ھ میں ہوئی۔ دیکھیے: سير أعلام النبلاء (۵۹/۱۶)

دست و گریباں ہو رہے ہیں اور اس طرح آگ میں کود رہے ہیں جس طرح مکھی شوربے میں آ پڑتی ہے۔ میں نے کہا: ابن مروان نے ہم سے جو بیعت لی ہے، آپ کی اس پر کیا رائے ہے؟ تو فرمانے لگے: ہم نے سمع و اطاعت پر اللہ کے رسول ﷺ کی بیعت کی تھی، آپ ہمیں تلقین فرماتے تھے کہ تم میں جس قدر استطاعت ہو اتنی اطاعت بجا لاؤ۔[1]

راوی کے قول: ''اس نے ایک گھر پر ۴۰ منجنیق نصب کر رکھی تھیں'' میں گھر سے مراد حجاج بن یوسف کا گھر تھا، اس نے منجنیقوں کا رُخ کعبۃ اللہ اور مسجدِ حرام کی جانب کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عافیت دے۔

---

[1] تاریخ دمشق (٤٦/٤٩٧) یہ روایت صحیح لغیرہ ہے اور اس کی سند ابن معلیٰ اور ابن مصفی کی بنا پر حسن درجے کی ہے۔ یہ دونوں صدوق راوی ہیں اور اس روایت کے بقیہ تمام رجال ثقہ ہیں۔ سعید سے مراد: ابن عبدالعزیز تنوخی ہیں۔ دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (١/٣٠٧)

تخریج: یہ روایت عبدالعزیز بن احمد کتانی نے اپنی "أمالي" میں بیان کی ہے، اسی طرح تاریخ دمشق (٤٦/٤٩٧) میں بھی منقول ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ روایت تمام بن محمد نے بیان کی، وہ کہتے ہیں: مجھے ابو زرعہ اور ابوبکر ابودجانہ کے دونوں بیٹوں نے بیان کی، وہ کہتے ہیں: مجھے جعفر بن احمد نے، وہ کہتے ہیں: مجھے محمد بن مصفی نے اس سند کے ساتھ بیان کی۔ دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (٢/١٤٣١)

⊙ ''تمام'' سے مراد مشہور حافظ صاحب "الفوائد" ہے۔

⊙ ''ابوزرعہ بن ابی دجانہ'' سے مراد: محمد بن عبداللہ ہے۔ امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ امام اور محدث تھے۔ سیر أعلام النبلاء (١٧/٥٠)

⊙ ''ابوبکر ابن ابی دجانہ'' سے مراد: احمد ہے۔ اس کے بارے میں امام کتانی کہتے ہیں کہ یہ ثقہ راوی تھا۔ تاریخ الإسلام [(٨/٩٤) ط: بشار]

⊙ ''جعفر بن احمد'' سے مراد: ابن عاصم ابو محمد بزاز دمشقی ہے جو ابن رواس کے نام سے معروف ہے۔ امام دارقطنی نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ تاریخ بغداد (٧/٢١٣)

امام بیہقی نے السنن الکبری (٥٣٠٢) میں بیان کیا ہے کہ ہمیں علی بن احمد بن عبدان نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن عبید صفار نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں (ابو) محمد ابن احمد بن عاصم نے بیان کیا اور قوسین کے مابین جو لفظ "أبو" ہے، ایک طبع میں اس کا سقط واقع ہوا ہے، اوپر بیان ہو چکا ہے کہ اس کا نام جعفر تھا اور یہ ابن رواس کے نام سے معروف تھا۔

امام تمام نے اسے اس کے متن کے ساتھ اپنی "الفوائد" (١٥٦٠) میں نقل کیا ہے، لیکن اس کی سند شاذ ہے۔ ابن ابی دنیا نے الزھد (٤٩٢) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں ہیثم بن خارجہ نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے عمیر بن ہانی عنسی سے یہ روایت سنی۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اہلِ مکہ کے بارے میں قول: ''میں ان کا عذر بیان نہیں کرتا۔'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس قتال سے ناخوش تھے جو سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے تھا۔

اہلِ شام کے متعلق ان کا کہنا: ''میں ان کی تعریف نہیں کرتا'' اس بات کی دلیل ہے کہ وہ انھیں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے باغی سمجھتے تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ انھوں نے حرم کا حصار کر کے، اسلحہ اٹھا کر اور منجنیق اس کے گرد نصب کر کے، اور اسی طرح لوگوں کو حرم میں قتل کر کے بہت ہی برا کام کیا ہے۔

روایت کے الفاظ: ''یہ لوگ دنیا کے لیے لڑ رہے ہیں'' سے مراد ہے کہ وہ بادشاہت کے لیے لڑ رہے ہیں، کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بادشاہت کی لڑائی کو دنیا اور فتنے کی لڑائی سمجھتے تھے۔

روایت کے الفاظ: ''آگ میں گر رہے ہیں'' اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ جب دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ ملتے ہیں تو قتل کرنے والا اور قتل ہونے والا دونوں جہنمی ہیں۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ جو راویِ حدیث ہیں اس حدیث کو انھوں نے اپنے عموم پر سمجھا ہے کہ یہ ہر ان دو مسلمانوں کے لیے ہے جو تلوار کے ساتھ آپس میں ملیں ورنہ حق تو یہ ہے کہ اس کو ایسی صورت پر محمول کیا جائے گا جب قتال بغیر کسی اچھی تاویل کے ہو۔[2]

میں کہتا ہوں: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس حدیث کو اسی معنی پر محمول کیا ہے جس معنی پر سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے محمول کیا تھا۔

روایت کے الفاظ: ''آپ اس بیعت کے متعلق کیا کہتے ہیں جو ہم سے مروان نے لی ہے؟'' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عبدالملک بن مروان نے اہلِ شام سے سمع و اطاعت اور مدد پر بیعت لی تھی تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حدیثِ رسول سے جواب دیا، یعنی ''جتنی تم طاقت رکھتے ہو، اتنی اطاعت کرو۔'' سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالملک کی بیعت کی صحت کا انکار نہیں کیا۔

اس میں یہ دلیل بھی نہیں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالملک بن مروان کی بیعت سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی زندگی میں ہی تسلیم کر لی تھی، کیونکہ اہلِ مکہ نے عبدالملک کی بیعت سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی

---

[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوبکر کی روایت صحیح البخاري (٣١) میں بیان کی ہے اور اس کا بیان عنقریب [رقم: ٢٥٢] پر بھی آئے گا اور [رقم: ١٨٨، ١٨٩] پر سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث کا بیان ہے۔

[2] فتح الباري (٨٦/١)

شہادت کے بعد کی تھی اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی عبدالملک کی بیعت سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد کی تھی جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔[1]

[619] سفیان ثوری وغیرہ الاوزاعی سے بیان کرتے ہیں، وہ عمیر بن ہانی سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عمر، سیدنا ابن زبیر، نجدہ اور حجاج کو دیکھا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کہہ رہے تھے: یہ لوگ آگ میں اس طرح کود رہے ہیں، جیسے مکھیاں سالن میں گر جاتی ہیں۔ جب انھوں نے موذن کی آواز سنی تو تیزی سے اس کی طرف گئے پھر اس کے ساتھ نماز پڑھی۔[2]

[620] ہمیں عیسیٰ بن یونس نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں اوزاعی نے بیان کیا، وہ عمیر بن ہانی سے بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس مکہ میں حاضر ہوا، اس وقت حجاج نے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان دونوں کے درمیان تھے، کبھی اِن کے ساتھ نماز کے لیے حاضر ہو جاتے اور کبھی اُن کے ساتھ نماز کے لیے حاضر ہو جاتے۔[3]

[621] ہمیں عمرو بن علی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے بیان کیا، وہ سفیان سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: مجھے عبداللہ بن دینار نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: جب لوگوں نے عبدالملک کی

---

[1] اس کا بیان عنقریب [رقم: ۶۲۱-۶۲۲] پر آ رہا ہے۔

[2] مصنف عبدالرزاق (۳۸۰۳) اس روایت کی سند صحیح ہے، البتہ لفظ "نجدة" کے الفاظ کے ثبوت پر اطمینانِ قلب نہیں، کیونکہ حجاج بن یوسف نے ۷۳ھ میں سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے جنگ کی، جبکہ نجدہ نے ۶۴ھ میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی۔ اور لفظ "نجدة" کو امام سفیان ثوری کے علاوہ امام اوزاعی کے اصحاب میں سے کس نے ذکر کیا ہے مجھے معلوم نہیں ہوا، البتہ عبدالرزاق نے اسے امام سفیان ثوری اور ایک اور شخص سے نقل کیا ہے جس کا انھوں نے نام ذکر نہیں کیا۔

تخریج: یہ روایت نعیم بن حماد (۴۶۹) نے نقل کی ہے کہ ہمیں عبدالرزاق نے امام اوزاعی کے واسطے سے بیان کیا۔ اس سند میں انھوں نے ان کے درمیان ایک واسطہ گرا دیا ہے۔ یعقوب بن شیبہ نے مسند عمر بن الخطاب (ص: ۱۴۸) میں نقل کیا ہے کہ ہمیں ابوحذیفہ موسیٰ بن مسعود نہدی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں امام سفیان ثوری نے امام اوزاعی کے واسطے سے بیان کیا، ان دونوں یعنی نعیم اور یعقوب نے لفظ "نجدة" کا تذکرہ کیا۔

[3] المطالب العالية (۴۰۹) امام ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

تخریج: اس روایت کو ابن ابی شیبہ (۷۶۴۱) نے بیان کیا کہ ہمیں عیسیٰ بن یونس نے یہ روایت بیان کی۔ اور ابن حذلم نے جزء من حديث الأوزاعي (۳۶) میں موسیٰ بن اعین سے امام اوزاعی کے واسطے سے یہ روایت بیان کی۔

بیعت کر لی تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کو خط لکھا: اللہ تعالیٰ کے بندے عبدالملک امیر المومنین کے نام! میں اللہ تعالیٰ کے بندے امیر المومنین عبدالملک کی سمع و اطاعت کا اقرار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت پر، جب تک مجھ میں طاقت ہے اور میری اولاد بھی اس کا اقرار کرتی ہے۔[1]

الفاظِ روایت: ''جب لوگوں نے عبدالملک کی بیعت کر لی'' سے مراد یہ ہے کہ جب اس پر اجماع ہو گیا۔ اس کی دلیل اگلی خبر ہے۔

[**622**] ہمیں مسدد نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں یحییٰ نے سفیان سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن دینار نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ جب لوگ عبدالملک پر جمع ہو گئے تو میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا، انھوں نے لکھا: میں اللہ تعالیٰ کے بندے، امیر المومنین عبدالملک کی سمع واطاعت کا اقرار کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی سنت پر، جب تک مجھ میں طاقت ہے اور میری اولاد بھی اسی کی مثل اقرار کرتی ہے۔[2]

یہ روایت دلیل ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالملک بن مروان کی بیعت امیر المومنین عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد کی تھی اور باقی لوگ بھی عبدالملک بن مروان پر سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد ہی جمع ہوئے تھے۔



[**623**] ہمیں یحییٰ بن سلیمان جعفی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: مجھے ابن وہب نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: مجھے حفص بن عمر[3] نے خبر دی، وہ یونس سے بیان کرتے ہیں، وہ ابن شہاب سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ فتنے کے دور میں عرب کے قابل ترین پانچ لوگوں کو مانا جاتا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ یہ عرب کے ذی رائے ہیں۔ ان میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان، سیدنا عمرو بن العاص، قیس بن سعد بن عبادہ اور

---

[1] صحيح البخاري (٦٧٧٩) عمرو بن علی سے مراد: فلاس ہے اور یحییٰ سے مراد: ابن سعید قطان ہے۔ سفیان سے مراد: سفیان ثوری ہے۔

[2] صحيح البخاري (٦٧٧٧)

[3] حفص بن عمر قرشی ان کے مولا ابو ولید دمشقی ہیں جو حفص صاحب القطف کے نام سے معروف ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی گئی۔ امام ذہبی نے "الذیل" میں کہا ہے کہ اس کی روایت حجت نہیں، بلکہ اس کی روایت منکر ہے۔ دیکھیے: التاريخ الكبير (٣٦٥) ذيل ديوان الضعفاء (١١٣)

اس کا تعارف: ميزان الاعتدال (١/٥٦٥) لسان الميزان (٢/٣٢٨) میں ملاحظہ ہو۔

سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اور مہاجرین میں سے عبداللہ بن بدیل بن ورقاء الخزاعی رضی اللہ عنہ تھے۔ ان میں سے قیس بن سعد اور ابن بدیل رضی اللہ عنہما سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ طائف میں سب سے الگ تھے، یہاں تک کہ تحکیم ہوگئی۔ [1]

غیر صحیح خبر:

[624] ہمیں ابن بکیر نے بیان کیا، وہ لیث بن سعد سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: ۴۰ھ میں لوگوں کو مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حج کروایا، کیونکہ مغیرہ رضی اللہ عنہ طائف میں الگ تھلگ تھے۔ اور موسم حج کی امارت کے لیے عام الجماعۃ میں انھوں نے ایک خط گھڑا، اور ایک دن حج کو مقدم کر دیا، اس ڈر سے کہ کہیں امیر نہ آ جائے۔ تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس سے پیچھے رہے اور اکثر لوگ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھے۔

---

[1] تاریخ دمشق (٤٢٤/٤٩) ابن دیزیل کی کتاب صفين (رقم: ۱۹۱)، یہ روایت مقبول ہے البتہ اس کی سند مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف ہے جب کہ اس میں حفص بن عمر کی متابعت کی گئی ہے جیسا کہ عنقریب آ رہا ہے۔ اس روایت کے بقیہ تمام رجال ثقہ ہیں۔ ابن وہب سے مراد: ابو محمد عبداللہ مصری ہے۔ یونس سے مراد: ابن یزید ایلی ہے۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۳۹۹/۱)

شواہد: پہلے چار صحابہ کی بصیرت تاریخ اور سیرت کی کتب میں صحیح اور ثابت ہے۔ اسی طرح ان کی بصیرت پہلے تین خلفائے راشدین کے عہدِ خلافت میں فتوحات کے بارے میں مشہور تھی۔ البتہ ابن بدیل کی روایات ہم تک نہیں پہنچی۔ ابن بدیل رضی اللہ عنہ خزاعہ کے سردار تھے اور امام مدائنی نے نقل کیا ہے کہ انھوں نے کرمان کو فتح کیا تھا۔ تاريخ الطبري (٥٥٤/٢) جبکہ سیف بن عمر نے اس کی مخالفت کی ہے، البتہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی معزولی اور پھر ان کا تحکیم میں حاضر ہونا ثابت ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۴۶۳]

تخریج: اسے امام بغوی نے "معجم الصحابة" میں نقل کیا ہے۔ اسی طرح تاریخ دمشق (٤٢٣/٤٩) میں آیا ہے کہ مجھے ابراہیم بن ہانی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں اصبغ نے بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے ابن وہب نے یہ روایت بیان کی، اس روایت کے شروع میں کچھ الفاظ کا اضافہ ہے۔ دیکھیے: موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (١٦١٦/٣)
امام طبری نے "تاريخ الطبري" (١٦٨/٣) میں عبداللہ بن مبارک عن یونس کے واسطے سے ایک طویل روایت نقل کی ہے عبدالرزاق (٩٧٧٠) نے، امام بخاری رحمہ اللہ نے التاريخ الكبير (٣١٦/٧) میں، امام بغوی نے معجم الصحابة (٣٠٠/٥- ٤٠٠) میں معمر عن زہری کے واسطے سے یہ روایت نقل کی ہے اور امام بغوی نے صرف سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے تذکرے کے بارے میں اس روایت کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، البتہ عبدالرزاق نے یہ قصہ ایک طویل روایت میں نقل کیا ہے۔

نافع کہتے ہیں: میں دیکھتا ہوں کہ ہم منیٰ کی طرف جا رہے تھے اور وہ مزدلفہ سے لوٹ رہے تھے تو ہم ان کے بعد ایک رات منیٰ میں رُکے۔[1]

اس روایت کا حکم:

یہ روایت اپنی اسناد کی نظافت کے باوجود منکر ہے اور اس روایت میں امام نافع کا تذکرہ سراسر خطا پر مبنی ہے، نافع اس حج میں موجود ہی نہیں تھے۔ وہ تو ۱۱۷ھ یا اس کے بعد فوت ہو گئے تھے۔[2] کہا گیا ہے کہ ان کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی[3] اور اس روایت میں مذکور حج کا موسم ۴۰ھ کا ہے۔ گویا اس حادثے اور ان کی وفات کے درمیان ۸۰ برس کا وقفہ ہے۔

مزید یہ کہ لیث بن سعد نے یہ روایت نافع سے نہیں سنی۔ اور میں نے یہ روایت اس کی علت بیان کرنے کی غرض سے ذکر کی ہے۔

میں نے شیخ علامہ محدث عبداللہ سعد سے اس روایت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، کیونکہ نافع نے اس واقعہ کو نہیں پایا، اس واقعہ میں ان کی موجودگی ثابت نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حج کو ایک دن مقدم کریں۔

شیخ سعد کا قول: ''اس کا موصول ہونا ثابت نہیں۔'' سے مراد یہ ہے کہ لیث کا نافع سے روایت کرنا ثابت نہیں، بلکہ لیث نے اسے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرسلاً بیان کیا ہے۔

شیخ کے قول: ''یہ بھی ممکن نہیں کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حج کو ایک دن مقدم کریں۔'' سے مراد یہ ہے کہ شیخ نے متن کو بھی معلول قرار دیا ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ''خط گھڑنے اور حج مقدم کرنے'' کے قصے کا انکار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: یہ روایت باطل ہے جو شیعہ نے پھیلائی۔[4] لیکن ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس بات کا انکار نہیں کیا کہ سیدنا مغیرہ بن

---

[1] المعرفة والتاريخ (٣/٣١٦)، ابن بکیر سے مراد: یحییٰ بن عبداللہ ہیں اور نافع سے مراد: مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے۔
تخریج: خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (١/٢٠٥) اور ابن عساکر نے تاريخ دمشق (٦٠/٤٥) میں یعقوب کے واسطے سے اور امام ذہبی نے تاريخ الإسلام (٤/١٢٢) میں اسے نقل کیا ہے۔

[2] تقريب التهذيب (٧٠٨٦)

[3] تهذيب الكمال (٢٩/٣٠٥)

[4] البداية والنهاية (٨/١٧)

شعبہ رضی اللہ عنہ نے اس سال لوگوں کے ہمراہ حج کیا ہو، بلکہ آپ نے جعلی خط بنوانے اور حج کو مقدم کرنے کا ردّ کیا ہے۔ ان کے حج کرنے کا انکار نہیں کیا۔

استاذ خالد الغیث حفظہ اللہ نے اپنی کتاب "مرويات معاوية رضی اللہ عنہ في تاريخ الطبري" میں جعلی خط لکھوانے اور حج مقدم کرنے کے مسئلے میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

[625] خلیفہ بن خیاط کی تاریخ میں ہے، ابوعقیل دورقی بیان کرتے ہیں، میں نے ابونضرہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ حرہ[1] کے دن سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے۔ آپ کے پیچھے ایک اَور شخص چلا گیا پھر وہ نکل گیا، اس نے ایک شامی سے کہا: میں تجھے ایک بندے کے بارے میں بتاتا ہوں، جا کر اسے قتل کر دے۔[2] جب شامی غار کے دروازے کے پاس پہنچا، تو اس نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو کہا: میرے سامنے آؤ، تب ابوسعید رضی اللہ عنہ کی گردن میں تلوار لٹک رہی تھی، آپ نے کہا: نہیں، البتہ اگر تو

---

[1] واقعۂ حرہ سنہ ۶۳ھ میں پیش آیا ہے۔ البداية والنهاية (٨/٢٣٨- ٢٤٢) فتح الباري لابن حجر (٧١/١٣) اس کا سبب یہ تھا کہ اہلِ مدینہ چاہتے تھے کہ خلیفہ کے چناؤ کے لیے دوبارہ سے شوریٰ کا نظام بنایا جائے اور وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ناراض تھے، انھوں نے یزید کی بیعت ختم کر دی اور یزید کے عامل کو مدینہ سے ہٹا دیا۔ پھر یزید نے ان کی طرف ایک لشکر بھیجا جنھوں نے مدینہ کے ایک کونے میں ان سے لڑائی کی جس کا نام حرہ تھا جس کا یزید نے محاصرہ کر لیا اور اہلِ مدینہ کی ایک جماعت قتل ہوئی۔

دیکھیں: صحيح البخاري (٦٦٩٤) البداية والنهاية (٨/٢٣٨) [(١١/٦١٤) ط: دار هجر] مواقف المعارضة في عهد يزيد بن معاوية لمحمد بن عبد الهادي بن رزان الشيباني (ص: ٤٥٥)

[2] یعنی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حرہ کے دن فتنے سے فرار اختیار کرتے ہوئے ایک غار میں چھپ گئے۔ جب وہ غار میں لوگوں سے الگ تھلگ تھے تو ان کے پاس ایک بندہ آیا جس سے انھیں کوئی خوف نہیں تھا، کیونکہ اگر وہ مدنی نہیں تھا تو کم از کم وہ اہلِ شام میں سے بھی نہیں تھا۔ پھر وہ بندہ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے لگا، تاکہ ان کو تکلیف دے اور ان کی چھپنے کی جگہ تلاش کرنے لگا۔ پھر اس غدار نے شامی لشکر کے ایک سپاہی کو دیکھا اور اسے راغب کرنے لگا کہ وہ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ کو قتل کر دے اور اس کی غار کی طرف راہنمائی کرنے لگا۔ شاید یہ غداری کرنے والا سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ کی عظیم عظمت سے واقف تھا تو اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ شامی لشکر میں اپنا کوئی حصہ پا لے، شاید اسے بھی مال میں سے کچھ مل جائے جیسے کہ ان شامی لشکر والوں کو ملا ہے۔

تو یہ اس غدار کی خباثت تھی کہ اس نے شامی لشکر کے سپاہی کو اس شخص کا نام نہیں بتایا جو غار میں تھا، کیونکہ وہ تو سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے پر حریص تھا، وہ ڈرتا تھا کہ اگر سپاہی کو نام پتا چل گیا تو وہ انھیں قتل نہیں کرے گا اور اس کا مقصد فوت ہو جائے گا لیکن یہ شامی لشکری سمجھ گیا کہ وہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

میرے سامنے آیا تو میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔[1] بالآخر شامی مقابلے کے لیے سامنے آ گیا۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے تلوار نیچے رکھ دی اور فرمانے لگے: تو میرا اور اپنا گناہ لے جا اور تو جہنم میں جا، یہی ظالموں کی جزا ہے۔[2] وہ شخص کہنے لگا: کیا ابوسعید خدری آپ ہیں؟[3]

---

① وہ شامی سپاہی کو ڈرانا چاہتے تھے اور اسے غار میں داخل ہونے سے باز رکھنا چاہتے تھے، لیکن سپاہی نہیں ڈرا، بلکہ غار میں داخل ہو گیا۔

② یعنی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلحہ چھوڑ دیا اور اسے زمین پر پھینک دیا، تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو قتل نہیں کریں گے بلکہ مقتول ہونا قاتل ہونے سے بہتر ہے تو سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ نے شامی عسکری کو وعظ کیا اور اسے قابیل کا قصہ سنایا جس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا، پھر وہ نادم اور خاسر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۞ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۞ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ﴾

[المائدة: ۲۷- ۳۱] ”اور (اے نبی!) آپ انھیں آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک سنائیں، جب ان دونوں نے قربانی کی تھی، پھر ان میں سے ایک کی قربانی تو قبول کر لی گئی اور دوسرے کی قبول نہ کی گئی۔ دوسرا بولا: میں تجھے قتل کر دوں گا۔ پہلے نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ صرف پرہیزگاروں سے (قربانی) قبول کرتا ہے۔ اگر تو نے اپنا ہاتھ میری طرف (اس ارادے سے) بڑھایا کہ مجھے قتل کر دے تو بھی میں اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کر دوں۔ بے شک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو سب جہانوں کا رب ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر لے لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے اور ظالموں کا یہی بدلہ ہے۔ پھر اس کے نفس نے اسے اپنے بھائی کے قتل کرنے پر اُکسایا، چنانچہ اس نے اسے قتل کر دیا اور وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے (وہاں) ایک کوّا بھیجا، وہ (اپنے پنجوں سے) زمین کریدنے لگا، تا کہ اسے دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے دفن کرے، وہ کہنے لگا: افسوس! میں اس کوے جیسا ہونے سے بھی عاجز رہا کہ اپنے بھائی کی لاش دفنا دیتا، چنانچہ وہ پچھتانے والوں میں سے ہو گیا۔“

③ یعنی شامی سپاہی نے کہا: کیا آپ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں؟ کیونکہ اس نے آپ کو شدید ورع اور فتنے سے فرار کی وجہ سے پہچان لیا تھا تو ان کی عزت کی اور ان سے کہا کہ میرے لیے استغفار کریں، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ بہت عظیم مرتبہ اور فضل والے صحابی ہیں۔

فرمایا: جی ہاں، تو کہنے لگا: آپ میرے لیے استغفار کریں، تو سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: جا اللہ تجھے معاف کرے![1]

[626] ابن سعد سے منقول ہے، یزید بن عبداللہ بن شخیر کہتے ہیں کہ جب مدینہ کو مباح قرار دیا گیا، یعنی حرہ کے دن۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ غار میں داخل ہوئے، تو ایک شام کا شخص بھی ان کے ساتھ گیا۔ کہنے لگا: میرا سامنا کرو، تب ابوسعید رضی اللہ عنہ کی گردن میں تلوار لٹک رہی تھی، آپ نے کہا: نہیں، البتہ اگر تو نے میرا سامنا کیا تو میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ بالآخر شامی مقابلے کے لیے سامنے آ گیا۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے تلوار نیچے رکھ دی اور فرمانے لگے: تو میرا اور اپنا گناہ لے جا اور تو جہنم میں جا، یہی ظالموں کی جزا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا: کیا ابوسعید خدری آپ ہیں؟ فرمایا: جی ہاں، تو کہنے لگا: آپ میرے لیے استغفار کریں، تو سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: جا اللہ تجھے معاف کرے![2]

یہ دونوں روایات اس بات کی دلیل ہیں کہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہمیشہ فتنوں سے بھاگتے رہے اور ان سے الگ رہے، آپ کی وفات ۷۴ھ میں ہوئی،[3] یعنی حرہ کے بارہ برس بعد۔

[627] ابو زرعہ دمشقی نے اپنی ''تاریخ'' میں نقل کیا ہے، سعید بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب صفین کے لیے نکلے تو آپ نے فضالہ بن عبید[4] کو دمشق میں اپنا نائب مقرر کیا۔[5]

---

1. تاریخ الخلیفة (ص: ۲۳۹) اس کی سند صحیح ہے۔
ابوعقیل الدورقی سے مراد: بشیر بن عقبہ ہے اور ابونضرہ سے مراد: منذر بن مالک بن قطعہ عبدی العوقی ہیں۔
تخریج: اس روایت کو ابن عساکر (۲۰/۳۹۴) خلیفہ کی سند سے لائے ہیں۔ اور یہ تاریخ الإسلام (۵/۵۵۳) [۲/۸۹۶ ت: بشار] میں ہے۔ نیز سیر أعلام النبلاء (۳/۱۷۰) میں ہے۔

2. الطبقات الکبری (۵/۳۵٤) [مکتبه الخانجي] یہ روایت صحیح ہے۔ اس کی سند میں یحییٰ بن عباد، جو ابوعباد ضبعی بصری ہیں، کی وجہ سے جید ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے بارے میں کلام کیا ہے لیکن شیخین نے اسے حجت قرار دیا ہے اور ابن حجر نے اسے صدوق کہا ہے۔
تخریج: اسے ابن عساکر (۲۰/۳۹۵) نے ابن سعد کے واسطے سے نقل کیا ہے۔

3. سیر أعلام النبلاء (۳/۱۷۱)

4. فضالہ بن عبید بن نافذ اوسی انصاری رضی اللہ عنہ کے حالات (ص: ۳۶۰) پر گزر چکے ہیں۔

5. تاریخ أبي زرعة الدمشقي (ص: ۱۹۹) یہ روایت اپنے قرائن کی بدولت مقبول ہے، اور اس روایت کی سند معضل ہے، تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابومسہر سے مراد: عبدالاعلی بن مسہر غسانی دمشقی ہے اور سعید بن عبدالعزیز سے مراد: تنوخی ہے۔
قرائن: تنوخی شام کے تمام معاملات کا عالم تھا۔

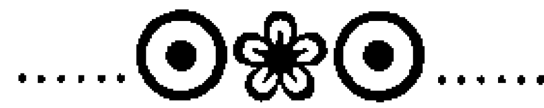
←

اس روایت میں اس شخص کے نام کا تذکرہ ہے جسے معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین کے لیے جاتے ہوئے دمشق میں اپنا نائب مقرر کیا۔ ان کا نام فضالہ بن عبید انصاری ہے۔

امام ابن حبان، ابن عساکر، مزی، امام ذہبی اور دیگر ائمہ کا کہنا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جب دمشق سے کہیں جاتے تو فضالہ بن عبید کو دمشق کا امیر مقرر کرتے تھے۔[1]

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۰ھ میں جب خلافت کی زمامِ کار سنبھالی تو آپ نے ۵۵ھ میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وفات تک اپنے بیٹے یزید کو خلافت دینے کا کوئی ارادہ نہیں کیا تھا۔ یعنی اگر معاویہ رضی اللہ عنہ کی میت ہو جاتی تو فضالہ خلیفہ بنتے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سنہ ۵۶ھ میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔[2]

فضالہ بن عبید ۵۳ھ میں فوت ہوئے، جیسا کہ مدائنی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالحکم مصری،[3] قاسم بن سلام، ابوسلیمان ابن زبر،[4] ابن سکن[5] اور ابونعیم اصبہانی[6] نے کہا ہے۔ امام ابن عبدالبر نے اسے راجح قرار دیا ہے اور امام مزی نے اسے صحیح کہا ہے۔[7]



← تخریج: اسے ابن عساکر (۳۰۳/۴۸) نے ابو زرعہ دمشقی کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ امام وکیع نے أخبار القضاة (۲۰۱/۳) میں ہیثم بن مروان سے، عن ابی مسہر کے واسطے سے اسے نقل کیا ہے اور اس کے پہلے حصے میں کچھ اضافہ ہوا ہے جو سیر أعلام النبلاء (۱۱۵/۳) میں تنوخی سے مروی ہے۔

[1] تاریخ دمشق (۲۹۰/۴۸) تهذیب الکمال (۱۸۷/۲۳) سیر أعلام النبلاء (۱۱۴/۳) امام ابن حجر عسقلانی نے الإصابة (۳۷۱/۵) میں ابن حبان کا قول نقل کیا ہے۔

[2] تاریخ الطبري (۲۴۷/۳)

[3] ابو قاسم صاحبِ "تاریخ مصر"، مطبوع، امام ذہبی فرماتے ہیں کہ یہ محدث اخباری اور علامہ ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ الکاشف (۳۲۳۶) التقریب (۳۹۱۵)

[4] تاریخ دمشق (۳۰۷/۴۸)

[5] اسے امام ابن حجر نے الإصابة (۳۷۱/۵) میں بیان کیا ہے۔

[6] معرفة الصحابة (۲۲۸۲/٤)

[7] الاستیعاب (۱۲٦۳/۳) تهذیب الکمال (۱۸۹/۲۳)

ضمیمہ

ذوالخویصرہ تمیمی کا تعارف

[**628**] امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے، سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں مالِ غنیمت تقسیم کر رہے تھے کہ عبداللہ بن ذی الخویصرہ تمیمی ادھر آ گیا، کہنے لگا: اللہ کے رسول! انصاف سے کام لیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: ''تیرے لیے بربادی ہو! اگر میں نے انصاف سے کام نہ لیا تو پھر کون انصاف کرے گا؟'' سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کے رسول! آپ اجازت دیجیے، میں ابھی اس بدبخت کی گردن اتار دیتا ہوں۔ فرمایا: ''اسے چھوڑ دو، کیونکہ اس کے کچھ ساتھی ایسے ہوں گے، آپ کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں اپنی نمازیں، ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزے حقیر لگیں گے۔ وہ لوگ دین سے اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار سے نکلتا ہے۔ جس کے پر کو دیکھا جائے تو اس میں کچھ نہیں ہوتا، پھر اس کے پھل یا پیکان کو دیکھا جائے تو اس میں بھی کچھ نہیں ملتا، پھر اس کے تانت کو دیکھیں تو بھی کچھ نہیں ملتا، پھر تیر کے پیکان اور پر کے درمیانی حصے کو دیکھیں تو بھی کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ وہ گوبر اور خون کے درمیان سے پار ہو گیا۔ ان میں ایک شخص ایسا ہو گا کہ جس کا ایک ہاتھ یا ایک پستان، عورت کے پستان کی مانند ابھرا ہوا ہو گا۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک گوشت کے لوتھڑے کی مانند ہو گا، جو اوپر تلے ہلتا رہتا ہے۔ لوگوں کے اختلاف کے وقت یہ لوگ خروج کریں گے۔''

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، نیز گواہی دیتا ہوں کہ انھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ میں آپ کے ساتھ تھا تو ایک شخص کو لایا گیا جو انہیں صفات کا حامل تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی تھیں۔ راوی کہتے ہیں: پھر آیت نازل ہوئی:

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ﴾ [التوبة: ۵۸]

’’کچھ وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں۔‘‘[1]

غریب الفاظ کی شرح گزر چکی ہے۔[2]

اس کا اصل نام:

راوی کا قول: ’’عبداللہ بن ذی الخویصرہ تمیمی۔‘‘ اسی روایت میں ہے کہ اس کا نام عبداللہ بن ذی الخویصرہ تھا۔ یہ معمر کے الفاظ ہیں جو انھوں نے زہری سے بیان کیے ہیں، وہ ابوسلمہ سے اور وہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔

زہری کے اصحاب نے ان کی مخالفت کی ہے اور اس کا نام ذوالخویصرہ[3] بتایا ہے۔ اسی کو حافظ ابن حجر نے درست قرار دیا ہے۔[4]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عمومی احادیث میں اس کا نام ذوالخویصرہ بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ زہری کے اکثر شاگردوں نے ان سے روایت کیا ہے۔ اور درست بات یہی ہے کہ معمر جس معاملے میں منفرد ہیں، یہ ان کا وہم ہے۔[5]

ذوالخویصرہ کے اوصاف:

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حدیث کے آخر میں فرمایا: ایک شخص آیا جس کی آنکھیں اندر کی جانب گہری تھیں، پیشانی اوپر کی جانب ابھری ہوئی تھی، داڑھی گھنی اور رخسار ابھرے تھے، سر منڈوا رکھا تھا۔

ذوالخویصرہ کے نفاق کا ثبوت:

ذوالخویصرہ منافق تھا۔ اس کے نفاق کا ثبوت دو طرح سے ہے:

پہلی وجہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے حدیث کے آخر میں فرمایا: ذوالخویصرہ کے بارے میں آیت نازل ہوئی[6]:

---

1. صحيح البخاري (٦٥٣٤)
2. [رقم:۲۱۶]
3. اور شعیب کے امام زہری کے واسطے سے الفاظ [رقم:۲۱۶] میں گزر چکے ہیں۔
4. هدي الساري لابن حجر (ص: ٣٤٠)
5. الصارم المسلول على شاتم الرسول (ص: ٢٢٧)
6. صحيح البخاري (٦٩٩٥) اور صحیح مسلم کی یہ روایت [رقم: ۲۱۷] میں گزر چکی ہے۔

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ﴾ [التوبة: ٥٨]

''کچھ وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں۔''[1]

یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔[2]

دوسری وجہ: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب اسے منافق کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات کا انکار نہیں کیا۔

[**629**] سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: جعرانہ[3] کے مقام پر ایک شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے واپس آرہے تھے اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی تھیلی میں چاندی کے سکے تھے، آپ ان میں سے نکال کر لوگوں کو دے رہے تھے، اس شخص نے کہا: اے محمد! انصاف کرو، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تیرے لیے ہلاکت ہو، اگر میں ہی انصاف کا دامن چھوڑ دوں گا تو کون انصاف کرے گا؟ اگر میں ہی انصاف نہیں کرتا تو آپ تو خائب و خاسر ہو گئے۔'' سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کے رسول! حکم کیجیے، میں ابھی اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی پناہ اس بات سے کہ لوگ کہیں، میں اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں۔ یہ شخص اور اس کے ساتھی قاریِ قرآن تو ہوں گے مگر وہ ان کے حلق سے نیچے تجاوز نہ کرے گا، یہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔''[4]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس شخص کے منافق ہونے کے بارے میں قرآنی نص وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ﴾ [التوبة: ٥٨]

''کچھ وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ پر اعتراض کرتے ہیں۔''

---

[1] یہ حدیث چند صفحات قبل [رقم: ۶۲۸] میں گزر چکی ہے۔

[2] تفسير الطبري (۳۰۰/۱۴)

[3] جعرانہ: یہ مکہ اور طائف کے مابین کنویں کو کہا جاتا ہے جو مکہ کے زیادہ قریب ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ حنین سے واپس لوٹے تو آپ نے یہاں پڑاؤ کر کے قبیلۂ ہوازن کی بکریاں تقسیم کیں اور یہیں سے احرام باندھا اور آپ نے یہاں ایک مسجد تعمیر کی۔ معجم البلدان (۱۴۲/۲)

[4] صحیح مسلم (۱۰۹/۳)

یعنی وہ آپ پر عیب جوئی اور طعنہ زنی کرتے ہیں۔ اس نے نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا تب کہا تھا جب آپ نے چار لوگوں کو مال دیا، تو اس نے نبی ﷺ کی طرف اس بات کی نسبت کی کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈر رہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں اہلِ زمین میں سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا نہیں ہوں؟ تم مجھے امین نہیں سمجھتے، حالانکہ میں تو آسمانوں میں موجود ذات کا امین ہوں!''

اگر آج کوئی شخص اس طرح کی کوئی بات کہے تو وہ واجب القتل ہے، مگر اللہ کے نبی نے اسے قتل نہیں کیا، کیونکہ وہ بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھا اور نماز پڑھتا تھا جس کی خاطر آپ ﷺ لوگوں سے جنگ کرتے حتیٰ کہ لوگ نمازی بن جاتے۔

اس کا نفاق اللہ کے رسول ﷺ کو ایذا رسانی کی بنا پر تھا، مگر آپ ﷺ نے پھر بھی اس سے درگزر کیا۔ آپ ﷺ منافقین سے تالیفِ قلب کی غرض سے درگزر فرماتے تھے، تاکہ کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگ جائیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرنے لگے ہیں۔[1]

ذوالخویصرہ کا حرقوص بن زہیر کے ساتھ التباس جسے نہروان میں قتل کیا گیا:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے علامہ ابو عمر ابن عبدالبر رحمہ اللہ پر اعتراض کیا ہے، کہتے ہیں: ابو عمر علامہ ابن عبدالبر کا خیال ہے کہ حرقوص بن زہیر ہی اصل میں ذوالخویصرہ تمیمی تھا۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بات درست ہے، کیوں کہ حرقوص بن زہیر سعدی اور ذوالخویصرہ تمیمی میں فرق ہے۔

پہلا شخص ذوالخویصرہ منافق تھا اور اس کا نہروان میں موجود ہونا ثابت نہیں۔ رہا دوسرا تو وہ ایک فاتح قائد تھا۔ امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے ایک لشکر کا کمانڈر بنا کر روانہ کیا، تاکہ وہ ہرمزان کے خلاف جنگ میں عتبہ بن غزوان مازنی کا معاون بن جائے۔ چنانچہ حرقوص نے سوق اہواز کو فتح کیا اور جنابِ عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس کا امیر بنا۔ حرقوص کے لیے اہواز سے تستر تک کے تمام شہروں کے بازار کھل گئے، جزیہ ختم کر دیا گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فتح اور خمس کا پیغام دینے کے لیے خط لکھا۔[3]

---

[1] الصارم المسلول علی شاتم الرسول (ص: ۲۸۸- ۲۲۹)

[2] الإصابة (۱/٤٤)

[3] تاریخ الطبري (۲/٤٩٦)

لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک منافق شخص کو امیر مقرر کر دیں اور اس بات کا بھی امکان نہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک ایسے شخص کو عامل مقرر کریں جسے آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرِعام گستاخی کرتے اپنے کانوں سے سنا ہو، بلکہ آپ نے تو اسے منافق بھی کہا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات کا ردّ نہیں کیا۔ فرمایا: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہیں دی۔ سو حتمی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ذوالخویصرۃ، حرقوص بن زہیر سعدی نہیں تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حرقوص بن زہیر کی حالت بدل گئی تھی، وہ ان لوگوں کا سربراہ تھا جنھوں نے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ پھر یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنگِ صفین میں بھی لڑا لیکن بعد میں اس نے آپ کے خلاف خروج کیا اور اسے حروریہ کے ساتھ ہی نہروان کے مقام پر قتل کر دیا گیا۔[1]

بحث کے نتائج:

1. اسلام کی تاریخ کو بگاڑنے والا حملہ جو پوری اسلامی تاریخ میں عموماً اور عصرِ نبوت، خلفائے راشدین، بنو امیہ اور بنو عباس کے زمانے میں خصوصاً ہوتا رہا، وہ ایک منظّم اور باقاعدہ منصوبے سے کیا گیا حملہ تھا۔ وہ کسی کا بے ساختہ جھوٹ نہیں تھا، نہ ہی کسی فرد کا عمل تھا بلکہ تاریخ میں تدبر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کام کرنے والے ایک خاص منہج پر متفق رہے ہیں، تاکہ وہ اپنے مقصد کو حاصل کر سکیں۔ بسا اوقات زمانہ بدلنے سے اس کی کیفیت تو بدل گئی، لیکن منہج ان کے تقریباً ایک جیسے رہے ہیں اور مقصد بھی وہی رہا اور وہ تھا اسلامی تاریخ کو مسخ کرنا، کیونکہ فاتحینِ اسلام پر طعن کرنا، اسلام کے ہیرو اور اسلام کے عظماء پر طعن اصلاً اسلام کے پھیلاؤ، اس کی نشأۃ اور تبلیغ پر طعن ہے۔

اگر ہم بطور مثال نصر بن مزاحم کی کتاب ''وقعة صفين'' کی مرویات کی طرف نظر دوڑائیں، تو ہمیں اس کی چال کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ کس طرح اس نے تاریخ میں دسیسہ کاری، بہتان اور ملمع سازی سے کام لیا ہے۔ چند چالوں کی بنیاد پر جو درج ذیل ہیں:

پہلی چال: یہ قصے کی ابتدا کسی ایک شخصیت یا چند مشہور شخصیات سے کرتا ہے۔ (جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حمایتی

---

[1] تاريخ الطبري (٢/٤٩٧)

تھے یا فتنے سے الگ رہے۔) تو اس شخصیت کو یا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کی نشانی بنا کر پیش کرتا ہے، یا اس تاریخی روایت میں اس کی طرف سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کھلے عام نصرت بیان کرتا ہے۔

دوسری چال: قصہ کے سیاق میں ایک برے موقف کا ذکر کرتا ہے، پھر اس برے موقف کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین پر گھڑ دیتا ہے۔ یا فتنے سے الگ رہنے والے صحابہ پر گھڑ دیتا ہے۔

تیسری چال: منظم طریقے سے بگاڑ کی ایک صورت شعر اور قصیدے گھڑنا بھی ہے۔ جو جھوٹ اور کذب کو چھپانے کا کام کرتے ہیں۔ کبھی یہ تینوں چالیں چلتا ہے اور کبھی فقط دو چالیں چلتا ہے۔

سو ان جھوٹی مرویات کی صورتِ حال گھڑے گئے قصائد سے مل کر اس خراب گوشت کی مانند ہو جاتی ہیں جو اپنے کھانے والے کے اندر آسانی سے نہیں جاتا، پھر اس گوشت میں دیگر مصالحہ جات اور جڑی بوٹیاں ڈالی جاتی ہیں تاکہ اس کی بدبو زائل ہو سکے۔ جو شخص عمدہ اور ردی گوشت میں امتیاز نہیں کر سکتا وہ اسے مزے لے کر کھائے گا، البتہ جسے اس فرق کا علم ہے وہ اس ردی گوشت کو چکھنے سے پہلے ہی اس کے رنگ اور بو سے جان جائے گا۔ بعینہ جو شخص تاریخ اور اس کے درست منہج سے واقف ہے، وہ اس میں فریب کاری اور جھوٹ کو جان جائے گا۔ اس پر یہ چال کارگر نہ ہوگی۔

2 متاخر مورخین جیسے امام ابن جوزی، ابن اثیر، ذہبی اور ابن کثیر رحمہم اللہ وغیرہ نے تاریخ کو سنہ ہجری کے اعتبار سے ذکر کیا ہے، اور کوشش کی ہے کہ متقدمین تاریخ نگاروں سے مادہ تاریخیہ جمع کیا جائے، لیکن فتنۂ صفین کے واقعات لکھنے میں محدود تعداد میں تاریخی روایات پر اعتبار کیا ہے۔ وہ بھی اکثر تاریخ طبری یا اس کے موارد جیسے سیف بن عمر اور ابو مخنف سے بیان کی ہیں۔ اسی وجہ سے متاخرین کے ہاں تاریخی معلومات کی کمی ہے۔ اس بنیاد پر معاملہ مزید بدتر ہو گیا ہے، کیونکہ ماسوا چند روایات کے، اکثر معاصر تاریخی ابحاث اس دائرے سے نکل ہی نہیں پائی ہیں۔ اور وہ طبری، اس کے موارد اور متاخرین کا مواد ہے۔ پھر ماہرینِ تاریخ پر ایک مشکل یہ پڑی کہ چند ایک کے علاوہ باقی سب نے ایک دوسرے سے روایات نقل کرنا شروع کر دیں، اس ساری صورتِ حال نے معاصر تاریخی دراسات کو کمزور کر دیا ہے اور تاریخی معلومات میں وہی کوتاہی باقی ہے۔

متاخرین ائمہ میں سے ہر کسی نے اپنی تاریخ میں چند اضافوں کی بنا پر دیگر ائمہ سے امتیازی خصوصیت حاصل کی ہے۔

بہ طور مثال ہم امام ابن کثیر رحمہ اللہ کا تذکرہ کرتے ہیں: انھوں نے اکثر اقتباسات کتبِ احادیث سے نقل کیے ہیں اور بعض مواضع پر روایات کی تحقیق کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ جنگِ صفین کے متعلق بیشتر روایات کتبِ تراجم اور طبقات سے نقل کر کے دوسروں سے ممتاز ہوئے۔

تاریخی ابحاث میں محض کتبِ تاریخ، کتبِ تراجم اور طبقات پر اعتماد کرنے کو منہجی خرابی شمار کیا جاتا ہے جو بحث کے نتائج اور تاریخی صورتِ حال کو سمجھنے میں بہت زیادہ سلبی اثر ڈالتا ہے۔ لہٰذا اس کا حل یہ ہے کہ کتبِ احادیث اور آثارِ صحابہ کی جانب رجوع کیا جائے۔

جیسا کہ بہت سی متاخر کتبِ تراجم مثلاً: ''الاستیعاب''، ''تاریخ الإسلام''، ''سیر أعلام النبلاء''، ''تهذیب الکمال'' اور ''الإصابة'' وغیرہ بہت سے معاملات میں یوں سمجھو جیسے ایک ہی کتاب ہو، کیونکہ ان کے مولفین نے اپنا اکثر مواد اور اکثر مواضع پر اس کا اَغلب حصہ ''تاریخ دمشق'' اور ''تاریخ بغداد'' سے حاصل کیا اور پھر نقل در نقل کا سلسلہ چلتا رہا۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ متاخرین کی کتب سے استفادہ کیا جائے گا، البتہ ان پر اکتفا کرنا کافی نہیں ہوگا۔

3 کتبِ تراجم اور کتبِ طبقات میں صفین سے متعلقہ تاریخی مواد قدیم کتبِ تاریخ جیسے طبری، وقعۃ صفین از نصر بن مزاحم، اور کتاب صفین از ابن دیزیل سے زیادہ نفیس اور اوثق ذرائع سے مل جاتا ہے۔ لیکن کتبِ تراجم اور طبقات سے استفادہ کرنا قدرے مشکل ہے، کیونکہ یہ واقعات کی سنوی ترتیب اور تاریخی موضوعات کے مطابق مرتب نہیں ہوتیں۔

کتابوں کی دوسری قسم مثلاً کتبِ حدیث، کتبِ آثار جیسے مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں وثاقت اور نفاست کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے۔

4 جمل اور صفین کی روایات اگر شعر پر مشتمل ہوں تو غالباً ان کی سند صحیح، حسن یا مقبول نہیں ہوگی، بلکہ مردود یا مسکوت عنہ ہوگی۔

5 کتبِ احادیث وآثار میں واقعۂ صفین اور اس سے متعلق واقعات کا حصہ زیادہ ثابت شدہ ہے، بہ نسبت کتبِ تاریخ کے۔

6 جنگِ صفین میں شامل ہونے والے صحابہ کی تعداد تقریباً ۲۵ ہے۔ ان میں سے چار صحابہ: سیدنا علی، سیدنا عمار، سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم عراقی لشکر میں تھے، البتہ چوتھے صحابی کا تذکرہ مجھے نہیں ملا۔ اس کی تعداد کے لیے [رقم: ۵۳] کے بعد کی طرف رجوع کیجیے۔

البتہ ان صحابہ کی تعداد جن کا تذکرہ میں نے صفین میں شامل ہونے والوں کے متعلق صحابہ کے مواقف میں کیا ہے، وہ ۲۱ صحابی تھے، ان کا صفین میں شامل ہونا، صحیح روایات سے ثابت ہے۔ ان میں سے ۱۴ صحابہ عراقی لشکر میں اور سات شامی لشکر میں تھے۔

(7) اہلِ بیت کے سردار ان شامی باغیوں کے خلاف جنگ کے معاملے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے موقف کے خلاف تھے، لیکن ان کے معاندین نہیں تھے، سوائے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے۔ دیکھیں: [رقم: ۹۰، ۹۱] اور ان کے بعد کی تعلیقات۔

(8) جنگِ صفین کے بعد امیر المومنین سیدنا علی، سیدنا معاویہ اور سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کے بعض موقف تبدیل ہو گئے تھے۔

(9) جس مرفوع حدیث میں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے قاتل اور سالب کو دوزخی قرار دیا گیا ہے، وہ مرفوع حدیث صحیح نہیں ہے۔ کلثوم بن جبر نے اسے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مرسل بیان کیا ہے۔ مستدرک حاکم میں اس کی دوسری سند عبدالرحمٰن بن مبارک کی ہے، وہ کہتے ہیں: ہمیں معتمر بن سلیمان نے بیان کیا، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے مجاہد سے اور انھوں نے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے اور انھوں نے اپنے والد سے یہ روایت بیان کی لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔

(10) سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے متعلق سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا موقف تین طرح سے سامنے آتا ہے:

اوّل: ابن عمر رضی اللہ عنہما ان سے منصبِ خلافت کے مطالبہ کی وجہ سے ناخوش تھے۔

دوم: انھوں نے خلیفہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی۔ اسی بنا پر آپ نے ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے لشکر کو باغی گروہ قرار دیا، جیسا کہ آپ نے واقعۂ حرہ ۶۳ھ کے بعد کہا تھا۔

سوم: مروان بن حکم اور اس کا بیٹا عبدالملک خلیفۃ المسلمین سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف باغی تھے۔ حجاج اور اس کی فوج جب ان کے پاس آئی تو انھوں نے ان کو بھی باغی گروہ سے تعبیر کیا، یہ آپ نے سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانۂ خلافت میں اس وقت کہا تھا جب عبدالملک آپ سے قتال کر رہا تھا۔ دیکھیے: [رقم: ۱۷۱] اور کے بعد کی روایات۔

(11) یہ روایت درست ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جنگِ صفین کے بارے میں کہا: میں نے اپنا ہاتھ روک لیا ہے اور مجھے اس پر کوئی ندامت نہیں اور حق کی بنا پر جنگ کرنے والا افضل ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جنگِ صفین میں عدمِ شراکت پر انھیں کوئی ندامت نہیں تھی۔ اور ایک روایت میں ''میں

صفین میں نہیں آیا۔'' کے الفاظ بھی دو ضعیف سندوں سے آئے ہیں۔ پہلے الفاظ سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہیں۔ دیکھیے: [رقم: ۱۵۷ - ۱۵۸]

⑫ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ روایت درست نہیں کہ آپ جنگِ صفین میں عدمِ شراکت کی بنا پر نادم ہوئے۔ دیکھیے: [رقم: ۱۵۹]

⑬ یہ روایت درست ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اجتماعِ حکمین کے وقت خلیفہ منتخب ہو جاتے، مگر آپ نے اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ دیکھیے: [رقم: ۴۲۴] اور اس کے بعد۔

⑭ یہ روایت درست ہے کہ سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی، مگر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی بھی گروہ میں شمولیت اختیار نہ کی۔ دیکھیے: [رقم: ۱۷۹ تا ۱۸۳]

⑮ درست روایات کے مطابق سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ جنگِ صفین کے بعد نہ کہ اس سے پہلے منصبِ خلافت کی خواہش کرنے لگے تھے، کیونکہ اب آپ خود کو اس عہدے کا زیادہ اہل اور اس پر خود کو قادر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ حق دار سمجھتے تھے، کیوں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اہلِ عراق پر عسکری اور اقتصادی طور پر سلطہ ایسا نہیں تھا، جیسا اہلِ شام پر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا تھا اور آپ کی قوت مسلسل بڑھ رہی تھی۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس بنا پر بھی خلافت چاہتے تھے کہ مسلسل فتنوں سے لڑ لڑ کر لشکرِ عراق کی قوت کم ہو رہی تھی، مثلاً خوارج کا فتنہ۔ خلافت کے بارے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ قوت اور معرفت میں فضل رکھنے والے کو سبقتِ اسلام والے سے مقدم رکھا جائے گا۔ اس خواہش کے باوجود سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ شرعی ہونے اور ان کی قرابتِ مصطفوی اور سبقتِ اسلام کے سبب خود سے بہتر ہونے کے مخالف نہیں تھے۔[1]

⑯ یہ روایت بھی درست ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اشعث بن قیس کے اس مطالبہ کو قبول کر لیا تھا کہ وہ اہلِ عراق اور صفین کے پانی میں آڑے نہیں آئیں گے۔ سو آپ نے اہلِ عراق کو پانی پینے کی اجازت دے دی تھی۔ دیکھیے: [رقم: ۲۹۹، ۱۳۰۰، ۳۰۱]

⑰ بعض تاریخی روایات میں تذکرہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ذوالفقار کے ساتھ جنگ کی،[2] اور آپ جنگِ صفین اور جنگِ نہروان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر پر

---

① اس کی تفصیل میں نے (ص: ۵۷۸، ۵۹۱) میں کر دی ہے۔

② دیکھیے: [رقم: ۳۳۰]

سوار تھے۔[1] وہ روایات مگر صحیح نہیں ہیں بلکہ محض من گھڑت افواہیں ہیں، جنھیں شیعانِ کوفہ نے رائج کیا ہے۔

درست بات یہ ہے کہ وہ خچر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ذاتی تھا۔ ابن ابی شیبہ نے شروطِ مسلم پر صحیح سند کے ساتھ نہروان میں ذوالثدیہ کو تلاش کرنے کا قصہ نقل کیا ہے، اس کے الفاظ ہیں: ''آپ نے اپنی سواری منگوائی۔''[2] مسند بزار کے الفاظ ہیں، کہا: ''آپ اپنے دھاری دار خچر پر سوار ہوئے۔'' اس روایت کی سند صحیح ہے۔[3] میں نے یہ واقعات [رقم:۳۵۴] کے حاشیے میں تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

نیز وہ تلوار بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اپنی تھی، کیوں کہ صفین میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی تھی، پھر آپ نے اسے پھینک دیا تھا۔ تو یہ حتمی بات ہے کہ آپ نے پھر دوسری تلوار لی ہوگی، تاکہ لڑائی جاری رکھ سکیں۔ اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ہوتی تو آپ اسے کبھی نہ پھینکتے۔

روایت کے الفاظ ہیں: ''اس دن آپ نے حملہ کیا اور جب تک تلوار ٹوٹ نہیں گئی، واپس نہیں لوٹے۔ آپ نے یہ تلوار ان کی طرف پھینکی اور کہا: اگر یہ نہ ٹوٹتی تو میں کبھی واپس نہ لوٹتا۔''[4]

(18) جلیل القدر صحابی سیدنا ابو الغادیہ جہنی رضی اللہ عنہ کے حالات کے متعلق جس تشویشناک ترجمہ سے کتبِ تراجم بھری پڑی ہیں، ان کا اساسی مصدر ابن عبد البر رحمہ اللہ کی کتاب ''الاستیعاب'' ہے۔ بعد میں آنے والے علماء اور فاضلین نے انہی کے بیان کردہ حالات و واقعات کو انہی کے الفاظ اور مضمون کے ساتھ نقل کرنا شروع کر دیا، حتی کہ یہ گھناؤنے حالات کتبِ علماء میں مشہور ہو گئے۔ واللہ المستعان!

''الاستیعاب'' میں بیان کردہ سیدنا ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کے حالات غیر صائب ہیں۔ جن لوگوں نے اسے نقل کیا ہے، انھوں نے منہجِ تحقیق اور نقدِ روایت پر عمل نہیں کیا۔ اس کی تفصیل ایک مستقل مضمون میں گزر چکی ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۳۶۵] سے پہلے اور اس کے بعد۔

(19) یہ روایت درست ہے کہ سیدنا ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ صفین میں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، البتہ یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ یہ قتل اور جنگ فریقین کے مابین اجتہاد اور تاویل کی بنا پر تھی۔ دیکھیے: [رقم: ۳۵۸ تا ۳۶۲]

---

(1) دیکھیے: [رقم:۳۵۴]
(2) یہ قصہ [رقم:۴۹۶] پر گزر چکا ہے۔
(3) یہ واقعہ [رقم:۵۰۱] پر گزر چکا ہے۔
(4) دیکھیے: [رقم:۳۲۹]

20 یہ روایت درست ہے کہ جنگِ صفین میں سیدنا ابو الغادیہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا علم نہ تھا، سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے شہید ہو جانے کے بعد انھیں پتا چلا کہ انھوں نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے۔[1]

21 یہ ثابت ہے کہ اہلِ شام نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بطورِ امیر قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے لیے بیعت کی، بطور خلیفہ بیعت نہیں کی۔ دیکھیے: [رقم: ۱۱۱ تا ۱۱۷]

22 یہ روایات درست ہیں کہ اہلِ شام نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی بطور خلیفہ اور امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، اس سے پہلے آپ کو امیر کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ تب آپ امیر المومنین نہیں تھے۔ وہ تمام روایات جن میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ واقعۂ صفین کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اہلِ شام نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کر لی تھی، ضعیف ہیں، جن کا کوئی ثبوت نہیں۔ دیکھیے: [رقم: ۱۰۶ تا ۱۴۰]

23 زحر بن قیس جعفی کی بیان کردہ روایت درست ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کے متبعین سے ملاقات کی اور انھیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے متعلق بتایا، تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا اور کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! اگر تو ان کی کھوپڑی ۶۰ تھیلیوں میں بھی لے آئے تو ہمیں یقین ہے کہ وہ اہلِ عرب کو ڈنڈے سے ماتحت کیے بنا نہیں مر سکتے۔'' اس روایت کو زیاد بن عبداللہ بکائی نے مجالد بن سعید کے واسطے سے نقل کیا ہے، اس میں عبداللہ بن سبا کا نام اُلٹا ہو گیا ہے، اور اس کے ذمہ دار زیاد بکائی ہیں، جس کی تفصیل میں ذکر کر چکا ہوں۔ دیکھیے: [رقم: ۵۲۹، ۵۳۰- ۵۳۱]

24 ان لوگوں کا آپ سے جھگڑا کرنا اور کہنا: ''اللہ کی قسم! اگر تو ان کا دماغ بھی لے آئے۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ ابن سبا اپنی قوم میں بہت زیادہ قابلِ عزت تھا، کیوں کہ وہ آپس میں جھگڑے اور مباحثے میں پڑ گئے تو ان میں عبد اللہ بن سبا نے جو قول پھیلایا تھا، وہ ان کے دلوں میں راسخ ہو گیا۔ ابھی ابن سبا نے یہ کلمات کہے ہی تھے کہ انھوں نے فوراً اسے قبول کر لیا۔

25 تین حوادث یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا تحکیم کو قبول کرنا، سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو بطور حاکم متعین کرنا، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرنا۔ غالی شیعہ کے لیے تکلیف کا سبب ہوئے اور وہ اس سے شدید پریشان ہوئے۔ وہ اس بات پر ہرگز راضی نہ تھے کہ دونوں سردار سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے

---

[1] [رقم: ۳۶۲] کے بعد کی تعلیق دیکھیے۔

لختِ جگر سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما دشمنوں کے ساتھ نرمی والا معاملہ کریں۔ اسی بنا پر انھوں نے ان تین واقعات کے بارے میں انتہائی برے قصے گھڑنے شروع کر دیے، جن میں سیدنا علی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہما کی برائی بھی دوسروں کی برائی سے پہلے موجود تھی۔ دیکھیے: دکتور محمد امخزون کا قول [رقم: ۳۹۲] اور اس کے بعد کی تعلیق۔ نیز دیکھیے: [رقم: ۴۰۸] اور اس کے بعد کی تعلیق۔

26 سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کی معزولی کی کہانی اجتماعِ حکمین کے زمانے میں پیدا ہوئی۔ پھر تحکیم کے بعد اس میں ایک قصہ مزید بڑھا دیا گیا، وہ دھوکے اور باہم گالم گلوچ کا قصہ تھا۔ اس واقعے کو اخباریوں نے اپنی روایات میں اسی طرح ذکر کر دیا۔ یعنی: دھوکے اور گالم گلوچ کا قصہ زمانۂ حکمین میں مشہور نہیں ہوا، بلکہ اگلے وقت میں مشہور ہوا، اس کی تفصیل دارقطنی کے قصے کی شرح میں گزر چکی ہے۔[1]

27 تاویلِ قرآن پر قتال، جس کی بشارت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حدیث "خاصف النعل" میں دی گئی تھی۔ اس سے مراد نہروان کے مقام پر خوارج سے جنگ تھی، کیونکہ اس حدیث نے اس جنگ کو دو قیود کے ساتھ مقید کیا تھا: (۱) بشارت، (۲) تاویل۔

یہ دونوں قیود صرف نہروان میں جمع ہوئیں، صفین میں یہ دونوں قیود اکٹھی کسی پر صادق نہیں آتی تھیں، ان پر محض تاویل کی قید منطبق ہوتی تھی۔[2]

28 سیدنا حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح کے ابتدائی خطوط "خلیفہ کی تبدیلی، خلافت کے مقابلے میں مالِ کثیر کا حصول اور خون بہنے سے روکنا" اجتماع کے دن حکمین کے ہاتھوں ہی طے ہو چکے تھے۔ دیکھیے: [رقم: ۵۴۷]

29 یہ روایت درست ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی جو مال کی شرط تھی، وہ آپ نے دو دفعہ حاصل کیا: پہلی مرتبہ آپ کی جائے اقامت کوفہ میں پہنچا دیا گیا اور دوسری مرتبہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بذاتِ خود مقامِ نخیلہ میں سیدنا ابو معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور مال وصول کیا۔ دیکھیے: [رقم: ۵۶۸، ۵۶۹-۵۷۰]

30 یہ روایت درست ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی مال کی شرط کو پورا کیا اور پھر شرط سے بڑھ کر اضافی مال بھی دیا۔ دیکھیے: [رقم: ۵۶۹-۵۷۰]

---

1. دیکھیے: [رقم: ۵۲۸ تا ۵۳۰]
2. اس کتاب میں حدیث "خاصف النعل" کی شرح میں ایک مستقل بحث میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ دیکھیے: [رقم: ۴۸۵] اور اس کے بعد کی تعلیق۔

31 سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو پانچ قاتلانہ حملوں کا سامنا کرنا پڑا، ان میں سے تین حملے صلح سے قبل ان کے عہدِ خلافت ۴۰ھ میں ہوئے۔ اور دو حملے صلح کے بعد واقع ہوئے۔ آپ آخری حملے کے علاوہ تمام حملوں سے نجات پا گئے۔ ان حملوں کے روحِ رواں غالی شیعہ تھے، وہی لوگ سازش کرتے اور چال چلتے تھے، ان کے ساتھ مجوس، اہلِ یہود اور صلیبی رومیوں کا تعاون بھی شامل تھا، کیوں کہ وہ بھی اس ہدف میں غالی شیعہ کے ساتھ تھے، اور وہ ہدف صلح کی راہ میں رکاوٹ بننا اور اہلِ شام سے جنگ کو ہوا دینا تھا۔ دیکھیے: [رقم: ۸۱۸] اور اس کے بعد تعلیق۔

32 یہ مقولہ کہ ''ہر نبی کے دنیا سے کوچ کر جانے کے بعد ہر امت کے اہلِ باطل اس امت کے اہلِ حق پر غالب آ گئے۔'' صحیح قول کے مطابق عامر شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول نہیں ہے۔ دیکھیے: "خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" (۳۸، ۴۱)

33 عبیداللہ بن ابی رافع کی کتاب میں [ان اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا تذکرہ ہے جو جنگِ جمل جنگِ صفین اور نہروان میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے] اس کتاب کی کسی نے بھی توثیق نہیں کی اور یہ من گھڑت قصہ متحرفین کا ایجاد کردہ ہے۔

34 ابن عقدہ کی کتاب میں [سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جنگوں میں شامل ہونے والے اصحابِ رسول کے نام کا تذکرہ] یہ کتاب بھی غیر ثقہ ہے۔

سفارشات:

1 علمِ تاریخ میں اصل الاصول اصولِ حدیث کو بنایا جائے گا، یہ اصل علم ہے۔ اسی بناء پر کالج و یونیورسٹیز میں ضروری ہے کہ وہ اصطلاحات الحدیث کی مبادیات کا علم بیچلر کی ڈگری میں لازمی کر دیں۔

2 میں تحقیق نگاروں کو تاکید کرتا ہوں کہ وہ تاریخی کتب میں محض بڑی تاریخی کتب پر اکتفا نہ کریں، مثلاً تاریخ طبری جس میں سیف بن عمر، ابن اسحاق اور ابن شبہ وغیرہ کی مرویات ہیں۔ کیونکہ محض ان کتب پر اکتفا کرنا اپنے منہج سے روگردانی ہے اور اس سے ناقص اور غلط نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ بلکہ ایسا کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتبِ حدیث، کتبِ آثار اور کتبِ تراجم و طبقات، کتبِ علل وانساب وغیرہ کی جانب رجوع کریں۔[1]

[1] دیکھیے: (ص: ۸۶۸-۸۶۹)

③ میں محققین سے کہنا چاہوں گا کہ "مقتل أمیر المومنین علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ"، ابن ابی دنیا کی اس کتاب کی تحقیق دوبارہ سے کی جائے، کیوں کہ (دار البشائر دمشق ۱۵۲۲ھ) کے نسخہ میں مخطوطات کے بارے میں کافی اختلاف ہے۔ واللہ المستعان!

دیکھیے: [رقم: ۵۲۹]، [۵۳۱] نیز دیکھیں حاشیہ [رقم: ۵۱۲] محقق نے اسناد میں "عن عبیدۃ" کے الفاظ کا اضافہ کر دیا۔

④ میں "تھذیب التھذیب لابن حجر" کے مخطوطے کی تحقیق کی بھی تاکید کروں گا، جو امریکہ کی پرنسٹین یونیورسٹی میں محفوظ ہے۔ "تھذیب التھذیب" کی رائج طبعات کے محققین کو پرنسٹین یونیورسٹی والے نسخہ کا علم ہی نہیں ہے۔ حالاں کہ اس میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے خط سے لکھے ہوئے بہت سے فوائد اور تعلیقات موجود ہیں۔ دیکھیے: حاشیہ [رقم: ۵۷۲]

⑤ میں سفارش کرتا ہوں کہ ان تمام تاریخی کتب کی نصوص جمع کی جائیں، جو مفقود ہیں اور "تاریخ دمشق" وغیرہ میں روایت کی گئی ہیں۔ کیونکہ جس چیز کو مکمل حاصل کرنا ممکن نہ ہو، اس کا بہت سا حصہ چھوڑا نہیں جائے گا۔ یہ مجموعہ متخصصینِ تاریخ کے لیے انتہائی نفع مند ثابت ہوگا۔ ان مفقود کتب میں سے کچھ کے نام:

⊙ الأجزاء المفقودة من "المعرفة والتاریخ" اس میں بہت سی ایسی نصوص ہیں، جنھیں شیخ اکرم ضیاء عمری نے اپنی مطبوع کتاب کے ضمیمے میں درج نہیں کیا۔[1]

⊙ "تاریخ أبي حسان الزیادي" دیکھیے: [رقم: ۵۳۵]

⊙ "التاریخ" لمحمد بن عثمان بن أبي شیبه"، دیکھیے: موارد ابن عساکر في تاریخ دمشق (۱۳۶/۱)

---

[1] پھر مجھے دکتور اکرم عمری نے ماہِ شوال ۱۴۳۷ھ میں بتلایا کہ انھوں نے اسے جمع کرنے کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس پر میں نے انھیں اس میں شرکت کی پیشکش کی، مگر وہ اپنی عادت کے مطابق عالی شان ہمت کے حامل تھے اور کسی کی معونت کو قبول نہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اس کے بعد مجھے ان کے شیخ نے ۲۹/ ربیع الثانی، ۱۴۳۸ھ کو اس بات کی خبر دی کہ انھوں نے یعقوب بن سفیان کی تصنیفات سے مفقود اقسام کو اکٹھا کر لیا ہے اور الحمد للہ اس کی دو جلدیں ہیں۔

⦿ الأجزاء المفقودة من "مسند يعقوب بن شيبة"،[1] یہ کتاب انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ خصوصاً تراجم اور علل وغیرہ کے بیان میں۔

اور پی۔ایچ۔ڈی کا ایک رسالہ جس کا عنوان ہے: "موارد ابن عساكر فی تاريخ دمشق" للدكتور طلال بن سعود الدعجاني"[2] ملا ہے۔ اس میں محقق نے "موارد ابن عساکر" کے مطابق "تاريخ دمشق" کی جملہ نصوص کو الگ الگ کر کے لکھ دیا ہے۔ ان کی تعداد (۹۰۵۲۰) تک پہنچ گئی ہے۔ جن سے ابن عساکر نے تقریباً ۱۰۰۰ مقامات پر اقتباس لیا ہے۔ ان کی تنظیم و تنسیق ضروری ہے اور اگر دکتور طلال اجازت دیں، تو ان سے استفادہ کرنا از حد ضروری ہے۔

چند فوائدِ رجالیہ:

1 احمد بن خازم معافری مصری اندلسی کا تعارف دیکھیے: [رقم: ۳۳۱]

2 ابو صالح جہنی ان کے مولیٰ مصری، لیث بن سعد کے کاتب ان کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ "التقريب" میں لکھتے ہیں: یہ صدوق ہے، بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے، لیکن کتاب میں ثقہ ہے، اس میں غفلت پائی جاتی تھی۔"[3]

ابن حجر رحمہ اللہ نے "هدي الساري" میں کہا ہے: ان ائمہ کے کلام کا ظاہر بتاتا ہے کہ پہلے پہل اس کی حدیث مستقیم تھی، پھر اس میں خلط کرنے لگا۔ سو اس کیفیت کا تقاضا ہے کہ اس کی جو روایت ماہرینِ فن مثلاً: یحییٰ بن معین، امام بخاری، امام ابو زرعہ اور امام ابو حاتم رحمہم اللہ کے واسطے سے ہوگی، وہ روایت درست ہوگی اور جو روایت شیوخ کے واسطے سے ہوگی اس میں توقف کیا جائے گا۔[4]

امام البانی رحمہ اللہ سمجھتے تھے کہ اس کی تمام مرویات ضعیف ہیں، پھر آپ نے ابن حجر رحمہ اللہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔[5] دیکھیے: کتاب: "خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" [رقم: ۳۵]

---

[1] موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق (۵۸۷/۱)

[2] دکتور اکرم ضیاء عمری ثم دکتور مرزوق بن ہیاس زہرانی، اسے عمادة البحث العلمي في الجامعة الإسلامية بالمدينة النبوية، الأولیٰ نے نشر کیا ہے۔ ۱۴۲۵ھ-۲۰۰۴م

[3] تقريب التهذيب (۳۳۸۸)

[4] هدى الساري (ص: ٤١٤)

[5] ملاحظہ فرمایئے: سؤالات أبي عبد الله أحمد بن إبراهيم بن أبي العينين للعلامة محدث العصر الألباني (ص: ١٦٣) مسألة رقم: ٤٩.

3 زہیر بن قیس بلوی تابعی ہیں، ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ یعقوب بن سفیان نے انھیں ثقہ مصری تابعین میں ذکر کیا ہے۔ [رقم: ۳۱] کا حاشیہ ملاحظہ کیجیے۔

4 ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی سے متعلق انتہائی نفیس کلام۔ دیکھیے: المؤلفات السابقة القديمة، الكتاب رقم: ٣.

5 ابو مخنف کے استاد ابو جہضم ازدی کا تعارف دیکھیے: [رقم: ۱۴۰]

6 صاحبِ فتوح الشام، ابو اسماعیل محمد بن عبداللہ ازدی بصری مورخ کا تعارف دیکھیے: [رقم: ۱۴۰]

7 ابو الحسن، عمرو بن عبدالرحمٰن دحیم بن ابراہیم بن عمرو بن میمون قرشی، کی گویا "الوفیات" نامی کتاب ہے، اور یہ ابن امام دحیم ہیں۔ حاشیہ دیکھیے: [رقم: ۵۶۹]

8 سعید بن سوید کلبی حمصی اور سعید بن سوید کوفی کے متعلق دیکھیے، کتاب: "خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" [رقم: ٣٤]

بعض شیوخ اور فاضل محققین کی تعلیقات اور ان کے جوابات، جو شاید ان کے لیے اور قاری کے لیے فائدہ مند ہو سکتے ہیں:

یہ تعلیقات اور جوابات کتاب "صحيح صفين" اور کتاب "خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" میں موجود ہیں۔

⊙ اکرم محمد زیادہ اثری: [رقم: ۱۴۰] دیکھیں: کتاب "خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" [رقم: ٣٧]

⊙ ابو الحسن سلیمانی [رقم: ۳۰۱]

⊙ بشار عواد معروف: عبد الرحمان بن مسعود فزاری کی نسبت میں تصحیف ہوئی ہے، اسے المرادی لکھ دیا گیا ہے۔[1] نیز دوسری تصحیف کے لیے دیکھیں [رقم: ۴۹۵]

⊙ وصی اللہ عباس: دیکھیے، کتاب: "خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" [رقم: ١١]

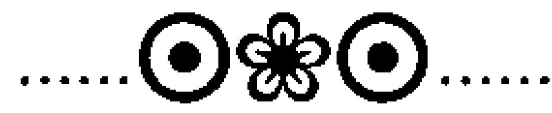
⊙ شعیب ارناؤط: [رقم: ۳۴۹] دیکھیے: کتاب: "خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" [رقم: ۲۱]

---

[1] دیکھیے: کتاب "خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" [رقم: ٣٣] سے قبل کے حاشیے میں۔

⊙ دکتور طلال بن سعود الدعجانی: کتاب: "المؤلفات السابقة (القديمة)" کتاب رقم: ۱۲۔ صفین لابن دیزیل، حاشیہ اور [رقم: ۱۴۸] اور تاریخ ابو حسان زیدی کی تاریخ سے متعلقہ بحث [رقم: ۵۳۵] اور فوائد محمد بن مخلد العطار [رقم: ۲۵۷]

⊙ خلیل بن محمد بن عوض اللہ مطیری عربی: دیکھیں کتاب: "خطبة الحسن ومعاوية رضي الله عنهما عند البيعة" (٤٨)



حصہ دوم:[1]

فضیلۃ الشیخ علامہ محدث عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد حفظہ اللہ کا مقدمہ

(فضیلۃ الشیخ، علامہ، محدث عبداللہ السعد حفظہ اللہ فرماتے ہیں):

روافض کا خلیفہ راشد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرنا:

الشیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ کے ''مجموعہ فتاویٰ''[2] میں بیان ہے:

محمد بن ابراہیم کی جانب سے مکرم علی بن محمد مطوع کے نام خط!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ہمیں آپ کا خط موصول ہوا، جس میں آپ نے بعض روافض کا تذکرہ کیا ہے کہ انھوں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا مجسمہ بنایا ہے، اس مجسمے کو ایک عمدہ لباس داڑھی اور عمامے کے ساتھ مزین کیا ہے، اور اس کی ایک دم بنا دی ہے، جس کا وہ اپنی مجلسوں میں مذاق اڑاتے ہیں، اس کے ارد گرد رقص کرتے اور آپ پر لعنت کرتے ہیں۔ پھر وہ ایک ۲۰ سالہ لڑکے کو لائے، اور اپنے ایک مولوی کو لاکر اس مجسمے سے اس کی شادی کی، اور پھر اس کے ساتھ وہی کچھ کرنے لگے جو آپ جانتے ہیں۔ اس کے بعد انھیں پولیس نے پکڑ کر جیل کی سلاخوں میں بند کر دیا، آپ پوچھتے ہیں کہ ان کے حق میں شرعاً کیا واجب ہوگا؟

خطیب بغدادی بیان کرتے ہیں: ہمیں ابوعبداللہ احمد بن احمد بن محمد بن علی قصری نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو زید حسین بن حسن بن عامر کوفی کو کہتے ہوئے سنا: ابو قاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز بغوی کوفہ آئے تو ہم لوگ ابوعباس احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ کے ہمراہ ان کے پاس سماع کی غرض سے چلے گئے اور ہم نے ان کے بارے میں سوال کیا تو لونڈی کہنے لگی: وہ تو مچھلی اور جو کا مشروب نوش کر کے سو گئے۔

---

[1] اس کتاب کی ابتدا میں شیخ سعد حفظہ اللہ کے مقدمے کا حصہ اوّل گزر چکا ہے۔

[2] دیکھیے: (۱/ ۲۴۸)

اس پر ابوعباس کو ان کے عمر رسیدہ ہونے کے باوجود ان کی اس حالت پر تعجب ہوا۔ اس کے بعد ہمیں اندر آنے کی اجازت ملی، ہم ان کے پاس اندر آئے تو وہ کہنے لگے: ابوعباس! مجھے میری بہن نے بتایا کہ وہ بنوحمان[1] قبیلہ میں مقیم تھیں، اور وہاں ایک چکی والا رہتا تھا، وہ اپنے غلام سے کہا کرتا:

ابوبکر کو ڈنڈے سے مارو، تو وہ خچر کو ڈنڈے مارنے لگتا، یہاں تک کہ رات کا کچھ حصہ گزر جاتا۔ پھر کہتا: عمر کو ڈنڈے مارو، تو وہ دوسرے خچر کو ڈنڈے مارنے لگتا۔ ابوعباس ان سے کہنے لگے: ابو قاسم! آپ کو احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی عصبیت اہلِ کوفہ کے متعلق ایسی باتیں کہنے پر نہ ابھارے جو ان میں نہیں ہیں۔ یہ روایت: ''اس امت میں اللہ تعالیٰ کے نبی کے بعد سب سے بہتر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔'' علی رضی اللہ عنہ سے اہلِ کوفہ کے سوا کسی نے بیان نہیں کی۔ البتہ اہلِ مدینہ نے تو یہ روایت کیا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے چھے ماہ بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی۔ ابو قاسم کہنے لگے: اے ابوعباس! اہلِ کوفہ کی عصبیت آپ کو اہلِ مدینہ پر زبان درازی پر نہ ابھارے، اس کے بعد وہ بیٹھ گئے اور کتب نکال کر ہمیں بیان کرنے لگے۔[2]

یہاں ایک اور حادثہ ہے جو کسی کے خیال سے بھی زیادہ عجیب ہے، جو ۱۳۶۲ھ بروز ہفتہ ۱۴ / ذوالحجہ کو پیش آیا۔ احمد علی بن اسد اللہ کاظمی نے اپنے مذاکرہ (۱/ ۵۳۵) میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: صفا میں مرکز شرطہ کے سامنے ایک ایرانی شخص کو پھانسی دی گئی۔ کیونکہ اس نے جان بوجھ خانہ کعبہ میں نجاست کر دی تھی، میں نے یہ بھی سنا کہ اس نے اپنی داڑھی اور مونچھوں کو اس نجاست سے لبریز کیا، پھر حجرِ اسود کے پاس آکر اس پر داڑھی اور مونچھیں رگڑنے لگا۔ جب اسے پکڑا گیا تو وہ اسی طرح نجاست میں لتھڑا ہوا تھا۔ اس طرح کے نجاست کے واقعات حرم شریف میں مختلف جگہوں پر ایرانیوں کی طرف سے ہوئے۔ اس گھناؤنے جرم کی پاداش میں ان کے بہت لوگوں کو قید کیا گیا۔ انتہی.

ناہید رشلان نے اپنی کتاب ''بنات إیران'' میں کہا ہے: یہ ایک حقیقی واقعہ ہے، جیسا کہ کتاب کے (ص: ۲۷) میں ہے۔ لکھتی ہے: ''میری خالائیں اور محلّہ دار عورتیں ہر ماہ ان مذہبی مردوں کے پاس سماع کے لیے جاتیں، جنھیں میری خالہ مریم اپنے گھر میں بلاتی تھی۔ یہ لوگ حدیث کی پیروی کرتے اور

---

[1] بنو حمان: یہ قبیلے کا نام ہے جو کوفہ میں آکر بسا۔ الأنساب للسمعاني (٢٣٦/٤) مادة: الحماني (فواز)

[2] تاریخ بغداد (٣٢٩/١١) ت: بشار. رشید عطار نے ''نزهة الناظر'' میں امام بغوی کے واقعہ (٣٥- ٣٦) [دار ابن حزم ط:١] میں اور امام ذہبی نے سیر أعلام النبلاء (٤٥١/١٤) میں خطیب بغدادی کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ (فواز)

ائمہ کی شہادت کے بارے میں ان کی نصائح کا تذکرہ کرتے ہیں، عورتیں چٹائی پر بیٹھ جاتیں اور انتہائی موثر انداز میں ائمہ کے مواعظ پر آنسو بہاتی۔ جب یہ دین دار لوگ چلے جاتے تو یہ عورتیں ان لوگوں کی مانند ہی واقعات بیان کرتیں جن کو گزرے پندرہ سو برس گزر چکے، یہ اس طرح سناتی ہیں جیسے ابھی ہو رہے ہوں۔ یہ عورتیں اللہ کے نبی حضرت محمد ﷺ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ، یزید، عمر بن خطاب اور ان کے باہمی اختلافات ان کے عدل اور جود وسخا کا تذکرہ کرتی ہیں۔ وہ ذکر کرتی تھیں کہ خلافت کے حق دار تو علی رضی اللہ عنہ تھے مگر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بجائے جس کو خلیفہ بنایا، اس کا انکار کرتیں۔ انتھی.

اسی طرح (صفحہ: ۵۶) میں ذکر کیا ہے:

''میں کبھی سینما نہیں گئی، البتہ اس کے متعلق میری بہن باری بیان کرتی رہتی تھی، جو ان غمگین ڈراموں سے الگ نوعیت کی چیز تھیں جو مجھے مریم لا کر دیتی تھی۔ وہ غمگین ڈرامے اس طرح ہوتے تھے کہ اس میں نواسہ رسول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے معرکے کی ڈرامائی تمثیلیں بنائی جاتی تھیں، آخری ڈرامہ جو میں نے مدرسہ کے صحن میں دیکھا تھا، وہ انتہائی زبردست کاسٹ پر مشتمل تھا، اس میں حقیقی قسم کے کردار ڈالے گئے تھے اور معرکے کے واقعات کی بہترین ایکٹنگ کی گئی تھی، انھوں نے خون کی آگ بھڑکا دی۔ انھوں نے ورق کے رومالوں سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی تمثیل بنائی، نیز یزید کو لعنت کی اور اس پر تہمت لگائی کہ وہ شراب پینے والا ہے اور قواعدِ اسلام کا مخالف ہے۔

اسی طرح (صفحہ: ۱۴۳) میں لکھتی ہے:

''اس کے بعد طلبہ قم شہر میں[1] شراب کی دکانوں کے خلاف مظاہرے کرنے لگے اور ان کے ساتھ ساواک ایجنسی کے لوگ اور پیراشوٹ فورس تھی۔ خمینی نے شاہ کی حکومت کے خلاف اعلانیہ بغاوت کر دی اور اس کو باغی قرار دے دیا۔ وہ شاہ کو یزید کا نام دیتا تھا، جسے شیعہ فاسق قائد سمجھتے تھے جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا تھا۔ وہاں یزید کو گالی دی جاتی اور داخلی ڈراموں میں اس کا مذاق اڑایا جاتا وہ ڈرامے جو مجھے مریم لا کر دیتی تھی۔''

دکتور فہد السنیدی نے اپنی کتاب ''تجربتي مع الإذاعة'' میں کہا ہے: ''اے میرے قاری بھائی!

---

[1] ایک نص میں ''قم المقدسة'' کے الفاظ آئے ہیں جبکہ یہ مقدسہ نہیں ہے، کیونکہ کسی بھی جگہ کی تقدیس کے لیے کتاب وسنت میں سے کسی شرعی دلیل کا ہونا ضروری ہے، بلکہ یہ عام شہروں کی طرح ایک شہر ہے جس کی کوئی شرعی خصوصیت نہیں۔

آپ یہ رسالہ پڑھیں جسے ایران کے ایک سامع نے بھیجا ہے، جو پہلے روافض مذہب پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت کا انعام دیا۔ جب اس نے اردو کا ریڈیو پروگرام سنا تو اپنی توبہ کا اعلان کر دیا۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ گمراہ مسلمانوں کو ہدایت دے۔''

اس نے ۳۸ صفحات سے زائد صفحات پر مبنی اس رسالے میں اپنا قصہ ذکر کیا ہے۔ میں نے اس میں سے اتنا سا لے لیا ہے، جتنا ہمارے لیے مناسب تھا، بہت سی چیزیں میں نے چھوڑ دی ہیں۔ یہ میں اپنے ان احباب کو دے دوں گا جو توبہ کرنے والوں کے قصوں کو ذکر کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، تا کہ وہ اسے اپنی کتاب میں درج کر لیں۔

اس رسالے کے بعض حصوں کا بیان:

بسم اللّٰه الرحمن الرحيم، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين سيدنا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين إلى قيام يوم الدين.

اس رسالے میں میری زندگی کا بیان ہے، میں نے اپنی عمر کے ۳۰ برس یوں ہی گزار دیے تھے، حتی کہ میں نے حقیقت کو عین الیقین سے دیکھ لیا۔ میری زندگی کی ابتدا ایران کی ایک جنوبی بستی سے ہوئی، جب میں بڑا ہوا اور اس بات کا احساس ہوا کہ میں ایک مذہبی گھرانے کا بڑا آدمی ہوں، تو مجھے اللہ کا خوف آ گیا۔ بچپن میں میرا بڑا بھائی مجھے فجر ادا کرنے کے لیے اپنے ساتھ لے جاتا۔ بچپن کے یہ دن میری زندگی کے حسین ترین دن تھے۔ کبھی تو میں اس پر فخر کرتا ہوں، ہائے وہ خوب صورت یادیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر مومن نوجوان کو یہ روحانی لمحات نصیب ہوں۔

اسی طرح دن گزرتے گئے اور مجھے احساس ہونے لگا کہ گویا ہم محض عبادت کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں اور یہی ہمارے تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے، کیونکہ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ [الذاريات: ٥٦]

''میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔''

مجھے احساس رہتا کہ مجھے اللہ نے تخلیق کیا ہے، میں گھر کا بڑا ہوں، پھر اللہ مجھے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے آیا، اور مجھ سے کہا: یہ لوگ تیرے اہل و عیال اور اقرباء ہیں اور یہ تیرا شہر ہے، تیرا جینا مرنا انھیں میں ہے۔ یہ میرے احساسات تھے، نہیں معلوم درست یا غلط تھے۔ زمانۂ طفولیت کے بہر حال یہی خیالات تھے۔

میں مختلف مقامات پر جاتا اور حقیقت کی تلاش میں رہتا، یہاں تک کہ رمضان کا مہینہ آجاتا۔ ہم نیند سے جاگتے، اور ستاروں کی روشنی میں گھر کے صحن میں بیٹھ کر سحری تناول کرتے۔ اس لذت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ عمر اسی طرح گزرتی چلی گئی حتی کہ میں مدرسہ داخل ہو گیا۔ جب میں پہلی کلاس میں تھا تو کئی نئی چیزیں میرے سامنے آئیں، میں نے دیکھا کہ میرے ہم جماعت محرم کے پہلے دن سے ہی سیاہ لباس زیب تن کر لیتے ہیں اور اپنے گھروں پر سیاہ جھنڈے نصب کر دیتے ہیں۔ یہ رسومات تو مسلسل جاری تھیں، مگر مجھے ان کی خبر نہیں تھی۔

میں نے سوال اٹھانے شروع کر دیے، ابا جان! آپ ضعیف العمر ہیں۔ امی جان! بھائی جان! اے لوگو! یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟ لوگ جواب دیتے کہ محرم الحرام کی دس تاریخ کو ایک شخص شہید کر دیا گیا تھا، یہ تعزیے نیز مسجدوں کے مشابہ گھروں میں سیاہ جھنڈے اسی لیے لگائے جاتے ہیں۔ پھر ان گھروں میں رونا، پیٹنا، نوحہ، چہرہ پیٹنا چھاتی اور گریبان چاک کرنا سب کچھ ہوتا ہے۔ مجھے پہلا دن یاد ہے کہ جب بارش ہو رہی تھی، سیاہ جھنڈے لہلہا رہے تھے اور وہاں موجود سب لوگ رونے لگے۔ میں یہ منظر دیکھ رہا تھا اور لوگوں کی ایک کثیر تعداد مجھے دیکھنے لگی کہ میں بھی ان کی مثل آہ و بکا کروں اور سیاہ لباس زیبِ تن کروں۔ اسی طرح دن گزرتے گئے حتی کہ دس محرم کا دن آن پہنچا، دن کے پہلے پہر میں نے دیکھا کہ لوگوں نے دو جنازے اٹھائے، ہر جنازے پر دو سیاہ کبوتریاں تھیں جنھیں میت کے کپڑوں کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ بچہ ہونے کے ناطے میں نے اس کبوتری کو چھونے یا اسے لے لینے کی خواہش کی۔ لوگ چل رہے تھے، تاکہ جنازہ ادا کیا جائے، میں ان کے پیچھے چل رہا تھا، وہ لوگ سر اور سینے پیٹتے جاتے تھے، اور انتہائی قہر انگیز اشعار پڑھ کر روتے تھے۔ میرا بھی دل جلا، سو میں بھی اپنا سینہ پیٹنے لگا۔ جب تمام مراسم ادا ہو گئیں تو میں اپنے کسی عزیز کے پاس بیٹھ گیا اور پوچھنے لگا کہ یہ کون لوگ ہیں جن کی وفات پر ہم آنسو بہا رہے تھے اور انھیں سڑکوں پر گھما رہے تھے؟ تو وہ مجھے کہنے لگے: یہ سیدنا حسین اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما ہیں جو سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں، انھیں یزید بن معاویہ نے اور اس کے بچوں نے قتل کر دیا ہے۔ یہ لوگ پیاسے تھے اور انھوں نے اپنی موت تک پانی نہیں پیا۔ جو بھی شخص اس قصے کو سنتا ہے وہ صدمے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

تقریباً تین دن بعد میں نے دیکھا کہ وہ جنازے ویسے ہی پڑے ہیں، دفن نہیں کیے گئے، بلکہ وہ اس جگہ موجود تھے جہاں عزادار کھڑے تھے اور اس کا نام حسینیہ رکھا گیا تھا۔ میں حسینیہ میں داخل ہوا اور ان

جنازوں کے قریب ہونے لگا، دل میں خوف تھا کہ بغیر روح دو جسم پڑے ہیں، اور میں ان کے قریب ہو رہا ہوں۔ دنیا کا ہر بچہ ان چیزوں سے ڈرے گا۔ البتہ اس خوف کے باوجود مجھے کبوتر کی فکر ہونے لگی کہ آخر وہ کہاں چلا گیا؟ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ بھاگ گیا ہوگا، لیکن میں اس سے زیادہ ان جنازوں کے قریب نہیں جا سکا۔

کچھ دنوں بعد میں صاحبِ حسینیہ کے بیٹے کے پاس گیا، اور اس سے پوچھنے لگا کہ بقیہ مردوں کی طرح انھیں دفن کیوں نہ کیا گیا؟ تو وہ مزاح میں ہنس دیا، اور کہنے لگا: یہ جنازے نہیں ہیں، بلکہ یہ تو میرے والد نے کپڑوں اور خشک گھاس پھونس سے بنائے ہیں اور پھر ان پر خون کی جگہ سرخ رنگ انڈیل دیا، اس طرح وہ سیدنا حسین اور عباس کے جنازے بن گئے۔ وہ آگے بڑھا، ان مورتیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے لگا اور گھاس پھوس نکالنے لگا۔ اس موقعے پر مجھے یہ تمثیل جھوٹ اور دھوکا محسوس ہوئی اور یہیں سے دین کے نام پر میں نے پہلا جھوٹ دیکھا۔ میں دل میں کہنے لگا: اس رونے پیٹنے اور گریبان چاک کرنے پر افسوس، کیا یہ سب تماشا ان دو مورتیوں کی خاطر تھا؟ اس سے بھی زیادہ مزے کی بات یہ تھی کہ میرے اہل و عیال اور دیگر لوگ ان سے مطالبات کرتے اور مکمل تن دہی اور اخلاص کے ساتھ ان کی جانب جھکتے کہ ''آپ ہماری شفاعت کر دیجیے اور ہمیں جنت کا داخلہ عطا کر دیجیے اور ہمارے گناہوں کو بخش دیجیے اور ہمیں مال و زر کی فراخی عطا فرمائیے۔'' بچوں کے والدین انھیں تلقین کرتے اور ان سے دعا کی التجا کرتے کہ ''آپ ہمیں مدرسہ میں جانے کی توفیق دیجیے، ہمیں کامیابی سے ہمکنار کیجیے۔'' البتہ جہاں تک میری بات ہے تو میں نے خاموش رہنے اور چپ چاپ یہ منظر دیکھنے کے علاوہ کچھ نہ کیا۔ کیا جب میں انھیں پکاروں گا تو میری بات سن لیں گے؟ میں اپنے دائیں بائیں دیکھتا، لوگ اپنی حاجات طلب کر رہے ہیں، اور نذر و نیاز مان رہے تھے کہ اگر آپ نے مجھے میری حاجت کے مطابق عطا کر دیا تو میں اپنے گھر پر آپ کے نام کا ایک بڑا جھنڈا لہراؤں گا، یا آپ کے نام پہ کھانا تقسیم کروں گا، یا کوئی جانور ذبح کروں گا۔ ہر شخص اپنی استطاعت کے بقدر نذر و نیاز کر رہا تھا۔

میرے دوست میرے قریب آئے، کہنے لگے: آپ اپنی حاجت کا مطالبہ کیوں نہیں کر رہے؟ اگر آپ بھی کچھ مانگیں تو آپ کو دیا جائے گا۔ میں نے ان سے کہا: جب تم ان سے مانگتے ہو تو کیا وہ تمھاری پکار سنتے ہیں؟ کیا تمھارا مطالبہ انھوں نے کبھی پورا کیا ہے؟ تو انھوں نے بڑے اطمینان سے کہا: کیوں نہیں، ہم ان کے مقروض ہیں۔ میرے سب ساتھیوں نے مجھ سے کہا؛ ایک دفعہ آزما کر دیکھ لو۔ اس رسالے کے قارئین! اس مسئلے کی بابت آپ کا کیا خیال ہے؟

یہاں تک کہ عاشوراء کا دن ختم ہو گیا، پھر اگلا عاشوراء آیا۔ یہ دن جب بھی آتا، مجھ پر نئے در وَا ہوتے، پھر وہی میرا مدرسہ بن گیا۔ وہاں ایک کتاب "المقتل" کے نام سے ملی، جسے یہ لوگ محرم میں عاشورے کے روز پڑھتے ہیں، اس کتاب میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے معزز گھرانے کے مقتل کا قصہ ہے۔ اس کے مولف کو تحریف، جھوٹ اور جو کچھ وہ کہہ رہا تھا اس کی بابت کچھ بھی علم نہ تھا اور اس کتاب کے مطالب میرے دل میں بتدریج سرائیت کرتے جا رہے تھے۔ میں ان پر ایمان لا رہا تھا، یوں دن گزرتے گئے، حتیٰ کہ مسجد میں موجود مٹی جس پر لوگ سجدہ کرتے تھے وہ بھی اس من گھڑت قبر سے لی گئی تھی اور نماز کے بعد اس مٹی کو بوسہ دیا جاتا اور لوگ اسے چھو کر اپنے ہاتھ آنکھوں اور چہروں پر ملتے تھے اور یوں یہ امور ان کے اور ان کے آباء و اجداد کے دین کا حصہ بن گئے۔ حتیٰ کہ میرا وہ بھائی جو مجھے مسجد لے کر جایا کرتا تھا، اس کے اہداف بھی بدل گئے۔

اس رسالے میں ان کا تذکرہ کرنا درست نہیں بالآخر میں اس مسجد سے حسینیہ واپس آ گیا۔ کیونکہ وہاں بہت سے مراسم تھے اور ہر بڑا چھوٹا اس میں شریک تھا، وہاں کئی مورتیاں نصب تھیں اور بچوں میں مٹھائیاں، صبح کا ناشتہ تقسیم کیا جاتا تھا۔ ہر مطلوبہ جگہ پر ہم وقت سے پہلے پہنچ جاتے، پھر ایک چٹائی پر بیٹھ جاتے، کیوں کہ یہ مسجد میں بیٹھنے سے افضل تھا۔ ہمیں مسجد میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی، محض دن میں تین مرتبہ نماز ہوتی۔ نہ کھانا پینا، نہ ٹھنڈا گرم، کچھ نہیں ہوتا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہمیں ایک شخص نے کہا کہ اس مسجد میں صرف جمعہ کے روز جایا کرو یہ مکمل ہفتے کے لیے کافی ہوگا۔

اس کے بعد کاتب نے جنگ کا ایک قصہ نقل کیا کہ اہلِ شہر کہاں پناہ لیتے تھے اور اسے کن گمراہ کن حالات کا سامنا کرنا پڑا، مگر پھر بھی اس نے ان حالات کا تن دہی سے مقابلہ کیا۔ حتیٰ کہ مصنف نے کہا کہ میں راہِ راست سے بھٹک گیا، جو اللہ کی وحدانیت کا راستہ تھا اور میں کیوں کر نہ بھٹکتا، کیونکہ مجھے اپنے خاندان عزیز و اقارب اہلِ علاقہ اور مدرسہ میں کوئی ایسا نہ ملا، جو اللہ کی وحدانیت پہ یقین رکھتا ہو، ہر کوئی مکمل اخلاص سے غیر اللہ کو پکارتا۔ اس طرح آٹھ برس گزر گئے۔ حتیٰ کہ جنگ اختتام پذیر ہوئی اور سب لوگ جو غیر اللہ کو پکارتے تھے ان میں سے کوئی بھی غیر اللہ کو پکارنے والا نہ رہا اور دیگر لوگوں کی طرح میں بھی ہر چیز بھول گیا۔ البتہ ایک چیز جسے میں بھلا نہ پاتا اور وہ مجھے مسلسل یاد رہتی، گویا مجھے اس سے انسیت ہو گئی تھی۔ لیکن جمیلہ کے قصہ کی مانند دن گزرتے گئے اور یہ محض میرے رب کی رحمت تھی کہ اس نے نصف عمر گزارنے کے بعد اصل دین کی جانب رجوع کا موقع اور سہارا فراہم کیا اور اس کے بارے میں سوال

کرنے کی ہمت اور توفیق بخشی حتی کہ میں حقیقت تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر اس سارے عرصے کے دوران میرا کوئی سوال باقی نہ بچا تھا۔

مجھے اس بات کا بخوبی ادراک تھا کہ ایک ذات ایسی ہے جو ان تمام اوصاف سے بڑھ کر اور قوی ہے، البتہ وہ غائب ہے۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ اسے میرے دل کے حالات کا بخوبی علم ہے کہ میں کیا کچھ چھپاتا ہوں اور کیا ظاہر کرتا ہوں، لیکن میں اس سے کس طرح مل پاتا؟ کیا میں کوئی مکتوب اس کے نام لکھتا اور اسے کسی لفافہ میں بند کر کر سمندر برد کر دیتا، کیا میں کسی خاص جگہ پر جاتا تاکہ اسے دیکھ سکوں اور اس سے ہم کلام ہو سکوں، نہیں نہیں، ہرگز ایسی بات نہیں بلکہ وہ انسان نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی ذات ہے ہائے وہ کون سی ذات تھی کہ زمانۂ طفولیت میں اس کی عبادت کی غرض سے میں مسجد جایا کرتا، صبح سویرے اٹھتا تھا، کیا وہ ذات کہیں چلی گئی یا از حد دور ہے یا پھر میں اس ذات سے بہت دور ہو چکا ہوں؟ میں ان سوالوں کے جواب کا منتظر تھا اور میرے اندر سے مجھے اس کا جواب ملتا۔ گویا کہ کوئی مجھ سے یہ کہہ رہا ہے کہ تیرے سوال کا جواب دینے کی سکت کسی میں نہیں، لوگوں نے ان امور کی خاطر دن کا آغاز نہیں کیا، اسے معیشت کے حصول کا علم حاصل کرنا ہو گا، ہر شخص اپنی چاہت کے بقدر حصولِ رزق کی خاطر محنت کر رہا ہے اور ہماری جامعات ہمیں اس بات کی تعلیم دیتی ہیں کہ کس طرح جھوٹ اور دھوکا دہی سے پاکیزہ زندگی اور وافر مقدار میں دولت اکٹھی کی جا سکتی ہے، لیکن ان سب میں روزی تقسیم کرنے والا کدھر چلا گیا؟ اس عالم میں رزق کی فراوانی کرنے والی ہستی کہاں روپوش ہو گئی؟ ان آرزوں کے ساتھ میں نے اپنی زندگی کے کئی سال گزار دیے حتی کہ ایک رات میں نے اللہ سبحانہ وتعالی کو پکارا اور میں نے گڑگڑا کر اور آنسو بہا کر دعا کی اور اس سے اپنی ہدایت کا مطالبہ کیا، یا پھر ہدایت کے قریب پہنچنے کی دعا کی۔

کچھ ایام کے بعد گویا اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور میں لوگوں کے برعکس راستے پر چلنے لگا۔ یہ انتہائی دشوار گزار راستہ تھا۔ میں ان ایام میں فقر سے جان چھڑواتا تھا مگر میرے اہل وعیال کی خاطر مال و زر کے حصول کے لیے محنت کرنا اور پیٹ بھرنے کے لیے تگ و دو کرنا مجھ پر فرض تھا۔ انسان کا پیٹ صرف قبر کا گڑھا ہی بھر سکتا ہے۔ میں نے دینِ اسلام کی جانب رجوع کر لیا تو لوگ میرا مذاق اڑانے لگے اور توحید کی خاطر میری منفرد حرکات پر مجھے ملامت کرتے، مگر مجھے ملامت کی کوئی پروا نہ تھی، کیونکہ مجھے پتا تھا کہ میں نے کس جگہ اپنا قدم رکھا ہے۔ ایامِ طفولیت میں جس ذات کی میں عبادت کیا کرتا وہی مجھے اصل معبود تک پہنچنے میں کارگر ثابت ہوا۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی وہ ہستی ہیں کہ جس نے مجھ ناچیز کو ہدایت سے ہم کنار کیا اور اپنے راستے پر چلنے کی طرف راہنمائی کی۔ جب میں نے شروع شروع میں اس راستے پر قدم رکھا اور اپنے آپ کو میں نے اس طرف میں چلایا تو مجھے اس بات کا علم ہوا کہ قرآن ہی اصل سہارا ہے۔ دینِ اسلام کو قبول کرنے سے قبل میرا نقطۂ نظر اس کی بابت کچھ اور تھا مگر اسلام لانے کے بعد میں نے اسے اس کے برعکس پایا۔

الحمد لله الذي هدانا لهٰذا، وما كنا لنهتدي لو لا أن هدانا الله، انتهى.

میں کہتا ہوں: یہ سارا واقعہ اس کے برعکس ہے۔ بھلا عقلمند شخص ایسا کرسکتا ہے؟ نہیں، بلکہ کیا اس کے حصول کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ لیکن اس سارے واقعے کا سبب وہ کینہ اور عداوت تھی جو ان کے بڑوں کے دلوں میں موجود تھی اور انھوں نے بقیہ لوگوں کو اس کی تعلیم دی اور بچپن ہی سے ان کی پرورش اسی طرح کی اور انھیں اس سے دور رکھا۔

ابو العباس امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ "المنہاج" میں فرماتے ہیں: یہ لوگ ابولؤلؤ مجوسی سے مدد مانگتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو ابولؤلؤ کے ساتھ راضی ہو، میرا حشر بھی اس کے ساتھ کرنا۔ بعض تو اپنی جنگوں میں اس کو پکارتے ہیں۔[1]

میں کہتا ہوں: ان واقعات میں جو مختلف جگہوں اور مختلف اوقات میں وقوع پذیر ہوئے، ان میں کچھ معاملات ہیں:

1. یہ تمام واقعات صحیح اور ثابت ہیں، کیونکہ یہ مختلف اوقات اور مختلف مقامات سے روایت ہوئے ہیں۔ سو بعض واقعات بعض کی تصدیق کرتے ہیں۔ ان کو عینی شاہدین نے بیان کیا ہے، بلکہ آج تک ایسے کام ہو رہے ہیں۔
2. یہ تصرفات جن کا تذکرہ ہوا، شرع، عقل اور فطرتِ سلیمہ کے منافی ہیں۔
3. بنو آدم کے اہلِ عقل اس بات پر متفق ہیں کہ جسے کوئی مصیبت آئے اور وہ صبر واستقلال کا دامن نہ چھوڑے اور اس کا ہمت سے مقابلہ کرے تو یہ مصیبت پر صبر نہ کرنے والے سے افضل ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوٰلِ وَ الْاَنْفُسِ

[1] منهاج السنة النبوية (٦/٣٧٠- ٣٧١)

وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ
اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾

[البقرة: ١٥٥- ١٥٧]

''اور ہم تمھیں کسی قدر خوف اور بھوک سے مالوں، جانوں اور پھلوں میں کمی کر کے ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔''

اسی بنا پر امت کے عقلمند لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ جو شخص مصیبت کے وقت روتا ہے اس کی عقل کم ہو جاتی ہے، اس اتحاد پر ایک ہزار سے زائد برس کا عرصہ گزر چکا ہے۔

4 ان لوگوں نے فقط انہیں بدعات پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انھوں نے ان مصائب و آلام کی تمثیلیں بنائیں، یوں احساس ہونے لگا جیسے گزشتہ رات ہی یہ واقعات ہوئے ہوں۔ اس سے اس گروہ کا غلو واضح ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کے بڑے اپنے بچوں کو یہ نفرت دے کر جاتے ہیں، یہ ان کی کم عقلی اور بے وقوفی کی علامت ہے۔

5 یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ اور اہلِ بیت کی محبت کا نتیجہ نہیں ہے۔ اگر ان سے محبت ہوتی تو یہ ان کی اقتدا کرتے ہوئے صبر واستقلال کا دامن کبھی نہ چھوڑتے۔ بلکہ یہ تو فقط کسریٰ کا تخت توڑنے والوں سے انتقام لینا چاہتے ہیں، جنھوں نے اسلام اور توحید کی بلادِ فارس میں نشر واشاعت کی اور ظلم وبربریت اور شرک کا خاتمہ کیا۔

اس نتیجے پر علامہ محمد اسد پہنچے ہیں، جو پہلے یہودی تھے، پھر اسلام لائے۔ انھیں ایران میں رہنے کا موقع ملا، ان کے ساتھ میل ملاقات کی، اور ان کے غلو کا مشاہدہ کیا۔ جس کو ان کی کتاب ''الطريق إلى مكة'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔

ان افعال کا نتیجہ ایرانیوں پر اور شیعہ پر انتہائی سلبی نکلا ہے، ان میں غم اور تکلیف عام ہے، ان کے دلوں میں رنج وغم کا قبضہ ہے۔ اور ناامیدی چھا چکی ہے۔ جس سے یہ اپنے آپ کو تھپڑ مارتے، اپنی پشتوں کو زنجیروں سے پیٹ کر خون بہاتے ہیں۔

ان کے خیال میں یہ سب کچھ ان کے آباء و اجداد کے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عدمِ نصرت کا کفارہ ہے۔ اسی بنا پر انھوں نے اہلِ سنت میں سے مسلمانوں کے خلاف بغض وحسد اور کینہ وعداوت رکھنی شروع کی اور سرِ عام قتل کا بازار گرم کیا۔ لوگوں کا خون بہایا اور ان کے اموال پر ڈاکہ زنی کی۔ جیسا کہ اس دور میں عراق اور سوریہ میں ہو رہا ہے۔ ماضی میں شاہ اسماعیل صفوی کے دور میں ہوا۔ جب ایران میں ہر اس شخص کو قتل کر دیا گیا جو شیعہ نہیں تھا، جو کوئی بچ نکلا وہ بھاگ کر اردگرد کے علاقوں اور دیگر ممالک میں چلا گیا۔ جس منہج پر یہ زمانہ ماضی اور دورِ حاضر میں چل رہے ہیں، مستقبل میں بھی ان کا یہی منہج ہوگا۔ ان کی اپنی کتابوں میں تذکرہ ہے کہ امام مہدی جب خروج کریں گے تو وہ مقدس مقام یعنی مسجدِ حرام میں صفا اور مروہ کے مابین لوگوں کا قتلِ عام کریں گے۔ اس سے قبل ۳۱۷ھ میں حرمِ پاک کو مباح قرار دے کر لوگوں کا قتلِ عام کیا اور پھر ان کی لاشوں کو زم زم کے کنویں میں پھینک دیا۔ اسی طرح انھوں نے ہمارے دور میں ۱۴۰۷ھ میں کرنے کی کوشش کی۔ اس بات میں کوئی دو رائے نہیں کہ جس دین کی جانب یہ دعوت دے رہے ہیں، وہ انتہائی جھوٹا دین ہے۔

6 اس عداوت کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ یہ لوگ اس امت کے سب سے بہترین لوگوں، خلفائے راشدین، صحابہ، امہات المومنین اور تابعین جیسے سلف صالحین وغیرہ کو سب وشتم کا نشانہ بنانے لگے۔ یوں یہ ان کی عقیدت کا ایک حصہ بن گیا اور ان کے دین کے ارکان میں سے ایک رکن بن کر رہ گیا اور وہ لعن طعن میں دو قدم اور آگے بڑھ گئے۔ نعوذ باللہ من ذلك.

7 اس کینہ پروری کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف یہود ونصاریٰ اور دیگر گروہوں کے ساتھ تعاون کرنے لگے ہیں، کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کو اپنا پہلا دشمن خیال کرتے ہیں، جبکہ یہود ونصاریٰ اور دیگر کافروں کو ایسا نہیں سمجھتے۔

8 ان جھوٹے قصوں اور خیالی کہانیوں کے باعث ان میں سے بعض لوگ زندگی سے بھاگ نکلے، اور ایک کثیر تعداد کفر والحاد کے شکنجے میں جکڑ کر رہ گئی۔ اسی بنا پر ان کے درمیان مذہبی قیود سے آزاد رہنے والے سیکولر گروہ پھیل گئے۔ جیسے ''تودہ'' کا گروہ، یہ ایران کا ایک مشہور گروہ تھا۔ اسی طرح ایک حزب شیوعی، اور عراق میں بعث پارٹی وغیرہ کھڑی ہوئی تو سب سے زیادہ شیعہ کے لوگ ان پارٹیوں میں شامل ہوئے، آج بھی سوریا میں بعث پارٹی اپنی دھاک بٹھائے ہوئے ہے۔

9 گذشتہ تمام اسباب کی بنا پر، یہ لوگ جہاں بھی جاتے ہیں، فساد برپا کرتے ہیں اور ہر شہر میں خون خرابہ اور فساد کرتے ہیں، وہاں موجود عمارتوں کو منہدم کرتے ہیں۔ ان کے تازہ حالات یہی ہیں جو انھوں نے عراق وشام میں قتل وغارت کی، لوگوں کو سزائیں دیں اور امن والے ممالک میں بم دھماکے کیے۔ اسی طرح انھوں نے یمن اور بحرین میں سفاکیت کی مثال قائم کی۔ ان سب کا ذکر تو الگ بحث ہے۔

پھر دیکھیے کہ بعث پارٹی جو جاہلیت اور قومیت پر کھڑی جماعت ہے، اور ایران جو اسلامیت کا دعویدار ہے، اس نے حزب پارٹی کی کس طرح مدد کی۔ حالاں کہ اس گروہ نے اپنی ایک ذیلی تنظیم کے ساتھ مل کر آٹھ برس تک قتل وغارت گری کی۔ یہی چیز ان کے جھوٹ کو واضح کر دیتی ہے اور ان کے اسلامی جھنڈے کو اٹھانے والے جھوٹ کا پردہ چاک کر دیتی ہے۔ یہ اسلام کا جھنڈا اٹھانے والے کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ جن کے دارالحکومت تہران تک میں اذان کی آواز سنائی نہیں دیتی، باقی شعائرِ اسلام کا تو خیر کیا حال ہو گا۔ انہی کے مثل حسن نصر اللہ ہے جو ایران کا ہی پیروکار ہے۔ وہ جھوٹ و کذب کے ساتھ جہاد اور مقاومت کا جھنڈا اٹھاتا ہے، اور شام کے عوام کا قتلِ عام کرتا ہے اور انھیں ان کے گھروں سے نکال دیتا ہے۔ ان کا یہ منہج آج کا نہیں ہے، بلکہ بہت پرانا ہے۔

ابو العباس امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جو کچھ ماضی میں سنا گیا یا نقل کیا گیا، اس کو تو رہنے دیجیے، ہر عقلمند شخص خود دیکھے کہ اس کے زمانے میں کیا ہو رہا ہے، اس کے دور میں فتنے، شر اور فساد کون برپا کر رہا ہے، تو وہ دیکھے گا کہ سب سے زیادہ یہ مصائب روافض کی طرف سے ہوں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ لوگ فتنہ اور شر کے اعتبار سے سب سے بڑھے ہوئے ہیں، اور وہ ممکنہ حد تک امت میں فتنہ، شر انگیزی اور فساد پھیلانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔

ہم یہ بات تواتر کے ساتھ اور اس دور میں عین الیقین سے دیکھ چکے ہیں کہ چنگیز خان نے اسلام میں کس قدر شر انگیزی پھیلائی۔ کوئی عقل مند اس بات میں شک نہیں کر سکتا کہ کفار اور مشرکین کا غلبہ، جو شہادتین کا اقرار تک نہیں کرتے، نہ ہی اسلام کے بنیادی پانچ اصولوں کو مانتے ہیں ....۔[1]

نیز امام رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہر عقلمند شخص اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ ان جیسے لوگوں کا مسلمان ملکوں پر غلبہ، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب بنو ہاشم خصوصاً سیدنا عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی اولادوں پر

[1] منهاج السنة النبوية (٣٧٢/٦)

غلبہ، قتل وغارت گری، عورتوں کو قیدی بنانا، ان کی شرمگاہوں کو حلال کرنا، بچوں کو قیدی بنانا، انھیں غلام بنانا، انھیں دین سے نکال کر کفر کی طرف راغب کرنا۔ اہلِ علم، اہلِ قرآن، اہلِ دین کا قتلِ عام۔ مساجد کے مقابلے میں بت خانوں کی تعظیم، نصرانی مشرکین کو مسلمانوں کے مقابلے میں بلند کرنا، اور خیال عام کرنا کہ مشرکین اور اہلِ کتاب کی عزت زیادہ ہے۔ ان کی حرمت ایک مسلمان کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

اس طرح کے مزید بہت سے ہلاکت آمیز معاملات، یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے آپس کی جنگ سے بھی زیادہ ضرر رساں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے امت پر ایسے حالات پیدا ہوتے دیکھے تو آپ نے ان پر شدید غصہ کیا، جو دو مسلمانوں کے آپس میں لڑنے والے غصے سے کئی درجے زیادہ تھا۔ کیوں کہ دو مسلمان جو بادشاہت کی خاطر آپس میں لڑ رہے ہیں، اور وہ ایک دوسرے کی حرمتوں کو قیدی نہیں بناتے، نہ کسی کافر کو نفع دیتے ہیں اور نہ ہی اسلام کے متواتر اور ظاہری شرائع کا ابطال کرتے ہیں۔

اس سب کے باوجود روافض کفار کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، مسلمانوں کے خلاف ان کی نصرت وحمایت کرتے ہیں، جیسے لوگوں نے دیکھا کہ ۶۵۸ھ میں ترکوں کا کافر بادشاہ ہلاکو خان آیا، تو شام، مدائن، اہلِ حلب اور اس کے اردگرد کے علاقوں سے، اہلِ دمشق اور اس کے اردگرد کے علاقوں سے ان لوگوں کی ایک کثیر تعداد اس کی بادشاہت کے قیام اور مسلم بادشاہت کے زوال میں اس کی معاون و مددگار رہی۔

اسی طرح ہر عام وخاص بخوبی جانتا ہے کہ ہلاکو خان عراق آیا تو عراق کا کیا حال ہوا، اس نے خلیفہ کو قتل کیا اور اس قدر خون ریزی کی جسے صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ خلیفہ کا وزیر ابن علقمی تھا جس نے روافض اپنے مصاحب بنا رکھے تھے۔ انھوں نے باطنی اور ظاہری طور پر اس کی مدد کی جس کی تفصیلات کا ذکر طوالت کا باعث بنے گا۔[1]

روافض کے یہود کے مشابہ ہونے کا بیان:

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ روافض نے بہت سے معاملات میں یہود کی مشابہت کی ہے۔ اس بات کو ہر وہ شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے جو ان دو مذاہب میں موازنہ کرے گا اور ان کے مسالک کو بخوبی جانتا ہو، ان میں سے بعض کا ذکر امام عامر بن شراحیل شعبی نے کیا ہے، ان کے بعد بھی بہت سے علماء نے ان کا تذکرہ کیا ہے جس سے ہماری بات کو تائید ملتی ہے کہ اس مذہب کا اصل واضع یہودی تھا۔

---

[1] منهاج السنة النبوية (٦/٣٧٣- ٣٧٤)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ "منهاج السنة النبوية" میں فرماتے ہیں: ابوحفص بن شاہین نے کتاب "اللطيف في السنة" میں بیان کیا ہے، مالک بن مغول بیان کرتے ہیں، امام شعبی مجھ سے کہنے لگے: میں آپ کو گمراہوں سے تحذیر کرتا ہوں، ان میں سے بدترین لوگ روافض ہیں جو دینِ اسلام میں رغبت یا خوف کی بنا پر داخل نہیں ہوئے، بلکہ انھوں نے اہلِ اسلام سے انتقام لینے اور ان کے خلاف سرکشی کی خاطر اسلام میں شمولیت اختیار کی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے انھیں آگ میں جلایا اور انھیں دیگر ممالک کی جانب جلا وطن کر دیا۔ ان میں عبداللہ بن سبا یہودی (جو صنعاء کے یہود میں سے تھا) کو ساباط کی جانب اور عبداللہ بن یسار کو خازر کی جانب جلا وطن کیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ روافض کا پیشہ ہی یہود سے مشابہ ہے، یہودیوں نے کہا: ملوکیت و بادشاہت صرف آلِ داود میں رہے گی اور روافض نے کہا: امامت صرف اولادِ علی رضی اللہ عنہ کا حق ہے۔ یہود نے کہا: جہاد فی سبیل اللہ تب تک نہ ہوگا، جب تک مسیح دجال خروج نہ کر لے، اور تب تلوار آسمان سے نازل ہوگی۔ روافض نے بھی کہا: جہاد فی سبیل اللہ امام مہدی کے آ جانے تک نہ ہوگا، اور ایک ندا لگانے والا آسمان سے ندا لگائے گا۔ یہود نماز کو ستاروں کے باہم مل جانے تک مؤخر کرتے ہیں۔ اسی طرح روافض نمازِ مغرب کو ستاروں کے مل جانے تک موخر کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ "میری امت تب تک فطرت پر قائم رہے گی، جب تک وہ نمازِ مغرب کو ستاروں کے نکلنے تک موخر نہ کرے گی۔" یہود قبلہ سے کچھ ہٹ کر نماز ادا کرتے ہیں، روافض کا بھی یہی حال ہے۔ یہود نماز میں نیند میں جھومتے ہیں اور گھر واپسی پر اسی طرح کرتے ہیں، یہود نماز میں کپڑوں کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ روافض بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ یہود عورتوں کی عدت کے قائل نہیں ہیں، یہی حال روافض کا ہے۔ یہود نے تورات میں تحریف کر ڈالی، اسی طرح روافض نے قرآن بدل ڈالا۔ یہود کہتے ہیں: اللہ نے ہم پر ۵۰ نمازیں فرض کی تھیں۔ روافض کا بھی یہی کہنا ہے۔ یہود اخلاص کے ساتھ مسلمانوں کو سلام نہیں کہتے، بلکہ وہ کہتے ہیں: تم پر موت واقع ہو۔ اسی طرح روافض کرتے ہیں۔ یہود بام مچھلی مرماہی اور دم کا گوشت نہیں کھاتے۔ روافض بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ یہود موزوں پر مسح کرنے کو درست نہیں سمجھتے۔ روافض بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ یہود لوگوں کا مال مباح قرار دیتے ہیں، روافض بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں قرآنِ مجید میں ان کی بابت خبردار کرتے ہوئے کہا:

﴿ لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّنَ سَبِيلٌ ﴾ [آل عمران: ۷۵]

''ہم پر اُمّیوں (عربوں) کی بابت کوئی گناہ نہیں۔''

روافض بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ یہود نماز میں اپنے قرون پر سجدہ کرتے ہیں، یہی حال روافض کا ہے۔ یہود تب تک سجدہ نہیں کرتے جب تک اپنے سر کو رکوع کی مانند کئی مرتبہ حرکت نہیں دے دیتے۔ روافض بھی اسی طرح کرتے ہیں۔ یہود سیدنا جبرائیل علیہ السلام سے بغض رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ملائکہ میں سے یہ ہمارا دشمن ہے۔ روافض کا بھی یہی حال ہے، وہ کہتے ہیں: سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے حضرت محمد ﷺ پر وحی لانے میں غلطی کی۔ اسی طرح روافض نصرانیوں کے خصائل میں بھی ان سے متفق ہیں، ان کے نزدیک عورتوں کا حق مہر نہیں ہے، وہ یوں ہی ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور روافض نکاحِ متعہ کرتے ہیں اور اسے حلال قرار دیتے ہیں۔

البتہ دو خصائل میں یہود و نصاریٰ روافض سے افضل ہیں، یہود سے پوچھا جائے کہ تمھاری امت کے سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں: اصحابِ موسیٰ سب سے افضل ہیں۔ نصرانیوں سے پوچھا جائے کہ تمھارے دین میں سب سے بہترین لوگ کون ہیں؟ تو وہ سیدنا عیسیٰ کے حواریوں کا نام لیتے ہیں۔

جب کہ روافض سے سوال کیا جائے کہ تمھارے نزدیک بدترین لوگ کون ہیں، تو وہ اصحابِ محمد ﷺ کا نام لیتے ہیں۔ انھیں صحابہ کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا، انھوں نے گالم گلوچ شروع کر دی۔ اسی بنا پر تا قیامت ان پر تلوار تنی رہے گی، ان کا کوئی علم بلند نہ ہوگا اور یہ کبھی ثابت قدم نہ ہوں گے، اور کبھی ایک کلمہ پر اکٹھے نہ ہوں گے۔ ان کی دعوت ناکام رہے گی، ان کا کلمہ مختلف رہے گا اور ان کا اجتماع متفرق رہے گا، جب بھی جنگ کی آگ بھڑکائیں گے اللہ تعالیٰ اس کو بجھا دے گا۔

میں کہتا ہوں: اس کلام کا بعض حصہ امام شعبی سے ثابت ہے۔ جیسے آپ کا قول ہے کہ اگر شیعہ جانور ہوتے تو یہ یقیناً گدھے ہوتے اور اگر پرندے ہوتے تو گدھ ہوتے۔

ابن شاہین کہتے ہیں: ہمیں محمد بن عباس نحوی نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: ہمیں ابراہیم حربی نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں ربیع زہرانی نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں وکیع بن جراح نے، وہ کہتے ہیں: ہمیں مالک بن مغول نے یہ قصہ بیان کیا۔ البتہ مذکورہ سیاق عبدالرحمٰن بن مالک بن مغول، عن ابیہ، عن الشعبی کی سند سے معروف ہے۔[1]

[1] منهاج السنة النبوية (۱/۲۳- ۲۸)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں: شعبی نے جو چیزیں ذکر کی ہیں، روافض میں موجود ہیں۔ بلکہ ان کی بیان کردہ چیزوں سے کہیں زیادہ موجود ہیں، جیسے روافض یہود کی مشابہت میں بطخ اور اونٹ کا گوشت حرام قرار دیتے ہیں۔ جمع بین الصلاتین میں یہود کی مشابہت کرتے ہوئے، تین اوقات میں نماز ادا کرتے ہیں۔ نیز یہود کی مشابہت میں کہتے ہیں کہ شوہر کے پاس موجودگی کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی۔ یہ لوگ مسلمانوں اور اہلِ کتاب کے ابدان کو نجس قرار دیتے ہیں۔ ان کے ذبیحہ کو حرام سمجھتے ہیں۔ ان کے وضو خانوں، مائعات اور وہ برتن جن میں ان کے علاوہ کوئی اور شخص کھانا کھائے، ان سب کو نجس قرار دیتے ہیں۔ یہودیوں کا سامری گروہ بھی یہی نظریہ رکھتا ہے، جو یہود سے بھی زیادہ بدبخت ہیں۔ اسی لیے لوگ انھیں مسلمانوں میں سامریہ کہتے ہیں۔ اسی طرح ان کی تقیہ کی عادت، نیز ظاہر کچھ کرنا اور دل میں کچھ رکھنا، یہ سب یہود کی مشابہت کی بنا پر ہیں، اور ان کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔[1]

روافض کی بعض حماقتوں کا بیان:

گذشتہ صفحات میں روافض کی طرف سے شریعت، عقلِ سلیم اور فطرتِ سلیمہ کی مخالفت کرنے کا بیان گزر چکا ہے۔

مثلاً ان کے بعض لوگ اس نہر سے پانی نہیں پیتے، جسے یزید نے کھدوایا تھا۔ حالانکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے ان نہروں سے پانی پیا، جنھیں کفار نے کھودا تھا۔ ان کے بعض لوگ شامی شہتوت نہیں کھاتے، حالانکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی بلادِ کفار سے آئے پنیر کو تناول فرمایا کرتے اور کفار کے تیار کردہ لباس زیبِ تن کرتے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر و بیشتر ملبوسات کفار کے بنائے ہوئے تھے۔

اسی طرح لفظ "عشرۃ" کا تکلم کرنا ناپسند کرتے ہیں، اسی طرح کوئی ایسا کام جس میں ۱۰ کا ہندسہ ہو، اس کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ حتی کہ عمارتوں میں ۱۰ ستون بنانے کو مکروہ قرار دیتے ہیں وغیرہ! اس کا سبب خیار صحابہ سے بغض رکھنا ہے۔ دس سے مراد عشرہ مبشرہ صحابی ہیں، جنھیں بزبانِ نبوت جنت کی بشارت ملی: سیدنا ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید بن عمرو بن نفیل، عبدالرحمن بن عوف اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم۔

---

[1] منهاج السنة النبوية (١/٣٧- ٣٨)

یہ لوگ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے علاوہ بقیہ تمام صحابہ، مہاجرین و انصار سابقون الاوّلون اسلام لانے میں پہل کرنے والے اور جن صحابہ نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی، سب سے بغض رکھتے ہیں۔ بیعتِ رضوان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرنے والے صحابہ کی تعداد ۱۴۰۰ تھی، ان کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ ان پہ راضی اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا غلام کہنے لگا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! حاطب دوزخی ہے، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ غلط کہہ رہے ہیں، وہ جنگِ بدر اور صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔''[1] اس سب کے باوجود روافض ان پر تبرا کرتے ہیں، بلکہ ۱۰ سے کچھ زائد صحابہ کے علاوہ یہ بقیہ تمام اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان اور تبرا کرتے ہیں۔ بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عشرہ مبشرہ سب سے بڑے کافر تھے، پھر بھی ۱۰ کے ہندسے کو چھوڑنا تو درست نہیں۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴾ [النمل: ٤٨]

''مدینہ میں نو لوگ تھے، جو زمین میں فساد مچاتے تھے اور اصلاح نہیں کرتے تھے۔''

تو اس بنا پر ۹ کے ہندسے کو چھوڑا تو نہیں جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کئی مقامات پر ۱۰ کے ہندسے کی مدح کی ہے، فرمایا:

﴿ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ﴾ [البقرة: ١٩٦]

''جو نہ پائے تو وہ حج میں تین دن کا روزہ رکھے اور سات روزے واپسی پر رکھے، یہ مکمل دس ہوئے۔''

نیز اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقٰتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ ﴾ [الأعراف: ١٤٢]

''ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر انھیں دس کے ساتھ مکمل کیا، اس طرح تیرے رب کے میقات چالیس راتیں مکمل ہو گئے۔''

---

[1] صحيح مسلم (١٦٩/٧)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴾ [الفجر:١- ٢] ''فجر کی قسم! اور دس راتوں کی قسم۔''

صحیح البخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کی آخری دس راتیں اعتکاف کرتے تھے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ فوت ہو گئے۔[1]

آپ ﷺ نے لیلۃ القدر کے متعلق فرمایا: ''لیلۃ القدر کو رمضان المبارک کی آخری دس راتوں میں تلاش کرو۔''[2]

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ذوالحجہ کے ۱۰ دنوں میں کیا گیا نیک عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔''[3] اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ نو کے ہندسے سے محبت کرتے ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ ۱۰ میں سے نو سے بغض رکھتے ہیں۔

اسی طرح یہ لوگ سیدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم نام نہیں رکھتے، اسی طرح جو ایسے نام رکھتا ہے اسے بھی چھوڑتے ہیں، اور اس کے ساتھ معاملات کرنا پسند نہیں کرتے، جبکہ یہ معلوم بات ہے کہ اگر یہ سب سے بڑے کافر بھی ہوتے تو بھی شریعت میں ایسا کچھ نہ تھا کہ بندہ ان جیسے نام ہی نہ رکھے۔ صحابہ میں ولید نام کے صحابہ موجود تھے اور نبی کریم ﷺ ولید کے لیے قنوت میں کرتے تھے، فرماتے: ''اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے۔''[4] ان کے والد کا نام بھی ولید بن مغیرہ تھا، جو سب سے بڑا کافر تھا۔ وہ وہی ''وحید'' ہے جس کا قرآنِ مجید میں ذکر ہوا ہے:

﴿ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴾ [المدثر:١١]

''مجھے اور اس کو تنہا چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا ہی پیدا کیا۔''

اسی طرح صحابہ میں سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نام کے صحابی تھے اور مشرکین میں بھی عمرو نام کے لوگ موجود تھے، جیسے عمرو بن عبدِ ود، ابوجہل جس کا نام عمرو بن ہشام تھا۔ صحابہ میں سیدنا خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ

---

[1] صحيح البخاري (١٩٢٢) صحيح مسلم (١٧٥/٣)

[2] صحيح البخاري (١٩١٧)

[3] صحيح البخاري (٩٢٦) سنن الترمذي (٧٥٧) ت: بشار۔ یہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں۔

[4] صحيح البخاري (٧٧١)

شروع میں اسلام لانے والے صحابی ہیں اور مشرکین میں خالد بن سفیان ہزلی ہے۔ صحابہ میں سیدنا ہشام نامی صحابی تھے، مثلاً: ہشام بن حکیم اور ابوجہل کے باپ کا نام ہشام تھا۔ سیدنا عقبہ نامی صحابی تھے، مثلاً: ابومسعود عقبہ بن عمرو بدری اور عقبہ بن عامر جہنی، جبکہ مشرکین میں عقبہ بن ابی معیط تھا۔ صحابہ میں سیدنا علی اور عثمان رضی اللہ عنہما تھے اور مشرکین میں کئی لوگ تھے جن کا نام علی تھا، مثلاً علی بن امیہ بن خلف، جسے حالتِ کفر میں جنگِ بدر میں قتل کر دیا گیا۔ اسی طرح عثمان بن ابی طلحہ بھی حالتِ کفر میں قتل کر دیا گیا۔ اس کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کسی نام کو فقط اس وجہ سے ناپسند نہیں کرتے تھے کہ وہ کسی کافر کا نام ہے۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ سب لوگ کافر تھے، پھر بھی اس سے ان ناموں کو ناپسند کرنا لازم نہیں آتا، کیوں کہ معلوم ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ان ناموں سے پکارتے تھے اور لوگوں کو بھی انھیں ان ناموں سے پکارنے کا حکم ارشاد فرمایا کرتے۔ ان میں بہت سے لوگ منافق تھے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے نفاق کو جانتے تھے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ان کے ناموں سے پکارتے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کا نام ان کے نام پر رکھا۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ ایسے نام رکھنے جائز ہیں، اگرچہ اس کا مسمّی مسلمان یا کافر ہو۔ یہ اسلام کا ایک معلوم امر ہے، جو ایسے نام سے پکارنا جائز نہ سمجھتا ہو وہ اسلام کا سب سے بڑا مخالف ہے۔ پھر یہ لوگ علی، جعفر، حسن یا حسین یا اس طرح کا کوئی اَور نام رکھنے والے کی بے حد تعظیم کرتے ہیں۔ یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ ان میں سے ہے، بلکہ اہلِ سنت ایسے نام رکھتے ہیں۔ لیکن یہ قوم انتہاء کی جاہل ہے۔[1] [2]

---

[1] منهاج السنة النبوية (١/٣٨- ٤٤)

[2] اس بات کو جاننا بھی ضروری ہے کہ بعض لوگوں نے روافض کی ہر بات کو باطل قرار دیا ہے جبکہ ایسی بات نہیں ہے، بلکہ ان کے بعض اقوال کی بعض اہلِ سنت نے مخالفت کی ہے اور بعض نے موافقت کی ہے۔ جبکہ درست بات یہ ہے کہ ان کی مؤافقت کے باوجود اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس مسئلہ میں وہ منفرد ہیں اس میں وہ درست ہیں اور حق پر ہیں، بلکہ بعض لوگوں نے ان کی بدعات کو شمار کیا ہے۔ مثلاً جہراً بسملہ پڑھنا، مطلق طور پر موزوں پر مسح ترک کرنا، اگرچہ وہ حضر میں ہو یا سفر میں۔ اسی طرح نمازِ فجر میں قنوت کرنا، حجِ تمتع کرنا، طلاقِ بدعی کے لزوم کو منع کرنا، قبریں پکی کرنا، نماز میں دونوں ہاتھ چھوڑ دینا اور دیگر ایسے مسائل جن کے مابین علمائے سنت تنازع کا شکار ہیں۔ بعض اوقات ان کا قول اہلِ سنت کے قول کے موافق ہوتا ہے مگر وہ اجتہادی مسئلہ ہوتا ہے، لہٰذا جب کوئی معاملہ شعار بن جائے تو اس کے انکار کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، اگرچہ اس مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش ہو۔ اسی طرح قبر پر ٹہنی رکھنا جو بعض صحابہ سے منقول ہے۔ اس طرح کے دیگر مسائل وغیرہ۔

نیز امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان کی ایک حماقت یہ بھی ہے کہ انھوں نے منتظر کے مختلف مشاہد بنا رکھے ہیں، جہاں سے وہ اس کا انتظار کرتے ہیں۔ مثلاً ان کے زعم میں امام مہدی سامرا کی سرنگ میں غائب ہیں۔ اس کے علاوہ بھی دیگر مقامات سے منتظر کا انتظار کرتے ہیں۔ یہ لوگ وہاں کوئی جانور مثلاً خچر یا گھوڑا وغیرہ لے کر کھڑے ہوتے ہیں، تاکہ جب وہ خروج کریں تو اس پر سوار ہو جائیں۔ اور دن کے دونوں پہر وہاں کھڑے رہتے ہیں۔ ایک شخص اعلان کرتا ہے۔ اے ہمارے آقا! باہر تشریف لائیں۔ اے ہمارے حضرت، آجایئے! اور ان کے لیے ہتھیار ہمہ وقت تیار رکھتے ہیں اور کوئی بھی شخص وہاں پر جنگ وجدل نہیں کرتا۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو نماز کے اوقات میں بھی مسلسل وہاں کھڑے رہتے ہیں، اس ڈر سے نماز ادا نہیں کرتے کہ کہیں وہ حالتِ نماز میں نکل نہ آئیں اور وہ نماز میں مشغول ہوں اور ان کی خدمت سے محروم رہ جائیں۔ یہ لوگ دور دراز مقامات، مثلاً مدینہ منورہ سے ماہِ رمضان کے آخری عشرے میں یا کسی اَور دن مشرق کی طرف منہ کر کے بلند آواز سے انھیں پکارتے ہیں اور اس کے خروج کا مطالبہ کرتے ہیں۔

یہ بات معلوم ہے کہ اگر وہ موجود ہوتے اور اللہ تعالیٰ انھیں حکم دیتا تو وہ ضرور باہر آجاتے، چاہے انھیں آواز دی جاتی یا نہ دی جاتی۔ لیکن اگر انھیں اجازت نہیں ملی تو پھر وہ ان کی کسی بات کو شرفِ قبولیت نہ بخشیں گے۔ مگر جب ان کا خروج ہوگا تو اللہ تعالیٰ ان کی تائید کریں گے۔ انھیں سواری بھی مہیا کریں گے اور ان کی اعانت ونصرت کرنے والا بھی بھیج دیں گے۔

اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ کوئی شخص مسلسل ان کے انتظار میں کھڑا رہے۔ ان لوگوں کو اس دارِ فانی میں ان کی کوششوں اور کاوشوں نے دھوکے میں مبتلا کر رکھا ہے اور وہ یہ گمان کر رہے ہیں کہ وہ اچھا کارنامہ سرانجام دے رہے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس شخص کی مذمت بیان کی ہے جو ایسے شخص کو پکارتا ہے جو اس کی پکار سننے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿١٣﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۗ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴾ [فاطر: ١٣- ١٤]

''یہ اللہ تمھارا رب ہے، اسی کے لیے بادشاہی ہے، جنھیں تم اس کے سوا پکارتے ہو، وہ ایک کھجور کی گٹھلی کی بھی طاقت نہیں رکھتے، اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سنیں گے، اور اگر سن لیں تو جواب نہیں دے پائیں گے، قیامت کے دن تمھارے شرک سے انکار کر دیں گے، اور تمھیں کوئی تنبیہ نہیں کرے گا خبیر کی طرح۔''

حالانکہ یہ بت موجود تھے اور کبھی ان کے اندر شیطان آکر ان سے گفتگو اور کلام بھی کرتے تھے، تو جو شخص ایک معدوم چیز کو پکار رہا ہو، اس کی صورتِ حال تو مزید بری ہوگی۔ تو پھر ایسے شخص سے دعا کرنا کہ جسے ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تخلیق ہی نہیں کیا یہ تو ان لوگوں کی گمراہی سے بھی بڑھ کر گمراہی ہے اور اگر وہ کہے کہ میں اس کے وجود کا اعتقاد رکھتا ہوں تو گویا یہ ان لوگوں کی طرح ہی ہوگا جو کہتے ہیں کہ ہمارے اعتقاد کے مطابق یہ بت اللہ کے ہاں سفارشی ہیں۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایسی چیزوں کو پکارتے ہیں جو انھیں نفع دینے پر قادر ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں، کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ دونوں گروہ ہی ایسی ذات کو پکارتے ہیں جو ان کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشنے پر قادر نہیں۔ اگرچہ ان لوگوں نے سفارش کی غرض سے انھیں معبود بنا لیا ہے۔ یہ اسے امام معصوم کہتے ہیں۔ اس سے محبت کرتے ہیں اور جیسے مشرکین اپنے خداؤں سے موالاۃ رکھتے ہیں۔ یہ مہدی منتظر سے رکھتے ہیں اور اسے ایمان کا رکن قرار دیتے ہیں جس کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض مشرکین اپنے معبودوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [آل عمران: ۷۹-۸۰]

''کسی بشر کے لیے جائز نہیں ہے، جسے اللہ نے کتاب، حکمت اور نبوت دی ہو، پھر وہ لوگوں سے کہے کہ میرے بندے بن جاؤ، تم اللہ والے بن جاؤ، کیوں کہ تم کتاب کی تعلیم حاصل

کرتے ہو اور اس کو سیکھتے ہو، وہ تمھیں یہ حکم نہیں دیتا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو اللہ کے علاوہ رب بنا لو، کیا وہ تمھیں مسلمان ہونے کے بعد کفر کا حکم دے گا۔''

جب فرشتوں اور نبیوں کو اس حال میں معبود بنانے والوں کا یہ حال ہے تو پھر اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جو امام معدوم، کو معبود قرار دے بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ [التوبة: ٣١]

''انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار ورھبان کو خدا بنا لیا، نیز مسیح بن مریم کو خدا بنا لیا، حالاں کہ انھیں فقط یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اکیلے اللہ کی عبادت کریں، وہ ان کے شرک سے پاک ہے۔''

سنن ترمذی اور دیگر کتب میں سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا قصہ صحیح ثابت ہے کہ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ان لوگوں نے ان کی عبادت تو نہیں کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انھوں نے ان کے حرام کو حرام جانا اور جس چیز کو انھوں نے حلال کہا، انھوں نے حرام جانا۔ یہی ان کی عبادت ہے۔''[1]

تو ان لوگوں نے وہ معبود بنائے جو موجود تھے، جب کہ یہ لوگ امام معدوم (جس کی کوئی حقیقت نہیں) کے ساتھ حلال وحرام کو معلق کیے بیٹھے ہیں۔ اور پھر ہر وہ قول جو اس کی طرف منسوب ہے اس کے مطابق عمل بجا لاتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہی حلال وحرام قرار دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ بات کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف ہو۔ حتی کہ جب ان کے اپنے دو اقوال میں اختلاف ہو جائے تو کہتے ہیں: جس قول کے قائل کا علم نہ ہو وہی حق ہے، کیونکہ وہی امام معصوم کا قول ہو گا۔ پھر ان چیزوں کو حلال سمجھ لیتے ہیں جنھیں اس معدوم نے حلال کہا ہو، انھیں حرام سمجھ لیتے ہیں جنھیں اس معدوم نے حرام سمجھا ہو۔

ان کی حماقتوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ امام غائب سے بغض رکھنے والوں کو جمادات یا حیوانات کے مثل قرار دیتے ہیں۔ پھر اس حیوان یا جماد کو اس جرم کی سزا دی جاتی ہے۔ مثلاً سرخ دنبی کو عائشہ بنا کر (چوں کہ آپ کا نام حمیرا تھا) اسے سزا دیتے ہیں، اس کے بال اکھاڑتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سزا دے رہے ہیں۔

---

[1] سنن ترمذی (٣٠٩٥) ت: بشار.

اسی طرح یہ لوگ گھی سے بھرا ایک برتن لیتے ہیں اور پھر اس کا پیٹ چاک کرتے ہیں اور اس سے نکلنے والے گھی کو پی جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس کی مثال عمر کو مارنے اور اس کا خون پینے کی مانند ہے۔

اسی طرح ان کی ایک اور حماقت کا تذکرہ ہے کہ ان میں سے بعض لوگ دو گدھوں میں سے ایک کا نام ابوبکر اور دوسرے کا عمر رکھتے ہیں، پھر انھیں مارنے پیٹنے لگتے ہیں۔ گویا وہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو سزائیں دے رہے ہوں۔[1]

کبھی یہ ان کے ناموں کو اپنی ٹانگوں کے سب سے نچلے حصے میں لکھتے ہیں، حتی کہ ان میں سے ایک شخص آ کر اس شخص کی ٹانگوں پر مارنے لگ جاتا ہے جس نے ایسا کیا ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے: میں نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو مارا پیٹا ہے۔ میں انھیں موت آنے تک مسلسل مارتا رہوں گا۔

ان میں سے بعض بد بخت اپنے کتوں کے نام ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے نام پر رکھتے ہیں اور پھر ان پر لعن طعن کرتے ہیں۔ اگر ان میں کوئی کسی کے کتے کا نام بکیر رکھ دے تو دوسرا پھر اسے مارتا ہے کہ تو نے میرے کتے کا نام جہنمی لوگوں کے نام پر رکھا ہے۔ ان میں سے جو کوئی ابولولو مجوسی کی تعظیم کرتا ہے، جو سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا غلام تھا۔ اس نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ابولولو نے کیا خوب کارنامہ سرانجام دیا۔ گویا وہ اس کافر مجوسی کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی بنا پر تعظیم کرتے ہیں۔

ایک حماقت یہ بھی ہے کہ یہ مقبرے تعمیر کرتے ہیں، انھوں نے کتنے ہی لوگوں سے جھوٹ بولا اور دعویٰ کیا کہ فلاں مکان میں اہلِ بیت میں سے کسی کی میت ہے۔ کبھی یہ اسے مقتول قرار دیتے اور اس پر عمارت تعمیر کر دیتے ہیں۔ بھلے یہ کسی کافر یا کسی عام شخص کی قبر ہو۔ اس طرح کی بہت سی علامات دیکھنے کو ملتی ہیں۔

یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ جانوروں کو سزا دینا، جن کے ایسے نام رکھے گئے ہوں اور اس قسم کے دوسرے افعال احمق لوگ ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ جانوروں کو اس طرح کی اذیت میں مبتلا کرنا احمق اور جاہل لوگوں کا کام ہے۔ اگر ہم فرعون، ابولہب اور ابوجہل وغیرہ کو سزا دینے کا ارادہ کریں جن کا سب سے بڑا کافر ہونا اجماعِ امت سے ثابت ہے۔ اور انھیں اس جیسی سزائیں دی جائیں تو یہ سب سے بڑی حماقت اور جہالت ہوگی، کیونکہ ایسا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

---

[1] شیخ سعد نے ایک قصہ نقل کیا ہے جسے خطیب بغدادی نے تخریج کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نہایت گھناؤنا اور شنیع فعل تھا۔ دیکھیے: (ص: ۸۷۹-۸۸۰) (فواز)

بلکہ جب کسی ایسے کافر کو قتل کر دیا جائے جس کا قتل جائز ہو یا وہ اپنی طبعی موت مر جائے تو اس کے بعد اس کا مثلہ کرنا، پیٹ چاک کرنا، اس کا ناک یا کان کاٹنا جائز نہیں۔ اس کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا، الا یہ کہ برابر برابر بدلہ ہو۔

صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ جب کسی لشکر یا سریہ کا امیر بنا کر بھیجتے تو اسے اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور اپنے ساتھیوں سے بھلائی کی وصیت کرتے اور فرماتے: ''راہِ خدا میں جہاد کرو، جو شخص اللہ سے کفر کرے اس سے جنگ کرو، مالِ غنیمت سے مال نہ چراؤ، صبح سویرے کسی پر حملہ نہ کرو، اور کسی کا بھی مثلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔''[1]

اسی طرح ''سنن'' میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں صدقہ کرنے کا حکم فرماتے اور مثلہ کرنے سے منع کرتے۔[2] حالانکہ کافر کی موت کے بعد اس کا مثلہ کرنے میں دشمن کے لیے انتہائی عبرت کا سامان ہے۔ مگر اس سے ہمیں منع کر دیا گیا، کیونکہ یہ بلا ضرورت اور ایذاء رسانی ہے۔ کیونکہ کافر کو قتل کرنے سے مقصود اس کے شر کو روکنا تھا جو حاصل ہو چکا۔

یہ لوگ جن سے بغض رکھتے ہیں اگر وہ کافر بھی تھے تو بھی اب دنیا سے چلے گئے ہیں، لہٰذا ان کی موت کے بعد ان کے جسموں کا مثلہ کرنا، انھیں مارنا پیٹنا، ان کے پیٹ چاک کرنا اور ان کے بال اکھاڑنا جائز نہیں۔ حالانکہ ایسا کرنے میں ان کے لیے بڑی عبرت ہے۔

لیکن جب کسی اور کے ساتھ ایسا ظلم اس سوچ سے کیا جائے گا کہ یہ ظلم دوسرے کو پہنچ جائے گا، تو یہ جہالت کی آخری حد ہے۔ پھر کسی ایسی چیز پر ظلم کریں جس پر ظلم حرام ہے، جیسے بکری کو ناحق اذیت دینا حرام ہے۔ تو اس کے ساتھ ایسا کام کرنے میں انھیں کیا فائدہ مل سکتا ہے؟ بلکہ یہ تو دین و دنیا کا نقصان ہے، سوا اس کے کچھ نہیں۔ مزید یہ کہ مذکوہ فعل حد درجے کی حماقت بھی ہے۔

ان کی ایک حماقت ماتم کرنا اور ان لوگوں کے لیے نوحہ کرنا ہے جو کئی سال پہلے قتل کر دیے گئے۔ یہ معلوم حقیقت ہے کہ مقتول اور دیگر مردوں کی موت کے بعد ایسا کرنے کو اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ جس کا ثبوت صحیح البخاری میں ملتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنا چہرہ پیٹا، گریبان چاک کیا اور جاہلیت کی پکار پکاری تو اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔[3]

---

[1] صحيح مسلم (١٣٩/٥)

[2] سنن النسائي (٤٠٤٧)

[3] صحيح البخاري (١٢٣٢)

صحیح البخاری میں یہ بھی آیا ہے کہ ''میں مصیبت کے وقت اپنے بال نوچنے والی، مصیبت کے وقت اپنی آواز کو بلند کرنے والی اور کپڑے پھاڑنے والی سے بری ہوں۔''[1]

نیز صحیح حدیث میں ہے: ''نوحہ کرنے والی، اپنی موت سے قبل اگر توبہ نہ کرے، تو قیامت کے دن اسے خارش کی چادر اور تارکول کا لباس پہنایا جائے گا۔''[2]

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے کہ ''جس شخص کے لیے نوحہ کیا جائے اسے قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔''[3] اس معنی کی اور کئی احادیث مروی ہیں۔

مگر یہ لوگ چہرہ پیٹتے ہیں، گریباں چاک کرتے ہیں، جاہلیت کی آوازیں پکارتے ہیں اور میت کی موت کے کئی سال بعد تک ایسے منکرات کرتے ہیں، جو اگر موت کے فوراً بعد بھی کیے جائیں تو یہ سب سے بڑا منکر کام ہو گا، جس کو اللہ اور رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے، تو اتنی مدت بعد اس کی شناعت کتنی ہو جائے گی؟

آپ جانتے ہیں کہ کئی انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا گیا۔ انبیاء کے علاوہ کئی لوگ ظلم اور دشمنی کی بنا پر قتل کر دیے گئے جو سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے افضل تھے۔ ان کے باپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو مظلوم شہید کیا گیا، حالانکہ وہ ان سے افضل تھے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، اللہ کے نبی ﷺ کی وفات کے بعد سب سے بڑا فتنہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا فتنہ ہے۔ جس پر اتنا شر پیدا ہوا، جتنا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر بھی نہیں ہوا۔

ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگ شہید ہوئے یا طبعی موت پائی، لیکن کسی مسلمان یا غیر مسلم نے ایک طویل مدت کے بعد اس طرح نوحہ، ماتم نہیں کیا۔ سوائے ان احمقوں کے، جو اگر پرندوں میں ہوتے تو گدھ ہوتے اور اگر چوپایوں میں ہوتے تو گدھے ہوتے۔ ان کی حماقتوں میں سے ایک حماقت یہ بھی ہے کہ بعض روافض طرفاء درخت کی لکڑی کو نہیں جلاتے۔ ان کا خیال ہے کہ اس درخت پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا خون لگا ہے۔ حالاں کہ اس درخت کی لکڑی کو جلانا مکروہ نہیں ہے، اگر کسی ایک درخت پر خون لگا بھی ہو تو باقی تمام درختوں کا کیا کریں گے، جن پر خون نہیں لگا؟

---

[1] صحيح البخاري (١٢٣٤)

[2] صحيح مسلم (٤٥/٣)

[3] صحيح البخاري (١٢٢٩)

ان کی حماقتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، جن کی سند نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔[1]

نیز لکھتے ہیں: یہاں ایک بات ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ اس قسم کے مذموم اقوال وافعال جو شیعہ میں پائے جاتے ہیں، اگرچہ اس سے کہیں زیادہ ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا۔ لیکن کبھی یہ سب برائیاں اثنا عشریہ اور زیدیہ میں نہیں پائی جاتیں۔ البتہ غالی شیعہ میں اور ان کے عوام میں بہت زیادہ موجود ہوتی ہیں۔ مثلاً ان کے بارے میں جو آتا ہے کہ یہ اونٹ کے گوشت کو حرام سمجھتے ہیں اور عورت کی رضا مندی کے بغیر طلاق کے قائل نہیں، اسی طرح عوام کی زبانوں پر جاری باتیں جو گو کہ ان کے علماء نہیں کہتے، لیکن جب مذہب کا استناد ہی جہل پر ہے تو پھر جھوٹ اور جہالت میں سب سے بڑے ہی ہوں گے۔[2]

روافض سب سے بڑے جھوٹے ہیں:

امام ابو العباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ "منهاج السنة" میں فرماتے ہیں: سند و حدیث کے ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ روافض سب سے جھوٹا گروہ ہے، ان میں جھوٹ قدیم عرصہ سے چلا آ رہا ہے۔ اسی لیے ائمۂ اسلام کثرتِ کذب میں ان کی امتیازی حیثیت سے بخوبی واقف تھے۔

امام ابو حاتم رازی کہتے ہیں: میں نے یونس بن عبدالاعلیٰ کو کہتے ہوئے سنا کہ اشہب بن عبدالعزیز کہتے ہیں: امام مالک سے روافض کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ فرمانے لگے، ان سے نہ کلام کرو اور نہ روایت کرو، کیونکہ یہ جھوٹے لوگ ہیں۔

امام ابو حاتم کہتے ہیں: ہمیں حرملہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں: میں نے امام شافعی کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے روافض سے بڑھ کر جھوٹی گواہی دیتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔

مؤمل بن اھاب کہتے ہیں: میں نے یزید بن ہارون کو کہتے ہوئے سنا: ہر بدعتی جو اپنی بدعت کا داعی نہ ہو، اس سے روایت لی جا سکتی ہے۔ البتہ روافض کی روایت نہیں لی جا سکتی، کیونکہ وہ جھوٹے ہیں۔

محمد بن سعید اصبہانی کہتے ہیں: میں نے شریک کو کہتے ہوئے سنا: میں نے جس سے بھی ملاقات کی اس سے اکتسابِ علم کیا، سوائے روافض کے۔ کیونکہ یہ حدیث خود وضع کرتے ہیں اور اسے دین قرار دیتے ہیں۔

شریک سے مراد شریک بن عبداللہ قاضیِ کوفہ ہیں۔ آپ سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ کے معاصر ہیں، یہ شیعہ تھے اور خود کہا کرتے تھے: میں شیعہ ہوں اور یہ ان کی روافض کے بارے میں شہادت ہے۔

---

[1] منهاج السنة النبوية (١/٤٤- ٥٥)

[2] منهاج السنة النبوية (١/٥٧)

ابو معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اعمش کو کہتے ہوئے سنا: میں کئی لوگوں سے ملا سب لوگ روافض کو کذاب قرار دیتے تھے۔

مراد مغیرہ بن سعید کے ساتھی تھے۔[1] امام اعمش کہنے لگے: اس کا ذکر نہ کرنا، کیوں کہ وہ تو جھوٹ باندھ سکتے ہیں کہ ہم نے اعمش کو کسی لڑکی کے ساتھ دیکھا ہے۔

یہ آثار ثابت ہیں، انھیں ابوعبداللہ بن بطہ نے "الإبانة الكبرى" میں بیان کیا ہے۔

ابو قاسم طبری نے روافض کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ کا کلام دو سندوں سے نقل کیا ہے:

1 ربیع بیان کرتے ہیں: میں نے امام شافعی رحمہ اللہ کو کہتے ہوئے سنا: میں نے اہلِ ہواء میں روافض سے بڑھ کر جھوٹی گواہی دینے والی کسی قوم کو نہیں دیکھا۔

2 یہ روایت حرملہ کے واسطے سے بھی آئی ہے، اس میں کچھ الفاظ کا اضافہ ہے۔ وہ یہ کہ میں نے روافض سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔ یہ روایت ہے اگرچہ صحیح ہے مگر پہلی سند کے الفاظ امام شافعی سے ثابت ہیں۔[2]

اس کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس کا مقصود یہ ہے کہ تمام علماء متفق ہیں کہ اہلِ قبلہ کے تمام طوائف میں سے روافض سب سے زیادہ کھلے عام جھوٹ بولتے ہیں۔ جو شخص اسماء الرجال کی کتب، راویوں کے نام، ان کی روایات، ان کے احوال اور جرح و تعدیل کی کتب بغور پڑھتا ہے۔ مثلاً یحییٰ بن سعید قطان کی کتابیں، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، امام بخاری، ابو زرعہ، ابو حاتم رازی، امام نسائی، ابو حاتم بن حبان، ابو احمد بن عدی، امام دارقطنی، ابراہیم بن یعقوب جوزجانی سعدی، یعقوب بن سفیان فسوی، احمد بن عبداللہ بن صالح عجلی عقیلی، محمد بن عبداللہ بن عمار موصلی، امام حاکم نیشاپوری، حافظ عبدالغنی بن سعید مصری وغیرہ کی کتابیں۔ یہ لوگ راویوں کے حالات اور ان کی اسناد کے معاملے میں انتہائی ماہر نقاد اور اہلِ معرفت تھے۔ ان سب کے ہاں معروف رائے یہی ہے کہ تمام طوائف میں سے سب سے زیادہ جھوٹ شیعہ مذہب میں ہے۔ حتی کہ صحیح احادیث کا اہتمام کرنے والے ائمہ جیسے امام بخاری وغیرہ نے قدیم شیعہ سے بھی روایت نہیں کی، جیسے: عاصم بن ضمرہ،

---

[1] مغیرہ بن سعید بجلی سے مراد: ابوعبداللہ کوفی ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ رافضی کذاب ہے۔ دیکھیے: میزان الاعتدال (٤/١٦٠)

[2] منهاج السنة (١/ ٥٩- ٦٢)

حارث اعور اور عبداللہ بن سلمہ وغیرہ! حالانکہ یہ لوگ مذہبِ شیعہ میں سے سب سے بہترین لوگ ہیں۔ ان ائمہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایات اہلِ بیت، سیدنا حسن، سیدنا حسین، محمد بن حنفیہ ان کے کاتب عبیداللہ بن ابی رافع کے واسطے سے یا اصحابِ عبداللہ بن مسعود مثلاً عبیدہ سلمانی، حارث بن قیس یا ان جیسے لوگوں سے روایت کی ہیں۔ یہ ائمۂ نقل اور نقاد خواہش پرستی سے سب سے زیادہ دور، لوگوں کے متعلق سب سے زیادہ علم رکھنے والے، سب سے زیادہ حق بات کہنے والے تھے، جو اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہیں رکھتے تھے۔

بدعت کی کئی اقسام ہیں: باوجود اس کے کہ خوارج اسلام سے یوں نکلنے والے تھے جس طرح تیر کمان سے نکلتا ہے۔ اور یقیناً اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کا حکم دیا اور حضرات صحابہ اور مسلمان علماء ان سے جنگ پر متفق تھے۔ ان کے بارے میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث دس سندوں سے بیان ہوئی، جن سے تین بخاری نے بیان کی ہیں۔

لیکن وہ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے تھے، بلکہ سچائی میں معروف تھے۔ حتی کہ کہا جاتا ہے کہ ان کی حدیث صحیح ترین حدیث ہوتی ہے لیکن جہالت کی بنا پر بدعت میں پڑ گئے، البتہ ان کی بدعت زندقہ اور الحاد کی قبیل سے نہیں تھی بلکہ جہالت اور گمراہی کی بنا پر تھی۔ [1]

روافض کی اصلی بدعت کا بیان

یہ بات گزر چکی ہے کہ اس مذہب کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اسے ملحدین اور منافقین نے ایجاد کیا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ "منهاج السنة" میں فرماتے ہیں: روافض کی اصلی بدعت زندقہ اور الحاد ہے، ان میں عمداً جھوٹ کثرت سے پایا جاتا ہے اور یہ اس بات کا برملا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمارا دین تقیہ ہے اور تقیہ سے مراد یہ ہے کہ بندہ کوئی ایسی بات بیان کرے جو اس کے دل میں نہ ہو، یہ چیز اصل میں کذب اور نفاق ہے۔ یہ لوگ اس کے باوجود مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، باقیوں کو مومن نہیں مانتے۔ اور سابقون الاولون کو مرتد اور منافق قرار دیتے ہیں۔ حالاں کہ خود منافق ہیں، کیوں کہ اسلام کا اظہار کرنے والوں میں ان سے زیادہ نفاق اور ارتداد کے قریب کوئی گروہ نہیں ہے۔

---

[1] منهاج السنة النبوية (١/٦٦- ٦٨)

کسی گروہ میں اتنے منافق اور مرتد نہیں پائے جاتے، جتنے اس گروہ میں پائے جاتے ہیں، جیسا کہ غالی، نصیری، اور ملحد اسماعیلی گروہ ہیں۔

شرعی مسائل میں ان کے دلائل اہلِ بیت سے منقول روایات ہیں، ان میں سے کچھ تو سچ ہیں اور کچھ جان بوجھ کر بولا جھوٹ، یا خطا ہیں۔ اور ان کے پاس صحیح اور ضعیف کی ویسی معرفت بھی نہیں جو محدثین کے پاس ہے۔ پھر اگر کسی سے کوئی بات صحیح ثابت مل بھی جائے تو پھر انھوں نے تین اصول بنا رکھے ہیں، جن سے وہ ان روایات کے ساتھ تعامل کرتے ہیں:

1. یہ سب معصوم ہیں، رسول اللہ ﷺ کی طرح۔
2. یہ جو کچھ کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں، بلکہ ائمہ سے منقول ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اور ان کا دعویٰ ہے کہ نقل کرنے والے کا معصوم ہونا ضروری ہے۔
3. ''عترت'' کا اجماع حجت ہے، پھر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عترت سے مراد بارہ ائمہ ہیں، اور یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک سے جو چیز منقول ہو، اس پر سب ائمہ کا اجماع ہوتا ہے۔

تو یہ ان کے نزدیک شریعت کے اصول ہیں جو فاسد اصول ہیں، جیسا کہ ہم اپنے مقام پر ذکر کریں گے۔ یہ لوگ قرآن، حدیث اور اجماع پر اعتماد نہیں کرتے، الا یہ کہ معصومین کا اجماع ہو، نہ ہی قیاس کو مانتے ہیں، اگرچہ وہ بالکل واضح اور جلی قیاس ہو۔

عقلیات کے مسائل میں ان کے متاخرین کا اعتماد معتزلہ کی کتابوں پر ہے۔ صفات وتقدیر کے مسائل میں یہ ان کی موافقت کرتے ہیں۔ لیکن معتزلہ بہرحال ان سے زیادہ سچے اور صاحبِ شعور ہیں، معتزلہ میں ایسا کوئی شخص نہیں ملتا، جو سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت پر طعن کرتا ہو، بلکہ وہ سب ان کی خلافت کے ثبوت پر متفق ہیں۔

تفضیل کے مسئلے میں معتزلہ کے ائمہ اور جمہور سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو فضیلت دیا کرتے تھے، ان کے متاخرین میں تفضیل کے معاملے میں توقف ملتا ہے، بعض سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو افضل کہتے ہیں۔ ان کے اور زیدیہ کے درمیان مشارکات موجود ہیں: توحید، عدل، امامت اور تفضیل کے معاملے میں۔ قدیم معتزلہ اور ان کے ائمہ جیسے عمرو بن عبید، واصل بن عطاء وغیرہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عادل ہونے پر اتفاق تھا۔ وہ کہتے تھے: ان میں سے ایک گروہ فاسق تھا، وہ چاہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا ہو، سیدنا طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما کا ہو، لیکن وہ اس

کی تعیین نہیں کرتے تھے۔ اور دونوں گروہوں کی گواہی قبول نہیں ہے۔ اگر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کسی عادل شخص کے ساتھ مل کر گواہی دیں تو ایسی صورت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی گواہی قبول کرنے میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

اور شیعہ متکلمین جیسے ہشام بن حکم، ہشام بن الجوالیقی، یونس بن عبدالرحمان قمی، اور دیگر لوگ صفات کے اثبات کے معاملے میں اہلِ سنت کے مذہب پر کچھ زیادت کرتے تھے۔ وہ اس بات پر قناعت نہیں کرتے تھے جو اہلِ سنت کہتے ہیں کہ اللہ کا قرآن مخلوق نہیں ہے، اللہ کو آخرت میں دیکھا جائے گا وغیرہ، یہاں تک کہ اثبات میں غلو، تجسیم، تبعیض اور تمثیل وغیرہ کا موقف اپنانے لگے، جو ان کا موقف لوگوں کے ہاں معروف ہے۔

البتہ تیسری صدی کے آخر میں کچھ شیعہ معتزلہ کے موقف اپنانے لگے، جیسے ابن النوبختی، صاحب "الآراء والدیانات"، وغیرہ ہیں۔ پھر اس کے بعد مفید بن نعمان اور اس کے متبعین نے یہ موقف اپنایا۔[1]

میں کہتا ہوں: ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کلام درست ہے۔ کیوں کہ یہ مذہب دین کے انہدام پر کھڑا کیا گیا۔ جس کا خیال ہو کہ قرآن میں تحریف اور تبدیلی ہوئی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ صحابہ نے روایت کیا ہے، وہ آپ سے ثابت نہیں ہے۔ کیوں کہ صحابہ مرتد ہو گئے تھے اور دین سے خیانت کرنے لگے تھے۔ ان کے بعد جو تابعین آئے وہ بھی مرتد اور کافر تھے۔ اسی طرح ان کے فاسد عقائد ہیں، تو ایسی صورت میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ یقیناً اس مذہب کا وضع کرنے والا کوئی زندیق ہوگا۔

عبداللہ بن عبدالرحمان السعد

[1] منهاج السنة (١/٦٨- ٧٢)

ضمیمہ

اس کتاب کے وہ مسائل جن سے دکتور خالد الغیث متفق نہیں اور ان کی ترجیحات کا بیان

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، وبعد!

میں فواز شمری کا بے حد مشکور ہوں کہ جنھوں نے اپنی کتاب ''صحیح صفین'' کے جملہ مسائل کو اس کتاب میں جمع کیا، ان کی تمام تحقیقات مدلل تھیں۔ البتہ بعض مسائل ایسے ہیں جن میں انھیں خطا لگی ہے۔

اور وہ پانچ بنیادی مسائل ہیں جن سے جزوی مسائل کی فروعات نکلیں اور ساری کتاب میں بکھر کر رہ گئے۔ چونکہ اس کتاب کا موضوع حضرات صحابہ کرام کے متعلق ہے۔ سو میں نے ذمے داری کا تقاضا سمجھا کہ ان مسائل میں سے جن کو میں درست سمجھتا ہوں وہ بیان کر دوں، میں اس کے باوجود یہ سمجھتا ہوں کہ ان پر مزید غور وفکر ہونا چاہیے:

پہلا مسئلہ:

حکمین تحکیم کے دن منصبِ خلافت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دینے پر متفق ہوئے، مگر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا نام رکھا جاسکتا ہے: ''خلیفہ کی تبدیلی کے بارے میں حکمین کی رائے کا بیان۔''

پہلی بات تو یہ ہے کہ مذکورہ قصہ سارے کا سارا ثابت ہی نہیں، حکمین قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص کے مسئلہ میں جمع ہوئے تھے، اور اس وقت شرعی خلیفہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہونے پر امت میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ حکمین کے لیے خلیفہ کی معزولی اور منصبِ خلافت کسی اور کے سپرد کرنے کی بات کرنا درست ہی نہیں تھا اور نہ ہی انھیں اس کی اجازت تھی۔ بلکہ انھیں صرف مسئلۂ قصاص کے لیے مناقشہ کرنے کی اجازت تھی۔ جب فریقین اس پر متفق ہو گئے تو خون ریزی رک گئی اور فتنہ ختم ہو گیا۔

دوسری بات: وہ روایات[1] جن میں منصبِ خلافت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سپرد کرنے کی بابت حکمین کی رائے کے متعلق روایات ملتی ہیں، تو مذکورہ قصہ مکمل درست نہیں، گو اس کی بعض روایات ظاہری طور پر درست ہیں، لیکن ان کے متن میں علت پائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ حکمین کسی کو معزول کرنے یا خلافت دینے کا اختیار ہی نہیں رکھتے تھے۔

دوسرا مسئلہ: صلح حسن رضی اللہ عنہ کے ارکان ''مبادیات وقواعد''[2]

مصنف لکھتے ہیں؛ تین مبادیات تو اجتماع کے دن حکمین کے ہاتھوں قرار پا چکی تھیں۔

لیکن جس نتیجے پر مصنف پہنچے ہیں، وہ غیر صائب معلومات پر مبنی ہے۔ حکمین نے سرے سے خلیفہ تبدیل کرنے کی بات ہی نہیں کی۔ سابقہ مسئلہ میں اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں، لہٰذا اس کی نسبت حکمین کی طرف کرنا درست نہیں۔

تیسرا مسئلہ: اجتماعِ حکمین کا قصہ

جو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔[3]

1. اس میں بہت سی تصحیف ہو چکی ہے جس نے معنی ہی بدل کر رکھ دیا ہے۔ جیسے اس میں ہے: "لما عزل عمرو معاوية" ''جب سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ کو معزول کیا۔'' حالاں کہ سیاق کا تقاضا تھا کہ الفاظ ہوتے: "لما عزل عمرو ومعاوية" ''جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ معزول ہوئے۔'' یعنی انھیں دمِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبے سے معزول کیا گیا اور اس مسئلے کو خلیفۃ المسلمین کے سپرد کیا گیا۔

2. اسی روایت میں ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے حصین سے کہا: مجھے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں ناگوار باتوں کا علم ہوا ہے۔ اس کا معنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے مطالبے کی تولیت سے معزول کرنے کی خبر ہے، جیسا کہ باقی روایات اس کی توضیح کر رہی ہیں۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۳۰]

[2] یہ مسئلہ (ص: ۵۴۷، ۵۴۹) پر ملاحظہ فرمائیے۔ مصنف نے اس کے مندرجہ ذیل ارکان کا بھی تذکرہ کیا ہے:
۱۔ خلیفہ کی تبدیلی۔
۲۔ منصبِ خلافت سے سبکدوش ہونے کے بدلے وافر مقدار میں مال کا حصول۔
۳۔ خونریزی کو روکنا اور اجتماعِ امت۔

[3] دیکھیے: [رقم: ۴۱۲]

3. سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: جب میں اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جمع ہوئے تو میں نے ان سے کہا: آپ اس معاملے کو کس طرح دیکھتے ہیں؟ تو یہ معاملہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے متولی ہونے کا تھا جس کی وجہ سے تحکیم ہوئی۔

4. سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا: اس معاملے میں آپ مجھے اور معاویہ کو کیا دیں گے۔ یعنی قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ پر حد نافذ کرنے کے معاملے میں آپ مجھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کو کیا مقام دیں گے۔

5. سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ پر غصہ ہونا اور ابواعور اسلمی کو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھیجنا، اس وجہ سے تھا کہ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کی تولیت سے معزول کرنے پر اتفاق کر لیا تھا۔

چوتھا مسئلہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا خطبہ

جو صحیح البخاری میں منقول ہے۔ اس میں ہے: جب لوگ بکھرنے لگے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے ہم کلام ہوئے اور کہنے لگے: اس معاملے میں جو بات کرنے کا خواہش مند ہے وہ ہمارے سامنے آئے، ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ اس کے حقدار ہیں۔[1]

1. اس خطبے کا زمانہ ۴۱ھ میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت سے قدرے بعد کا ہے۔

2. سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول: ''ہم اس سے اور اس کے باپ سے اس کے زیادہ حقدار ہیں۔'' یعنی خوارج قریش کو بدنام کرتے تھے اور کہتے تھے: ''حکم تو بس اللہ کا ہے۔'' ان کا ہدف قریش کو خلافت سے نکالنا تھا۔

3. صحیح بخاری کے الفاظ ہیں: ''جب لوگ بکھر گئے۔'' اس سے مراد بیعت اور صلح ہو جانے کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے لشکروں کا بکھرنا ہے۔ کیوں کہ اسی روایت میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا جملہ اس کی تفصیل کر رہا ہے، انھوں نے فرمایا: میں اس بات سے ڈر گیا کہ کہیں میں ایسا کلمہ نہ کہہ دوں، جو اتحاد میں دراڑ ڈالے۔ کیوں کہ لوگ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی بیعت کے بعد ہی متحد ہوئے تھے۔

---

[1] دیکھیے: [رقم: ۴۳۱]

④ مصنف عبدالرزاق کے الفاظ ہیں: جب حکمین جدا ہوئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور کہا۔[1]

اور کہا: ''اللہ کی قسم اس معاملے میں جو بھی سامنے آئے گا، میں اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ حقدار ہوں۔'' راوی کہتے ہیں: آپ کا اشارہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی جانب تھا۔[2]

مصنف عبد الرزاق کی اس زیادت کو بیان کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اعراض کیا ہے، اس کا متن معلول ہے، یہ درست روایت نہیں ہے۔

پانچواں مسئلہ: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسندِ خلافت کے زیادہ حقدار ہونے کا میزان[1]:

مصنف نے ذکر کیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ صفین کے بعد خود کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھنے لگے تھے، اس کے باوجود انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دعوائے خلافت نہیں کیا۔

اس استدلال کی بنا سابقہ دو مسائل پر ہی رکھی گئی ہے، لیکن ان دونوں مسائل کی روایات درست نہیں ہیں۔ انھیں بلاذری وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ وہ روایات اگرچہ ظاہراً صحیح ہیں، لیکن ان کے متون میں علت موجود ہے۔

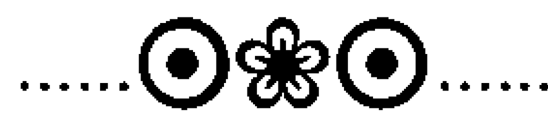
مصنف نے ان پانچ بنیادی مسائل کی بنا پر بہت سے فروعی مسائل پر بھی استدلال کر لیا ہے۔ میں نے انھیں جمع کرنے کی کوشش نہیں کی، اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ مصنف نے زمانۂ فتن میں صحابہ کے مواقف ذکر کرتے وقت بھی ان پانچ مسائل کو ان کے مواقف میں ذکر کر دیا ہے۔

خاتمہ:

آخر میں ایک مرتبہ پھر میں ان مسائل پر دوبارہ غور و فکر کی تلقین کرتا ہوں، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مصنف کو جزائے خیر دے۔ اور ان کی علم و تحقیق میں نصرت کرے۔

والحمد للّٰه أوّلا وآخرا.

خالد بن محمد الغیث



---

① دیکھیے: [رقم: ۴۳۳]

② دیکھیے: [رقم: ۴۳۲]

③ دیکھیے: (ص: ۵۷۸)

المراجع

١ - **الأباطيل والمناكير**: الجورقاني الصميعي الرياض، الرابعة، ١٤٢٢هـ، ت: الفريوائي

٢- **الإِبَانَةُ الكبرى**: ابن بطةَ العُكْبري، دار الراية، الرياض، ت: رضا معطي، وآخرون.

٣- **ابن عثيمين يحاور المسلَّحين (مع الفئة الضالة)**: سامي الحمود، مخطوط.

٤- **إتحاف الخيرة المهرة**: البوصيري، دار الوطن، الأولى، ١٤٢٠هـ- ١٩٩٩ م

٥- **إتحاف المهرة**: ابن حجر، مجمع الملك فهد، الأولى، ١٤١٥هـ- ١٩٩٤ م

٦ - **آثار البلاد وأخبار العباد**: زكريا القزويني، دار صادر، بيروت.

٧- **الأجوبة النافعة**: الألباني، مكتبة المعارف، الأولى، ١٤٢٠هـ- ٢٠٠٠ م

٨- **الآحاد والمثاني**: أبو بكر ابن أبي عاصم دار الراية، الأولى ١٤١١هـ، ت: الجوابرة

٩- **الأحاديث الْمُخْتَارَةُ**: الضياء، دار خضر، بيروت، الثالثة، ١٤٢٠هـ، ت: ابن دهيش

١٠ - **إحكام الأحكام**: ابن دقيق العيد، مكتبة السنة، القاهرة، الأولى، ت: أحمد شاكر

١١ - **أحكام القرآن**: ابن العربي المالكي، دار الكتب العلمية، بيروت، الثالثة، ١٤٢٤هـ، ت: عطا.

١٢- **أخبار أصبهان**: أبو نعيم الأصبهاني، دار الكتب العلمية، الأولى، ١٤١٠هـ، ت: سيد كسروي.

١٣- **أخبار أبي القاسم الزجاجي**: دار الرشيد، بغداد، ١٩٨٠ م، ت: المبارك

١٤- **الأخبار الطوال**: الدينوري، إحياء الكتب العربي، الأولى ١٩٦٠م، ت: عبد المنعم.

١٥- **أخبار القضاة**: وكيع، المكتبة التجارية الكبرى، مصر، الأولى، ١٣٦٦هـ، ت: المراغي.

١٦- **أخبار مكة**: محمد بن إسحاق الفاكهي، دار خضر، بيروت، الثانية، ١٤١٤هـ، ت: ابن دهيش.

١٧- **الاختصاص**: الشيخ المفيد، منشورات جماعة المدرسين، قم، ت: على أكبر الغفاري.

١٨- **الأدب المفرد**: البخاري، دار البشائر الإسلامية، بيروت، الثالثة، ١٤٠٩هـ، ت: عبدالباقي.

١٩- **الإرشاد**: الخليلي، مكتبة الرشد، الأولى، ١٤٠٩هـ، ت: محمد سعيد إدريس.

٢٠- **الإرشاد في معرفة حجج الله على العباد**: الشيخ المفيد، مؤسسة آل البيت ﷺ لإحياء التراث، بيروت، الأولى، ١٤١٦هـ، ١٩٩٥م

٢١ - **إرشاد الساري**: القسطلاني، المطبعة الكبرى الأميرية، مصر، السابعة، ١٣٢٣هـ

٢٢- **إرشاد الفقيه إلى معرفة أدلة التنبيه**: ابن كثير، الرسالة، الأولى ١٤١٦هـ، ت: بهجت

٢٣- **إرشاد القاصي والداني**: نايف المنصوري، دار الكيان، الرياض، الأولى، ١٤٢٧هـ

٢٤- **إرواء الغليل**: الألباني، المكتب الإسلامي، الثانية، ١٤٠٥هـ - ١٩٨٥ م

٢٥- **استشهاد عثمان** رضي الله عنه **ووقعة الجمل**: خالد الغيث، دار الأندلس الخضراء، جدة، الثانية.

٢٦- **الاستيعاب**: ابن عبد البر، دار الجيل، الأولى، ١٤١٢هـ، ت: البجاوي.

٢٧- **أسد الغابة**: ابن الأثير، إحياء التراث العربي، الأولى، ١٤١٧هـ، ت: عادل الرفاعي.

٢٨- **الأسماء والصفات**: البيهقي، مكتبة السوادي، جدة، الأولى، ١٤١٣هـ، ت: الحاشدي.

٢٩- **الاشتقاق**: ابن دريد الأزدي، دار الجيل، بيروت، الأولى ١٤١١هـ، ت: عبد السلام هارون.

٣٠- **الإشراف في منازل الأشراف**: ابن أبي الدنيا، مكتبة الرشد، الأولى، ١٤١١هـ، ت: نجم خلف.

٣١- **الإصابة**: ابن حجر، دار الجيل، الأولى ١٤١٢هـ، ت: البجاوي.

٣٢- **أَصْحَابُ الإِمَامِ الصَّادِقِ**: الشَّبَسْتَرِي، مؤسسة النَّشْرِ الإسلامي، الأولى، ١٤١٨هـ.

٣٣- **الاعتقاد**: البيهقي، دار الآفاق الجديدة، الأولى، ١٤٠١هـ، ت: أحمد عصام.

٣٤- **الأعلام**: الزركلي، دار العلم للملايين، بيروت، الخامسة عشر، ٢٠٠٢م

٣٥- **أَعْيَانُ الشِّيعة:** محسن الأمين، دار التعارف للمطبوعات، الخامسة، ١٤٠٣ م

٣٦- **الأغاني:** أبو الفرج الأصبهاني، دار صادر، ببيروت، الثالثة، ١٤٢٩هـ، ت: إحسان عباس.

٣٧- **اقتضاء الصراط المستقيم:** ابن تيمية، عالم الكتب، بيروت، السابعة، ت: ناصر العقل.

٣٨- **اقتضاء العلم العمل:** الخطيب البغدادي، المكتب الإسلامي، بيروت، الرابعة، ت: الألباني.

٣٩- **إكمال الإكمال:** ابن نقطة، جامعة أم القرى، الأولى ١٤١٠هـ، ت: عبد القيوم.

٤٠- **إكمال تهذيب الكمال:** مغلطاي، الفاروق الحديثة، القاهرة، الأولى، ١٤٢٢هـ

٤١- **الإكمال:** الحسيني، جامعة الدراسات الإسلامية، كراتشي، ت: قلعجي

٤٢- **الإكمال في رفع الارتياب:** ابن ماكولا، دار الكتب العلمية، الأولى، ١٤١١هـ

٤٣- **أمالي أبي عبد الله الحسين بن إسماعيل المحاملي:** رواية ابن البيع، عنه، دار ابن القيم، الدمام، المكتبة الإسلامية، عمان، الأولى، ١٤١٢هـ، ت: إبراهيم القيسي.

٤٤- **الأمالي:** الشيخ المفيد، جماعة المدرسين، قم، ١٤٠٣هـ، ت: علي أكبر الغفاري.

٤٥- **الأمالي في آثار الصحابة:** عبد الرزاق الصنعاني، مكتبة القرآن، القاهرة، ت: مجدي.

٤٦- **أمالي المرزوقي:** أبو على أحمد بن محمد بن الحسن المرزوقي الأصفهاني، دارالغرب الإسلامي، الأولى، ١٩٩٥ م، ت: يحيى وهيب الجبوري.

٤٧- **الإمامة:** أبو نعيم الأصبهاني، مكتبة العلوم والحكم، المدينة، الأولى، ١٤٠٧هـ

٤٨- **إمتاع الأسماع:** تقي الدين المقريزي، دار الكتب العلمية، بيروت، الأولى، ١٤٢٠هـ، ت: محمد النميسي.

٤٩- **إنباه الرواة على أنباه النحاة:** القفطي، دار الفكر العربي، الأولى، ت: أبو الفضل.

٥٠- **الانتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء:** ابن عبد البر، دار الكتب العلمية، بيروت.

٥١- **الأنساب:** السمعاني، دار الجنان، بيروت، الأولى ١٤٠٨هـ، تعليق: البارودي.

٥٢- **أنساب الأشراف:** أحمد بن يحيى بن جابر البلاذري، طبعاته:
٥٣- (ج ١) ت: محمد حميد الله، دار المعارف، مصر، ١٩٥٩ م
٥٤- (ج ٢) ت: محمد باقر المحمودي، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، الأولى، ١٩٧٤ م
٥٥- (ج ٣) ت: محمد باقر المحمودي، دار التعارف للمطبوعات، بيروت، الأولى، ١٩٧٧ م
٥٦- (ج ٤) ت: عبد العزيز الدوري، جمعية المستشرقين الألمانية، بيروت، ١٩٧٨ م،
٥٧- (ج٥) ت: إحسان عباس، جمعية المستشرقين الألمانية، بيروت، ١٩٧٩ م
٥٨- (ج ٦- ١٣) ت: سهيل زَكّار، ورياض الزركلي، دار الفكر، الأولى، ١٩٩٦ م
٥٩- **الأَنْسَابُ الْمُتَّفِقَةُ:** ابْنُ الْقَيْسَرَانِي، ليدن، ١٨٦٥م،ت: بي دي جونج.
٦٠- **الأوائل:** أبو عروبة الحراني، دار ابن حزم، بيروت، الأولى ١٤٢٤هـ، ت: مشعل المطيري.
٦١- **الأوسط في السُّنَنِ:** أبو بكر ابن المنذر، دار طيبة، الرياض، الأولى، ١٤٠٥ هـ
٦٢- **الآيات البينات:** الألوسي، مكتبة المعارف، الأولى ١٤٢٥هـ، ت: الألباني.
٦٣- **البارع في اللغة:** أبو علي القالي، مكتبة النهضة، بغداد - دار الحضارة العربية، بيروت، الأولى، ١٩٧٥ م، ت: هشام الطعان.
٦٤- **بحار الأنوار:** الْمَجْلِسِيُّ، مؤسسة الوفاء، بيروت، الثانية،١٤٠٣هـ -١٩٨٣ م
٦٥- **بحوث فى تاريخ السنة المشرفة:** أكرم العُمري، دار العلوم والحكم، الخامسة، ١٤١٥ هـ
٦٦- **البداية والنهاية:** ابن كثير، إحياء التراث العربي، الطبعة الأولى، ١٤٠٨ هـ، ت: شيري.
٦٧- **البدع والنهي عنها:** محمد بن وضاح القرطبي، مكتبة ابن تيمية القاهرة - مكتبة العلم بجدة، الأولى، ١٤١٦ هـ، ت: عمرو عبد المنعم سليم.
٦٨- **بذل الماعون في فضل الطاعون:** ابن حجر العسقلاني، دار العاصمة، الرياض، ت: أحمد عاصم.
٦٩- **بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث:** نور الدين الهيثمي، مكرز خدمة السنة والسيرة، المدينة، الأولى، ١٤١٣ هـ، ت: حسين الباكري.

٧٠- **بُغْيَةُ الطلب في تاريخ حلب:** ابن العديم، دار الفكر، تحقيق: د. سهيل زكَّار.

٧١- **بغية الملتمس في تاريخ رجال أهل الأندلس:** ابن عميرة، دار الكاتب العربي، القاهرة ١٩٦٧هـ

٧٢- **بيان خطأ من أخطأ على الشافعي:** البيهقي، مؤسسة الرسالة، ت: الدعيس.

٧٣- **البيان والتبيين:** الجاحظ، دار ومكتبة الهلال، بيروت، ١٤٢٣ هـ

٧٤- **بيان الوهم والإيهام:** أبو الحسن ابن القطان، دار طيبة، الرياض، الأولى، ١٤١٨ هـ، ت : الحسين آيت.

٧٥- **تاج العروس من جواهر القاموس:** مرتضى الزبيدي، دار الهداية.

٧٦- **تاريخ (أخبار) أصبهان:** أبو نعيم الأصبهاني، دار الكتب العلمية، الأولى، ١٤١٠ هـ، ت: سيد كسروي.

٧٧- **تاريخ ابن خلدون:** دار الفكر، بيروت، الثانية، ١٤٠٨ هـ، ت: خليل شحادة.

٧٨- **تاريخ ابن معين (رواية الدارمي)** : دار المأمون للتراث، ١٤٠٠ هـ، ت: أحمد سيف.

٧٩- **تاريخ ابن معين (رواية الدوري):** مركز البحث العلمي، مكة، الأولى، ١٣٩٩ هـ

٨٠- **تاريخ ابن يونس:** المصري، دار الكتب العلمية، بيروت، الأولى، ١٤٢١هـ

٨١- **تاريخ أبي زرعة:** الدمشقي، رواية أبي ميمون ابن راشد، مجمع اللغة العربية بدمشق، ت: شكر الله القوجاني.

٨٢- **تاريخ الإسلام:** الذَّهَبِيُّ، دار الكتاب العربي، الأولى، ١٤٠٧ هـ، ت: تدمري.

٨٣- **تاريخ أسماء الضعفاء والكذابين:** ابن شاهين، الأولى، ١٤٠٩ هـ، ت: القشقري.

٨٤- **تاريخ الأمم والملوك:** الطبري، دار الكتب العلمية، الأولى ،١٤٠٧ هـ

٨٥- **التاريخ الأوسط:** البخاري، دار الوعي، مكتبة دار التراث، حلب، القاهرة، الأولى ١٣٩٧ هـ، ت: محمود زايد.

٨٦- **تاريخ بغداد:** الخطيب، دار الكتب العلمية، الأولى، ١٤١٧ هـ، ت: عطا.

٨٧- **تاريخ جرجان:** حمزة بن يوسف السهمي، عالم الكتب، بيروت، الرابعة، ١٤٠٧ هـ، ت: عبد المعيد خان.

٨٨- **تاريخ خليفة بن خياط**: مؤسسة الرسالة، الثانية، ١٣٩٧ هـ، ت: أكرم العمري.

٨٩- **تاريخ الرِّقَّةِ**: أبو علي القُشَيْرِي، دار البشائر، دمشق، الأولى، ١٤١٩ هـ، ت: إبراهيم صالح.

٩٠- **تاريخ العلماء والرواة للعلم بالأندلس**: ابن الفرضي، المطبعة المدني، الثانية، ١٤٠٨ هـ، ت: الحسيني.

٩١- **التاريخ الكبير**: البخاري، دار الفكر، بيروت، ت: السيد هاشم الندوي.

٩٢- **التاريخ الكبير، السفر الثالث**: ابن أبي خَيْثَمَةَ، الفاروق الحديثة، القاهرة، الأولى، ١٤٢٧ هـ، ت: صلاح فتحي.

٩٣- **تاريخ المدينة**: عُمَرُ بنُ شَبَّةَ، دار الفكر، قم، ١٤١٠ ق، ت: فهيم شلتوت.

٩٤- **تاريخ دمشق**: ابن عساكر، دار الفكر، ١٤١٥ هـ، ت: عمرو بن غرامة العمروي.

٩٥- **تاريخ مولد العلماء ووفياتهم**: ابن زبر، دار العاصمة، الأولى، ١٤١٠ هـ، ت: الحمد.

٩٦- **تاريخ واسط**: بَحْشَل أسلم بن سهل الواسطي، عالم الكتب، بيروت، الأولى، ١٤٠٦ هـ، ت: كوركيس عواد.

٩٧- **تبصير المنتبه بتحرير المشتبه**: ابن حجر، المكتبة العلمية - بيروت، ت: النجار.

٩٨- **تجريد الأسماء والكنى**: أبو القاسم عبيد الله ابن الفراء، مركز النعمان، اليمن الأولى، ١٤٣٢ هـ، ت: شادي آل نعمان.

٩٩- **التحبير في المعجم الكبير**: السمعاني، الأوقاف البغدادية، الأولى، تحقيق: منيرة ناجي.

١٠٠- **التحجيل في تخريج ما لم يخرج في إرواء الغليل**: الطريفي، مكتبة الرشد، الرياض، الأولى.

١٠١ - **تحرير تقريب التهذيب**: شعيب الأرنؤوط وبشار عواد، مؤسسة الرسالة، الأولى ١٤١٧ هـ

١٠٢- **تحرير علوم الحديث**: الجديع، مؤسسة الريان، الأولى، ١٤٢٤ هـ، - ٢٠٠٣م

١٠٣- **تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي**: المباركفوري، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٠٤- **تحفة الأشراف**: المزي، المكتب الإسلامي، الثانية، ت: عبد الصمد شرف الدين.

١٠٥- **التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة**: السخاوي، الكتب العلمية، بيروت، الأولى.

١٠٦- **تحقيق مواقف الصحابة**: محمد أمحزون، دار الكوثر، الرياض، الأولى، ١٤١٥ هـ

١٠٧- **تخريج أحاديث فضائل الشام ودمشق لأبي الحسن الربعي**: الألباني، مكتبة المعارف، الأولى، ١٤٢٠ هـ

١٠٨- **التدوين في أخبار قزوين**: أبو القاسم الرافعي، دار الكتب العلمية، ١٤٠٨ هـ، ت: عزيز.

١٠٩- **التذكرة بمعرفة رجال الكتب العشرة**: الحسيني الخانجي، القاهرة، ت: رفعت فوزي.

١١٠- **تذكرة الحفاظ**: الذهبي، دار الكتب العلمية، بيروت، الأولى، ١٤١٩ هـ

١١١ - **التذكرة الحمدونية**: ابن حمدون، دار صادر، بيروت، الأولى، ١٩٩٦ م، ت: إحسان عباس.

١١٢- **التذييل على كتب الجرح والتعديل**: طارق آل ناجي، مكتبة المثنى، الكويت، الثانية.

١١٣- **تراجم رجال الدارقطني**: مقبل الوادعي، دار الآثار، صنعاء، الأولى، ١٤٢٠ هـ

١١٤- **ترتيب الأمالي الخميسية**: يحيى الشجري، رتبها: محيى الدين العبشمي، دار الكتب العلمية، بيروت، الأولى، ١٤٢٢ هـ، ت: محمد حسن محمد حسن إسماعيل.

١١٥- **ترتيب المدارك وتقريب المسالك**: القاضي عياض، مطبعة فضالة، المحمدية المغرب، الأولى، ت: مجموعة.

١١٦- **الترغيب والترهيب**: قوام السنة الأصبهاني، دار الحديث، القاهرة، الأولى ١٤١٤ هـ، ت: أيمن صالح شعبان.

١١٧- **تعجيل المنفعة**: ابن حجر البشائر، بيروت، الأولى، ١٩٩٦ م، ت: إكرام الله.

١١٨- **التَّعْدِيلُ وَالتَّجْرِيحُ**: التجيبي، دار اللواء، الرياض، الأولى، ١٤٠٦ هـ، ت: أبو لبابة.

١١٩- **التعريفات الفقهية:** محمد عميم الإحسان المجددي، دار الكتب العلمية، بيروت الأولى، ١٤٢٤ هـ

١٢٠- **تعريف أهل التقديس (طبقات المدلسين):** ابن حجر، مكتبة المنار، الأردن، الأولى، ت: القريوني.

١٢١- **التعريف برواة مسند الشاميين:** علي جماز، دار الثقافة، الدوحة، الأولى، ١٤٠٩ هـ

١٢٢- **تَعْظِيمُ قَدْرِ الصَّلَاةِ:** الْمَرْوَزِيُّ، مكتبة الدار، المدينة، الأولى، ١٤٠٦ هـ، ت: الفريوائي.

١٢٣- **التعليقات الحِسانُ:** الألباني، دار باوزير، جدة، الأولى، ١٤٢٤ هـ - ٢٠٠٣ م

١٢٤- **تغليق التعليق:** ابن حجر، المكتب الإسلامي، بيروت، دار عمار، عمان، الأولى، ١٤٠٥ هـ، ت: سعيد القزقي.

١٢٥- **تفسير ابن أبى حاتم:** مكتبة نزار مصطفى الباز، السعودية، الثالثة، ١٤١٩ هـ، ت: أسعد الطيب.

١٢٦- **تفسير الطبري:** مؤسسة الرسالة، الأولى ١٤٢٠ هـ، ت: أحمد ومحمود شاكر.

١٢٧- **تفسير عبد الرزاق:** دار الكتب العلمية، بيروت، الأولى ١٤١٩ هـ، ت: محمود محمد عبده.

١٢٨- **تفسير العياشي:** طبعه الحاج السيد محمود الكتابجي وأولاده صاحب المكتبة العلمية الإسلامية، تهران، تحقيق وتعليق: السيد هاشم الرسولي المحلاتي.

١٢٩- **تفسير القرآن العظيم:** ابن كثير، أولاد الشيخ، جيزة، الأولى، ١٤٢١ هـ، ت: فريق من المحققين.

١٣٠- **تفسير القمي:** علي بن إبراهيم، دار الكتاب، قم، الثالثة، ١٤٠٤ هـ، ت: الجزائري.

١٣١- **تقريب التهذيب:** ابن حجر، دار العاصمة، ت: أبو الأشبال.

١٣٢- **التقرير في أسانيد التفسير:** عبد العزيز الطريفي، دار المنهاج، الرياض، الأولى، ١٤٣٢ هـ

١٣٣- **التقييد:** ابن نقطة، دار الكتب العلمية، الأولى، ١٤٠٨ هـ، ت: كمال الحوت.

١٣٤- **التكملة لكتاب الصلة:** ابن الأبار، دار الفكر للطباعة، لبنان، ١٤١٥ هـ، ت: الهراس.

١٣٥- **التكميل في الجرح والتعديل:** ابن كثير، مركز النعمان، اليمن، الأولى، ١٤٣٢ هـ، ت: شادي آل نعمان.

١٣٦- **تلبيس إبليس:** ابن الجوزي، دار الفكر، بيروت، الأولى، ١٢٤١ هـ

١٣٧- **تلخيص تاريخ نيسابور:** لخصه: الخليفة النيسابوري، كتابخانه ابن سينا، طهران.

١٣٨- **تلخيص الحبير:** ابن حجر، دار أضواء السلف، الرياض، الأولى، ١٤٢٨ هـ، ت: محمد الثاني.

١٣٩- **تلخيص المتشابه في الرسم:** الخطيب البغدادي، طلاس للدراسات، دمشق، الأولى، ت: سكينة الشهابي.

١٤٠- **التمهيد:** ابن عبد البر، الأوقاف المغربية، ١٣٨٧م، ت: العلوي البكري.

١٤١ - **تنزيه الشريعة:** ابن عراق، دار الكتب العلمية الثانية ١٤٠٢هـ، ت: الغماري.

١٤٢- **تنقيح التحقيق:** شمس الدين الذهبي، دار الوطن، الرياض، الأولى، ١٤٢١ هـ، ت: مصطفى أبو الغيط.

١٤٣- **تنقيح المقال:** المامقاني، مؤسسة آل البيعت لإحياء التراث، ت: محيى الدين المامقاني.

١٤٤- **التنكيل بما في تأنيب الكوثري من الأباطيل:** عبد الرحمن المعلمي، المكتب الإسلامي، الثانية، ١٤٠٦هـ

١٤٥- **تهذيب الآثار، مسند ابن عباس:** أبو جعفر الطبري، مطبعة المدني، القاهرة، ت: محمود شاكر.

١٤٦- **تهذيب الآثار، مسند علي:** أبو جعفر الطبري، مطبعة المدني، القاهرة، ت: محمود شاكر.

١٤٧- **تهذيب الأسماء واللغات:** النووي، دار الفكر، بيروت، الأولى، ١٩٩٦ م

١٤٨- **تهذيب التهذيب:** ابن حجر، النظامية الهند، الأولى، ١٣٢٦ هـ

١٤٩- **تهذيب الكمال**: المزي، مؤسسة الرسالة، الأولى ١٤٠٠ هـ، ت: بشار عواد.

١٥٠- **تهذيب اللغة**: الأزهري، دار إحياء التراث العربي، الأولى، ٢٠٠١ م، ت: محمد عوض.

١٥١- **توضيح المشتبه**: ابن ناصر الدين، مؤسسة الرسالة، الأولى، ١٩٩٣ م، ت: العرقسوسي.

١٥٢- **تيسير مصطلح الحديث**: محمود الطحان، مكتبة المعارف، الرياض، العاشرة، ١٤٢٥ هـ

١٥٣- **ثبت أبي جعفر أحمد بن علي البلوي الوادي آشي**: دار الغرب الإسلامي، الأولى، ت: العمراني.

١٥٤- **الثقات**: ابن حبان، دار الفكر، بيروت، الأولى، ١٣٩٥ هـ، ت: شرف الدين أحمد.

١٥٥- **الثقات**: العِجْلي، مكتبة الدار، المدينة، الأولى، ١٤٠٥ هـ، ت: عبد العليم البستوي.

١٥٦- **الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة**: ابن قُطلُوبَغَا، مركز النعمان، صنعاء، الأولى، ت: شادي آل نعمان.

١٥٧- **جامع الأحاديث**: جلال الدين السيوطي، دار الفكر ١٤١٤ هـ، ت: صقر، وعبد الجواد.

١٥٨- **جامع الأصول**: ابن الأثير، مكتبة الحلواني، الأولى، ت: عبد القادر الأرنؤوط.

١٥٩- **جامع التحصيل**: العلائي، عالم الكتب، الثانية، ١٤٠٧ هـ، ت: حمدي السلفي.

١٦٠- **الجامع في الجرح والتعديل**: أبو المعاطي وآخرون، عالم الكتب، الأولى، ١٤١٢هـ.

١٦١- **الجامع لأخلاق الراوي**: الخطيب البغدادي، مكتبة المعارف، ١٤٠٣ هـ، ت: الطحان.

١٦٢- **جامع المسانيد والسنن**: ابن كثير، دار خضر، بيروت، الثانية، ١٤١٩ هـ، ت: ابن دهيش.

١٦٣- **جامع معمر**: منشور كملحق بمصنف عبد الرزاق، المكتب الإسلامي، ت: حبيب الرحمن الأعظمي.

١٦٤- **جذوة المقتبس في ذكر ولاة الأندلس**: ابن فتوح الحميدي، الدار المصرية للتأليف والنشر، القاهرة، ١٩٦٦ م

١٦٥- **الجرح والتعديل**: ابن أبي حاتم، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الأولى، ١٣٧١ هـ.
١٦٦- **جزء سَعْدَانَ بْنِ نَصْرٍ**: مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة، الأولى، ١٤٢٠ هـ، ت: عبد المنعم إبراهيم.
١٦٧- **جزء فيه أخبار وحكآيات من حديث أبي علي محمد بن القاسم بن معروف عن شيوخه**: مخطوط في الظاهرية، مجموع ٣٨١٦عام - مجاميع العمرية ٨٠.
١٦٨- **الجزء فيه حديث الحافظ ابن ديزيل**: مكتبة الغرباء الأثرية، المدينة النبوية، الأولى ١٤١٣ هـ، ت: البخاري.
١٦٩- **جزء فيه من فوائد أبي عبد الله محمد بن مخلد بن حفص العطار**: مطبعة الفتح، مصر، ت: صلاح الشلاحي.
١٧٠- **جزء من حديث الأوزاعي**: ابن حَذْلَم، دار ماجد عسيري، جدة، الأولى، ٢٠٠٠ م، ت: السعدني.
١٧١- **جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد**: الروداني، مكتبة ابن كثير، الكويت، الأولى، ت: دريع.
١٧٢- **جمهرة الأمثال**: أبو هلال العسكري، دار الفكر، بيروت.
١٧٣- **جمهرة أنساب العرب**: ابن حزم، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، ت: لجنة.
١٧٤- **جمهرة اللغة**: ابن دريد الأزدي، دار العلم للملايين، بيروت، الأولى، ١٩٨٧ م، ت: رمزي منير.
١٧٥- **الجهاد**: ابن المبارك الْمَرْوَزِي، الدار التونسية، دار المطبوعات الحديثة، ت: نزيه حماد.
١٧٦- **الجواهر المضية في طبقات الحنفية**: عبد القادر القرشي الناشر: مير محمد كتب خانه، كراتشي.
١٧٧- **حاشية مسند الإمام أحمد بن حنبل**: نور الدين محمد بن عبد الهادي السندي، الأوقاف القطرية، الأولى، ١٤٢٨ هـ، ت: نور الدين طالب.

١٧٨- **حديث الزهري أبي الفضل عبيد الله:** أضواء السلف، الأولى، ت: حسن البلوط.

١٧٩- **حديث السراج:** أبو العباس السراج، الفاروق الحديثة، القاهرة، ت: حسين عكاشة.

١٨٠- **حديث علي بن حُجْرِ السَّعْدِي عن إسماعيل بن جعفر المدني:** مكتبة الرشد، الرياض، الأولى، ت: عمر رفود.

١٨١- **حديث محمد بن بشار بندار عن شيوخه:** رواية أبي يعلى الموصلي، عنه، نشر في مجلة الأحمدية، العدد الثامن عشر، رمضان ١٤٢٥ هـ، أكتوبر ٢٠٠٤ م

١٨٢- **حسن المحاضرة:** السيوطي، دار إحياء الكتب العربية، الأولى، ت: أبو الفضل إبراهيم.

١٨٣- **حِقْبَةٌ مِنَ التَّاريخ:** عثمان الخميس، مكتبة الإمام البخاري، الإسماعيلية، الطبعة الثالثة، مصر، ١٤٢٧ هـ

١٨٤- **حقيقة معاوية:** محمد طاهر البرزنجي، بحث منشور على الشبكة العنكبوتية.

١٨٥- **حلية الأولياء:** أبو نعيم الأصبهاني، دار الفكر، بيروت، ١٤١٦ هـ - ١٩٩٦م

١٨٦- **الحيوان:** للجاحظ، دار الكتب العلمية، بيروت، الثانية، ١٤٢٤ هـ

١٨٧- **خصائص مسند الإمام أحمد:** أبو موسىٰ المديني، مكتبة التوبة، ١٤١٠ هـ

١٨٨- **خلاصة الأقوال:** ابن مطهر الحلّي، مؤسسة النشر الإسلامي، قم، الأولى، ت: القيومي.

١٨٩- **خلافة أمير المؤمنين عبد الله بن الزبير ﵄:** علي الصلابي، مؤسسة اقرأ، القاهرة، الأولى.

١٩٠- **دستور العلماء:** الأحمد نكري، دار الكتب العلمية، الأولى، ١٤٢١ هـ- ٢٠٠٠ م

١٩١ - **دراسات تاريخية:** أكرم ضياء العمري، الجامعة الإسلامية بالمدينة، الأولى، ١٤٠٣ هـ

١٩٢- **الدراية في تخريج أحاديث الهداية:** ابن حجر، دار المعرفة، ت: عبد الله هاشم اليماني.

١٩٣- **الدلائل في غريب الحديث**: السَّرَقُسْطِي، مكتبة العبيكان، الأولى، ١٤٢٢هـ، ت: القناص.

١٩٤- **دلائل النبوة**: البيهقي، دار الكتب العلمية، الأولى، ١٤٠٥ هـ، ت: عبد المعطي قلعجي.

١٩٥- **ديوان حسان بن ثابت** رضي الله عنه: مطبعة السعادة، القاهرة، ١٣٣١ هـ، شرح العناني.

١٩٦- **ديوان الضعفاء والمتروكين**: الذهبي، مكتبة النهضة الحديثة، مكة، الثانية، ت: حماد الأنصاري.

١٩٧- **ذخيرة الحفاظ**: ابن القيسراني، دار السلف، الرياض، الأولى، ١٤١٦ هـ، ت: الفريوائي.

١٩٨- **الذَّرِيعَةُ إِلَى تَصَانِيفِ الشِّيعَةِ**: آغا بزرك، دار الأضواء، بيروت، الثالثة، ١٤٠٣ هـ

١٩٩- **ذِكْرُ أسماء من تكلم فيه وهو مُوَثَّق**: الذَّهَبِيُّ، مكتبة المنار، الزرقاء، الأولى، ت: أمرير.

٢٠٠- **ذكر من اسمه شعبة**: أبو نعيم الأصبهاني، مكتبة الغرباء الأثرية، المدينة، الأولى.

٢٠١- **ذيل تاريخ بغداد**: ابن النجار، دار الكتاب العربي، بيروت، ت: قيصر أبو فرح.

٢٠٢- **ذيل ديوان الضعفاء والمتروكين**: الذهبي، مكتبة النهضة الحديثة، مكة، الأولى، ت: حماد الأنصاري.

٢٠٣- **ذيل الكاشف**: أبو زُرْعَةَ العراقي، دار الكتب العلمية، الأولى، ١٤٢٨ هـ، ت: بوران.

٢٠٤- **ذيل ميزان الاعتدال**: العراقي، دار الكتب العلمية، ١٤١٦ هـ، ت: علي محمد عوض.

٢٠٥- **رجال ابن داود الحلي**: ابن داود الحلي، المطبعة الحيدرية، النجف، ١٣٩٢هـ

٢٠٦- **رجال تفسير الطبري**: محمد صبحي حسن حلاق، دار ابن حزم.

٢٠٧- **رجال الحاكم في المستدرك**: مُقبل الوادعي، مكتبة صنعاء الأثرية، الثانية، ١٤٢٥هـ

٢٠٨- **رجال الطوسي**: أبو جعفر شيخ الطائفة، مؤسسة النشر الإسلامي، قم، ١٤١٥ هـ

٢٠٩- **رجال النجاشي**: النجاشي، مؤسسة النشر الإسلامي، ت: موسى الشبيري الزنجاني.

٢١٠- **ردّ المحتار على الدر المختار**: ابن عابدين، دار الفكر، بيروت، الثانية، ١٤١٢هـ

٢١١- **الرسالة المستطرفة:** الكتاني، دار البشائر الإسلامية، بيروت، السادسة، ١٤٢١هـ
٢١٢- **رفع الإصر عن قضاة مصر:** ابن حجر العسقلاني، مكتبة الخانجي، القاهرة، الأولى، ١٤١٨هـ ، ت: علي محمد عمر.
٢١٣- **الروض الأنف:** السهيلي، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الأولى، ١٤٢١هـ، ت: السلامي.
٢١٤- **الروض الباسم في تراجم شيوخ الحاكم:** نايف المنصوري، دار العاصمة، الرياض.
٢١٥- **الرياض النضرة في مناقب العشرة:** المحب الطبري، دار الكتب العلمية، الثانية.
٢١٦- **الزيادات في كتاب الجود والسخاء:** الطبراني، دار البشائر الإسلامية، الأولى، ١٤٢٣ هـ
٢١٧- **الزهد:** أبو داود، دار المشكاة، حلوان، الأولى ١٤١٤ هـ، ت: أبو تميم ياسر محمد، وغنيم عباس.
٢١٨- **الزهد:** ابن أبي الدنيا، دار ابن كثير، دمشق، الأولى، ١٤٢٠ هـ
٢١٩- **الزهد:** أحمد بن حنبل، دار الكتب العلمية، بيروت، الأولى، ١٤٢٠، ت: شاهين.
٢٢٠- **الزهد:** عبد الله بن المبارك، دار الكتب العلمية، بيروت، ت: حبيب الرحمن الأعظمي.
٢٢١- **الزهد:** هنّاد بن السري، دار الخلفاء للكتاب الإسلامي، الكويت، الأولى، ١٤٠٦ هـ، ت: الفريوائي.
٢٢٢- **سؤالات الآجري لأبي داود السجستاني:** مكتبة دار الاستقامة، مكة المكرمة - مؤسسة الريان، بيروت، الأولى، ١٤١٨ هـ، ت: عبد العليم البستوي.
٢٢٣- **سؤالات ابن الجنيد لأبي زكريا يحيى بن معين:** مكتبة الدار، المدينة، الأولى، ١٤٠٧ هـ، ت: نور سيف.
٢٢٤- **سؤالات البرقاني للدارقطني:** كتب خانه جميلي، لاهور، الأولى، ت: القشقري.
٢٢٥- **سؤالات الحاكم للدارقطني:** مكتبة المعارف، الرياض، الأولى، ١٤٠٤هـ، ت: موفق.

٢٢٦- **سؤالات حمزة السهمي للدارقطني**: مكتبة المعارف، الرياض، الأولى، ت: موفق.

٢٢٧- **سؤالات السلمي للدارقطني**: الجريسي، الأولى، ١٤٢٧ هـ، ت: فريق من المحققين.

٢٢٨- **سؤالات السجزي**: أبو عبد الله الحاكم، دار الغرب الإسلامي، الأولى، ١٤٠٨هـ

٢٢٩- **سؤالات للعلامة محدث العصر الألباني، سألها له أبو عبد الله أحمد بن إبراهيم بن أبي العينين**: مهبط الوحي، القاهرة.

٢٣٠- **سبل الاستفادة من النوازل والفتاوى والعمل الفقهي في التطبيقات المعاصرة**: وهبة الزحيلي، دار المكتبي، دمشق، الأولى، ١٤٢١هـ

٢٣١- **سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها**: الألباني، مكتبة المعارف، الطبعة الأولى.

٢٣٢- **سلسلة الأحاديث الضعيفة**: الألباني، دار المعارف، الأولى، ١٤١٢هـ

٢٣٣- **السنة**: أبو بكر الخلال، دار الراية، الرياض، الأولى، ١٤١٠ هـ، ت: عطية الزهراني.

٢٣٤- **السنة**: عبد الله بن أحمد بن حنبل، دار ابن القيم، الدمام، الأولى، ١٤٠٦هـ، ت: محمد القحطاني.

٢٣٥- **سنن ابن ماجه**: دار الرسالة العالمية، الأولى، ١٤٣٠ هـ، ت: شعيب الأرنؤوط وآخرون.

٢٣٦- **سنن أبي داود**: دار الرسالة العالمية، الأولى، ١٤٣٠ هـ، ت: شعيب الأرنؤوط وآخرون.

٢٣٧- **سنن الترمذي**: دار الرسالة العالمية، الأولى، ١٤٣٠ هـ، ت: شعيب الأرنؤوط وآخرون.

٢٣٨- **سنن اللدارقطني**: مؤسسة الرسالة، بيروت، الأولى، ١٤٢٤ هـ، ت: حسن شلبي.

٢٣٩- **سنن سعيد بن منصور**: دار الكتب العلمية، الأولى، ١٩٨٥ م، ت: الأعظمي.

٢٤٠- **سنن النسائي**: مكتب المطبوعات الإسلامية، حلب، الثانية، ت: أبو غدة.

٢٤١- **السنن الكبرى**: البيهقي، دار الكتب العلمية، بيروت، الثالثة، ١٤٢٤ هـ، ت: عطا.

٢٤٢- **السنن الكبرى**: النسائي، مؤسسة الرسالة، الأولى، ١٤٢١ هـ، ت: حسن شلبي.

٢٤٣- **السنن الواردة في الفتن**: الداني، دار العاصمة، الأولى، ١٤١٦ هـ، ت: رضاء الله.
٢٤٤- **سير أعلام النبلاء**: الذهبي، مؤسسة الرسالة، الثالثة، ١٤٠٥ هـ، ت: شعيب وآخرون.
٢٤٥- **سيرة علي** رضي الله عنه: الصلابي، دار المعرفة، ١٤٣٠ هـ، وزارة الأوقاف القطرية.
٢٤٦- **سيرة معاوية** رضي الله عنه: الصلابي، دار المعرفة، ١٤٣٠ هـ، وزارة الأوقاف القطرية.
٢٤٧- **السيرة النبوية**: ابن هشام، دار الحديث، القاهرة، ت: سيد إبراهيم وآخرون.
٢٤٨- **شرح أصول الاعتقاد**: اللالكائي، دار طيبة، الثامنة، ١٤٢٣ هـ، ت: أحمد الغامدي.
٢٤٩- **شرح صحيح البخاري**: لابن بطال، مكتبة الرشد، الرياض، الثانية، ١٤٢٣ هـ، ت: أبو تميم ياسر.
٢٥٠- **شرح علل الترمذي**: ابن رجب، مكتبة المنار، الزرقاء، الأردن، الأولى، ١٤٠٧ هـ، ت: همام عبد الرحيم سعيد.
٢٥١- **شرح مذاهب أهل السنة**: أبو حفص ابن شاهين، مكتبة قرطبة، الأولى، ١٤١٥ هـ، ت: عادل محمد.
٢٥٢- **شرح مشكل الآثار**: الطحاوي، الرسالة، الأولى، ١٤١٥ هـ، ت: شعيب الأرنؤوط.
٢٥٣- **شرح معاني الآثار**: الطحاوي، عالم الكتب، بيروت، الأولى، ١٤١٤ هـ، ت: زهري النجار.
٢٥٤- **شرح نهج البلاغة**: ابن أبي الحديد، دار إحياء الكتب العربية عيسى البابي الحلبي وشركاه، ت: محمد أبو الفضل إبراهيم.
٢٥٥- **الشَّرِيعَة**: الآجري، دار الوطن، الثانية، ١٤٢٠ هـ، ت: عبد الله الدميجي.
٢٥٦- **شعب الإيمان**: البيهقي، مكتبة الرشد، الرياض، الأولى، ١٤٢٣ هـ، ت: عبد العلي ابن عبد الحميد.
٢٥٧- **الصارم المسلول على شاتم الرسول**: ابن تيمية، الناشر: الحرس الوطني السعودي، ت: محمد محي الدين عبد الحميد.
٢٥٨- **الصحابة المعتزلون للفتنة الكبرى**: خالد كبير علال.
٢٥٩- **الصِّحَاحُ فِي اللُّغَةِ**: الجَوْهَرِيُّ، دار العلم للملايين، الرابعة، ١٤٠٧ هـ، ت: عبد الغفور.

٢٦٠- **صحيح ابن حبان:** مؤسسة الرسالة، الثانية، ١٤١٤ هـ، ت: شعيب الأرنؤوط.

٢٦١- **صحيح البخاري:** دار ابن كثير، الثالثة، ١٤٠٧هـ، ت: مصطفى ديب البغا.

٢٦٢ - **صحيح سنن ابن ماجه:** الألباني، مكتبة التربية لدول الخليج، الطبعة الأولى، ١٤٠٧ هـ

٢٦٣- **صحيح سنن الترمذي:** الألباني، مكتبة التربية لدول الخليج، الطبعة الأولى، ١٤٠٨ هـ

٢٦٤- **صحيح مسلم:** دار الجيل، بيروت.

٢٦٥- **صحيح وضعيف تاريخ الطبري:** البرزنجي وحلاق، دار ابن كثير، الأولى، ١٤٢٨هـ

٢٦٦- **صلاح الدين الأيوبي:** الصلابي، مؤسسة اقرأ، القاهرة، الأولى، ١٤٢٨ هـ

٢٦٧- **الصَّوَاعِقُ الْمُرْسَلَةُ فِي الرَّد على الجَهْمِيَّةِ وَالْمُعَطِّلَةِ:** ابن القيم، دار العاصمة، الرياض، الأولى، ١٤٠٨ هـ، ت: الدخيل الله.

٢٦٨- **الضعفاء الصغير:** البخاري، دار المعرفة، الأولى، ١٤٠٦ هـ، ت: محمد إبراهيم زايد.

٢٦٩- **الضعفاء الكبير:** العقيلي، دار ابن عباس، الثانية، ١٤٢٩ هـ، ت: مازن السرساوي.

٢٧٠- **الضعفاء والمتروكين:** ابن الجوزي، دار الكتب العلمية، ١٤٠٦ هـ، ت: عبد الله القاضي.

٢٧١- **الضعفاء والمتروكين:** الدارقطني، مجلة الجامعة الإسلامية بالمدينة، ت: القشقري.

٢٧٢- **الضعفاء والمتروكين:** النسائي، مؤسسة الكتب الثقافية، الأولى، ١٤٠٥ هـ، ت: بوران.

٢٧٣- **طبقات الحنابلة:** أبو الحسين ابن أبي يعلى، دار المعرفة، بيروت، ت: محمد حامد الفقي.

٢٧٤- **طبقات خليفة بن خياط:** مطبعة العاني، بغداد، الأولى، ١٣٨٧ هـ، ت: أكرم ضياء العمري.

٢٧٥- **الطبقات السنية في تراجم الحنفية:** تقي الدين الغزي، المجلس الأعلى للشئون الإسلامية، القاهرة، ١٣٩٠ هـ - ١٩٧٠ م، ت: عبد الفتاح محمد الحلو.

٢٧٦- **طبقات الشافعية:** عبد الرحيم الإسنوي، دار الكتب العلمية، الأولى، ٢٠٠٢م، ت: كمال الحوت.

٢٧٧- **طبقات الشافعية الكبرى:** السبكي، هجر، الثانية، ١٤١٣ هـ، ت: محمود الطناحي.

٢٧٨- **طبقات علماء إفريقية:** أبو العرب التميمي، دار الكتاب اللبناني، بيروت.

٢٧٩- **الطبقات الكبرى:** ابن سعد، دار صادر، الأولى، ١٩٦٨ م، ت: إحسان عباس.

٢٨٠- **الطبقات الكبرى** [الطبقة الخامسة] : مكتبة الصديق، الطائف، الأولى، ت: السلمي.

٢٨١- **الطبقات الكبرى** [الطبقة الرابعة]: مكتبة الصديق، الأولى، ت: عبد العزيز السلومي.

٢٨٢- **طبقات المحدثين بأصبهان والواردين عليها:** أبو الشيخ الأصبهاني، مؤسسة الرسالة، بيروت، الثانية، ١٤١٢ هـ، ت: عبد الغفور البلوشي.

٢٨٣- **طبقات النحويين واللغويين:** الزبيدي، دار المعارف، القاهرة، الثانية، ت: أبو الفضل.

٢٨٤- **طَرَائِفُ الْمَقَالِ:** البُرُوجِرُدِي، مكتبة المرعشي، قم، الأولى، ١٤١٠ هـ، ت: الرجائي.

٢٨٥- **ظلال الجنة:** الألباني، المكتب الإسلامي، الثالثة، ١٤١٣ هـ - ١٩٩٣ م

٢٨٦- **العزلة والانفراد:** ابن أبي الدنيا، مكتبة القرآن، القاهرة، ت: مسعد عبد الحميد السعدني.

٢٨٧- **العقد الفريد:** ابن عبد ربه، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٠٤ هـ

٢٨٨- **عصر الخلافة الراشدة:** أكرم ضياء العُمري، مكتبة العبيكان، الخامسة، ١٤٢٧ هـ

٢٨٩- **العقد المذهب في طبقات حملة المذهب:** ابن الملقن سراج الدين، دار الكتب العلمية، بيروت، الأولى، ١٤١٧ هـ، ت: أيمن نصر الأزهري، سيد مهني.

٢٩٠- **العقيلة والفواطم:** الحاج حسين الشاكري، الناشر: المؤلف

٢٩١- **العلل لابن أبي حاتم:** الجريسي، الرياض، الأولى، ١٤٢٧ هـ، ت: فريق من الباحثين، بإشراف الحميد والجريسي.

٢٩٢- **العلل**: علي ابن المديني، المكتب الإسلامي، الثانية، ت: محمد مصطفى الأعظمي.

٢٩٣- **علل الدارقطني**: دار طيبة، الرياض، الأولى (ج ١ - ج ١١)، ١٤٠٥ هـ، ت: محفوظ الرحمن السلفي، دار ابن الجوزي، الدمام، (ج ١٢- ج ١٥)، الأولى، ١٤٢٧ هـ، ت: محمد الدباسي.

٢٩٤- **العلل الكبير**: الترمذي، عالم الكتب، النهضة العربية، بيروت، الأولى، ١٤٠٩ هـ، صبحي السامرائي وآخرون.

٢٩٥- **العلل ومعرفة الرجال (رواية عبد الله)**: أحمد بن حنبل، الخاني، الثانية، ت: وصي الله.

٢٩٦- **علم الرجال نشأته وتطوره**: محمد بن مطر الزهراني، دار الهجرة، الأولى، ١٤١٧هـ

٢٩٧- **عُمْدَةُ القاري شرح صحيح البخاري**: بدر الدين العيني، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٢٩٨- **العواصم من القواصم**: أبو بكر المالكي، دار الجيل، الثانية، ت: الخطيب الاستانبولي.

٢٩٩- **عون المعبود**: العظيم آبادي، دار الكتب العلمية، الثانية، ١٤١٥ هـ

٣٠٠- **غاية المقصد في زوائد المسند**: نور الدين الهيثمي، دار الكتب العلمية، ت: خلاف.

٣٠١- **غنية الملتمس**: الْخَطِيبُ الْبَغْدَادِيُّ، مكتبة الرشد، الأولى، ١٤٢٢ هـ، ت: يحيى الشهري.

٣٠٢- **غَايَةُ النِّهَايَةِ فِي طَبَقَاتِ الْقُرَّاءِ**: ابن الجزري، مكتبة ابن تيمية، ت: ج برجستراسر.

٣٠٣ - **غريب الحديث**: ابن قتيبة، مطبعة العاني، بغداد، الأولى، ١٣٩٧ هـ، ت: عبدالله الجبوري.

٣٠٤- **غريب الحديث**: القاسم بن سلام، دائرة المعارف العثمانية، الأولى، ت: محمد خان.

٣٠٥- **غريب الحديث:** الخطابي، دار الفكر، ١٤٠٢ هـ، ت: العزباوي.

٣٠٦- **الغيلانيات:** أبو بكر محمد بن عبد الله الشافعي، دار ابن الجوزي، الدمام، الأولى، ١٤١٧ هـ، ت: حلمي.

٣٠٧- **الفائق في غريب الحديث:** الزمخشري، دار المعرفة، الثانية، ت: البجاوى، أبو الفضل.

٣٠٨- **فتح الباب في الكنى والألقاب:** ابن منده، الكوثر، الأولى، ١٤١٧ هـ، ت: الفاريابي.

٣٠٩- **فتح الباري:** ابن حجر، دار المعرفة، ١٣٧٩ هـ، ت: عبد الباقي - محب الدين الخطيب.

٣١٠- **فتح القدير:** الشوكاني، دار الوفاء، مصر، ت: عبد الرحمن عميرة.

٣١١- **فتح المغيث:** السخاوي، مكتبة السنة، مصر، الأولى، ١٤٢٤ هـ، ت: علي حسين.

٣١٢- **الفتن:** نُعَيُمُ بن حَمَّادٍ، مكتبة التوحيد، القاهرة، الأولى، ١٤١٢ هـ، ت: سمير الزهيري.

٣١٣ - **فتوح البلدان:** البلاذِري، دار ومكتبة الهلال، بيروت، ١٩٨٨م

٣١٤- **فتوح الشام:** الأزدي: بتست مشن، كلكتة، ١٨٥٤م، ت: وليم ناسوليس.

٣١٥- **فتوح مصر والمغرب:** ابن عبد الحكم، مكتبة الثقافة الدينية، القاهرة، ١٤١٥ هـ

٣١٦- **الفرائد على مجمع الزوائد:** خليل المطيري، دار الإمام البخاري، الدوحة، الأولى.

٣١٧- **الفَرْقُ بَيْنَ الفِرَقِ:** عبد القاهر بن طاهر البغدادي، دار الطلائع، القاهرة، ت: عبدالحميد.

٣١٨- **فِرَقُ الشِّيعة:** النوبختي، دار الرشاد، القاهرة، الأولى، ١٤١٢ هـ، ت: عبد المنعم الحنفي.

٣١٩- **فرق معاصرة تنسب إلى الإسلام:** عواجي، المكتبة العصرية الذهبية، جدة، الرابعة.

٣٢٠- **الفصل في الملل والأهواء والنحل:** ابن حزم، مكتبة الخانجي، القاهرة.

٣٢١- **فصل المقال في شرح كتاب الأمثال:** أبو عبيد الأندلسي، مؤسسة الرسالة، الأولى.

٣٢٢- **فضائل الشام**: السمعاني، دار الثقافة العربية، دمشق، الأولى، ١٤١٢ هـ، ت: عمرو علي عمر.

٣٢٣- **فضائل الخلفاء الراشدين**: أبو نعيم الأصبهاني، دار البخاري، المدينة، الأولى، ١٤١٧ هـ، ت: العقيل.

٣٢٤- **فضائل الصحابة**: أحمد بن حنبل، دار ابن الجوزي، الثانية، ١٤٢٠ هـ، ت: وصي الله.

٣٢٥- **الفهرست**: شَيُخ الطَّائِفَة، مؤسسة النشر الإسلامي، الأولى، ١٤١٧ هـ، ت: القيومي.

٣٢٦- **فوائد أبي عثمان البحيري**: الظاهرية، (مجموع رقم: ٣٨١٠ عام - مجاميع العمرية ٧٤)

٣٢٧- **فوائد ابن أخي ميمي الدقاق**: دار أضواء السلف، الرياض، الأولى، ١٤٢٦ هـ، ت: نبيل جرار.

٣٢٨- **فوائد تمام بن محمد الرازي**: مكتبة الرشد، الرياض، الأولى، ١٤١٢ هـ، ت: حمدي السلفي.

٣٢٩- **الفوائد الرجالية**: محمد بحر العلوم، مكتبة الصادق، طهران، الأولى، ١٣٦٣ هـ

٣٣٠- **الفوائد المجموعة فى الأحاديث الموضوعة**: الشوكاني، دار الكتب العلمية، بيروت، ت: المعلمي.

٣٣١- **فيض القدير**: زين الدين المناوي، المكتبة التجارية الكبرى، مصر، الأولى ١٣٥٦ هـ.

٣٣٢- **قرى الضيف**: ابن أبي الدنيا، أضواء السلف، الرياض، الأولى، ١٤١٨ هـ، ت: المنصور.

٣٣٣- **قضاة قرطبة وعلماء إفريقية**: الخشني، مكتبة الخانجي، القاهرة، الثانية، ١٤١٥ هـ، ت: الحسيني.

٣٣٤- **الكاشف**: الذهبي، دار القبلة، الأولى، ١٤١٣ هـ، ت: محمد عوامة، أحمد الخطيب.

٣٣٥- **الكافي**: الكليني، دار الكتب الإسلامية، طهران، الثالثة، ١٣٨٨ هـ، ت: على أكبر الغفاري.

٣٣٦- **الكامل في التاريخ**: ابن الأثير، دار الكتب العلمية، الثانية، ١٤١٥ هـ، ت: القاضي.

٣٣٧- **الكامل في ضعفاء الرجال**: ابن عدي، دار الفكر، الثالثة، ١٤٠٩ هـ، ت: يحيى غزاوي.

٣٣٨- **الكامل في اللغة والأدب**: دار الفكر العربي، القاهرة، الثالثة، ١٤١٧ هـ، ت: محمد أبو الفضل إبراهيم.

٣٣٩- **كتاب الأدب**: أبو بكر ابن أبي شيبة، دار البشائر الإسلامية، ت: محمد رضا القهوجي.

٣٤٠- **كتاب الفتوح**: أحمد بن أعْثَم الكوفي، دار الأضواء، بيروت، الأولى، ١٤١١ هـ، ت: علي شيري.

٣٤١- **كتاب الولاة وكتاب القضاة**: أبو عمر الكندي، دار الكتب العلمية، بيروت، الأولى، ١٤٢٤ هـ، ت: محمد حسن إسماعيل، وأحمد فريد المزيدي.

٣٤٢- **كشاف القناع عن متن الإقناع**: منصور البهوتي، دار الكتب العلمية.

٣٤٣ - **كشف الأستار**: الهيثمي، مؤسسة الرسالة، الأولى، ٩٩٣١هـ، ت: الأعظمي.

٣٤٤- **الكشف الحثيث**: سبط ابن العجمي، عالم الكتب، الأولى، ١٤٠٧ هـ، ت: صبحي.

٣٤٥- **كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون**: حاج خليفة، مكتبة المثنى، بغداد، ١٩٤١ م

٣٤٦- **كَشْفُ الْمُشْكِلِ مِنْ حَدِيثِ الصَّحِيحَيْنِ**: ابن الجوزي، دار الوطن، الرياض، ت: البواب.

٣٤٧- **الكِفَايَةُ**: الْخَطِيبُ البغدادي، المكتبة العلمية، المدينة المنورة، ت: السورقي، وإبراهيم حمدي.

٣٤٨- **الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري**: الكرماني، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الأولى ١٣٥٦ هـ، الثانية ١٤٠١ هـ

٣٤٩- **الْكُنَى وَالْأَسْمَاءُ**: الدُّولابي، دار ابن حزم، بيروت، الأولى، ١٤٢١ هـ، ت: الفاريابي.

٣٥٠- **الكنى والأسماء**: مسلم بن الحجاج، الجامعة الإسلامية بالمدينة، الأولى، ١٤٠٤ هـ، ت: القشقري.

٣٥١- **كنز العمال:** المتقي الهندي، مؤسسة الرسالة، الطبعة الخامسة، ١٤٠١ هـ، ت: بكري، والسقا.
٣٥٢- **اللآلئ المصنوعة:** السيوطي، دار الكتب العلمية، بيروت، الأولى، ١٤١٧ هـ، ت: عويضة.
٣٥٣ - **اللباب في تهذيب الأنساب:** أبو الحسن عز الدين علي بن أبي الكرم، دار صادر.
٣٥٤- **لسان العرب:** ابن منظور، دار صادر، الطبعة الثالثة، ١٤١٤ هـ
٣٥٥- **لسان الميزان:** ابن حجر، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، الثالثة، ١٤٠٦ هـ
٣٥٦- **الْمُؤْتَلِفُ وَالْمُخْتَلِفُ:** الدارقطني، دار الغرب الإسلامي، الأولى، ١٤٠٦ هـ، ت: موفق.
٣٥٧- **الْمُؤْتَلِفُ وَالْمُخْتَلِفُ:** عبد الغني الأزدي، دار الغرب الإسلامي، الأولى، ١٤٢٨ هـ
٣٥٨- **الْمُؤْتَلِفُ وَالْمُخْتَلِفُ فِي أَسْمَاءِ الشُّعَرَاءِ:** أبو القاسم الحسن بن بشر الآمدي، دار الجيل، بيروت، الأولى، ١٤١١ هـ، ت: ف كرنكو.
٣٥٩- **الْمُتَّفِقُ وَالْمُفْتَرِقُ:** الخطيب، دار القادري، دمشق، الأولى، ١٤١٧ هـ، ت: محمد الحامدي.
٣٦٠- **المجالسة وجواهر العلم:** أبو بكر أحمد بن مروان الدينوري المالكي، جمعية التربية الإسلامية، البحرين، دار ابن حزم، بيروت، ت: مشهور بن خسن آل سلمان.
٣٦١- **المجروحين:** ابن حبان، دار الوعي، حلب، الأولى، ١٣٩٦ هـ، ت: محمود إبراهيم.
٣٦٢- **مجلس من أمالي ابن الأنباري:** دار البشائر، الأولى ١٩٩٤ م، ت: إبراهيم صالح.
٣٦٣- **مجمع الأمثال:** الميداني، دار المعرفة، بيروت، ت: محمد محيي الدين عبد الحميد.
٣٦٤- **مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار:** الفتنِي، دائرة المعارف العثمانية، الثالثة، ١٣٨٧ هـ
٣٦٥- **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:** الهيثمي، دار الفكر، بيروت، ١٤١٤ هـ، ت: عبد الله محمد الدرويش.

٣٦٦- **المجمع المؤسس للمعجم المفهرس**: ابن حجر، دار المعرفة، الأولى، ١٤١٣ هـ، ت: المرعشلي.

٣٦٧- **مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة**: حميد الله، دار النفائس، السادسة.

٣٦٨- **مجموع الفتاوى**: ابن تيمية، مجمع الملك فهد، ١٤٢٥ هـ، ت: عبد الرحمن بن قاسم.

٣٦٩- **مجموع فيه مصنفات أبي جعفر ابن البَخْتَرِي**: دار البشائر الإسلامية، بيروت، الأولى، ت: نبيل جرار.

٣٧٠- **مجموع فيه مصنفات أبي العباس الأصم وإسماعيل الصفار**: دار البشائر الإسلامية، الأولى، ت: جرار.

٣٧١- **المحبر**: ابن حبيب، دار الآفاق الجديدة، بيروت، ت: إيلزة ليختن شتيتر.

٣٧٢- **المحتضرين**: ابن أبي الدنيا، دار ابن حزم، بيروت، الأولى، ت: محمد خير رمضان.

٣٧٣- **المحدث الفاصل**: الرامهرمزي، دار الفكر، الثالثة، ١٤٠٤ هـ، ت: محمد عجاج الخطيب.

٣٧٤- **المحلى بالآثار**: ابن حزم، دار الفكر، بيروت.

٣٧٥- **المحن**: أبو العرب، دار العلوم، الرياض، الأولى ١٤٠٤ هـ، ت: عمر العقيلي.

٣٧٦- **مختصر تاريخ دمشق**: ابن منظور، دار الفكر، الأولى، ١٤٠٢ هـ، ت: روحية وآخرون.

٣٧٧- **مختصر التحفة الاثني عشرية**: الألوسي، المطبعة السلفية، القاهرة، ت: المحب الخطيب.

٣٧٨- **مختصر زوائد مسند البزار**: ابن حجر، مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت، الأولى، ١٤١٢ هـ، ت: صبري أبو ذر.

٣٧٩- **مختصر قيام الليل وقيام رمضان وكتاب الوتر للمروزي**: اختصره: المقريزي، حديث أكادمي، باكستان.

٣٨٠- **المرأة في ظل الإسلام**: مريم نور الدين فضل الله، دار الزهراء، بيروت.

٣٨١- **المراسيل**: ابن أبي حاتم، مؤسسة الرسالة، بيروت، الأولى، ١٣٩٧ هـ، ت: شكر الله قوجاني.

٣٨٢- **مروج الذهب**: المسعودي، المكتبة العصرية، بيروت، الأولى، ١٤٢٥ هـ، اعتناء: كمال مرعي.

٣٨٣- **مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري**: يحيى بن إبراهيم اليحيى، دار العاصمة.

٣٨٤- **مرويات خلافة معاوية ﷺ في تاريخ الطبري**: خالد الغيث، دار الأندلس الخضراء.

٣٨٥- **مرويات السيرة النبوية**: أكرم ضياء العُمري، مجمع الملك فهد.

٣٨٦- **مسائل أحمد بن حنبل، رواية عبد الله**: المكتب الإسلامي، الأولى، ت: زهير الشاويش.

٣٨٧- **مسائل الإمام أحمد بن حنبل رواية إسحاق بن إبراهيم بن هانئ النيسابوري**: المكتب الإسلامي، ١٤٠٠ هـ، ت: زهير الشاويش.

٣٨٨- **مسائل الإمام أحمد بن حنبل وإسحاق بن راهويه، رواية إسحاق بن منصور الكوسج**: دار الهجرة للنشر والتوزيع، الثقبة، الرياض، الأولى، ١٤٢٥ هـ، ت: خالد الرباط وئام الحوشي - جمعة فتحي.

٣٨٩- **المسالك والممالك**: الإصطخري، دار صادر، بيروت، ٢٠٠٤ م

٣٩٠- **مستدركات علم الرجال**: النمازي الشاهرودي، حيدري، تهران، الأولى، ١٤١٥ هـ

٣٩١- **المستدرك على الصحيحين**: الحاكم، دار الكتب العلمية، الأولى، ت: مصطفى.

٣٩٢- **المستفاد من ذيل تاريخ بغداد**: الدمياطي، دار الكتاب العربي، ت: قيصر أبو فرح.

٣٩٣- **المستقصى في أمثال العرب**: الزمخشري، دار الكتب العلمية، بيروت، الثانية، ١٩٨٧م

٣٩٤- **مسند أبي داود الطيالسي**: دار هجر، مصر، الأولى، ١٤١٩ هـ، ت: محمد التركي.

٣٩٥- **مسند أبي يعلى**: دار المأمون للتراث، دمشق، الثانية، ١٤١٠ هـ، ت: حسين أسد.

٣٩٦- **مسند أحمد بن حنبل**: الرسالة، الأولى، ١٤٢١ هـ- ٢٠٠١ م، ت: شعيب وآخرون.

٣٩٧- **مسند البزار**: مكتبة العلوم والحكم، المدينة، الأولى، ١٤٢٤ هـ، ت: عادل بن سعد.

٣٩٨- **مُسْنَدُ السرَّاج**: أبو العباس السرّاج، إدارة العلوم الأثرية، فيصل آباد، ت: إرشاد الحق.

٣٩٩- **مسند الشاميين**: الطبراني، مؤسسة الرسالة، الأولى، ١٤٠٥ هـ، ت: حمدي السلفي.

٤٠٠- **مسند علي بن الجَعْدِ (الجَعْدِيَّات)**: جمعه أبو القاسم البغوي، مؤسسة نادر، بيروت، الأولى، ١٤١٠ هـ، ت: عامر أحمد حيدر.

٤٠١- **مسند عمر بن الخطاب** ﷺ: يعقوب بن شيبة، دار الغرباء، الرياض، الأولى، ١٤٢٣ هـ، ت: علي الصياح.

٤٠٢- **مشاهير عُلَمَاءِ الأمصار**: ابن حِبَّان، دار الوفاء، المنصورة، الأولى، ت: مرزوق علي.

٤٠٣- **المشتبه في الرجال أسمائهم وأنسابهم**: الذَّهَبِيُّ، دار إحياء الكتب العربية، الأولى.

٤٠٤- **مشكاة المصابيح**: التبريزي، المكتب الإسلامي، بيروت، الثالثة، ١٩٨٥م، ت: الألباني.

٤٠٥- **المشيخة**: لابن الآبنوسي، جامعة الملك سعود، الأولى، ت: خليل حسن حمادة.

٤٠٦- **مشيخة يعقوب بن سفيان**: دار العاصمة، الرياض، الأولى، ١٣٣١ هـ، ت: السريع.

٤٠٧- **مصنف ابن أبي شيبة**: دار القبلة، جدة، علوم القرآن، دمشق، الأولى، ت: عوامة.

٤٠٨- **مصنف عبد الرزاق**: المكتب الإسلامي، الثانية، ١٤٠٣ هـ، ت: حبيب الرحمن الأعظمي.

٤٠٩- **المطالب العالية**: ابن حجر، دار العاصمة، الأولى، ١٤١٩ هـ، تنسيق: سعد الشثري.

٤١٠- **المعالم الأثيرة في السنة والسيرة**: محمد حسن شراب، دار القلم، دمشق، الأولى، ١٤١١ هـ

٤١١- **معجم ابن الأعرابي**: دار ابن الجوزي، الدمام، الأولى، ١٤١٨ هـ، ت: عبد المحسن.

٤١٢- **المعجم ابن المقرئ**: مكتبة الرشد، الأولى، ١٤١٩ هـ، ت: عادل بن سعد.

٤١٣- **معجم الأدباء**: ياقوت الحموي، دار الغرب الإسلامي، بيروت، الأولى، ١٤١٤ هـ، ت: إحسان عباس.

٤١٤- **المعجم الأوسط**: الطبراني، دار الحرمين، القاهرة، ١٤١٥ هـ، ت: طارق عوض الله.

٤١٥- **معجم البلدان**: ياقوت الحموي، إحياء التراث العربي، بيروت، ١٣٩٩ هـ

٤١٦- **مُعْجَمُ الجَرْح والتعديل لرجال السنن الكبرى**: نجم عبد الرحمن خلف، دار الراية، الأولى.

٤١٧- **معجم رجال الحديث**: أبو القاسم الخوئي، نشر الثقافة الإسلامية، الخامسة، ١٤١٣ هـ

٤١٨- **معجم الشيوخ**: ابن جميع الصيداوي، مؤسسة الرسالة، دار الإيمان، الأولى، ١٤٠٥ هـ، ت: عمر تدمري

٤١٩- **معجم شيوخ الطبري الذين روى عنهم في كتبه المسندة المطبوعة**: أكرم بن محمد زيادة الفالوجي، الدار الأثرية، الأردن، دار ابن عفان، القاهرة، الأولى، ١٤٢٦هـ

٤٢٠- **معجم الصحابة**: ابن قانع، مكتبة الغرباء الأثرية، المدينة، الأولى، ١٤١٨ هـ، ت: المصراتي.

٤٢١- **معجم الصحابة**: البغوي، دار البيان، الكويت، الأولى، ١٤٢١ هـ، ت: الجكني.

٤٢٢- **المعجم الصغير لرواة ابن جرير**: أكرم بن محمد زيادة الأثري، الدار الأثرية، الأردن.

٤٢٣- **المعجم الصغير**: الطبراني، المكتب الإسلامي، الأولى، ١٤٠٥ هـ، ت: أمرير.

٤٢٤- **المعجم الكبير**: الطبراني، مكتبة العلوم والحكم، الموصل، الثانية، ت: حمدي السلفي.

٤٢٥- **معجم اللغة العربية المعاصرة**: أحمد مختار عبد الحميد عمر، عالم الكتب، الأولى، ١٤٢٩ هـ

٤٢٦- **المعجم المختص بالمحدثين**: الذهبي، مكتبة الصديق الطائف، الأولى، ١٤٠٨ هـ، ت: محمد الهيلة.

٤٢٧- **معجم المؤلفين**: عمر رضا كحالة، (١٤٠٨ هـ) مكتبة المثنى، بيروت.

٤٢٨- **مُعْجَمُ الْمَعَالِمِ الْجُغْرَافِيَّةِ فِي السِّيرَةِ النَّبَوِيَّةِ**: عاتق البلادي، دار مكة، مكة، الأولى، ١٤٠٢ هـ

٤٢٩- **المعجم المفهرس**: ابن حجر، الرسالة، الأولى، ١٤١٨ هـ، ت: محمد شكور الميادينى.

٤٣٠- **معجم مقاييس اللغة**: أحمد بن فارس، دار الفكر، ١٣٩٩ هـ، ت: عبد السلام هارون.

٤٣١- **المعجم الوسيط**: مجمع اللغة العربية بالقاهرة، دار الدعوة.

٤٣٢- **مَعْرِفَةُ التَّابِعِينَ مِنَ الثِّقَاتِ لِابْنِ حِبَّانَ**: الذَّهَبِيُّ، أضواء السلف، الأولى، ت: السني.

٤٣٣- **معرفة السنن والآثار**: البيهقي، جامعة الدراسات الإسلامية، كراتشي، الأولى، ت: قلعجي.

٤٣٤- **معرفة الصحابة**: أبو نعيم الأصبهاني، دار الوطن، الأولى، ١٤١٩ هـ، ت: العزازي.

٤٣٥- **معرفة الصحابة**: ابن منده، جامعة الإمارات، الأولى، ١٤٢٦ هـ، ت: عامر صبري.

٤٣٦- **معرفة القراء الكبار**: الذهبي، الرسالة، الأولى، ١٤٠٤ هـ، تحقيق: شعيب وآخرون.

٤٣٧- **المعرفة والتاريخ**: يعقوب بن سفيان، الرسالة، الثانية، ١٤٠١ هـ، ت: أكرم العمري.

٤٣٨- **مكارم الأخلاق**: ابن أبي الدنيا، مكتبة القرآن، القاهرة، ت: مجدي السيد إبراهيم.

٤٣٩- **مكارم الأخلاق**: الطبراني، دار الكتب العلمية، بيروت، الأولى، ١٤٠٩ هـ، ت: أحمد شمس.

٤٤٠- **مغاني الأخيار**: العيني، دار الكتب العلمية، الأولى، ٧٢٤١ هـ، ت: محمد الشافعي.

٤٤١- **المغني**: أبو محمد مُوَفَّقُ الدِّينِ ابْنُ قُدَامَة، مكتبة القاهرة، ٨٨٣١ هـ - ٨٦٩١م

٤٤٢- **المغني في الضعفاء**: الذهبي، دار إحياء التراث الإسلامي، قطر، الأولى، ت: عتر.

٤٤٣- **المفردات في غريب القرآن**: الراغب الأصفهاني، دار القلم، الأولى، ت: الداودي.

٤٤٤- **الْمُفْهِمُ لِمَا أَشْكَلَ مِنْ تلخيص كتاب مسلم**: أبو العباس القرطبي، دار ابن كثير، الأولى.

٤٤٥- **المفيد من معجم رجال الحديث**: الجواهري، المطبعة العلمية، قم، الثانية ١٤٢٤ هـ

٤٤٦- **مَقَاتِلُ الطَّالِبِيِّينَ**: أبو الفرج الأصبهاني، دار المعرفة، ت: أحمد صقر.

٤٤٧- **مقالات الإسلاميين**: أبو الحسن الأشعري، المكتبة العصرية، بيروت، الأولى ت: زرزور.

٤٤٨- **مقالات الألباني**: جَمَعَهَا نُورُ الدين طالب، دار أطلس، الرياض، الثانية، ١٤٢٢ هـ

٤٤٩- **مقتل أمير المؤمنين علي بن أبي طالب**: ابن أبي الدنيا، دار البشائر، دمشق، الأولى، ١٤٤٢ هـ، ت: إبراهيم صالح.

٤٥٠- **الْمُقْتَنَى فِي سَرْدِ الْكُنَى**: الذَّهَبِيُّ، دار الكتب العلمية، الأولى، ١٤١٨ هـ، ت: شعبان.

٤٥١- **مقدمة ابن الصلاح ومحاسن الإصلاح**: لابن الصلاح، وللسراج البلقيني، دار المعارف، القاهرة، ت: بنت الشاطئ.

٤٥٢- **الْمُقَدِّمَةُ الزَّهْرا**: الذَّهَبِيُّ، دار الفرقان، القاهرة، الأولى، ١٤٢٩ هـ، ت: علي رضا.

٤٥٣- **المقصد العلى في زوائد أبي يعلى الموصلي**: الهيثمي، دار الكتب العلمية، ت: كسروي.

٤٥٤- **الملل والنحل**: الشهرستاني، دار المعرفة، ١٤٠٤ هـ، ت: محمد سيد كيلاني.

٤٥٥- **مناقب الإمام أحمد بن حنبل**: ابن الجوزي، دار هجر، الثانية، ١٤٠٩ هـ، ت: عبد الله التركي.

٤٥٦- **مناقب أمير المؤمنين علي** رضي الله عنه: ابن المغازلي، دار الآثار، صنعاء، الأولى، ت: تركي الوادعي.

٤٥٧- **الْمَنَامَاتُ**: ابن أبي الدُّنيا، مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت، الأولى، ت: عطا.

٤٥٨- **المنتخب من ذيل المذيل**: أبو جعفر محمد بن جرير الطبري، مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت.

٤٥٩- **المنتخب من علل الخلال:** موفق الدين ابن قدامة، دار الراية، الرياض، ١٤١٩ هـ، ت: طارق عوض الله.

٤٦٠- **المنتخب من كتاب السياق لتاريخ نيسابور:** الصَّرِيفِينِي، دار الفكر، ١٤١٤ هـ، ت: خالد حيدر.

٤٦١- **المنتظم:** ابن الجوزي، دار الكتب العلمية، الأولى، ١٤١٢ هـ، ت: عطا.

٤٦٢- **مَنْ تكلم فيه الدارقطني في كتاب السنن:** ابن زريق، الأوقاف القطرية، الأولى، ١٤٢٨ هـ

٤٦٣- **منهاج السنة النبوية:** ابن تيمية، جامعة الإمام، الأولى، ١٤٠٦ هـ، ت: محمد رشاد.

٤٦٤- **المنهاج شرح صحيح مسلم:** النووي، إحياء التراث العربي، الثانية، ١٣٩٢ هـ

٤٦٥- **المنهج الفائق والمنهل الرائق:** أبو العباس أحمد بن يحي الونشريسي المالكي، دار البحوث للدراسات الإسلامية وإحياء التراث، دبي، الأولى، ١٤٢٦ هـ، ت: عبد الرحمن الأطرم.

٤٦٦- **موارد ابن عساكر في تاريخ دمشق:** الدعجاني، الجامعة الإسلامية بالمدينة، الأولى، ١٤٢٥ هـ

٤٦٧- **موارد الخطيب البغدادي في تاريخ بغداد:** دار طيبة، الرياض، الثانية، ١٤٠٥ هـ

٤٦٨- **موسوعة الإمام الألباني:** صنعه: شادي آل نعمان، مكتبة ابن عباس، المنصورة، مصر، الأولى، ١٣٤١ هـ

٤٦٩- **الموسوعة العربية العالمية:** مؤسسة أعمال الموسوعة للنشر والتوزيع، الرياض، الثانية، ١٤١٩ هـ

٤٧٠- **الموسوعة الفقهية الكويتية:** وزارة الأوقاف الكويتية، (من ١٤٠٤ هـ - ١٤٢٧ هـ)

٤٧١- **الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة:** دار الندوة العالمية للشباب الإسلامي، الرابعة ١٤٢٠ هـ، إشراف: دمانع بن حماد الجهني.

٤٧٢- **موضح أوهام الجمع والتفريق:** الخطيب البغدادي، دار المعرفة، الأولى، ١٤٠٧ هـ، ت: قلعجي.

٤٧٣- **الموضوعات**: ابن الجوزي، المكتبة السلفية بالمدينة، الأولى، ١٣٨٦ هـ

٤٧٤- **موطأ مالك برواية محمد بن الحسن الشيباني**: المكتبة العلمية، الثانية، ت: عبد الوهاب عبد اللطيف.

٤٧٥- **ميزان الاعتدال**: الذهبي، دار المعرفة، الأولى، ١٣٨٢ هـ، ت: علي محمد البجاوي.

٤٧٦- **الميسر في شرح مصابيح السنة**: التوربشتي، مكتبة نزار مصطفى الباز، السعودية، الثانية، ١٤٢٩ هـ، ت: هنداوي.

٤٧٧- **نثل النبال بمعجم الرجال الذين ترجم لهم الشيخ أبو إسحاق الحويني**: الوكيل، دار ابن عباس، الأولى، ١٤٣٣ هـ

٤٧٨- **النجوم الزاهرة في ملوك مصر والقاهرة**: يوسف بن تغري بردي، وزارة الثقافة والإرشاد القومي، دار الكتب مصر.

٤٧٩- **النحو الوافي**: عباس حسن، دار المعارف، الطبعة الخامسة عشر.

٤٨٠- **نزهة السامعين في رواية الصحابة عن التابعين**: ابن حجر العسقلاني، دار الهجرة للنشر والتوزيع، الرياض، الأولى، ١٤١٥ هـ، ت: طارق محمد العمودي.

٤٨١- **نسب معد واليمن الكبير**: هشام الكلبي، عالم الكتب، مكتبة النهضة العربية، بيروت، الأولى، ١٤٠٨ هـ، ت: ناجي حسن.

٤٨٢- **نسخة أبي مشهرٍ وغيره**: دار الصحابة للتراث، طنطا، الأولى، ١٤١٠ هـ، ت: مجدي فتحي السيد.

٤٨٣- **نظم المتناثر من الحديث المتواتر**: الكتاني، دار الكتب السلفية، مصر، الطبعة الثانية.

٤٨٤- **النكت على مقدمة ابن الصلاح**: الزركشي، أضواء السلف، الرياض، الأولى، ١٤١٩ هـ، زين العابدين فريج.

٤٨٥- **نهاية الأرب في فنون الأدب**: النويري، دار الكتب والوثائق القومية، القاهرة، الأولى، ١٤٢٣ هـ

٤٨٦- **نهاية الاغتباط بمن رمي من الرواة بالاختلاط**: علاء الدين علي رضا، دار الحديث، القاهرة، الأولى، ١٩٨٨ هـ

٤٨٧- **النهاية في غريب الحديث والأثر**: ابن الأثير، المكتبة العلمية، ١٣٩٩ هـ، ت: الزاوي والطناحي.

٤٨٨- **نهج البلاغة**: الشريف الرضي، دار المعرفة، بيروت، شرح محمد عبده.

٤٨٩- **الهداية والإرشاد**: الكلاباذي، دار المعرفة، الأولى، ١٤٠٧ هـ، ت: عبد الله الليثي.

٤٩٠- **هدية العارفين أسماء المؤلفين وآثار المصنفين**: البباني، وكالة المعارف الجليلة، استنبول، ١٩٥١م.

٤٩١- **هَدْي السَّارِي مقدمة فتح الباري**: ابن حجر، المكتبة السلفية، ت: محب الدين الخطيب.

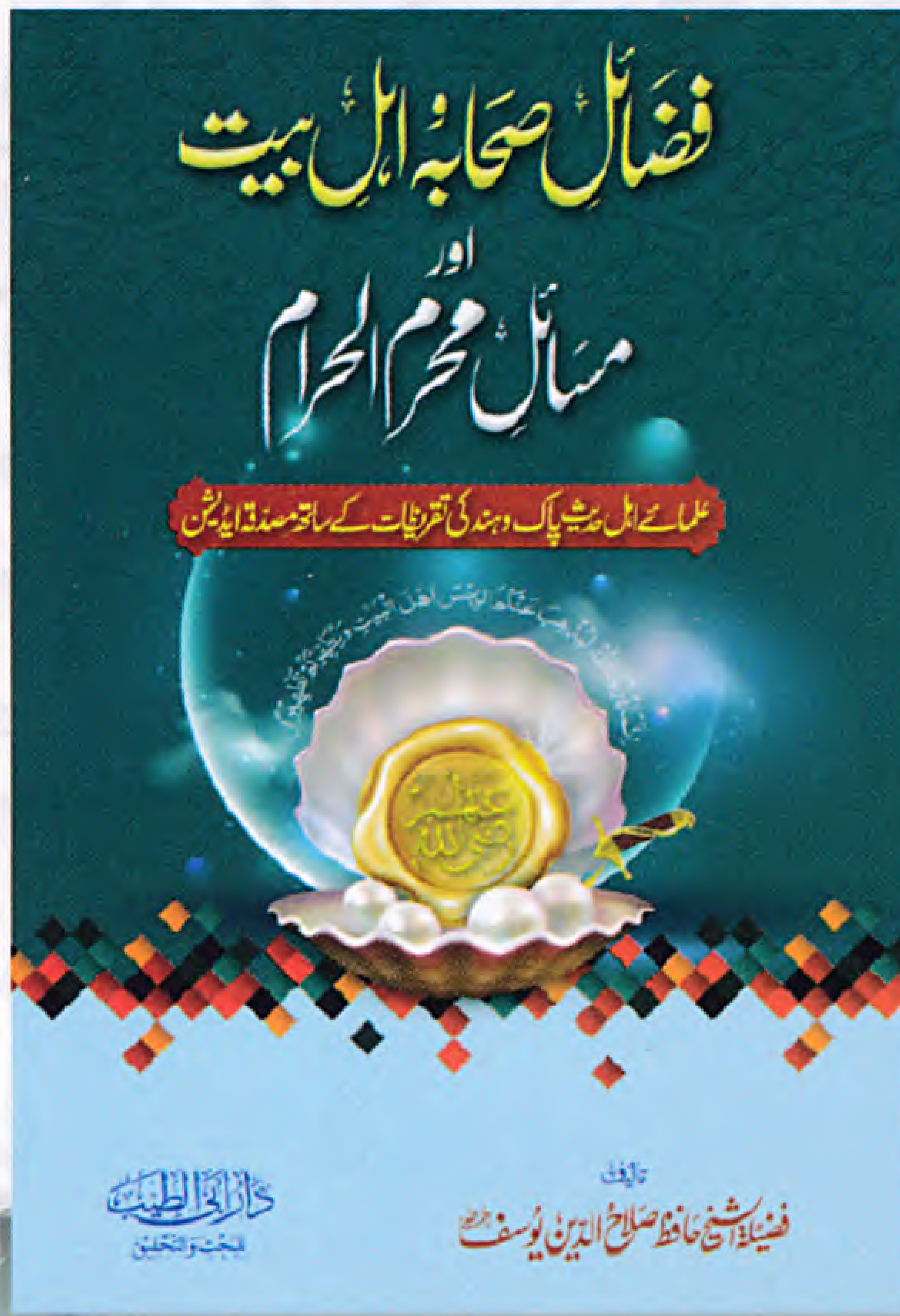
٤٩٢- **الوافي بالوفيات**: الصفدي، دار إحياء التراث، ١٤٢٠ هـ، ت: أحمد الأرناؤوط.

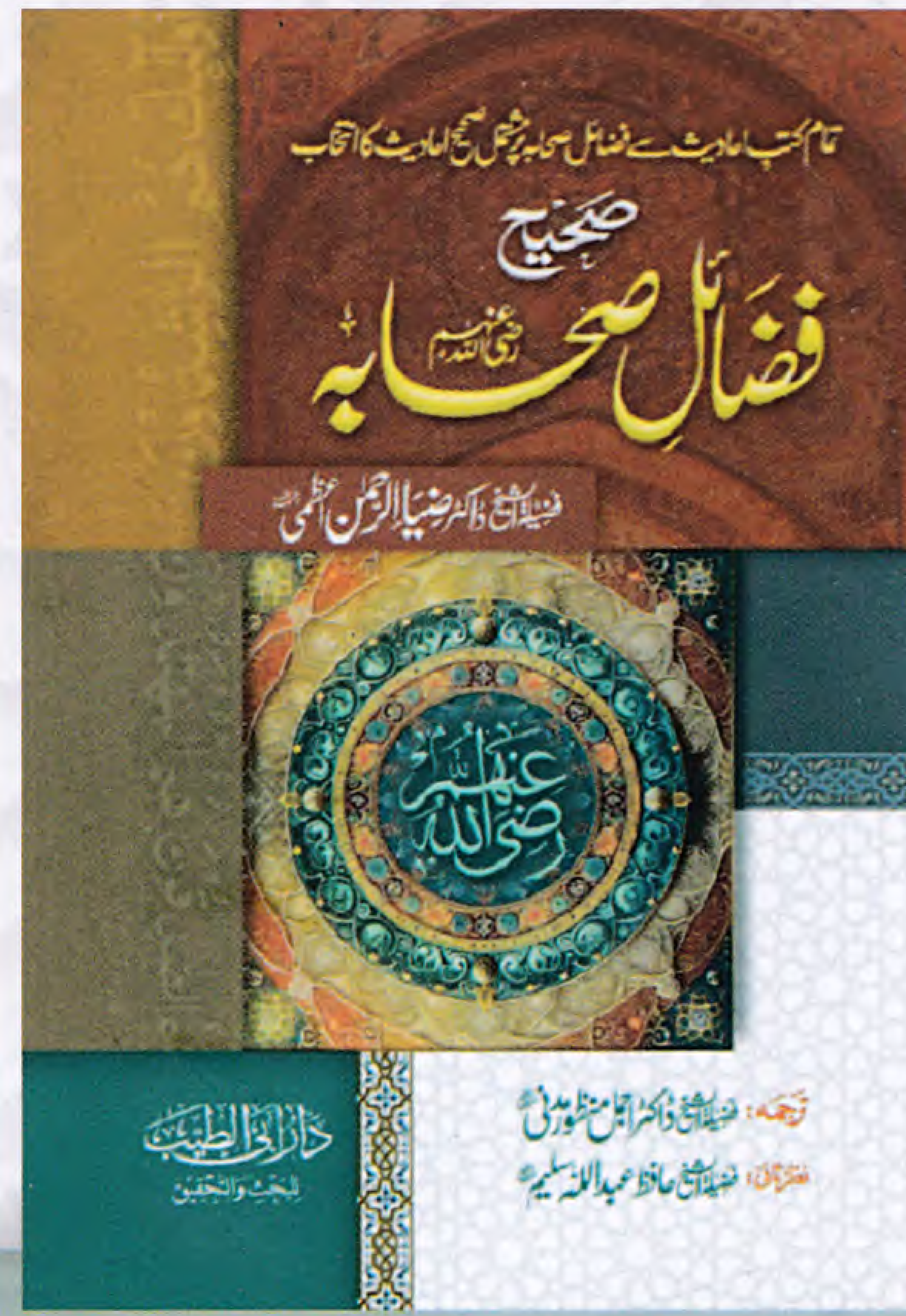
٤٩٣- **وصايا العلماء عند حضور الموت**: ابن زبر، دار ابن كثير، دمشق، الأولى، ت: الخيمي وعبد القادر الأرناؤوط.

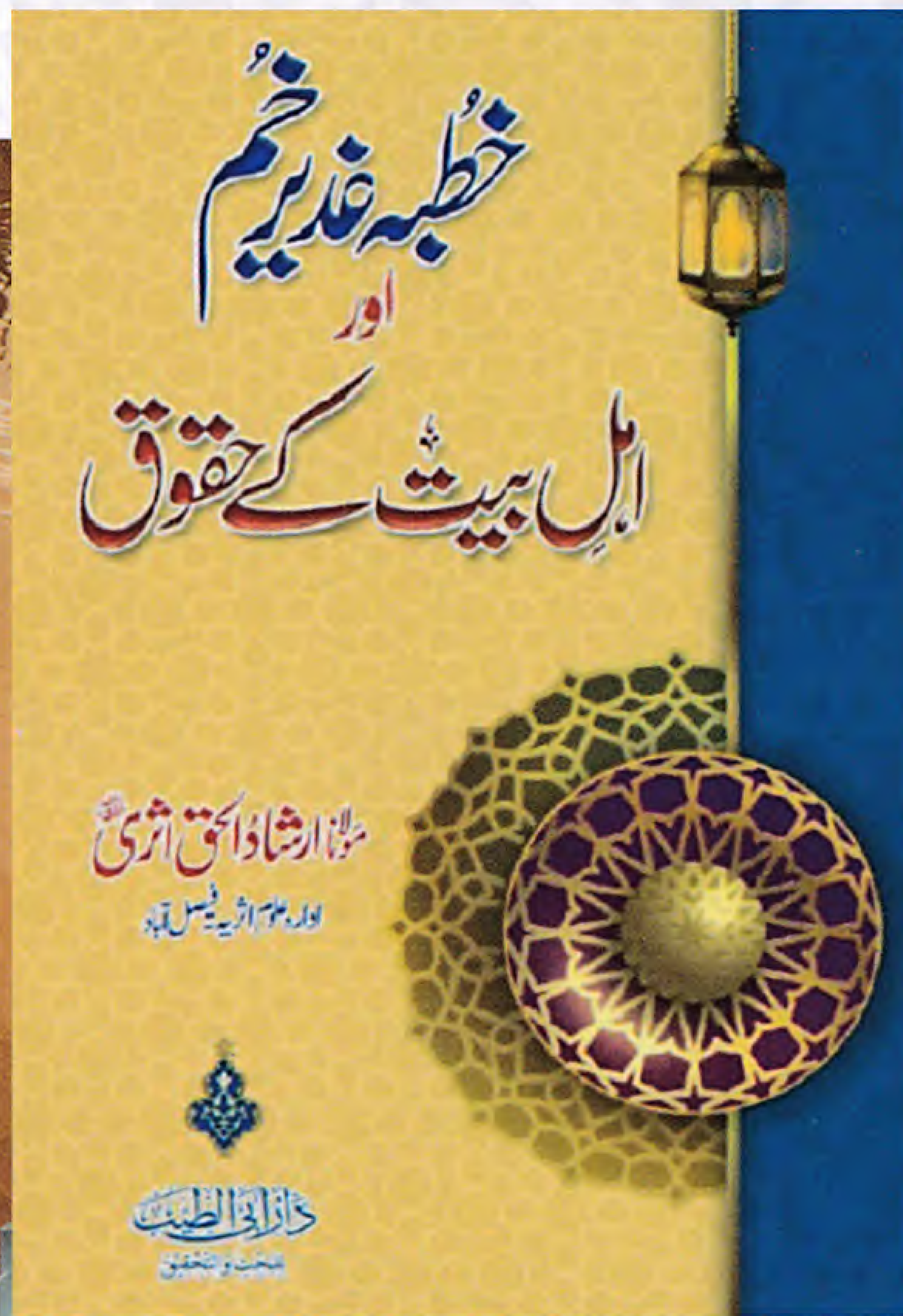
٤٩٤ - **وفيات الأعيان**: ابن خلكان، دار صادر، الأولى ، ١٩٩٤م، ت: إحسان عباس.

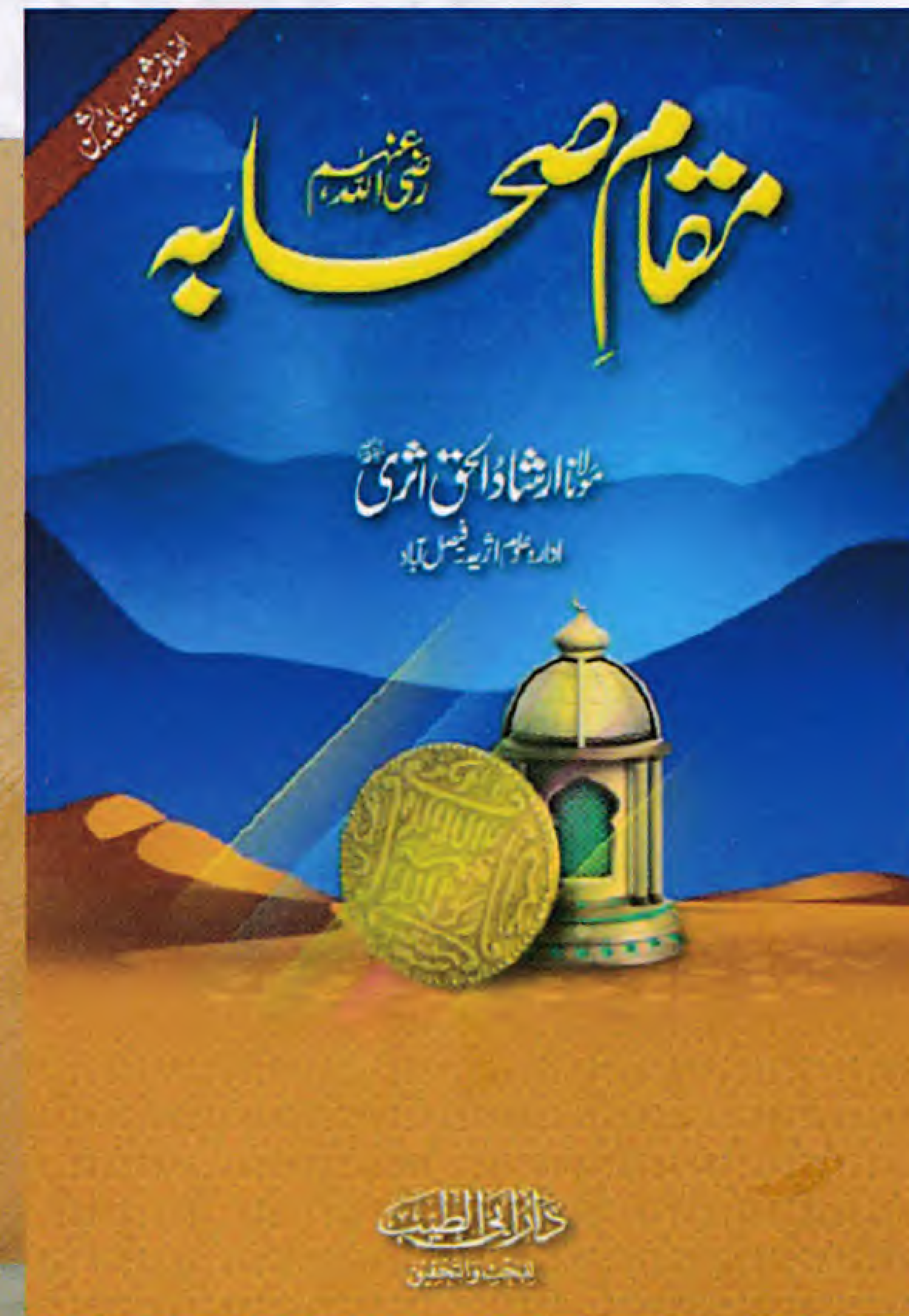
٤٩٥- **وَقْعَةُ صِفِّينَ**: نَصْرُ بْنُ مُزَاحِم، المؤسسة العربية الحديثة، الثانية، ت: عبد السلام هارون.

......⊙❀⊙......

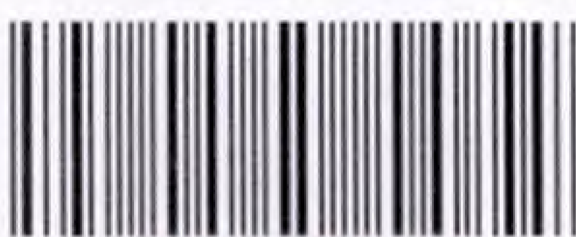








دار ابی الطیب
للبحث والتحقیق



90113001

Street no: 5, Hameed Colony, Gill Road, Gujranwala
+92-340-6671335 darabitayyab1@gmail.com
fb/darabitayyab www.darabitayyab.com